قال اللہ تعالیٰ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا وما یذکر الا اولوا الالباب

جس کو فلسفہ احکام اسلام کی دانائی دی گئی اسکو بہت خیر و برکت ملی ۔ اور یہ بات عقل والے ہی سمجھتے ہیں

اسرار شریعت

جلد دوم

جس میں مندرجہ ذیل دس کتابیں شامل ہیں۔ یعنے کتاب صوم۔ کتاب حج۔ کتاب نکاح۔ کتاب الرق۔ کتاب البیوع۔ کتاب [illegible] کتاب الجنایات والحدود۔ کتاب الجہاد۔ وکتاب المیراث کے جملہ احکام کے اسرار و فلاسفیاں درج ہیں یعنے کتاب فلسفہ اسلام کی حق

فہرست مضامین جلد دوم جو اس سلسلہ کی آخری زبردست و بے نظیر کتاب ہے اس کتاب کے آخری اوراق میں ملاحظہ فرمائیں ؛

کتاب اسرار شریعت ہر سہ جلد کے لئے مدام پتہ ذیل پر درخواست کرو۔

اور

درخواست میں اپنا اور اپنے گاؤں وڈاکخانہ و ضلع کا نام صحیح وصاف لکھو ؛

مولفہ مولوی محمد فضل خان ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجرخان ضلع راولپنڈی (پنجاب)

قیمت فی جلد دوم دو روپیہ

ہمارے واجب العزت علمائے اسلام غور سے پڑہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلے علیٰ رسولہ الکریم ۔ و علیٰ آلہ و صحابہ مع التسلیم

اما بعد چونکہ کتاب اسرار شریعت جلد سوم میں اسلامی اعتقادی شریعت کی فلاسفیوں و حقائق وجوہات مخالفین اسلام کے علاوہ جملہ اسلامی فرقوں کی آپس کے فروعی و جزوی اختلافات پر مناظرات اور پھر آخر محاکموں کے فیصلے بھی درج ہونگے لہذا اہل علم اصحاب کے لئے یہ موقعہ ہے کہ جلد سوم جو تحت الطبع ہے جسکی فہرست مضامین اس کتاب کے آخر ملحق ہے اسکے کسی مضمون کے متعلق اہل اسلام کے کسی فرقہ کے پیرو حنفی ۔ شافعی ۔ مالکی ۔ حنبلی ۔ اہل حدیث ۔ اہل قرآن چکڑالوی ۔ نیچری ۔ اہل اعتزال احمدی ۔ اثنا عشری المعروف اہل تشیع وغیرہ میں سے کسی صاحب کو اگر کوئی سوال کرنا ہو تو ان ایام دوران طبع کتاب میں اپنا سوال سلیس اردو زبان میں مگر نہایت مختصر لکھکر خاکسار کو بھیجدیں سوال مع جواب چھاپ دیا جائیگا ۔ مگر اس میں یہ شرط ہے کہ جو مضمون ایک صفحہ تک ہو اوسکے چھاپنے کا خرچ کم از کم دو روپیہ ساتھ آنا چاہئے تاکہ اوسکو کتاب کے ساتھ بلا کر چھاپا جاوے ورنہ معذور سمجھو ۔ ہر صفحہ کا بمقدار کتاب اسرار شریعت کے صفحہ کے برابر جانو ۔ اور اس امر کے لیئے دوسری یہ شرط ہے کہ چونکہ آجکل گورنمنٹ ہند سنہ الشمس امور بیجے فساد و فتنہ انگیز کتابوں و اخبارات کی گرفت کر رہی ہے اسلئے مضمون میں کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہئے جو کسی مذہبی فرقہ کی دل شکنی اور گورنمنٹ ہند کی رنجش کا باعث ہو بلکہ مہذبانہ طریق کے ساتھ صاف و سیدھے الفاظ میں بحوالہ قرآن کریم و احادیث نبویہ مع دلائل عقلیہ اظہار حق ہو ۔

راقم خاکسار

محمد فضل ڈاکخانہ چنگا بنگیال ۔ تحصیل گوجر خان

ضلع راولپنڈی (پنجاب)

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ

فہرست مضامین

کتاب اسرار شریعت

(جلد دوم)

جملہ اہل اسلام کو بشارت ہو کہ کتاب اسرار شریعت جلد دوم بھی چھپکر شائع ہو گئی ہے ۔ یہ اس سلسلہ کی زبردست اور قابل قدر کتاب ہے ۔ یقیہ صفحات صرف جلد دوم کی یہ مختصری فہرست مضامین ہے ۔ اسکو ہرگز ضائع نہ کرو ۔ بلکہ پتہ ذیل پر ایک کارڈ لکھکر بذریعہ وی پی پیکٹ کتاب منگواؤ اگر اسکو اصل کتاب کے ساتھ شامل کر لو ۔ شریعت اسلام کے جس مسئلہ بعید فہرست ہذا کی حقیقت و فلاسفی اور وجہ آپ کو معلوم کرنی ہو وہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب سے معلوم ہو سکے گی ۔ اس میں مندرجہ ذیل دس کتابیں ترتیب وار شامل ہیں :۔ کتاب الصوم ۔ کتاب الحج ۔ کتاب النکاح ۔ کتاب الرق ۔ کتاب البیوع ۔ کتاب الاکل والشرب ۔ کتاب الجنایات و الحدود ۔ کتاب الجہاد ۔ و کتاب المیراث کے جملہ احکام کے اسرار و فلاسفیاں اردو زبان میں درج ہیں اور کتاب فلسفۃ الاسلام بھی شامل ہے ۔

اگر آپ اس ساری فہرست کو پڑہوگے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کوئی اسلامی کتب خانہ اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہیئے اور کوئی اردو خوان مسلمان اس کتاب کے خریدنے میں دریغ نہ کرے ۔ یہ کتاب جملہ اہل اسلام کے لئے آہنی لباس اور حصن حصین ہے ۔ کہ جو اسکو ایک بار غور سے پڑھ لیں اون پر کسی مخالف کا تیر کارگر نہ ہوگا ۔ اور اسلام کے مخالفوں کے لئے ادبی ورانہا ہے کہ جو اسکو بنظر غور و انصاف ایک بار پڑھ لیں مجھے قوی امید ہے کہ وہ مسلمان ہوئے بغیر نہ رہینگے ۔ الغرض میں بلا مبالغہ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص جملہ اسلامی احکام کی حقیقتوں و اسرار فلاسفیت سے واقف ہونا چاہیں وہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں ۔ اس کتاب کی زبان باوجود اردو ہونے کے اسکی قبولیت عام کے شہرہ نے جلد اول کو اکثر بلاد ہند کے علما و رؤسا کے علاوہ علمائے مکہ معظمہ و عدن و مسقط ملک عرب و مشہد مقدس ملک ایران و قاہرہ ملک مصر تک پہونچا دیا ہے ۔

ضخامت جلد دوم ہونے پانچسو صفحہ ۔ عمدہ ڈمی سفید کاغذ پر چھپی ہے ۔ درخواست میں اپنا اور اپنے گاؤں و ڈاکخانہ و ضلع کا نام صحیح و صاف لکھو ۔

قیمت جلد دوم ... دو روپیہ (عمار) ۔ محصولڈاک ۹ ؍

ہمیشہ کتاب اسرار شریعت کے لئے پتہ ذیل پر درخواست کرو :۔

مولوی محمد فضل خان بمقام ڈاکخانہ چنگا بنگیال ۔ تحصیل گوجر خان

ضلع راولپنڈی (پنجاب)

اسرار شریعت جلد سوم جو کہ اس سلسلہ کی آخری بے نظیر کتاب ہے ۔ تحت جرم ہے ۔ اسرار شریعت جلد اول قیمت عمر ضخامت ۔ ۸۰۰ صفحے

مولفہ خاکسار محمد فضل۔ مقام چنگا بنگیال تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی
Mhd. Fazl. P.O. Changa Bangial via Gujar Khan
Distt. Rawalpindi
Punjab

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب الصَّوم

معنے لفظ صوم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھتَدِیَ لَولَا اَن ھَدٰنَا اللّٰہُ ط وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہٖ مُحَمَّدِنِ المُصطَفٰی وَاَحمَدَنِ المُجتَبٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَجَمِیعِ خُلَفَآئِہِ الرَّاشِدِینَ **اَمَّا بَعد**۔ واضح ہو کہ **صوم** عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے اردو زبان میں رکنے۔ ترک کرنے خاموش ہونے۔ بندش اور قائم ہونے کے ہیں۔ (لسان العرب)

اور اصطلاح شریعت کی اصطلاح میں بہنیت عبادت الٰہی کھانے۔ پینے۔ جماع ترک کرنے کو عربی زبان میں **صوم**۔ اور دنیا کے اہالی مختلف کی اصطلاح میں جو قدیم سے چلے آتے ہیں انکی کتابوں میں اس لفظ کے مرادف کو اردو اور فارسی میں **روزہ** اور سنسکرت میں **برت** اور انگریزی میں **فاسٹ** کہتے ہیں۔

احکام الٰہی کی وجوہات متعددہ کی وجہ

واضح ہو جیسا کہ خواص الادویہ متعدد ہوتے ہیں ایسا ہی احکام الٰہی کے خواص و اغراض اور مقاصد متعدد ہیں چنانچہ بعض مفردات سے کئی امراض کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس خدا تعالیٰ نے شریعت کے ایک حکم میں کئی حکمتیں و مقاصد مودع کئے ہیں لہٰذا اس کتاب کے ناظرین پر واضح

کہ یہ جو بعض احکام الٰہی کے تحت میں وجوات متعددہ و اغراض متفرقہ اس کتاب میں لکھے گئے ہیں ان سے یہ مراد ہے کہ یہ سب مصلحتیں و حکمتیں و مقاصد و اغراض ان احکام میں مودع ہیں۔

وجہ تسمیہ صوم

۱۔ چونکہ روزہ دار محض خدا تعالیٰ کے لئے کھانا پینا۔ جماع کرنا لازمی طور پر ترک کرتا ہے۔ اسلئے اس فعل کا نام صوم ہوا۔

۲۔ روزہ دار حتی الوسع بطور استحباب لاطائل کثرت کلامی اور درشت زبانی سے خاموشی اختیار کرتا اور اپنے تمام حرکات و خطرات و خیالات ماسوا کو چھوڑ کر خدائے واحد کی طرف اپنی توجہ کو قائم کرتا ہے۔ لہٰذا صائم کی اس قسم کی خاموشی و توجہ الی اللہ کے لحاظ سے اس فعل کا نام صوم ٹھہرا چنانچہ قرآن کریم میں حضرت مریم کے قصہ میں اس قسم کی خاموشی کو صوم سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔
فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ط
ترجمہ۔ پس تو اگر دیکھے کسی آدمی کو تو اسکو کہو کہ میں نے خدا کے لئے روزہ مانا ہے پس میں آج کسی انسان سے بات نہ کروں گی۔

ایسا ہی احادیث نبویہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روزہ صرف کھانے پینے سے علیحدہ رہنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ روزہ لغو اور بیہودہ امور سے باز رہنے کا نام بھی ہے۔ لہٰذا اگر تمکو کوئی برا کہے یا تم سے جہالت کی بات کرے تو اسکو کہدو کہ میں روزہ دار ہوں۔ ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ کے مطابق عمل کرنے کو نہ چھوڑا خدا کو اسکے کھانے پینے کے ترک کر دینے سے کچھ مطلب نہیں۔

۳۔ روزہ ساری عبادات سے درجہ میں بلندی رکھتا ہے بدیں لحاظ بھی اس فعل کا نام صوم ہوا چنانچہ حضرت ابن عربی لکھتے ہیں۔ ؎

اَلصَّوْمُ اِمْسَاكٌ بِلَا رِفْعَةٍ | وَرِفْعَةٌ مِّنْ غَیْرِ اِمْسَاكٍ
وَقَدْ یَكُوْنَانِ مَعًا عِنْدَ مَنْ | یُثْبِتُ تَوْحِیْدًا بِاِشْرَاكٍ

ترجمہ۔ یعنے صوم کے معنے روکنے کے ہیں بغیر اِ معنے بلندی کے۔ اور صوم کے معنے بلندی کے بھی ہیں بغیر معنے امساک کے۔ اور کبھی اس لفظ صوم کے معنے بلندی اور روکنا اس محقق کے نزدیک دونوں

درست ہیں جو صوم میں ان سب حقیقتوں یعنے بلندی اور روکنے کو ثابت کرتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ جو صوم کے معنے خاموشی کے بھی لکھے گئے ہیں تو ان سے مراد ہر ایک امر بالمعروف اور اچھی باتوں سے خاموشی مراد نہیں ہے۔ بلکہ لایعنی اور بیہودہ و لاطائل امور سے خاموشی مراد ہے۔ بلکہ روزہ میں مطلق خاموشی سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسند صفحہ ۲۵۴ میں حدیث ذیل اس امر کے متعلق آئی ہے۔
عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الصَّمْتِ وَصَوْمِ الْوِصَالِ۔
ترجمہ۔ یعنے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے روزۂ خاموشی اور روزہ وصال رکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر ایسا روزہ کچھ افراد اختیار کرلیں تو انکی تقلید عام ہو جائے گی۔ اور جب ایسی خاموشی کسی زمانہ میں عالمگیر ہو جاوے تو انتظام عالم میں خلل واقع ہوتا ہے اور یہ بات خدا تعالیٰ کو پسند نہیں ہے لہٰذا اس سے منع کیا گیا۔

انسان کے لئے روزہ مقرر ہونیکے وجوہات

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ اُسکے عقل کو نفس پر غلبہ و تسلط دائمی حاصل رہے۔ مگر باعث بشریت بسا اوقات نفس پر عقل غالب آجاتی ہے لہٰذا تہذیب و تزکیۂ نفس کے لئے اسلام نے روزہ کو اصول میں سے ٹھہرایا ہے۔

۱۔ روزہ سے انسان کی عقل کو نفس پر پورا پورا تسلط و غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ روزہ سے خشیت اور تقوٰی کی صفت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ط ترجمہ یعنے روزہ تمپر اسلئے مقرر ہوا کہ تم متقی بنجاؤ۔

۳۔ روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی و مسکنت اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اسکی قدرت پر نظر پڑتی ہے

۴۔ روزہ سے چشم بصیرت کھلتی ہے۔

۵۔ دور اندیشی کا خیال ترقی کرتا ہے۔

۶۔ کشف حقائق الاشیاء ہوتا ہے۔

۷۔ درندگی و بہیمیت سے دوری ہوتی ہے۔

۸۔ ملائکہ الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

۹۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی شکرگذاری کا موقعہ ملتا ہے۔

۱۰۔ انسانی ہمدردی کا دل میں ابھار پیدا ہوتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس نے بھوک وپیاس محسوس ہی نہ کی ہو وہ بھوکوں اور پیاسوں کے حال سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے اور رزاق مطلق کی نعمتوں کا شکریہ علی وجہ الحقیقت کب ادا کرسکتا ہے اگرچہ زبان سے شکر کرے مگر جب تک اُسکے معدہ میں بھوک وپیاس کا اثر اور اُسکی رگوں و پٹھوں میں ضعف و ناتوانی کا احساس نہ ہو وہ نعمائے الٰہی کا کما حقہا شکر گذار نہیں بن سکتا۔ کیونکہ جب کسیکی کوئی محبوب و مرغوب و مالوف چیز کچھ زمانہ گم ہوجاوے تو اُسکے فراق سے اُسکے دل کو اُس چیز کا قدر معلوم ہوتا ہے۔

۱۱۔ روزہ موجب صحت جسم و روح ہے چنانچہ قلت اکل و شرب اطبا نے صحت جسم کے لئے اور صوفیائے کرام نے صفائی دل کے لئے مفید لکھا ہے۔

علاوہ بریں مذکورہ روزہ انسان کے لئے ایک روحانی غذا ہے جو آئیندہ جہان میں انسان کو ایک غذا کا کام دیگا۔ جنھوں نے اس غذا کو ساتھ نہیں لیا وہ اُس جہان میں بھوکے پیاسے ہونگے اور ساتھ اُس جہان میں روحانی افلاس ظاہر ہوگا کیونکہ اُنھوں نے اپنی غذا کو ساتھ نہیں لیا۔ اور یہ بات ماننے کے لائق ہے کہ جبکہ کھانے پینے کی تمام اشیا خدا تعالیٰ ہی کے خزانہ رحمت سے انسان کو ملتی ہیں تو جن اشیا کو وہ یہاں چھوڑتا ہے انکا معاوضہ وہاں ضرور دیگا جو یہاں سے بہتر و افضل ہوگا۔

۱۲۔ روزہ محبت الٰہی کا ایک بڑا نشان ہے جیسے کہ کوئی شخص کسیکی محبت میں سرشار ہوکر کھانا پینا چھوڑتا اور بیوی کے تعلقات بھی اُسکو بھول جاتے ہیں۔ ایسا ہی روزہ دار کا خدا کی محبت میں سرشار ہوکر اُس حالت کا اظہار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے

۱۳۔ خدا تعالیٰ نے احکام شریعت کے لئے ایسے الفاظ موضوع فرمائے ہیں جنکے تحت میں ایسے ایما و دلائل مرکوز ہیں جنکی طرف انسان کو دعوت کی گئی ہے

صومي عن المكون ولا تفطري بذا الله الخلق اولاك
وانوي بهذا الصوم من حيث فانه بالطبع غذاك
في الصوم معنى لو تدبرته ما حل مخلوق بمعناك
لا مثل للصوم كذا قال لي شارعه فدبري ذاك
لانه ترك فاين الذي علمته او اين دعواك

قد رجع الامر الى اصله بذاك ربي قد تولاك
والصوم ان فكرت في حكمه واصل معناه فمعناك
ثم اتى من عنده مخبر عن صومك المشروع عراك
فالصوم لله فلا تجهلي وانت مجلاه فاياك
الصوم لله وانت الذي يموت جوعا فاعلمي ذاك

ترجمہ۔ یعنے اے میرے نفس اس جہان سے روزہ رکھ لے اور اسکو یہاں افطار نہ کر۔ اسی پر تجھے خدا نے پیدا کیا ہے۔ بوجہ حقیقت صوم اسی روزہ کی یہاں نیت کرلے کیونکہ یہی روزہ اُس جہان میں در اصل تیری غذا ہے۔ اگر تو لفظ صوم میں غور کرے تو اسکے ایک ایسے معنے ہیں جنکو لوگوں نے لاپرواہی سے حل نہیں کیا۔ شارع علیہ السلام نے ایسا ہی بتایا ہے کہ روزہ کی مثل کوئی عبادت نہیں ہے اسپر خوب غور کرلو۔ کیونکہ صوم کے معنے ترک کے ہیں پس ترک کے مفہوم و معنے کا نمونہ تیری عملی صورت میں کہاں ہے اور تیرے روزہ رکھنے کا دعویٰ اسپر کیونکر صادق آسکتا ہے جبکہ تو نے خدا کے لئے اس دنیا کی سفلیات کو ترک نہیں کیا۔ روزہ رکھنے سے ہر چیز اپنے اصل کو رجوع کرجاتی ہے۔ ترک غذا سے مٹی اپنے اصل کو اور ترک پانی سے پانی اپنی اصل کو۔ اور ترک جماع سے زوجیت اور اُسکی خواہشات اپنی اصل کو چلی جاتی ہیں۔ پس نسمہ انسانی میں تعمیل صوم سے جو چیز باقی رہتی ہے وہ تجلی الٰہی ہے۔ اگر صوم کی حکمتوں میں فکر کرو اور اُسکے اصلی معنے سمجھو تو اس سے تمہیں معلوم ہوگا کہ روزہ سے حضور الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

مخبر صادق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کیطرف سے آکر روزہ کے معنے ظاہر و باہر کر دیئے ہیں کہ روزہ خدا تعالیٰ کے لئے ہے پس اسکو مت بھولو۔ اے نفس خدا تعالیٰ کا جلوہ گاہ تو ہی ہے۔ پس خبردار رہو اور خدا تعالیٰ سے غافل نہ ہو۔ روزہ تو خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہے پھر کیا تو خدا تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہوکر بھوک سے مرسکتا ہے۔ پس اس بات کو خوب جان لے کہ جہاں خدا کا تجلی ہوگا وہاں بھوک و پیاس ہرگز نہ ہوگی۔ ہماری کتاب قرآن شریف روزہ کا حکم دیتی ہے تو اسکی وجہ بھی بتاتی ہے کہ کیوں روزہ رکھنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن ترجمہ۔ یعنے روزہ رکھنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تم متقی بنجاؤگے۔ دکھوں سے بچ جاؤگے اور سکھ پاؤگے۔

وجہ تسمیۂ رمضان

۱۔ رمضان عربی زبان میں سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل و شرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے لیے اپنے دل میں ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے اسلئے روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش ملکر رمضان ہوا۔ اہل لغت میں سے جو کسی نے لکھا ہے کہ گرمی کے مہینہ میں آیا اسلئے رمضان کہلایا۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عرب کے لئے یہ خصوصیت نہیں ہو سکتی۔ روحانی رمضان سے مراد روحانی ذوق و شوق اور حرارت دینی ہوتی ہے اور رمضان اُس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر وغیرہ گرم ہوتے ہیں۔ رمضان دعا کا مہینہ ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ترجمہ یعنے مہینہ رمضان کا جسمیں قرآن نازل ہوا۔ اس سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام نے اس مہینہ کو تنویر القلب کے لئے مفید لکھا ہے۔ اس مہینہ میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں۔ نماز تزکیہ نفس کرتی ہے اور روزہ سے تجلی قلب ہوتی ہے۔ تزکیہ نفس سے یہ مراد ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بعد حاصل ہو جاتا ہے اور تجلی قلب سے مکاشفات ہوتے ہیں جنسے مومن خدا تعالےٰ کو دیکھ لیتا ہے۔ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ میں یہی اشارہ ہے۔ روزہ کا اجر عظیم ہے۔ مگر امراض و اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم کر دیتے ہیں۔

۲۔ رمضان خدا تعالےٰ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے اور بروایت حضرت ابوہریرہ رضؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حدیث ذیل بھی اس امر کے متعلق شاہد ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلُوْا رَمَضَانَ فَاِنَّ رَمَضَانَ مِنْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى ترجمہ یعنی اس مہینہ کا نام بغیر اضافت رمضان نہ رکھو بلکہ کہو ماہ رمضان یعنے خدا تعالیٰ کا مہینہ۔ کیونکہ رمضان خدا تعالےٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں شَهْرُ رَمَضَانَ یعنے ماہ رمضان فرمایا ہے۔ اور مطلق رمضان کہیں نہیں فرمایا۔ اور پھر فرمایا فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ ترجمہ یعنے جو شخص تم میں سے اس مہینہ کو پائے اور یوں نہیں فرمایا کہ جو رمضان کو پائے۔ خدا تعالےٰ کی یہ قدیمی سنت ہے کہ وہ بعض اوقات اور اشیاء و امکنہ کو بعض خاص خصوصیتوں کی وجہ سے اپنی طرف نسبت کرکے ظاہر فرما دیتا ہے کہ انمیں بڑی تجلیات و برکات کثیرہ کا نزول ہوتا ہے چنانچہ سال کے بارہ مہینوں میں سے ایک ماہ رمضان کی نسبت فرمایا کہ یہ خدا کا مہینہ ہے ایسا ہی

ہفتہ کے دنوں میں سے ایک دن جمعہ کے متعلق فرمایا کہ یہ میرا یوم ہے۔ اور سالوں میں سے ہر صدی کے سرے کو اپنی طرف نسبت فرمائی۔ اور روزمرہ اوقات شب و روز میں سے ایک وقت آخری حصۂ شب کے متعلق فرمایا کہ اسمیں الٰہی نزول ہوتا ہے یعنے تجلیات الٰہیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اور مکانات میں سے ایک مکان کعبہ کے متعلق بَيْتِيْ فرما کر ظاہر کیا کہ یہ میرا گھر ہے سو یہ اضافتیں بعض خصوصیتوں کیطرف ایما کرتی ہیں ورنہ زمین و آسمان و مافیہما کی ساری مخلوقات خدا تعالےٰ ہی کی ہے اور اسی کیطرف ان ساری چیزوں کو اضافت و نسبت ہے۔ مگر بعض اشیاء کو خدا تعالےٰ اپنی تجلیات و برکات کثیرہ کے ظہور کی وجہ سے اپنی طرف نسبت کر لیتا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے خانہ کعبہ کے لئے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما الصلوات والسلام کو فرمایا ہے وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ ترجمہ۔ یعنے ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کو کہدیا کہ پاک رکھو میرے گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے۔

پس جیسا کہ خدا تعالےٰ نے کعبہ کو اپنا گھر فرمایا ایسا ہی روزوں کے مہینہ کی نسبت اپنی طرف کرکے ایما فرمایا کہ اسمیں میری خاص تجلیات و برکات کثیرہ کا نزول ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ روزہ کے متعلق حدیث قدسی میں وارد ہے اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ ترجمہ یعنے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دونگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کا نزول بھی اسی مہینہ میں شروع ہوا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ ترجمہ۔ یعنے خدا تعالےٰ کی تجلیات کثیرہ و خیرات و برکات جزیلہ کے نازل ہونے کا وہ مہینہ ہے جسمیں قرآن کریم نازل ہوا۔

دُنیا کی تمام اقوام میں روزہ کا وجود

اب تک صفحۂ روزگار پر جتنی اقوام موجود ہیں اُن سب میں انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ترجمہ یعنے دنیا میں جو گروہ ہے اسمیں انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت انسانوں کی تربیت کے لئے ہوتی ہے اور خدا تعالےٰ کی ربوبیت کسی ایک ہی قوم یا ملک کے لئے مخصوص نہیں ہے مثلاً جو جو انسانی طاقتیں اور قوتیں

آریہ ورت کی قدیم قوموں کو دیگئی ہیں وہی تمام قوتیں عربوں اور فارسیوں اور شامیوں اور چینیوں اور جاپانیوں اور یوروپ اور امریکہ کی قوموں کو بھی عطا کی گئی ہیں۔ سب کے لئے خدا تعالےٰ کی زمین فرش کا کام دیتی ہے اور سب کے لئے اسکا سورج اور چاند اور کئی اور ستارے روشن چراغ کا کام دے رہے ہیں اور دوسری خدمات بھی بجا لاتے ہیں۔ اُسکی پیدا کردہ عناصر یعنے ہوا اور پانی اور آگ اور خاک اور ایسا ہی اُسکی دوسری تمام پیدا کردہ چیزوں اناج اور پھل اور ادویہ وغیرہ سے تمام قومیں یکساں فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف پہلے اسی آیت سے شروع کیا ہے جو سورہ فاتحہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن یعنے تمام کامل اور پاک صفات خدا سے خاص ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔ عالم کے لفظ میں تمام مختلف قومیں اور مختلف زمانے اور مختلف ملک داخل ہیں اور اس آیت سے جو قرآن شریف شروع کیا گیا یہ درحقیقت اُن قوموں کا رد ہے جو خدا تعالےٰ کی عام ربوبیت اور فیض کو اپنی ہی قوم تک محدود رکھتے ہیں۔ اور دوسری قوموں کو ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا وہ خدا تعالےٰ کے بندے ہی نہیں اور گویا خدا نے انکو پیدا کر کے پھر ردی کیطرح پھینک دیا ہے یا ان کو بھول گیا ہے۔ اور یا (نعوذ باللہ) وہ اسکے پیدا کردہ ہی نہیں۔ جیسا کہ مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کا اب تک یہی خیال ہے کہ جسقدر خدا کے نبی اور رسول آئے ہیں وہ صرف یہود کے خاندان سے آئے ہیں اور خدا دوسری قوموں سے کچھ ایسا ناراض رہا ہے کہ انکو گمراہی اور غفلت میں دیکھکر بھی انکی کچھ پرواہ نہیں کی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا یہی مذہب ہے کہ تمام نبی اور رسول انہی کے خاندان سے آتے رہے ہیں اور اُنہی کے خاندان میں خدا کی کتابیں اُترتی رہی ہیں اور پھر بموجب عقیدہ عیسائیوں کے وہ سلسلہ الہام اور وحی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوگیا۔ اور خدا کے الہام پر مُہر لگ گئی۔ انہی خیالات کے پابند آریہ صاحبان بھی پائے جاتے ہیں۔ یعنے جیسے یہود اور عیسائی نبوت اور الہام کو اسرائیلی خاندان تک ہی محدود رکھتے ہیں اور دوسری تمام قوموں کو الہام پانے کے فخر سے جواب دے رہے ہیں۔ یہی عقیدہ نوع انسان کی بدقسمتی سے آریہ صاحبان نے بھی اختیار کر رکھا ہے۔ یعنے وہ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا کی وحی اور الہام کا سلسلہ آریہ ورت کی چار دیواری سے کبھی باہر نہیں گیا۔ ہمیشہ اسی ملک سے چار رشی منتخب کئے جاتے ہیں اور ہمیشہ وید ہی بار بار نازل ہوتا ہے اور ہمیشہ ویدک سنسکرت ہی اس الہام کے لئے خاص کی گئی ہے۔ غرض یہ دونوں قومیں خدا تعالےٰ کو رب العالمین

نہیں سمجھتیں ورنہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ جس حالت میں خدا رب العالمین کہلاتا ہے نہ صرف رب اسرائیلیاں یا رب آریان۔ تو وہ ایک خاص قوم سے کیوں ایسا دائمی تعلق پیدا کرتا ہے جس میں صریح طور پر طرفداری پائی جاتی ہے۔ پس ان عقائد کے رد کے لیے خدا تعالےٰ نے قرآن شریف کو اسی آیت سے شروع کیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔ اور جا بجا اس نے قرآن شریف میں صاف صاف بتلا دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ کسی خاص قوم یا خاص ملک میں خدا کے نبی آتے رہتے ہیں بلکہ خدا نے کسی قوم اور کسی ملک کو فراموش نہیں کیا۔ اور قرآن شریف میں طرح طرح کی مثالوں سے بتلایا گیا ہے کہ جیسا کہ خدا ہر ایک ملک کے باشندوں کے لئے اُنکے مناسب حال انکی جسمانی تربیت کرتا آیا ہے ایسا ہی اُس نے ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کو روحانی تربیت سے بھی فیضیاب کیا ہے۔ جیسا کہ وہ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ۔ یعنے کوئی ایسی قوم نہیں جسمیں کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا گیا۔

سو یہ بات بغیر کسی بحث کے قبول کرنے کے لائق ہے۔ کہ وہ سچا اور کامل خدا جسپر ایمان لانا ہر ایک بندہ کا فرض ہے وہ رب العالمین ہے اور اسکی ربوبیت کسی خاص قوم تک محدود نہیں اور نہ کسی خاص زمانہ تک بلکہ وہ سب قوموں کا رب ہے اور تمام زمانوں کا رب ہے۔ اور تمام مکانوں کا رب ہے اور تمام ملکوں کا وہی رب ہے اور تمام فیضوں کا وہی سرچشمہ ہے۔ اور ہر ایک جسمانی اور روحانی طاقت اسی سے ہے اور اسی سے تمام موجودات پرورش پاتی ہیں اور ہر ایک وجود کا وہی سہارا ہے۔

خدا کا فیض عام ہے جو تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام زمانوں پر محیط ہو رہا ہے یہ اسلئے ہوا کہ تا کسی قوم کو شکایت کرنے کا موقعہ نہ ملے اور یہ نہ کہیں کہ خدا نے فلاں فلاں قوم پر احسان کیا مگر ہمپر نہ کیا یا فلاں قوم کو اسکیطرف سے کتاب ملی تا وہ اس سے ہدایت پاویں مگر ہمیں نہ ملی۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام اقوام عالم میں انبیاء آتے رہے ہیں اور اُن تمام اقوام میں روزہ کا وجود پایا جاتا ہے۔ چنانچہ عربی زبان میں روزہ کو صوم۔ اور سنسکرت میں برت اور انگریزی میں فاسٹ اور اردو و فارسی میں روزہ کہتے ہیں۔ پس اُن تمام اقوام میں ایک امر کا بالاتفاق پایا جانا اُسکے منجانب الٰہی ہونے پر دلیل ہے جسکی تعلیم بذریعہ انبیاء علیہم الصلوات والسلام اقوام مختلفہ و ازمنہ متفرقہ میں نازل ہوتی رہی۔ اور قرآن کریم بھی الفاظ ذیل میں اس امر کی تصدیق کرتا ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ ترجمہ یعنے

یعنی حکم ہوا تم پر روزے کا جیسے حکم ہوا تھا تم سے پہلی قوموں پر۔ پھر فرمایا روزہ رکھنے کا امر اس لئے نازل ہوا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اس میں روزہ کی علت غائی بیان فرمائی کہ روزہ میں تقویٰ کے تمام پہلو و اوصاف مرکوز ہیں۔ ؎

ہر گرسنہ عاقبت قوت بیافت ؛ آفتاب دولتے بروے بتافت

ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی خصوصیت کی وجہ

ماہ رمضان کے اندر روزہ رکھنے کی وجہ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں یہ فرمائی ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ ترجمہ یعنے ماہ رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔

چونکہ رمضان میں قرآن کریم نازل ہوا لہذا یہ مہینہ برکات الٰہیہ کے نزول کا موجب ہے اسلئے وہ اصل غرض جو لعلکم تتقون میں ہے حاصل ہو جاتی ہے۔

روزہ میں نیت شرط ہونیکی وجہ

اگر روزہ میں نیت شرط نہ ہوتی تو روزہ رکھنا عبادت میں شمار نہ ہوتا اور نہ اسپر ثواب ملتا کیونکہ ثواب نیت کے بغیر نہیں ملتا۔ لہذا نیت اس ترک اکل و شرب و جماع میں عبادت ہونیکی وجہ سے شرط ہے اور یہ بات روزہ ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر ترک عبادت نہیں ہوتی۔ اور نہ اسپر بغیر نیت کچھ ثواب ملسکتا ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ترجمہ یعنے عملوں کی جزا و ثواب نیت پر مترتب ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو کھانے پینے کی اشیا نہ ملنے و اسباب جماع مہیا نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً صائم بننا پڑے تو اسکو صائم نہیں کہا جاتا کیونکہ اسکی نیت صائم ہونے کی نہ تھی۔ مگر مجبوراً اسکو بھوکا پیاسا رہنا پڑا۔ ؎ سید الاعمال بالنیات گفت ؛ نیت خیرت بسے گلہا شگفت۔

تخصیص برکات ماہ رمضان اور اس میں ختم قرآن مسنون ہونیکی وجہ

کوئی ہیئت دان منجم اور عالم طبقات الارض اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ آسمانی ستاروں کا

اثر زمین کی تمام اشیا پر پڑتا ہے حتی کہ سمندروں کے پانیوں پر جو مد و جزر اصغر و اکبر ہوتے اور انکا مشاہدہ ہو رہا ہے وہ زیادہ تر کشش قمر اور تاثیر شمس کے باعث سے پیدا ہوتے ہیں۔ جملہ حیوانات و بنی آدم کے خونوں کا بڑھنا و مرطوب ہونا اور اکثر نوع انسان کی انثیٰ کو ہر ماہ میں خون حیض آنا اسی قمری اثر کی برکت ہے۔ اور نباتات پر قمر وغیرہ ستاروں کا اثر واقع ہونا اور انکے انواع و اصناف کو اپنے اپنے رنگ ملتے اور وہ پھولتے اور پھلتے ہیں پس جبکہ ستاروں کے اثر کا ظہور عالم جمادات و نباتات و حیوانات پر اسطرح واقع ہو کر مشاہدہ میں آرہا ہے تو پھر یہ بات کیونکر ناقابل اعتبار ہوسکتی ہے کہ کسی خاص قمری ماہ کا اثر بنی آدم کی روحانیت پر پڑ کر انکے لئے موجب نزول برکات و خیرات کثیرہ کا نہ ہو۔ اہل اسلام کے سارے ماہ قمری ہیں۔ اور ماہ رمضان میں خاص برکات کے نزول کے لئے بیان مذکور مؤید ہے۔

اس مہینہ میں قرآن کریم کا ختم کرنا اسوجہ سے مسنون ہے کہ قرآن کریم کا نزول اسی مہینہ میں ہوا ہے پس جو شخص اس مہینہ میں قرآن کریم کو ختم کرتا ہے وہ ساری اصلی اور ظلی برکات کا وارث ہو جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ ماہ رمضان ساری اسلامی برکات و خیرات کا جامع ہے ہر ایک دینی برکت اور خیر جو تمام سال میں کسی کو ملتی ہے وہ اسی عظیم الشان ماہ کی برکات و خیرات کے راستہ سے آتی ہے۔ اس مہینہ کی جمعیت سارے سال کی جمعیت کا باعث ہوتی ہے اور اس مہینہ کا تفرقہ سارے سال کے تفرقہ کا سبب ہوتا ہے کیونکہ منبع خیرات و برکات مصلح عالم اصغر و اکبر قرآن کریم کا قدوم میمنت لزوم و نزول اسی مہینہ میں ہوا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ۔ ترجمہ یعنے خدا تعالےٰ کی برکات و خیرات کثیرہ کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم اُتارا گیا۔

شام کو تعجیل افطار روزہ و تاخیر سحری کی وجہ

۱۔ ہر عمل کو اپنے اپنے مناسب وقت و موقعہ پر بجا لانا اعتدال ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا و انتہائے روزہ یعنے اس بابرکت عمل کی حد عملی بیان نہ فرماتے تو بعض وہمی لوگ عشا تک روزہ افطار نہ کرتے یا ابتدائے عمل کی حد کمتر رکھتے اور انکی تقلید سے علم بندوں کو تکلیف پہونچتی۔

۲۔ اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ قرآن کریم نے ابتدائی و آخری حد روزہ بیان فرمادی ہے۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلم الکتاب کی اسپر کوئی تشریح عملی صورت میں موجود ہو تو نور علیٰ نور ہے اور قرآن کریم کی پیروی و اتباع کی مؤید ہوگی وہ قرآن کریم کی نقیض نہ ہوگی۔ کیونکہ انسان صورت عمل کی تقلید کا خوگر ہوتا ہے۔ اگر ہر حکم الٰہی کی عملی صورت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا تعالےٰ کو دکھانی منظور ہوتی تو قرآن کریم کا نزول ایک ہی دن میں ہو جاتا۔ احادیث نبویہ اسی سنت نبویہ کی عملی صورت کو دکھاتی ہیں وہ قرآن کریم سے کچھ زوائد بیان نہیں کرتی ہیں۔

۳۔ رات و دن کی جداگانہ تاثیرات معروف و مشہور و مشہود ہیں۔ اور روزہ رکھنا دن کے وقت میں شروع ہوا ہے۔ لہٰذا دن کی برکات کے آثار علیحدہ ہیں اور جو خیرات و برکات کے آثار اس ماہ کی رات سے وابستہ ہیں وہ جدا ہیں یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شام کے وقت تعجیل افطار روزہ اور تاخیر سحر کی روایت آئی ہے تاکہ دونو وقتوں کے درمیان امتیاز حاصل ہو جائے۔ کیونکہ انسان کے ہر فعل کے ابتدا اور انتہا پر جو کچھ آثار مترتب ہوتے ہیں اُنکے حقائق بھی علیحدہ علیحدہ اور اُنکی جزا بھی علیٰ حسب مناسبت علیحدہ صورتوں میں ہوگی۔

روزہ دار پر کھانا۔ پینا۔ جماع کرنا حرام ہونے کے وجوہات

قرآن کریم میں اب امر کے متعلق نص وارد ہو چکا ہے۔ اور ہمارے نبی کریم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کا اتفاق و اجماع ہو چکا ہے کہ روزہ دار پر کھانا۔ پینا۔ جماع کرنا حرام ہے:۔

وجہ حرمت غذا۔ روزہ دار کو کسی چیز کے کھانے کی ممانعت اسلئے ہوئی کہ کھانے میں ذائقے اور پینے کا علم ہوتا ہے اور روزہ دار اُس صفت سے موصوف ہوتا ہے جسکی کوئی مثل نہیں ہے اور جو کوئی اس صفت سے موصوف ہو جسکی کوئی مثل نہیں ہے تو اسکا حکم بھی وہی ہونا چاہیئے کہ اُسکی بھی کوئی مثل نہ ہو۔ اور ذائقہ پہلا تجلی الٰہی ہے اور پینا و ذائقہ ایک ایسی نسبت ہے جو ذائقہ لینے والے کے نزدیک جبکہ وہ کسی طعام کا ذائقہ لیتا ہے تو حادث ہوتی ہے اور صوم کے معنے ترک کے ہیں اور ترک کی کوئی وجودی صفت نہیں ہوتی جو حادث و پیدا ہو۔ کیونکہ ترک کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسکا وجود حادث ہو سکے بلکہ ترک

ایک سلبی صفت ہے اور کھانا اُسکی ضد ہے۔ لہٰذا صائم پر غذا کا کھانا حرام ہوا۔ کیونکہ غذا کا کھانا حکم صوم کے لئے مزیل ہے۔

وجہ حرمت مشروب۔ مشروب تجلی وسطی ہے اور وسط دو ظرفوں کے درمیان محصور ہوتا ہے کیونکہ وہ دونوں کے وسط میں ہے اور حصر محصور میں حد کا مقتضی ہے۔ پس روزہ خدا تعالےٰ کی صفت ہے اور خدا تعالےٰ حصر اور احاطہ کا مقتضی نہیں ہے اور نہ وہ ہمارے نزدیک حصر و احاطہ وحد سے موصوف ہو سکتا ہے۔ پس مشروب نقیض صوم ہے لہٰذا صائم پر مشروبات بھی حرام ہوئیں۔

وجہ حرمت جماع۔ روزہ دار پر جماع کرنا اسلئے حرام ہوا کہ اسمیں لذت جفت سے حاصل ہوتی ہے اور طرفین میں سے ہر ایک صاحب لذت ہوتا ہے جو دوسرے سے حاصل کرتا ہے۔ اور جماع میں ہر ایک زوجین میں سے ایک دوسرے کی مثل ہوتے ہیں وجہ یہ کہ اجتماع زوجین کے سبب سے اس فعل کا نام جماع ہوا۔ اور روزہ دار کی تو کوئی مثل نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اس صفت سے موصوف ہوتا ہے جسکی کوئی مثل نہیں۔ لہٰذا روزہ دار پر جماع بھی حرام ہوا کیونکہ اسمیں مثل پائی جاتی ہے۔

بوقت رات روزہ مقرر نہ ہونیکی وجہ

چونکہ رات کا وقت بالطبع ترک شہوات و لذات کا ہے لہٰذا اگر رات بجائے وقت روزہ کے لئے قرار دیا جاتا تو عبادت عادت سے اور حکم شرع مقتضائے طبع سے ممتاز نہ ہوتا اسی واسطے نماز تہجد اور وقت تلاوت و مناجات شب کو قرار دیا گیا ہے۔

وقت سحر کہ وقت مناجات ہے	خیز درا الوقت کہ برکات ہے
نفس صبا واکہ بگو بدید تر اے	خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
پند من اے جان بدل و جان شنو	ضائع من عمر کہ ہیہات ہے

ہر سال میں ایک مہینہ روزوں کے لئے مخصوص ہونے کی وجہ

۱۔ چونکہ روزہ کی روزانہ پابندی ہمیشہ کے لئے تمام لوگوں سے باوجود تدابیر خورد و نوش و اموال و ہمیکہ

مصروف ہونے کے ممکن نہ تھی لہذا یہ ضروری ہوا کہ کچھ زمانہ کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدار معین کا اہتمام والتزام کیا جاوے جس سے قوت ملکی کا ظہور اور اپنی خواہشوں کے پورا ہونے سے اسکا سرور معلوم ہو جائے۔ اور اس سے پیشتر جو کمی ہوئی ہے وہ دور ہو جائے اور اسکا حال اس گھوڑنے کا سا ہے جسکی پچھاڑی اگاڑی میخ سے بندھی ہوئی ہوتی ہے اور وہ دو چار بار ادہر اُدہر لاتیں چلاکر اپنی اصلی حالت پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

۲۔ یہ بات ضروری ہے کہ روزہ کی ایک مقدار مقرر کیجاوے تاکہ کوئی شخص اُس میں افراط و تفریط نہ کر سکے لہذا امور مذکورہ کے لحاظ سے یہ بات ضروری ہوئی کہ ایک مہینے تک ہر دن برابر کھانے اور پینے اور جماع کرنے سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزے کا انضباط کیا جائے کیونکہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا ایسا ہے کہ جیسے دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کرکے کھانا اور اگر رات کو ان امور کے ترک کرنے کا حکم دیا جاتا تو لوگ اسکے عادی ہیں اُسکی وجہ سے انکو کچھ پرواہ نہ ہوتی۔ اور ہفتہ اور دو ہفتے ایسی قلیل مقدار ہے جسکا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا اور دو مہینے کی ایسی مقدار ہے کہ اسمیں آنکھیں گڑھ جاتی ہیں اور نفس تھک کر رہ جاتا ہے۔ اور ان امور کے لحاظ سے روزہ کے لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک دن کا انضباط کیا جائے کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں۔

۳۔ چونکہ روزہ تمام قسم کے نفسانی زہروں کے دفع کرنے کے واسطے ایک طرح کی تریاق ہے اور اس میں طبیعت کو تکلیف بھی ہوتی ہے لہذا بقدر ضرورت اسکی ایک معین مقدار ہونی چاہیئے جو کہ نہ اتنی کم ہو کہ جس سے کچھ فائدہ ہی نہ ہو اور نہ اسقدر افراط کر دیجائے کہ اعضا میں ضعف آجائے۔ اور دلی فرحت جاتی رہے اور نفس کمزور ہو جائے اور انسان بالآخر اس محنت سے قبر ہی میں جلدی نہ چلا جائے۔

کھانے پینے میں کمی کرنیکے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تھوڑا سا استعمال کرے یہ طریقہ عام قانون کے تحت میں بمشکل آسکتا ہے۔ اسلئے کہ لوگوں کے مختلف درجے ہیں کوئی تھوڑا کھاتا ہے کوئی اس سے زیادہ کھاتا ہے۔ اور جتنے طعام سے ایک شخص سیر ہو جاتا ہے دوسرا بھوکا رہتا ہے۔ ایک یہ طریق ہے کہ کھانے کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ معمول سے زیادہ ہو۔ یہی طریقہ شریعت میں معتبر ہے کیونکہ تمام صحیح المزاج آدمیوں کا اسپر اتفاق ہے۔ لوگ عام طور سے صبح و شام دو مرتبہ کھاتے ہیں یا دن رات میں ایک ہی بار

کھاتے ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ روزانہ لوگوں کو کم کھانے کی تکلیف دیجائے۔ مثلاً کہا جائے کہ تم لوگ اسقدر کھایا کرو کہ حیوانیت مغلوب رہے۔ ایسا حکم دینا شریعت کے خلاف منشا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جو بھیڑیئے کو چرواہا بنائے وہ خود ظالم ہے۔ ہاں معاملات میں ایسا کرنا مناسب نہیں۔ یہ بھی لازم ہے کہ فاصلہ اتنی دیر نہ ہو کہ نقصان پہونچے اور قوت کا استیصال ہو جائے۔ مثلاً تین رات دن برابر بھوکے رہنے کا نہ حکم ہو اسلئے کہ یہ شریعت کے خلاف منشاء ہے اور ہر ایک کو اسکی تکلیف نہیں دیجا سکتی۔ البتہ بھوکے پیاسے رہنے کے لئے بار بار کی بھی قید ہو تاکہ عادت پڑجائے اور اطاعت کا مادہ پیدا ہو ورنہ ایک بار بھوکے رہنے سے خواہ کیسی ہی قوی اور سخت بھوک ہو کیا فائدہ ہوگا۔

ان مقدمات کے تسلیم کرنے پر ماننا پڑیگا کہ روزہ پورے دن بھر کا کامل ایک مہینے تک ہونا چاہیئے۔ کیونکہ دن بھر سے کم تو ایسا ہی ہے کہ دن کا کھانا ایک ذرا تاخیر کرکے کھایا جائے۔ اور اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ رات کے کھانے کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ ایک دو ہفتہ بہت تھوڑی مدت ہے جسکا اثر نہیں ہو سکتا اور دو دو مہینے تک روزہ رکھنے سے طبیعت بہت کمزور ہو جاتی ہے۔

۴۔ چونکہ روزہ کے قانون کو عام ہونا چاہیئے اسلئے کہ اسمیں سب کی اصلاح و تہذیب مراد ہے لہذا ہر شخص اسبات کا مجاز نہ ہو کہ جس مہینے میں آسانی سمجھے روزہ رکھ لے۔ اسلئے کہ اسمیں باب معذرت کے وسیع ہو جانے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے انسداد اور اسلام کی ایک عظیم الشان عبادت میں سستی ہونے کا اندیشہ ہے۔

۵۔ مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کا ایک وقت میں کسی ایک چیز کی پابندی کرنے سے ایک دوسرے کو اس کام میں مدد ملیگی آسانی ہوگی اور کام کرنے کی جرأت پیدا ہوگی۔

۶۔ ایک کام کو ایک ہی وقت میں ساری دنیا کے مسلمانوں کا بالاتفاق عمل کرنا انکے لئے باعث نزول رحمت الٰہی اور ان میں صورت اتفاق و اتحاد کے لئے مفید ہے یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے خدا تعالیٰ نے روزوں کا ایک ہی مہینہ معین و مشخص کیا ہے۔ پس جو شخص اس نظام الٰہی کو بغیر عذر کے توڑتا ہے اسپر بجائے رحمت کے لعنت کا نزول ہوتا ہے۔

یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہونے کی وجہ

سوال۔ یکم شوال کا روزہ رکھنا حرام اور رمضان کا آخری روزہ فرض ہونے کا کیا راز ہے باوجودیکہ دونوں یوم یکساں ہیں۔

جواب۔ یہ دونوں یوم مرتبہ و درجہ میں برابر نہیں ہیں۔ گو طلوع و غروب آفتاب میں یکساں ہیں مگر حکم الٰہی میں یکساں نہیں ہیں۔ کیونکہ ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جسکے روزے رکھنا خدا تعالٰے نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں اور یکم شوال لوگوں کی عید و سرور کا دن ہے جسمیں خدا تعالٰے نے لوگوں پر کھانا پینا بطور شکر گذاری بندگان خود مباح کیا ہے۔ اس لئے اس دن سب لوگ خدا تعالٰے کے مہمان ہوتے ہیں لہذا خدا تعالٰے کے مہمان کو واجب ہے کہ اسکی دعوت و ضیافت کو قبول کرے۔ یہ امر خدا تعالٰے کو سخت ناپسند ہے کہ اُسدن کوئی شخص روزہ رکھکر خدا تعالٰے کی ضیافت و دعوت کو رد کرے۔ مہمان کے لوازم اور آداب میں سے یہ امر بھی ہے کہ روزہ رکھے تو صاحب خانہ یعنے میزبان کے اذن سے رکھے پس جبکہ یکم شوال کو اہل اسلام خدا تعالٰے کے خاص مہمان ہوتے ہیں تو پھر اُس دن کس کو روزہ رکھنا جائز ہو سکتا ہے۔ یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ہے کہ خدا نے رمضان کا آخری روزہ رکھنا فرض کیا کیونکہ یہ روزہ خدا تعالٰے کے اتمام امر نعمت و خاتمہ عمل کیلئے ہے اور شوال کی یکم کو روزہ رکھنا حرام ہوا کیونکہ وہ ایسا دن ہے کہ اسمیں تمام مسلمان اپنے پروردگار کے مہمان ہوتے ہیں۔ یوں تو تمام مخلوق خدا تعالٰے کی دائمی مہمان ہے مگر یہ دن انکی ایک مخصوص مہمانی و ضیافت کا ہے جسکو رد کرنا گناہ عظیم ہے۔

وجہ کراہیت روزہ جنبی و حرمت روزہ حائض

عربی زبان میں جنابت بمعنے غربت بھی آیا ہے اور غربت میں دوری کی خاصیت ہے اور حیض کو خدا تعالٰے نے اذٰی فرمایا ہے اور اذٰی میں بھی بعد و دوری کا مادہ موجود ہے چنانچہ خدا تعالٰے فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ ترجمہ یعنے جو لوگ خدا اور رسول کو ایذا دیتے ہیں خدا تعالٰے اُنپر لعنت کرتا ہے یعنے انکو اپنی رحمت و قرب سے دور ڈالدیتا ہے۔ کیونکہ لعنت معنے بعد و دوری کے ہیں اور اُنپر یہ لعنت انکی ایذا دہی کی وجہ سے

پڑتی ہے۔ لفظ اذٰی کو خدا تعالٰے کے اسم قدوس سے دوری ہے اور روزہ خدا تعالٰے بے مثل و بے مانند کے قرب کا باعث ہوتا ہے کیونکہ روزہ کی مثل کوئی عبادت نہیں ہے۔ پس جیسا کہ قرب اور بعد ایک جگہ میں جمع نہیں ہو سکتے ایسا ہی روزہ و جنابت و اذٰی کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ اجتماع اضداد محالات میں سے ہے۔ جس نے یہ رعایت کی کہ جنابت اور حیض بموجب حکم طبیعت وارد ہوتے ہیں مثلاً انسان کو احتلام ہو جائے یا عورت کو حیض آجائے اسمیں انکا اختیار نہیں ہے اور روزہ کو انہی نسبت ہے اور جنبی اور حیض سے پاک ہونے والے کے روزہ کو جبکہ وہ غسل کو مجبوراً فجر تک ملتوی رکھیں صحیح کہا تو اسکی اس رعایت کا فتوٰی درست و بموجب حکمت الٰہی ہے

ماہ رمضان کی راتوں میں تقرری نماز تراویح کی وجہ

۱۔ رمضان کی راتوں میں نماز تراویح اس لئے مقرر ہوئی کہ طبعی خواہشوں کی کمال مخالفت ثابت ہو۔ کیونکہ طبیعت روزہ کی سستی و محنت و مشقت کو دفع کرنے کے لئے استراحت و آرام چاہتی ہے لہذا اسمیں ایسی عبادت کا تقرر ہوا کہ جس سے عادت و عبادت میں امتیاز ہو۔

۲۔ ماہ رمضان نزول مزید برکات و انوار کے لئے مخصوص ہے لہذا اس مہینہ کی راتوں میں بھی ایک ایسی عبادت کا تقرر ہوا۔ کیونکہ اکثر برکات و انوار الٰہی کا نزول رات کو ہی ہوتا ہے اور نزول برکات و انوار کا محل جو انسان کا دل ہے وہ جب ہی مستحق انکا ہو سکتا ہے کہ ماہ رمضان کے شب و روز کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گذارے اور بیدار و ہوشیار ہو۔

سوال۔ بعض اشخاص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بعض مخفیات کا ذکر کرکے نماز تراویح کو بدعت عمری ٹھرایا ہے اور کہا کہ جیسے بعض امور نادرہ وغیرہ مثلاً جنبی کے لئے تیمم کا جائز ہونا اور مجوس سے جزیہ لینا اور حج کا تمتع جائز ہونا حضرت عمرؓ پر مخفی رہے اور حالانکہ یہ امور جائز تھے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انپر عملدرآمد کرکے دکھا دیا تھا ایسا ہی مسئلہ تراویح کا نسخ حضرت عمرؓ پر مخفی رہا اور غلطی سے انھوں نے نماز تراویح کا رواج دیا۔

جواب۔ ہم کہتے ہیں کچھ تعجب نہیں کہ بعض صحابہ کرام سے بعض اجتہادی سہو ہو گیا ہو مگر خدا تعالٰی کا انکو ایسی غلطیوں و سہو پر قائم رکھنے کا ہرگز منشا نہ تھا اسلئے خدا تعالٰے انکے سہو کو بہت جلدی اُن سے رفع کر دیتا تھا کیونکہ وہی تو ستون دین تھے اور انہی کے ذریعہ اسلام دنیا میں پھیلا۔ اگر خلفائے راشدین کو بھی باتوں پر قائم رکھا جاتا جنکی اصل اسلام میں نہیں ہے تو بڑی مشکل پڑتی۔ مثلاً

حضرت عمرؓ نے وفات نبوی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے انکار کر دیا تھا۔ اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سمجھانے سے فوراً سمجھ گئے اور اس خیال سے رجوع کر لیا تھا علی ہذا القیاس جن امور میں کبھی اُن سے سہو ہوتا تھا وہ بہت جلدی اُس سے رجوع کر لیتے تھے اُن میں کوئی اڑ وضد نہ تھی۔ لہٰذا تراویح کا عمل سارے خلفائے راشدین کے زمانے میں رہا۔ اگر یہ عمل خدا تعالےٰ کو منظور نہ ہوتا تو صحابہ کے زمانہ میں سکوو ہی امر سمجھکر بجانہ لایا جاتا اور نہ اسپر عمل کیا جاتا۔ لہٰذا وہ امور و مبنیہ جنپر صحابہ نے مداومت کی وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک منظور و مقبول تھے اور ایسے امور کی پیروی کی نسبت جنکو صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین نے رواج دیا خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے ہی تاکید فرمائی تھی چنانچہ وہ فرماتا ہے وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ط ترجمہ۔ یعنے سبقت کرنیوالے اسلام لانے میں پہلے مہاجرین میں سے اور انصار اور وہ لوگ جنھوں نے پیروی کی انکی اچھی طرح سے خدا تعالےٰ اُن سے راضی ہے اور وہ خدا تعالےٰ سے راضی ہیں۔ اس میں خدا تعالےٰ نے انکے اعمال کی قبولیت ظاہر فرماتا ہے۔

صحابہ کرام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد وپیش ایسے تھے جیسا کہ آفتاب کے گرد ستارے ہیں چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کے متعلق ایسا ہی فرمایا ہے اَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ ترجمہ۔ یعنے میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں اُنیں سے جسکی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل صحابہ کرام کا وجود با جود ایسا تھا کہ جیسا ایک بحر عظیم سے نالے اور نہریں نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ پس جو ایسی نہر و نالے سے پانی پی لے وہ بحر ہی سے درحقیقت پانی پیتا ہے۔ ~

آب خواہ از جو بجو خواہ از سبو | کایں سبو را ہم مدد باشد ز جو
نور خواہ از مہ طلب خواہی ز خور | نور مہ ہم ز آفتاب ست اے پسر
مقتبس شو زود چوں یابی نجوم | گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم

ماہ رمضان کے عشرہ آخیر میں مسجد کے اندر معتکف ہونیکی وجہ

لفظ اعتکاف عکف سے نکلا ہے جسکے معنے روکنے اور منع کرنیکے ہیں چونکہ معتکف بحالت روزہ تمام حوائج دنیویہ و اغراض نفسانیہ سے اپنے آپ کو بقصد عبادت الٰہی مسجد میں روک

کرکے در الٰہی پر گرا دیتا ہے اسلیے اس فعل کا نام اعتکاف ہوا۔

بروایت اُبی ابن کعب ابن ماجہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے عشرہ آخیر میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔

روزہ عاشقانہ رنگ میں ایک تصویری زبان کی دعا و الحاح ہے اور اعتکاف عاشق کا در وازۂ معشوق پر اپنے آپ کو بحالت تضرع و زاری پیش کرنا ہے۔ گویا معتکف اپنے آپکو درگاہ الٰہی میں ایسا مقید کرتا ہے جیسا کہ ایک الحاح کنندہ سائل کسی کے دروازہ پر معتکف ہو جاتا ہے اور اپنی حاجت و مراد حاصل ہوئے بغیر نہیں ہٹتا۔ یا یہ کہ عاشق زار کیطرح اپنے معشوق کے دروازہ پر بھوکا و پیاسا بن کر اور دنیا کی تمام حوائج و اغراض سے فارغ ولاابالی ہو کر محض جلوۂ محبوب و معشوق کے لیئے اُسکے دروازہ پر معتکف ہو جاتا ہے اور جبتک اسکا معشوق اسکو اپنا مونھ نہ دکھائے اُسکے در سے نہیں ہٹتا اور اُسکے شوق میں ساری لذات کو چھوڑ کر اُسکے در پر آکر سر رکھدیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعتکاف خانہ خدا یعنے مسجد کے بغیر کہیں جائز نہیں کیونکہ عاشق طالب دیدار کو اپنے معشوق کے دروازہ پر ہی گرنا چاہیئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بحالت اعتکاف معتکف کو رات میں بھی اپنی عورت سے مباشرت کرنی جائز نہیں کیونکہ صادق عاشق کو ان باتوں کا کہاں خیال رہتا ہے اور یہ جو ماہ رمضان کے عشرہ آخری میں لیلۃ القدر کا ظہور روایات میں مذکور ہے وہ اسی تجلی الٰہی کیطرف اشارہ ہو جسکا ظہور عاشقان الٰہی پر ہوتا ہے۔

ہر کجا تو با منی من خوش دلم | در بود در قعر گورے منزلم
خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود | کہ مرا با تو سر و شنود ابو و تو
يَا إِلٰهِي سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا | فَاعْفُ عَنَّا أَثْقَلَتْ أَوْزَارُنَا
يَا خَفِيًّا قَدْ مَلَأْتَ الْخَافِقَيْنِ | قَدْ عَلَوْتَ فَوْقَ نُورِ الْمَشْرِقَيْنِ
أَنْتَ سِرٌّ كَاشِفٌ أَسْرَارَنَا | أَنْتَ فَجْرٌ مُفْجِرٌ أَنْهَارَنَا
يَا خَفِيَّ الذَّاتِ مَحْسُوسَ الْعُلَا | أَنْتَ كَالْمَاءِ وَنَحْنُ كَالرَّحَى
أَنْتَ كَالرِّيحِ وَنَحْنُ كَالْغُبَارِ | يَخْتَفِي الرِّيحُ وَغَبْرَاهُ جِهَارٌ

لہ اے ہمارے خدا ہماری آنکھیں خیرہ ہوگئی ہیں۔ ہم سے درگذر کر ہمارے بوجھ بھاری ہوگئے ہیں۔ اے وہ ذات کہ جس نے دونوں جہان کو پر کر دیا تحقیق تو بلند ہے آفتاب و ماہتاب کے نور سے۔ تو ہی ہمارے بھیدوں کے کھولنے والا ہے۔ تو ہی ہماری فجر ہے اور تو ہی ہماری نہروں کو جاری کرنے والا ہے اے پوشیدہ ذات اور بلندی میں محسوس۔ تو پانی کیطرح ہے اور ہم آسیا کیطرح ہیں۔ تو ہوا کیطرح ہے اور ہم خاک کیطرح ہیں ہوا پوشیدہ ہوتی ہے اور خاک سامنے آ جاتی ہے۔

تو چو جانی ما مثالِ دست و پا ۔ قبض و بسطِ دست از جاں شد روا
تو چو عقلی ما مثال ایں زباں ۔ ایں زباں از عقل می یابد بیاں
اے بروں از وہم و قال و قیل بر ۔ خاک بر فرقِ من و تمثیل من
بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ۔ ہر دمے گوید کہ جانم مفرشت
ہمچو آں چوپاں کہ میگفت اے خدا ۔ پیش چوپانِ محب خود بیا
تا شپش جویم من از پیراہنت ۔ چارقت دوزم ببوسم دامنت

روزہ دار کے مونھ کی بُو قیامت میں کستوری سے زیادہ خوشبودار ہونے کی حکمت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ **ترجمہ** یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے اُس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ بے شک روزہ دار کے مونھ کی بُو خدا تعالے کے نزدیک قیامت کو کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگی۔

۱۔ یہ ایک معقول اور قابل قدر بات ہے کہ تحصیل کمالات کے لئے جو محنتیں و مشقتیں اُٹھائی پڑتی ہیں سب جانتے ہیں کہ پہلے جسم پر اُن سے اتنی بڑی کوفتیں و تھکان واقع ہوتے ہیں کہ وہ جسم کو ناگوار و بودار معلوم ہوتی ہیں مگر اُنکے آخری نتائج کی امیدیں انسان کو خوشگوار اور معطر نظر آتی ہیں اور بالآخر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور اُن محنتوں و مشقتوں کا بیابان فرحت افزا اور خوشبودار بستان سے مبدل ہو جاتا ہے۔ ؎

درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست ❊ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

۲۔ روزہ دار کے مونھ کی بو سانس سے معلوم ہوتی ہے جسکو ہر سونگھنے والا محسوس کر سکتا ہے اور اس بو کو خدا تعالے کے نزدیک بوئے کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار الاثر پایا گیا ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس عالم کے اعمال کے مکافات دوسری اشکال میں ہونگے دنیا میں اجسام کا ارواح پر غلبہ ہے اور آخرت میں ارواح کا غلبہ اجسام پر ہوگا۔ یہاں اعمال قالب و اشباح ہیں اور اُنکے ثمرات ارواح ہیں۔ سو ہر کوئی جانتا ہے کہ قالب و روح کی صورت یکساں نہیں ہوتی۔ اصل

اور اُسکے نتیجہ میں کوئی مشابہت نہیں ہوتی۔ ؎

شاخ از شگوفہ نماند دانہ را ۔ نطفہ کے ماند تنِ مردانہ را
نیست مانندِ ہیولا با اثر ۔ دانہ کے ماند باشد با شجر
نطفہ از ناں است کے ماند بناں ۔ مردم از نطفہ است کے باشد چناں
جنّی از نار است کے ماند بنار ۔ از بخار است ابر کے باشد بخار
از دمِ جبرئیل عیسیٰ شد پدید ۔ کے بصورت ہمچو او شد ناپدید
آدم از خاک است کے ماند بخاک ۔ ہیچ انگورے نمے ماند بتاک

۳۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک درخت کا بیج جو زمین میں بویا جاتا ہے وہ مٹی اور پانی کی تراوت سے متعفن ہو کر بودار بنجاتا ہے اور پھر وہ اوگتا ہے اور جب اُسکو پھول و پھل لگتے ہیں تو انکا کچھ اور ہی ذائقہ اور بو ہوتی ہے اور جب انکو پکا کر کھایا جاوے تو کچھ اور ہی مزہ آتا ہے۔ ایسا ہی روزہ دار کے مونھ کی بو بیج واصل ہے اور قیامت میں اسکا کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار ہونا اسکا نتیجہ و پھل ہوگا۔ ؎

رنج گنج آمد کہ رحمتہا درونست ❊ مغز تازہ شد چو بخراشید پوست

۴۔ روزہ دار کے مونھ کی بُو خدا تعالے کے نزدیک خوشبودار ہے۔ کیونکہ خدا تعالے کے ہاں خوشبو کا محسوس کرنا ہماری طرح نہیں ہے ہمارے نزدیک تو وہ بدبو ہے مگر خدا تعالے کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات مکیہ میں اس امر کے متعلق ایک اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ میں موسیٰ بن محمد رح موذن کے پاس حرم مکہ کے منارہ میں مقیم تھا اور مسجد میں اُس نے کچھ کھانا رکھا ہوا تھا جس سے ہر کسیکو گھن آتی تھی میں بموجب حدیث نبوی جانتا تھا کہ جس چیز کی بو سے بنی آدم کو ایذا پہونچے اُس سے ملائکہ کو بھی ایذا پہونچتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد میں لہسن اور پیاز و گندنا وغیرہ ایسی چیز کا رکھنا منع فرمایا ہے۔ رات کو سونے کے وقت میرا ارادہ تھا کہ موسیٰ بن محمد کو کہدوں کہ اس طعام کو مسجد سے نکال دے۔ سو اسی حالت میں مجھپر خواب کا غلبہ ہو گیا اور بحالت رویا میں نے خدا تعالے کو دیکھا تو خدا تعالے نے مجھے ارشاد فرمایا کہ اسکو اس طعام کی بابت کچھ مت کہو۔ کیونکہ اس طعام کی بو جیسی تمہارے نزدیک ہے ویسی ہمارے نزدیک نہیں ہے۔ (یہ بات اُس شخص کے علو مرتبت پر دال ہے) صبح کے وقت شخص مذکور بموجب عادت ہمارے پاس آیا تو یہ واقعہ اسکو

آگے بیان کیا گیا۔ پس وہ وجد سے رو پڑا اور شکر گذاری الٰہی کا سجدہ کیا پھر اس نے کہا کہ باوجود اس شریعت نبویہ کا پاس ادب بہتر ہے لہذا اُس نے اس طعام کو مسجد سے نکال دیا۔

دنیا کی لذائذ و مرغوبات و طیبات جنپر انسان محض نفسانی خواہشات کے لئے ریجھا ہوا ہو۔ اور اُن میں اسکا روئے حق نہ ہو انکی اخروی بدبو کا نمونہ اور اس جہان کی وہ اشیاء اور محبوبات جنپر انسان کا روئے حق ہو انکی اخروی خوشبو کی مہک ابھی دنیا میں اسی جسم سے محسوس ہو سکتی ہے مگر یہ امر عام نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کی عجائبات غیبیہ اور اُسکی قدرت کا نمونہ ہے جسکے لئے وہ چاہے اسکو اسی دنیا میں دکھاتا اور محسوس کرا دیتا ہے۔

خاکسار راقم الحروف کو اول و آخر الذکر ہر دو امور کا تجربہ ہو چکا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ غالباً عرصہ ۲۰ سال کا گذرا ہوگا کہ میں نے حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء علوم الدین کی جلد چہارم میں جب یہ باتیں پڑھیں کہ جن انسانوں کے دل دنیا کے زخارف سے چسپیدہ ہوتے ہیں انکی نزع سخت ہوتی ہے اور مرتے وقت ان سے ایک بدبو نکلتی ہے جس سے ملائکہ کو نفرت ہوتی ہے ان باتوں میں سے کسی میں مجھے تردد تھا کہ ایک روز اسکو پڑھتے ہوئے مجھپر نیند غالب آگئی۔ رؤیا کی حالت میں مجھے نمودار ہوا کہ مجھپر حالت نزع طاری ہو گئی ہے۔ اور ایک فرشتہ دندانہ دار آری لے کر میرے حلق کو کاٹ رہا ہے جس سے مجھے اتنی سخت تکلیف محسوس ہوئی کہ اسکا بیان میرے قلم ناتوان کی نوک پر نہیں آسکتا۔ الٰہی الاماں۔ پھر خروج روح کے وقت ایک سخت بدبو محسوس ہوئی اور مجھے اسطرف ایما ہوا کہ دنیا سے دل لگانے والوں کی یہ حالت ہوا کرتی ہے۔ اور اموال و زخارف دنیا جنکے ساتھ دل کو چسپیدگی ہو یہ انکی بدبو ہے۔ اور غزالی کی کتاب احیاء علوم الدین کی یہ تفہیم ہے۔

دوسرے امر کے متعلق مجھے قدرت ایزدی کا نمونہ یہ محسوس و مشہود ہوا کہ بہت مدت نہیں گذری مجھے بعض اہل اللہ کے مقبرہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے۔ جب میں اُس مقبرہ کے اندر داخل ہوا تو مجھے اسمیں سے ایسی خوشبو آئی جسکی نظیر اس دنیا میں مجھے کبھی ابتک محسوس نہیں ہوئی۔ چنانچہ میں نے اُسوقت اپنے دوسرے ساتھی کو بھی کہا کہ مجھے اس مقبرہ میں سے ایک نہایت عمدہ خوشبو آتی ہے مگر اُس نے اسبات کی تصدیق نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ جسکے لئے خدا تعالےٰ چاہے کبھی وقت اُسکی کسی حس کو تیز کر دیتا ہے اور اُسکے ذریعہ کسی دور کی چیز کا اُسکو احساس و مشاہدہ ہوتا یا آواز آجاتی ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر ایک چیز جو بظاہر بعض اشخاص کو معیوب و مکروہ معلوم ہوتی ہے جیسے کہ روزہ ور روزہ دار اور اُسکے موتھ کی بُو۔ اور بموجب خبر مخبر صادق حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کے نزدیک اسکا انجام و مآل اچھا بتایا گیا ہو۔ تو اسکو نظر حقارت سے نہ دیکھنا چاہئے بلکہ اُسپر ایمان چاہئے اور جن مرغوبات و طیبات و معطرات کے نتائج و حقائق خدا تعالےٰ کے نزدیک حسب فرمودہ نبوی بدبودار ٹھہر چکے ہیں اُنپر بہت ریجھنا نہ چاہئے۔

کیا پچھنے لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟
اسکی وجہ

سوال - کیا پچھنے لگانے سے روزہ کا ٹوٹنا خلاف عقل نہیں ہے۔ ابن ماجہ جلد اول میں لکھا ہے عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ ط

ترجمہ - یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پچھنے لگانے والا اور جسکو پچھنے لگائے جائے ہیں دونوں اس فعل سے روزہ کو افطار کر دیتے ہیں۔

جواب - بموجب صحت حدیث مذکور جنکے نزدیک پچھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہ اسکی تائید میں وجوہات ذیل پیش کرتے ہیں۔

۱ - پچھنے سے روزہ کا ٹوٹنا مطابق قیاس عقل ہے۔ اور یہ بات اس قاعدہ منضبطہ سے معلوم ہو سکتی ہے کہ شارع صوم جسکی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں اُس نے روزہ کو اکمل و اقوم وجوہ پر مشروع کیا اور اس میں نہایت اعتدال کی تاکید فرمائی یہانتک کہ روزہ وصال سے منع فرمایا اور تعجیل افطار و تاخیر سحر کا امر فرمایا۔ اسلئے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزہ کو معتدل تر و افضل تر ٹھہرایا۔

روزہ میں اعتدال کی یہ شرط ہے کہ انسان اپنے اندر اُس چیز کو داخل نہ کرے جس سے اُسکی تقویت و قیام ہوتا ہے مثلاً کوئی کھانے و پینے کی چیز اپنے پیٹ میں داخل نہ کرے۔ اور نہ کوئی چیز اپنے اندر سے باختیار خود نکالے جسکے ساتھ انسان کا قیام ہوتا ہے مثلاً قے و اخراج منی۔ اور پھر جن چیزوں سے انسان احتراز کر کے بچ سکے اور جنسے بچنا ناممکن ہو انکے درمیان فرق کر کے بتا دیا کہ جو امور انسان کے اختیار سے باہر ہوں اُن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

مثلاً احتلام اور خود بخود قے کے آنے اور گرد و غبار اڑ کر منہ میں داخل ہونے اور وضو و غسل کرنے کے وقت پانی بے اختیار پیٹ کے اندر چلا جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اور حیض کو بوجہ درازی مدت اور کثرت خروج خون منافی روزہ ٹھہرایا۔ اور پچھنے اور زخم کے خون میں فرق بتایا۔ پچھنے کو قے و اخراج منی کیطرح قرار دیا اور حیض و زخم سے خون جاری ہونے اور نکسیر پھوٹنے کو استحاضہ اور احتلام اور خود بخود قے آنے کی مثل بتایا۔

پس بدین ادلۂ ساطعہ شریعت اسلام کو عقل سے مناسبت و مشابہت تام ہے۔

۲۔ شریعت کا ایک یہ خاصہ بھی ہے کہ وہ ذوالمعارف والحقائق ہے۔ اور اس میں کئی امور حقہ کیطرف ایما ہے۔ لہذا ایں وجہ یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کے اندر حاجم و محجوم کے اس فعل کو ناپسند کیا۔ اسمیں دو خاص شخصوں کیطرف اشارہ ہے جو ایکدوسرے کی غیبت کرتے تھے۔ لہذا فرمایا کہ غیبت سے انکے روزہ کا اجر نہیں رہتا۔ کیونکہ عالم مثال میں غیبت کرنے والے کو دیکھو تو معلوم کروگے کہ وہ جسکی غیبت کرتا ہے اُسکے خون کو چوستا ہے اور اُسکے گوشت کو کھاتا ہے اور اسی امر کیطرف خداتعالے نے اشارہ فرمایا ہے:-

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ترجمہ۔ کیا تم میں سے کسیکو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھاوے اور تمکو اُس سے گھن آتی ہو۔

جب کسیکو پتہ لگ جاوے کہ فلاں شخص نے میری غیبت کی اور میری کوئی بدی بیان کی تو اسکو ایک غم و ہم شروع ہو جاتا ہے جس سے اسکا خون و گوشت کم ہوتا جاتا ہے۔ اور پھر وہ اپنے غیبت کرنے والے کی بدیوں کا اظہار و غیبت و بدگوئی شروع کر دیتا ہے۔ اور اسطرح سے وہ دونوں ایک دوسرے کے حاجم و محجوم ٹھہرتے ہیں۔

اس حدیث کی صحت میں بعض محدثین نے جرح کی ہے کیونکہ اسکے برخلاف احادیث بھی بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ صَائِمٌ مُحْرِمٌ ترجمہ یعنے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے حالانکہ آپ نے بحالت احرام روزہ رکھا ہوا تھا۔ اسی بیان پر فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالے نے لکھا ہے کہ پچھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

حدیث مذکور کے جواب میں شارح سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پچھنے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا روزہ تھا کیونکہ آنحضرت

اُسوقت سفر میں تھے یا یہ کہ آپ کا وہ روزہ نفلی تھا جسکو افطار کرنا درست ہے اسلئے اسکو پچھنے سے آپ نے افطار فرمایا اور پھر یہ بھی آیا ہے کہ آپ اُسوقت حج وداع میں تھے لہذا اُسوقت آپکا روزہ نفلی تھا کیونکہ آپ اُسوقت سفر میں تھے۔

راقم الحروف کے نزدیک اسمیں کوئی اتنا بڑا خفا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ پچھنے لگوانا امتلائے خون وغیرہ کے باعث سے ہوتا ہے اور یہ ایک مرض ہے اور مریض پر خداتعالے نے فرضی روزہ بھی واجب نہیں کیا تو ایسی حالت میں جبکہ آپ پر سفر و مرض کی دونوں حالتیں تھیں آپ نے اپنے اوپر روزہ نہ نفلی و نہ لازمی ٹھہرایا ہوگا۔ فضل

ماہ رمضان میں مسافر و مریض پر روزہ واجب نہونیکی وجہ

عبادات الٰہی وہی قابل اعتبار و قبولیت کے ہوتی ہیں جنمیں انسان کو اپنی جسمی حالت کے ہر امر میں پورا پورا اختیار ہو اور کوئی خارجی ہرج و دقت جسم پر وارد نہ ہو بلکہ ہر چیز کے ترک و اخذ اور کھانے پینے اور نہ کھانے پینے کا اختیار رکھتا ہو۔ مگر مسافر و مریض کا حال ایسا نہیں ہوتا لہذا اُنپر ماہ رمضان کا روزہ تا ایام اقامت و صحت واجب نہیں ہوا۔

بعض علما کا قول ہے کہ ماہ رمضان میں مسافر و مریض روزہ رکھ لیں تو جائز ہو جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہوتا بلکہ انپر ایام اقامت و صحت میں اسکا اعادہ واجب ہے حضرت ابن عربی کا قول ہے کہ مریض اگر حالت مرض میں ماہ رمضان کا روزہ رکھ لے تو وہ روزہ نفلی جائز ہے اور نیکی کا کام ہے مگر وہ روزہ اُنپر فرض نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ اُس روزہ کو اپنے اوپر فرض ٹھہرا لے تو جائز نہیں ہوتا۔ اور وہ ماہ رمضان میں مسافر کے روزہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

وَاَمَّا الْمُسَافِرُ فَاِنَّهٗ لَا يَكُوْنُ صَوْمُهٗ فِي السَّفَرِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَمَلَ بِرٍّ اِذَا لَمْ يَكُنْ عَمَلَ بِرٍّ كَانَ لِمَنْ لَمْ يَفْعَلْ شَيْئًا اَوْ يَكُوْنُ عَلٰى ضِدِّ بِرٍّ وَنَقِيْضِهٖ وَهُوَ الْفُجُوْرُ۔ ترجمہ۔ یعنے مسافر کا روزہ ماہ رمضان وغیرہ میں نیکی کا کام نہیں ہوتا تو جب اس حالت میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہ ہوا تو ایسا ہوا کہ جیسا کچھ نہیں کیا بلکہ یہ کام نیکی کے برخلاف اور اسکی ضد ہوتا ہے اور وہ فجور یعنے گناہ ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ ترجمہ یعنے سفر میں روزہ رکھنا نیکی میں شمار نہیں ہوتا۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف راوی ہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّائِمُ فِي السَّفَرِ كَالْمُفْطِرِ فِي الْحَضَرِ ترجمہ یعنے ماہ رمضان میں بحالت سفر روزہ رکھنا ایسا ہے

جیسا کہ کوئی ماہ رمضان میں بحالت اقامت روزہ انطار کردے۔

دراصل مسافر و مریض ہر دو کو ماہ رمضان کا روزہ بحالت سفر و مرض واجب سمجھکر رکھنا گناہ ہے مگر مریض کے لئے ایک وجہ سے جائز ہو سکتا ہے جو آئندہ بیان ہوگی۔ خدا تعالےٰ فرماتا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ترجمہ۔ یعنے جو تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو وہ ماہ رمضان کے بعد کے دنوں میں روزے رکھے۔ اسمیں خدا تعالےٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو مریض یا مسافر اپنی ضد سے یا اپنے دل کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے انہی ایام مرض و سفر میں روزے رکھے تو پھر بعد میں رکھنے کی اسکو ضرورت نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کا صریح حکم ہے کہ وہ بعد میں روزے رکھنے بعد کے روزے بہر حال اُسپر فرض ہیں۔ درمیان کے روزے اگر وہ رکھے تو امر زائد ہے اور اسکے دل کی خواہش ہے۔ اس سے خدا تعالےٰ کا وہ حکم جو بعد میں رکھنے کے متعلق ہے ٹل نہیں سکتا۔

الغرض جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہ صیام میں روزہ واجب سمجھکر رکھتا ہے وہ خدا تعالےٰ کے صریح حکم کی نافرمانی کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ مرض سے صحت پانے اور سفر کے ختم ہونے کے بعد روزے رکھے خدا کے اس حکم پر عمل کرنا چاہئے۔ کیونکہ نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھاکر کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ مریض اور مسافر اگر روزہ ماہ رمضان بوجہ وجوب رکھیں گے تو انپر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئیگا۔

مریض کا نفلی روزہ ماہ رمضان میں جائز ہونیکی وجہ

علمائے سلف کا اسبات پر اتفاق ہے کہ اگر بیمار حالت بیماری میں روزہ رکھ لے تو جائز ہوجاتا ہے اور مسافر کا روزہ جائز نہیں ہوتا اور اسمیں وجہ یہ لکھی ہے کہ مرض خلاف صحت ہے۔ اور روزہ رکھنے کی حکمتوں میں سے ایک حصول صحت جسم بھی ہے اسلئے مریض کا روزہ بغرض حصول صحت جسمانی جائز ہو سکتا ہے۔ مگر اُسپر رمضان کا روزہ بحالت مرض واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ مرض اور روزہ دو ضدیں ہیں جو آپسمیں جمع نہیں ہو سکتی ہیں مریض پر روزہ واجب ہوتا تو استعمال دوا میں روزہ کو توڑنا پڑتا اور یہ ابطال عمل کی صورت ہے جو خدا تعالےٰ کو پسند نہیں ہے۔

بھولکر کھانے پینے اور جماع کرنیوالیکا روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ

سوال۔ جبکہ صوم کے معنے ترک کرنے و روکنے کے ہیں تو جو شخص بھولکر کوئی چیز کھا پی لے اسنے حد صوم اور صفت ترک کو توڑ دیا پس اسکا روزہ کیونکر باقی رہ سکتا ہے۔

جواب۔ اگر روزہ دار بھولکر کسی چیز ناقض صوم کا استعمال کرے تو بھی امساک و ترک شرعی اُسکے حق میں موجود ہے کیونکہ شارع نے اُسکے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اَطْعَمَهٗ وَسَقَاهُ ترجمہ یعنے خدا تعالےٰ نے اسکو کھلایا اور پلایا۔ پس اسمیں بندہ کا فعل معدوم ہوتا ہے اور حالانکہ وہ کھانے والا ہوتا ہے۔ اور امساک جسکے معنے صوم یعنے روزہ کے ہیں وہ معدوم نہیں ہوتا بلکہ اُسی طرح موجود ہے۔

سال میں چھتیس روزے رکھنے سے صائم الدہر بننے کی حکمت

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں مَنْ صَامَ صِيَامَ رَمَضَانَ فَاَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ ترجمہ۔ یعنے جو شخص رمضان کے روزے رکھکر اُسکے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھ لیا کرے تو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے اور ان روزوں کی مشروعیت میں یہ بھید ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں جنکی وجہ سے اُن لوگوں کے فائدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات ہے کہ انکی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے اسلئے مخصوص کئے گئے کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے۔ اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہو سکتا ہے۔ یعنے ۳۰ + ۶ = ۳۶ اور ۳۶ کو دس کے ساتھ ضرب دینے سے تین سو ساٹھ حاصل ضرب ہوتے ہیں جو ایک سال کے دن ہوتے ہیں۔

ہر ماہ میں تین روزے مستحب ہونیکی وجہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے میں سے تین روزے رکھا کرتے تھے۔ اس امر کی وجہ و حکمت حکمائے اسلام نے یہ بیان

فرمائی ہے کہ ہر ایک مہینہ جو انسان پر وارد ہوتا ہے وہ خدا تعالےٰ کیطرف سے اُسپر بطور مہمان کے
وارد ہوتا ہے لہذا انسان پر مہمان کا حق ضیافت دینا ضروری ہے۔ اور مہمان کا حق تین یوم ہوتا ہے
یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ماہ سے تین روزے بطور مستحب مقرر کئے ہیں
اور ہر ماہ کے ابتدائی تین ایام میں روزہ رکھنے کی ترغیب فرمائی کیونکہ شریعت کا حکم ہے کہ مہمان
کے لئے ضیافت جلدی مہیا کیجائے چنانچہ فرمایا اَلْعَجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ اِلَّا فِي ثَلَاثٍ ترجمہ جلدی
کرنا شیطانی کام ہے مگر تین جگہ رحمانی کام ہے۔ انمیں سے ایک یہ ہے کہ مہمان کو کھانا جلدی
کھلانا چاہیئے۔

ماہ رمضان میں دوزخ کے دروازے بند ہونے اور بہشت کے دروازے کھلنے کی وجہ

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راوی ہیں اِذَا جَاءَ شَهْرُ رَمَضَانَ
فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔ ترجمہ یعنے جب رمضان کا
مہینہ آتا ہے تو بہشت کے دروازے کھلتے اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور
شیطان جکڑے جاتے ہیں۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ دنیا میں عام شر و بدیاں جو انسانوں سے سرزد ہوتی ہیں وہ انکی
سیری و قوت جسمی کی وجہ سے ہوتی ہیں لہذا روزہ کے باعث جب قوت جسمی میں فتور آجاتا ہے
تو گناہوں میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ پس جب انسان محض خدا تعالےٰ کے لئے بھوکے اور
پیاسے ہوتے اور گناہوں کو ترک کرتے ہیں تو انکے لئے رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے
اور بہشت کے دروازے اُنکے لئے کھل جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے دروازوں کا بند
ہونا بھی ظاہر ہے۔ کہ جب گناہوں کا دروازہ ہی بند ہو گیا جسکے باعث سے غضب الٰہی کی آگ
بھڑکتی ہے تو بے شک دوزخ کے دروازے بھی بند ہو جائینگے۔

اور شیاطین کا جکڑا جانا بھی ظاہر ہے کہ جب بنی آدم کے رگ و ریشہ جسم میں توانائی اور
شکم میں سیری ہوتی ہے تو گناہوں کیطرف بھی انسانوں کو رغبت ہوتی ہے اور اندر سے
پیٹھوں و نسوں سے شیطانی تحریکات شروع ہو جاتی ہیں۔ مگر جب سارے جسم میں بھوک و پیاس کا

اثر ہو اور بحکم الٰہی شہوانی قوتیں کو روزہ کی خاطر دبا جاوے تو اسمیں کچھ شک نہیں کہ اسطرح
سے شیطان جکڑے جاتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ
مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ كَمَجْرَى الدَّمِ ترجمہ۔ یعنے شیطان بنی آدم کے رگ و ریشہ میں خون کیطرح جاری
و رواں رہتا ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ شیطان کا مقام بنی آدم کے رگ و ریشہ
میں ہوتا ہے۔ پس جب رگ و ریشہ کی قوتوں میں فتور آجاوے اور شیطانی تحریکات کا بپاس
خاطر صوم ظہور نہ ہو تو یہی شیاطین کا جکڑا جانا ہے۔

ایام بیض کے تین روزے رکھنے کی حکمت

جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہر قمری ماہ کی تیرہویں۔ چودہویں۔
پندرہویں کے تین روزے رکھنا بطور استحباب روایت کی ہے۔

اِن روزوں کے رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ اِن تاریخوں کی راتوں و دنوں کو ایام بیض
کہتے ہیں کیونکہ ان تاریخوں کی راتیں اول سے لیکر آخر تک نور آفتاب کی روشنی جو قمر پر پڑتی
ہے اُسکے ذریعہ روشن رہتی ہیں۔

انبیاء کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جسمانی امور سے روحانی عبرت پکڑتے ہیں چنانچہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں رافع بن عقبی کو دیکھا تو اسکے نام سے یہ تعبیر لی کہ عاقبت
میں ہمارا درجہ رفیع ہوگا۔ سہیل کو دیکھکر فرمایا سَهَّلَ اللّٰهُ لَنَا اُمُوْرَنَا ترجمہ یعنے خدا تعالےٰ
ہمارے کاموں کو آسان کر دیگا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نور آفتاب کا پرتو قمر پر ملاحظہ
فرمایا کہ جس سے یہ تینوں راتیں روشن و منور رہتی ہیں اور درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں تو آپکو
دل میں اس امر کا جوش پیدا ہوا کہ اس حقیقی آفتاب یعنے ذات الٰہی کا نور بھی ہمپر اسیطرح منور
و درخشاں رہے اور کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو لہذا بشری حاجات کھانا پینا۔ جماع جو
کثافت و ظلمت سے نسبت رکھتے ہیں انکو اُس نور حقیقی کے درمیان حائل دیکھکر ترک
کر دیا اور تین روزے رکھکر درگاہ الٰہی میں بشکل صوم دعا پیش کردی کہ ہمیں بھی ویسا ہی روشن
رکھیو۔ اور ہمارے پرتو نور کو دوسروں تک پہونچا دیجیو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ
قالیہ بھی اس امر میں منقول ہیں اور اسی رنگ کو دیکھکر آپ نے تین روزے رکھے اور خدا تعالےٰ
سے دائمی نور کیلئے بصورت صیام بیض دعا درگاہ الٰہی میں پیش کی کہ جلوہ نور حقیقی کو ہم سے محجوب نہ کیجیو۔

کیونکہ آفتاب کے مقابل ابتداءً حائلہ نفوذ نور سے مانع ہوتی ہیں ورنہ نور تو ہر چیز میں درخشاں ہے نظم

کسقدر ظاہر ہے نور اُس مبدءُ الانوار کا	بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
چاند کو کل دیکھکر میں سخت بیکل ہوگیا	کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اُس میں جمالِ یار کا
اُس بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے	مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تاتار کا
ہے عجب جلوہ تیری قدرت کا پیارے ہر طرف	جسطرف دیکھیں وہی رہ ہے تیرے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تیری مشہود ہیں	ہر ستارے میں تماشا ہے تیرے چمکار کا
تونے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک	اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا
کیا عجب تونے ہر اک ذرہ میں رکھے ہیں خواص	کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا
تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں	کس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا
خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اُس حسن کی	ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا
چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے	ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا
آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب	ورنہ تھا قبلہ ترا رخ کافر و دیندار کا
ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغِ تیز	جنسے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا
تیرے ملنے کے لئے ہم مل گئے ہیں خاک میں	تا مگر درمان ہو کچھ اِس ہجر کے آزار کا
ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا	جان گھٹتی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

اِن تین ایام میں حق کا تجلی خلق میں ہوتا ہے۔ اور وہ آفتاب ہے جو ہیں چاند کی بدر کی راتوں میں چاند میں دکھائی دکھائی دیتا ہے اور ان راتوں کو روشن راتیں اور نورانی دن کہتے ہیں کیونکہ ان دنوں میں رات اول سے آخر تک روشن رہتی ہے۔ پس اِن دنوں کی راتیں بمنزلہ دنوں کے ٹھہرائی گئیں کیونکہ اِن میں تاریکی نہیں ہوتی اور بذریعہ ماہتاب سورج کی روشنی طالع رہتی ہے پس آفتاب کا ظہور ماہتاب کے آئینہ میں گویا حق کا ظہور خلق میں ہوتا ہے کیونکہ نور خداتعالیٰ کے اسمائے صفاتی میں سے ہے پس وہ اپنے اسم نور کے ساتھ ظہور ماہتاب میں ظاہر ہوا۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا ترجمہ یعنے خداتعالیٰ نے چاند کو ان میں نورانی بنایا۔ پس چاند

نور شمس کا مجلا ہے اور خداتعالیٰ نے سورج کو اِس عالم میں چراغ بنایا کیونکہ نور کو خدا سے نسبت ہے اور وہ ہر منور کو اپنے نور سے امداد دیتا ہے اور چراغ جو تیل سے روشن کیا جاتا ہے اُسکی روشنی تیل کے ذریعہ قائم رہتی ہے ایسا ہی ان اجرام کی روشنی نور الٰہی سے قائم ہے۔ جیساکہ خداتعالیٰ نے آفتاب کو عالمتاب ٹھہرایا اوراسیطرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارواح کیلئے منور بنایا کیونکہ آپ کو خداتعالیٰ دعوت تخلق الی اللہ کے لئے نور وحی سے امداد دیتا تھا اور جسکو دعوت الی اللہ کیگئی ہے وہ بالضرور اپنے جی میں سعی الی اللہ کریگا۔ پس اگر اندھیرے میں چل پڑے تو راستہ میں ہلاکت کے مقام وگڑھے نہیں دیکھ سکتا اور اسکے اور وصول الی اللہ کے درمیان گھڑا یا کنواں حائل ہوجاتا ہے اور وہ اِسمیں گر پڑتا ہے یا کوئی درخت یا دیوار راستہ میں آجاتی ہے جو آگے سے اُسکے مونھ کو لگتی ہے اور اُسکو مطلوب اور راہ وصال سے پھیر دیتی ہے اور وہ راہِ راست کو عدم تمیز کے سبب بھول جاتا ہے کیونکہ جبکہ انسان قرب الی اللہ کا ارادہ اپنے علم و عقل کے ساتھ کرے تو یہ تمام اشیاء اسکی نظر میں گمراہ کنندہ امور کی مثل ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جسکے متعلق حافظ شیرازی کہتا ہے ؎

شب تیرہ چوں سر آرم رہ پیچ پیچ زلفت ❋ مگر آنکہ شمع رویت برہم چراغ دارد

لہٰذا سالک کو ایک ایسے نور کی حاجت درکار ہوئی جسکے ساتھ اسکو مطلوب اور وصول الی اللہ سے روکنے اور محروم کرنے والی اشیاء نظر آجاویں۔ پس خداتعالیٰ نے اپنی شریعت کو ایک روشن چراغ بنایا جسکے ساتھ سالک کو راہِ وصال و مطلوب ظاہر و باہر دکھائی دے۔ اور اُس روشن چراغ یعنے شریعت کے لانے والے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اِسی جہت سے خدا نے سراجاً منیراً فرمایا ہے۔ چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا۔ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔ ترجمہ یعنے اے نبی ہم نے تجھکو چراغ روشن و شاہد و بشیر و نذیر و داعی الی اللہ کرکے بھیجا ہے اور قرآن کریم میں آپ کے متعلق ایک دوسرے مقام میں فرمایا ہے قُلْ أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ترجمہ۔ یعنے اے نبی کہدے کہ میں اور میرے تابعین علی وجہ البصیرۃ داعی الی الحق ہیں۔

پس خداتعالیٰ نے جیساکہ بنی آدم کی ظاہر بینائی کے لئے اپنی صفت نور سے ایک سراج منیر (سورج) بنایا ہے ایسا ہی اُس نے اپنی صفت نور سے ایک روحانی سراج منیر منور کرکے

ہماری روحانیت کے روشن کرنے کے لئے ہمیں عطا کیا ہے جو کہ نور الٰہی سے ممدود ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے

نعت

تا نہ نورِ احمد آید چارہ گر کس نمیگیرد ز تاریکی بدر

از طفیلِ اوست نورِ ہر نبی نامِ ہر رسل بنامِ او جلی

آں کتابے ہمچو خور رو داش خدا کز رخش روشن شد ایں ظلمت سرا

مصطفےٰ آئینۂ روئے خدا ست منعکس دروے ہمہ خوئے خدا ست

گر نہ دیدستی خدا او را بہ بیں مَن رَآنی قد رای الحق ایں یقیں

از کمالِ حکمت و تکمیلِ دیں پا نہد بر اولین و آخریں

واز کمالِ صورت و حسنِ اتم جملہ خوباں را کند زیرِ قدم

تا لعبش چوں انبیا گردد ز نور نور رخش افتد بر ہمہ نزدیک و دور

شیرِ حق پر ہیبت از ربِ جلیل دشمنان از تیغ چوں روباہِ ذلیل

مصطفےٰ مہرِ درخشانِ خدا ست بر عدوش لعنتِ از رحمن و سماست

مے درخشد بروئے حق ذرہ ذرہ او اوزرِ حق آید ز بام کوئے او

اے خدا اے چارۂ آزارِ ما کن شفاعتہائے او در کارِ ما

ہر کہ مہرش در دل و جانش نشد ناگہاں جانے در ایمانش فتد

کے ز تاریکی برآید آں غراب کو رمد زیں مشرقِ صدق و صواب

آنکہ او در ظلمتے گیرد براہ نیستش چوں روئے احمد مہر و ماہ

تا لعبش بحرِ سحانی مے شود از زمینی آسمانی مے شود

ہر کہ در راہِ محمد زد قدم انبیا راشد مثیل آں محترم

نعت

در دلم جوشند ثنائے سرورے آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

آں دلے روشن کہ روشن کرد ست صد درونِ تیرہ را چوں اخترے

از بنی آدم فزوں تر در جمال وز لآلی پاک تر در گوہرے

بر لبش جاری ز حکمت چشمۂ در دلش پر ز معارف کوثرے

روشنی از وے بہر قومے رسید نورِ او خورشید بر ہر کشورے

آیتے رحماں برائے ہر نصیر حجتِ حق بہر ہر دیدہ ورے

ناتواناں را بر حمت دستگیر خستہ جاناں را بشفقت غمخورے

حسنِ رویش بہ ز ماہ و آفتاب خاکِ کویش بہ ز مشک و عنبرے

آفتاب و مہ چہ مے مانند بدو در دلش از نورِ حق صد نیرے

یک نظر بہتر ز عمرِ جاوداں گر فتد کس را براں خوش منظرے

ہر کہ بے او زد قدم در بحرِ دیں گرد در اول قدم گم معبرے

امی و در علم و حکمت بے نظیر زیں چہ باشد حجتے روشن ترے

آں شرابِ معرفت دادش خدا کز شعاعش خیرہ شد ہر اخترے

شد عیاں از وے علی الوجہ الاتم جوہرِ انساں کہ بود آں مضمرے

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

آفتابِ ہر زمین و ہر زماں رہبرِ ہر اسود و ہر احمرے

اے خدا بر وے سلامِ ما رساں ہم بر اخوانش ز ہر پیغمبرے

ہر رسولے آفتابِ صدق بود ہر رسولے بود مہرِ انورے

ہر رسولے بود ظلِ دیں پناہ ہر رسولے بود باغے مثمرے

گر بدے نیامدے ایں خیلِ پاک کارِ دیں ماندے سراسر ابترے

ہر کہ تشکرِ بعثتِ شاں نا بجا ہست او آلائے حق را کافرے

ہست قومے کج رو و ناپاک رائے آنکہ زیں پاکاں ہمی پیچد سرے

شور بختیہائے بختِ شاں ببیں ناز بر چشم و گریزاں از خورے

چشم گر بودے غنی از آفتاب کس نبودے تیز بیں چوں شپرے

ہر کہ کور است رہبر آنش صد مغاک
وائے بر رائے گر ندارد رہبرے

الغرض جسمانی سلسلہ کے مقابل ایک روحانی سلسلہ بھی ضرور ہے اور اسکو نہ جاننے کے سبب بعض لوگوں نے اس سوال پر اپنی کتابوں میں بڑی بحث کی ہے کہ مرکز قویٰ قلب ہے یا دماغ اور اصل بات فیصلہ کن یہ ہے کہ جسمانی رنگ میں مرکز دماغ ہے کیونکہ تمام حواس کا تعلق دماغ ہی سے ہے اور روحانی رنگ میں مرکز قلب ہے۔ انبیاء علیہم الصلوات والسلام چونکہ روحانیت کیطرف توجہ رکھتے ہیں اسلئے وہ ظاہری نظارہ سے روحانی نظارہ کیطرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوات والسلام کو اللہ تعالےٰ نے سراجاً منیراً فرمایا ہے۔ اور آپ سراج منیر کیوں نہ ہوتے جبکہ آپنے دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَفَوْقِیْ نُوْرًا وَتَحْتِیْ نُوْرًا وَخَلْفِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَفِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَلَحْمِیْ نُوْرًا وَدَمِیْ نُوْرًا وَشَعْرِیْ نُوْرًا وَبَشَرِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا۔ ترجمہ۔ اے اللہ کر نور میرے دل میں اور نور میری آنکھ میں اور میرے کان میں نور اور میرے دائیں نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور میرے پٹھوں میں نور اور میرے گوشت میں نور۔ اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میرے بدن میں نور اور کر میری جان میں نور اور بڑا کر واسطے میرے نور اے اللہ بخش مجھے نور۔ فضل نور

قطب جنوبی و شمالی میں روزہ ماہ رمضان مقرر نہ ہونیکی وجہ

سوال قطبین پر چھ چھ مہینے کے دن رات ہوتے ہیں۔ اور اسکی وجہ بیان ذیل سے اسی سوال میں واضح ہوگی۔

جب آفتاب خط استوا پر ہوتا ہے تو اسکی روشنی دونوں قطبوں پر پہونچتی ہے لیکن جسقدر سورج خط استوا سے شمال کیطرف آتا ہے اُسیقدر اسکی روشنی قطب شمالی کو آگے بڑھتی اور قطب جنوبی سے وہ ہٹتی آتی ہے اور اسیواسطے قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی جاتی ہے۔ مگر سورج خط استوا سے تین مہینوں میں تو شمال کیطرف آکر خط سرطان پر پہونچتا اور پھر تین ہی مہینہ میں خط سرطان سے خط استوا پر آتا ہے۔ پس ان چھ مہینوں میں قطب شمالی آفتاب کی روشنی سے منور اور قطب جنوبی اُس سے غائب ہوتا ہے اور ایسا ہی باقی چھ مہینے جب آفتاب نصف کرہ جنوبی میں ہوتا ہے قطب جنوبی تو آفتاب کی

روشنی سے منور اور قطب شمالی تاریکی میں ہوتا ہے اور اسیواسطے ان دنوں قطب جنوبی پر دن اور قطب شمالی پر رات ہوتی ہے۔ یعنے ۲۱ مارچ سے ۲۲ ستمبر تک آفتاب کے نصف کرہ شمالی میں رہنے کے سبب قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی ہے۔
پس جہاں رات چھ ماہ کی اور دن بھی چھ ماہ کا ہو وہاں روزہ رکھنے کا کیا انتظام ہوگا کسی انسان کی اتنی طاقت و وسعت نہیں ہے کہ اتنے بڑے دن چھ ماہ کا روزہ رکھ سکے۔ اور چھ ماہ تک غروب آفتاب کا انتظار کرے اور بھوکا پیاسا رہے۔ مثلاً گرین لینڈ میں جو جاوے وہاں اُسکے روزے کا کیا انتظام ہو۔

جواب قطبین و گرین لینڈ وغیرہ پر روزہ رکھنے کے مسئلہ کو قرآن کریم نے بھلا نہیں دیا۔ بلکہ واضح کرکے بتا دیا ہے۔ ایک مختصر سی تمہید کے بعد اس مسئلہ کو بعونہ تعالےٰ واضح کر دیا جائیگا۔
چور کا ہاتھ کاٹنا قرآنی حکم اور اسلام کا عملدرآمد تھا اور ہاتھ کٹے چور مسلمان بھی ہو جاتے اور ہوتے تھے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ اور قرآن کریم میں وضو اور تیمم کے وقت دونوں ہاتھوں کا دھونا یا مسح کرنا ضروری تھا پھر جو ہاتھ کٹے۔ اُن ہاتھ کا مسئلہ کیوں چھوڑ دیا گیا بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان کو عقلمند بنایا ہے۔ کیا مناسب نہیں کہ انسان کہیں عقل سے بھی کام لے جہاں ہاتھ ہی نہیں اُنکا دھونا کیسا۔ اور جہاں ماہ رمضان ہی نہیں وہاں رمضان کے روزے چہ معنے دارد۔

۲۔ ماہ رمضان میں خدا تعالےٰ نے روزہ رکھنا انسان پر واجب ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ ترجمہ۔ یعنے جو شخص ماہ رمضان کو پائے وہ اُسکے روزے رکھے۔ پس جہاں رمضان کی نوبت ہی نہیں آتی اور جہاں ماہ رمضان موجود ہی نہیں ہے وہاں روزے بھی مقرر نہیں ہوئے۔ ایسے مقامات میں یہی حال نماز کا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔

۳۔ بالعموم قطبین پر بنی آدم کے علاوہ دوسری اشیاء کی آبادی بھی بوجہ انجماد برف و آب و برودت قریباً ناممکن نظر آتی ہے۔ اسلئے جہاں خدا نے بنی آدم کی آبادی ہی نہیں رکھی وہاں روزہ کا تعین بھی نہیں ہوا۔ خوب سوچو کہ بادشاہی احکام کا نفاذ و اجرا وہاں ہوتا ہے جہاں اسکی رعیت موجود ہو اور جہاں اسکی رعیت ہی نہ ہو وہاں احکام کا اجرا بھی نہیں ہوتا۔

۴۔ ماہ رمضان روزوں کا مہینہ قمری ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ شَھْرُ رَمَضَانَ

اَلَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ۔ یعنے رمضان کا مہینہ وہ ہے جسمیں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور ہر قمری مہینہ ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ کا ہوتا ہے۔ پس جہاں یہ قمری مہینہ بھی نہیں ہے وہاں روزے بھی نہیں ہیں۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ۔ مفصل۔ نور۔

روزہ دار کی دو خوشیوں کی وجہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَۃٌ عِنْدَ فِطْرِہٖ وَفَرْحَۃٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّہٖ ترجمہ۔ روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک خوشی افطار روزہ کے وقت اور ایک خوشی اپنے پروردگار کو ملنے کے وقت۔

اِن خوشیوں کی حکمت یہ ہے کہ بھوک و پیاس کی وجہ سے روزہ دار کا معدہ وانتڑیاں افطار روزہ کے وقت طالب طعام و پانی ہوتی ہیں۔ پس جب وہ غذا کھاتا اور پانی پیتا ہے تو اسکے جسم میں بہ نسبت غیر صائم کے غذا و پانی سے فرحت و بشاشت پیدا ہوتی ہے۔ اور غذا و پانی اُسکو لذیذ و خوشگوار معلوم ہوتے ہیں۔ اور قوت ہاضمہ بڑھتی و صحت جسمی و صفائی روحانی ترقی پذیر ہوتی ہیں۔ یہی وہ خوشی ہے جو روزہ دار کو افطار روزہ سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری خوشی خدا تعالےٰ کے دیدار فرحت آثار کے وقت حاصل ہوگی جسمیں ساری کامیابیوں کا راز مرکوز ہے۔ اور حدیث قدسی اسیطرف مشیر ہے۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ ترجمہ۔ یعنے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دونگا۔ مفصل۔

وجہ تقرری صدقۂ فطر

۱۔ عید الفطر میں صدقہ اسواسطے مقرر کیا گیا کہ اول تو اسکے سبب سے عید الفطر کے شعار الٰہی ہونے کی اس سے تکمیل ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اسمیں روزہ داروں کے لئے طہارت اور انکے روزہ کی تکمیل ہے جسطرح کہ نماز میں فرائض کی تکمیل کے لئے سنتیں مقرر کیگئی ہیں ایسا ہی یہ صدقہ مقرر ہوا۔

۲۔ اغنیاء و دولتمندوں و ذی وسعت لوگوں کے گھروں میں تو عید ہوتی ہے مگر مساکین و مفلسوں کے گھروں میں بوجہ ناداری اسیطرح شکل صوم ہی موجود ہوتی ہے لہذا خدا تعالےٰ نے ذی وسعت لوگوں پر بوجہ شفقت علی خلق اللہ لازم ٹھرایا کہ مساکین کو رمضان کی عید سے

پیشتر صدقہ دیدیں تاکہ وہ بھی عید کریں یہانتک کہ نماز عید پڑہنے سے پیشتر ہی انکو صدقہ دینا لازم ٹھرایا۔ اور اگر مساکین کثرت سے ہوں تو یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرنیکا ایما ہوا تاکہ مساکین کو یقین ہوجائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جاوے گی۔ نور۔

ہر ذی وسعت مسلمان پر صدقہ فطر ایک صاع جَو یا چھوہارے یا نصف صاع گندم مقرر ہونیکی حکمت

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے صدقہ فطر ہر غلام اور آزاد و مرد و عورت چھوٹے و بڑے پر جبکہ مسلمان ہوں ایک صاع چھوہارے یا جَو یعنے دو سیر پختہ اسلئے مقرر فرمائے کہ غالباً یہ مقدار ایک کنبہ کو کافی ہوتی ہے اس سے فقیر و مسکین کی حاجت پورے طور سے رفع ہوجاتی ہے اور غالباً کوئی شخص ایک صاع دینے سے ضرر بھی نہیں پاتا۔ اور جَو کے ایک صاع کو گندم کے نصف صاع پر قیاس کیا گیا ہے۔ کیونکہ اُسوقت میں بہ نسبت جَو کے گیہوں کی گرانی تھی اور امرا اُسکو کھا سکتے تھے اور مساکین گیہوں نہ کھاتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے اِذَا وَسَّعَ اللّٰہُ فَوَسِّعُوْا۔ یعنے جب خدا تعالےٰ نے تمکو وسعت اور کشادگی عطا کرے تو تم بھی صدقہ دینے میں فراخی اختیار کرو۔

واضح رہے کہ صدقہ فطر میں کھجوریں۔ چھوہارے۔ انگور خشک گیہوں۔ میوہ نصف صاع یعنے ایک سیر دینا چاہیئے۔ اور جَو۔ مکی۔ جوار۔ باجرہ۔ موٹھ ایک صاع دینا چاہئے کیونکہ ایک صاع انگریزی تول کے مطابق پختہ دو سیر کے برابر ہوتی ہے۔

بَابُ الْعِیْدَیْنِ

تقرری عید الفطر کا راز

۱۔ ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جسمیں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے بہت عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانا کھاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدٌ فَھٰذَا عِیْدُنَا۔ یعنے ہر قوم کی ایک عید ہے اور ہماری بھی ایک عید ہو تو مناسب ہے۔

۲- یہ وہ دن ہے کہ جب لوگ اپنے روزوں سے فارغ ہوتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کر چکتے ہیں اسلئے اُس دن دو قسم کی خوشیاں جمع ہوجاتی ہیں۔ طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو انکو اسلئے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہوجاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ ملجاتا ہے۔ اور عقلی خوشی یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی انکو توفیق عطا فرمائی اور انکے اہل و عیال کو دوسرے سال تک باقی رکھنے کا انپر انعام کیا۔ یہ بات لفظ عید سے مفہوم ہورہی ہے۔

لفظ عید اور فطر کے معنے و وجہ تسمیہ

لفظ عید اصل میں عوَد تھا اُسکے حرف ماقبل پر کسرہ اور مابعد پر سکون ثقیل ہونیکی وجہ سے واؤ یا سے بدل گئی۔ لفظ عید کے معنے ہیں جو پھر کر دوبارہ آوے۔ چونکہ یہ دن لوگوں کے لئے ہر سال فرحت و سرور لانے والا ہے اسلئے اُسکو عید کہتے ہیں۔ لفظ فطر کے معنے کھولنے و پھاڑنے کے ہیں چونکہ اس دن لوگ اپنا روزہ کھول لیتے ہیں اسلئے اسکو عید فطر کہتے ہیں۔

تقرری عیدین کی وجہ

ہر قوم میں کچھ دستور رسمیں اور عادات ہوتی ہیں منجملہ انکے میلے بھی ہیں جنکا متمدن اور غیر متمدن قوموں میں رواج ہے۔ میلے کے دن خوراک لباس میل و ملاقات میں خاص اور نمایاں تبدیلی ہوتی ہے۔ یہ فطرتی چیز تھی مگر اسمیں بڑھتے بڑھتے ہوا و ہوس کو بہت دخل ہوگیا بہت سے میلے تجارت کی بنیاد پر قائم ہیں۔ ہندوستان میں تجارت کے ایسے بہت میلے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر ہفتہ کسی نہ کسی گاؤں میں میلا ہوتا ہے۔

بعض میلوں میں جانوروں کو جمع کرتے ہیں جسے منڈی کہتے ہیں۔ غرض ان میلوں کی تہ میں عجیب عجیب مقاصد کام کر رہے ہیں۔ بعض تو اپنے گذارے کے لئے میلا لگاتے ہیں بعض خاص چندے اور نذر و نیاز کے لئے اور بعض محض اپنی عظمت اور جبروت کے اظہار کے لئے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جہاں بڑے بڑے احسانات ہیں انمیں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میلوں کی اصلاح کردی ہے۔ چونکہ یہ ایک فطرتی بات تھی اسلئے انکو ضائع نہیں کیا۔ صرف اصلاح کردی۔ اور وہ یوں ہے کہ آپنے جہاں ہر رسم و رواج کو اللہ تعالےٰ

کی تعظیم اور شفقت علی خلق اللہ کے نیچے رکھ لیا۔ وہاں ان میلوں میں یہ بات بھی پیدا کردی۔ عید میں آپنے اول تو تکبیر کو لازم ٹھہرایا اور خدا تعالےٰ کی تعظیم کے اظہار کے لئے وہ لفظ مقرر کیا جس سے بڑھکر کوئی لفظ نہیں ہے۔ صفات میں اکبر سے بڑھکر کوئی لفظ نہیں ہے۔ اور جامع جمیع صفات کاملہ ہونے کے لحاظ سے اللہ سے بڑھکر اس مفہوم کو کوئی لفظ ظاہر نہیں کرسکتا۔ یہ تو تعظیم لامر اللہ ہے اور مخلوق پر شفقت کرنے کے لئے رمضان کی عید میں صدقہ فطر کو لازم ٹھہرایا۔ یہانتک کہ نماز میں جب جاوے کہ اسکو ادا کرلے اور پھر یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرے تاکہ مساکین کو یقین ہوجاوے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کیجاوے گی۔ پھر عید قربان میں مساکین وغیرہم کے لئے سید الطعام لحم یعنے گوشت کی مہمانی کی ہے۔ یہ چیزیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسبات کے لئے کی تھیں کہ اللہ تعالےٰ کی نسبت فرائض جو انسان پر ہیں اور جو فرائض مخلوق کے ہیں انکو پورا کریں۔ دنیا کے کسی میلے کو دیکھ لو کہ ان میں یہ حق و حکمت کی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں جو عیدین میں ہیں۔ منور

تقرری عید قرباں کی وجہ

تقرری عبادات کے اوقات میں سے یہ بھی ہے کہ اُس وقت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو طاعت و عبادت الٰہی کی ہو اور خدا تعالےٰ نے اسکو قبول کرلیا ہو اُس سے انکی جان نثاری یاد آکر اسکیطرف رغبت ہو۔ یہ وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحکم پروردگار خدا تعالےٰ کے حضور ذبح کرکے پیش کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ اور خدا تعالےٰ نے اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جان کے بدلہ میں جنت کا دُنبہ عنایت کیا۔ اس عید میں قربانی اسی لئے مقرر کی گئی ہے کہ اسمیں ملت ابراہیمی کے آئمہ کے حالات کی یاد دہانی اور جان و مال کو خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرتے اور انکو غایت درجہ صبر کرنے کے ساتھ لوگوں کو عبرت دلائی گئی ہے اور نیز اسمیں حاجیوں کے ساتھ تشبہ اور انکی عظمت ہے اور جس کام میں وہ مصروف ہیں اسکیطرف لوگوں کو ترغیب دیگئی ہے۔

عیدین میں نماز و خطبہ مقرر ہونیکی وجہ

عیدین میں خطبہ اور نماز اسلئے مقرر ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع ذکر الٰہی اور شعار دین کی عظمت

وجلال الٰہی سے خالی نہ ہو۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک دن مخصوص ہوتا ہے کہ اسمیں اپنے تجمل کا اظہار کرتے ہیں اور خوب زیب وزینت کے ساتھ اپنے شہروں سے باہر نکلتے ہیں یہ ایسی رسم ہے کہ اس سے کوئی قوم عرب وعجم میں خالی نہیں ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو انکے لئے دو دن ایسے مقرر تھے کہ وہ اُن میں لہو ولعب یعنے کھیل وکود کرتے تھے تب آپ نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے بجائے ان دونوں کے دو اور بہتر دن بدلہ میں دیئے ہیں۔ وہ یوم اضحیٰ اور یوم فطر ہیں۔

مشہور یوں ہے کہ وہ دو دن یوم نوروز اور یوم مہرجان تھے اور انکے تبدیل کرنیکی یہ ضرورت ہوئی کہ لوگوں میں کوئی دن خوشی کا نہیں ہوتا۔ مگر مقصود اُس سے اظہار شعار دین یا آئمہ مذہب کے موافقت یا کوئی اس قسم کی اور بات ہوتی ہے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ اگر انکو آپنے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ جاہلیت کی رسم باقی رہجائے یا انکے جاہلیت کے طریقہ کا رواج ان میں پایا جائے۔ پس اسلئے آپنے بجائے ان دونوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا۔ ان میں ملت ابراہیم حنیف کے شعار کی عظمت ہے اور تجمل کے ساتھ ذکر خدا اور دیگر عبادات کو ملا دیا کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع صرف لہو ولعب نہ ہو بلکہ اُنکے اکٹھے ہونے سے اعلائے کلمۂ اسلام ہو لہذا تکبیر کا کہنا مسنون کیا گیا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ یعنے خدا تعالےٰ نے جو تمکو ہدایت فرمائی ہے اسکی بڑائی کو بیان کرو۔ اسلئے قربانی کرنا اور تکبیر بآواز بلند کہنا شروع ہوا۔

عیدین کے دنوں میں عمدہ غذا کھانے اور نفیس لباس پہننے کی وجہ

جبکہ عید خدا تعالےٰ کیطرف سے بندوں کے لئے خاص ضیافت ومہمانی کا دن مقرر ہے تو اسمیں ضرور ہوا کہ خدا تعالےٰ کی خاص ضیافت ومہمانی جو اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہے وہ عمدہ ونفیس ہو اور اسکی قدر کیجائے لہذا خدا اداد نعمائے الٰہی سے خدا تعالیٰ کیطرف سے عمدہ کھانے پکائے جائیں اور اکل وشرب ولباس میں حد جائز تک وسعت کیجاوے۔ کیونکہ اس میں خدا تعالےٰ کی ضیافت ودعوت کی تعظیم وتکریم پائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ ضیافت الٰہی کا دن ہے۔ اس لئے مومن کو چاہیئے کہ کھانے میں توسیع کردے اور غربا کی خبرگیری کرے۔ فضل۔

عیدین کی نمازوں میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ

۱۔ اسرار شریعت جلد اول کی تمہید میں مفصل بیان ہوچکا ہے کہ احکام کی علتیں اُنکے اوصاف مؤثرہ اور اُنکے بالمقابل اضداد سے معلوم ہوتی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ تکبیر الٰہی میں خدا تعالےٰ کی عظمت وجلال اور اپنا انکسار وترک ماسوا مدنظر ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ عیدین کے ایام میں انسان کوئی ایسا فعل کرتے ہیں جسمیں انکو بکثرت تکبیر الٰہی اور اپنے انکسار وعاجزی اور ترک ماسوا پر توجہ دلائی گئی ہے پس اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ لوگ عیدین کے دنوں میں بکثرت اپنے شان وشکوہ دکھاتے اور اپنے تجمل کا اظہار کرتے ہیں لہذا انکو حکم ہوا کہ ہر شان وشکوہ اور تجمل کے اظہار کے مقابلہ میں خدا تعالےٰ کی کبریائی بیان کرو اور اسکو مدنظر رکھو۔ کیونکہ اُسی نے تمکو اس دن شان وشکوہ کی اجازت دی ہے پس وہ اُسی کی بڑائی وکبریائی کا استحقاق ہے۔ ہر تکبیر میں کانوں پر ہاتھ لیجانا ترک کبر وترک ماسوا کیطرف ایماء ہے اور اپنی بڑائی وعظمت سے تائب ہونے کی تعلیم ہے۔

۲۔ جہاں کسی جائز فعل کی کثرت کا اظہار ہو اسکو بحد اعتدال لانیکے لئے اُسکے اضداد مقرر ہیں لہذا عیدین میں کثرت تکبیرات کا راز کثرت توجہ الٰہی وترک ماسوا کی طرف ایماء ہے۔

۳۔ عیدین کی نمازوں میں بہ نسبت اور نمازوں کے زیادہ تکبیرات مشروع ہونیکی وجہ کسی امر زائد کیطرف ایماء ہے جو رسم عید سے بمفہوم ہو رہا ہے۔ کیونکہ لفظ عید عود سے بنے لہذا ان میں تکبیر کا اعادہ کیا جاتا ہے کیونکہ یہ نماز عید ہے اور اسمیں خدا کی کبریائی کا اعادہ ہوتا ہے تاکہ مناجات ایک مقرر وموکد تعظیم کے ساتھ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ کسی امر کے تکرار وا عادہ اور اسکے بار بار کے کرنے سے دل میں اسکا پورا پورا اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دن کی نماز کا نام صلوۃ العید ہوا۔ کیونکہ ناموں کے حکم ومرتبہ کو شرافت وبزرگی ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ ناموں کے علم کے ذریعہ سے ہی تو آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو ملائکہ پر فوقیت وبزرگی عطا ہوئی ہے۔ پس اسم عید اعادہ تکبیر کیطرف ایماء کررہا ہے۔

۴۔ چونکہ یہ دن حظوظ نفس کا تھا لہذا خدا نے اس دن کی نمازوں میں تکبیرات بڑھادی ہیں تاکہ جس کبر وعظمت وجلال کا استحقاق خدا تعالےٰ کو ہے وہ خدا تعالےٰ ہی کو رہے اور انسانوں کو اپنے حظوظ نفس کی وجہ سے خدا کی کبر وعظمت وجلال نظر انداز نہ ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ

ان ایام کے متعلق فرمایا ہے وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ یعنے خدا تعالےٰ کی یاد سب سے بڑی ہے۔ فضل۔

عیدین میں تین و سات و پانچ تکبیرات کہنے کی حکمت

جو لوگ عیدین کی نمازوں میں تین تکبیرات کہتے ہیں۔ انکی مراد خدا تعالےٰ کے لئے اس جہان کے تینوں عالموں کے ترک کیطرف ایما ہے۔ یعنے عالم جمادات۔ عالم نباتات۔ عالم حیوانات۔

(حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)

اور جو لوگ سات تکبیرات کے عامل ہیں وہ اپنی سات صفتوں کو ترک کرنے اور خدا تعالےٰ کی صفات سبع کو ثابت کرنیکیطرف ایما کرتے ہیں۔ (مالک و شافعی رحمہما اللہ تعالےٰ)

اور جو لوگ نماز عیدین میں پانچ تکبیرات کے عامل ہیں انکی مراد ایک سے تو ذات الٰہی کا اقرار اور چار صفات۔ اللہ۔ رب۔ رحمان۔ رحیم۔ مالک یوم الدین کے اثبات کیطرف ایما ہے (شیخ اکبر محی الدین ابن عربی۔)

تکبیرات عیدین میں ہاتھوں کے اُٹھانے کی وجہ

ہر تکبیر میں ہاتھوں کا اُٹھانا انسان کیطرف سے بدرگاہ الٰہی یہ ایما رہے کہ اے خدا ہم اپنی کبریائی کو چھوڑتے اور تیری کبریائی و بڑائی کا اظہار کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا ہے وہ سب تیری کبریائی و عظمت و جلال کے لئے ہے۔ یہ ہمارا اکل و شرب و لبس و تجمل سب کچھ تیرے ہی لئے ہے ہم اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر اپنی کبریائی و عظمت سے توبہ کرتے ہیں اور اپنی زندگی و ما سب تیرے ہی لئے وقف کرتے اور تجھ ہی کو سپرد کرتے ہیں اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنے میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میرا مرنا سب خدا تعالےٰ کے لئے ہے۔

مفضل۔

باب الاُضحےٰ

نفس ضروری قربانی کی وجہ

قربانی اصل میں قربان سے ہے۔ چنانچہ صراح میں لکھا ہے۔ قُرْبَانٌ بِالضَّمِ وَھُوَ مَا یُتَقَرَّبُ

اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی یُقَالُ قَرَّبْتُ لِلّٰہِ قُرْبَانًا ترجمہ۔ یعنے قربان اُس چیز کو کہتے ہیں جسکے ساتھ انسان خدا تعالےٰ کا قرب ڈھونڈھتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ میں نے فلاں چیز خدا تعالےٰ کی قربت حاصل کرنیکے لئے نذر کی۔

چونکہ انسان قربانی سے قربت الٰہی کا طالب ہوتا ہے اسلئے اس فعل کا نام قربانی ہوا۔

۱۔ دراصل قربانی کیا ہے ایک تصویری زبان میں تعلیم ہے جسے جاہل اور عالم پڑھ سکتے ہیں خدا کسیکے خون اور گوشت کا بھوکا نہیں وہ تو وَھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ہے ایسا پاک اور عظیم الشان نہ تو کھانوں کا محتاج ہے نہ گوشت کے چڑھاوے کا بلکہ وہ تمہیں سکھانا چاہتا ہے کہ تم بھی خدا کے حضور اسطرح قربان ہوجاؤ۔ اور ادنیٰ اعلےٰ کے لئے قربان ہوتا ہے۔

۲۔ کل دنیا میں قربانی کا رواج ہے اور قوموں کی تاریخ پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادنیٰ چیز اعلےٰ کے بدلے میں قربان کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ ہم بچے تھے تو یہ بات سنی تھی کہ کسیکو سانپ زہریلا کاٹے تو وہ انگلی کاٹ دی جائے تاکہ کل جسم زہریلے اثر سے محفوظ رہے۔ گویا انگلی کی قربانی تمام جسم کے لئے قربان کی گئی ہے۔

۳۔ اسیطرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی دوست آجائے تو جو کچھ ہمارے پاس ہو اُسی کی خوشی کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے۔ گھی۔ آٹا۔ گوشت وغیرہ قیمتی اشیا اس پیارے کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔

۴۔ اس سے زیادہ عزیز ہو تو مرغے مرغیاں حتیٰ کہ بھیڑیں اور بکرے قربان کئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر گائے اور اونٹ بھی عزیز مہمان کے لئے قربان کر دیئے جاتے ہیں

۵۔ طب میں دیکھا گیا ہے کہ وہ قومیں جو جائز نہیں سمجھتیں کہ کوئی جاندار قتل ہو وہ بھی اپنے زخموں کی سینکڑوں کیڑوں کو مار کر اپنی جان پر قربان کر دیتے ہیں۔ اس سے اوپر چلو تو ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ لوگوں کو اعلیٰ کے لئے قربان کیا جاتا ہے۔ مثلاً جو چوہڑے ہیں اور گو انکی ہی عید کا دن ہو مگر انکے سپرد وہی کام ہے۔ بلکہ ایسے ایام میں انکو زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ لوگوں کی آسائش و آرام کی خاطر کوئی گندگی کسی گذرگاہ میں نہ رہنے دیں گویا ادنیٰ کی خوشی اعلیٰ کی خوشی پر قربان ہوئی۔

۶۔ اہل ہنود گئو کشی پر بڑے جوش سے کرتے ہیں۔ لداخ کے ملک میں تو ورود تک نہیں پہنچتے

کیونکہ یہ بچھڑوں کا حق ہے مگر یہاں کے ہندو تو دہو کا دیکر دودہ لیتے ہیں اور پھر اُس سے اور اسکی اولاد سے سخت کام لیتے ہیں۔ یہانتک کہ اپنے کاموں کے لئے اُنہیں مار مار کر درست کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی قربانی ہے۔

۷۔ ادنیٰ سپاہی اپنے افسر کے لئے اور وہ افسر اعلےٰ افسر کے لئے اور اعلیٰ افسر اپنے بادشاہ کے بدلے میں قربان ہوتا ہے۔ پس خدا نے اس فطرتی مسئلہ کو برقرار رکھا۔ اور اس قربانی پر تعلیم دی کہ ادنےٰ اعلیٰ کے لئے قربان کیا جائے۔

محبت میں انسان بے اختیار ہوتا ہے مگر اسمیں بھی قربانیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ چنانچہ محب بھی بندریج محبوبوں کے مراتب رکھکر ایک کو دوسرے پر قربان کرتا ہے۔ اپنا بیٹا یا جان محبوب ہے مگر دوسرے محبوب پر اسے قربان کر دینے میں عذر نہیں۔

۸۔ انسان کو مال کی محبت ہے۔ بی بی کی الفت ہے۔ بچوں سے پیار ہے یار و آشنا کی محبت ہے۔ امن وچین کی محبت ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں۔ اللہ تعالےٰ کے رسولوں و صلحا سے محبت ہے۔ سچے علوم سے محبت ہے۔ اِن تمام محبتوں میں ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کیا جاتا ہے۔

۹۔ قربانی کا ایک نظارہ اسوقت ہمارے سامنے آیا جب ہم نے جہازوں کا سفر کیا اور بعض وقت مچھلی کے سوا کچھ بھی نہ مل سکا۔ اور لاچار گوشت خوری سے کام لینا پڑا ورنہ ہلاکت کا منھ دیکھنا پڑتا۔

۱۰۔ قربانی کا ایک نظارہ اُن تعلیمات سے ہمیں حاصل ہوا ہے جنکو ہر ایک عقلمند صاحب مذہب نے سخاوت اور راج نیتی و دھرم کے اندر بیان کیا ہے۔ ایک راجا اور اُسکی پرجا کی خاطر اور اُنکے فتحمند کرنے کے لئے کسقدر فوجیں اور آگ اور بجلی اور اُس سے بھی بڑھکر دشمن کش ہتھیار ایجاد کئے گئے اور انکی تعریف کی گئی۔ خود منوجی اور ستیارتھ کے مصنف اور یورپ کے غریب دل برّے کے پیروؤں نے تجویز کئے ہیں اور رات دن ایک عالم سپاہیوں کا انکی ایجاد میں مصروف ہے۔ یہ فطری تحریک بھی جو ہر زمانہ اور قوم میں جاری رہی ہے گوشت خوری کی بڑی مؤید ہے۔ اسکے خلاف ہمارے پیارے نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ ترجمہ یعنے آگ سے عذاب نہیں دیتا مگر وہی جو آگ کا مالک ہے۔ یعنے خداوند کریم۔ اور نہ آگ کے ہتھیار بنانیکی تاکید

قرآن کریم نے کی ہے۔ مگر منو اور وید نے بقول دیانند کے بڑے زور سے ایسے ہتھیاروں کے بنانے کی تاکید کی ہے۔ دیکھو ستیارتھ صفحہ ۲۷۰ چنانچہ جیسے کوئی ایک لوہے کا بان یا گولا بنا کر اُس میں ایسی اشیا رکھے کہ جو آگ کے لگانے سے ہوا میں دھواں پھیلنے اور سورج کی کرن یا ہوا کے مس ہونے سے آگ روشن ہو جائے اُسی کا نام اگنی استر (آگ کا ہتھیار) ہے جب دوسرا اسکا دفعیہ کرنا چاہے تو اُسی پر وارن استر چھوڑ دے یعنے جیسے دشمن نے دشمن کی فوج پر اگنی استر چھوڑ کر تباہ کرنا چاہا ویسے ہی اپنی فوج کی حفاظت کے لئے سیناپتی (سردار فوج) وارن استر سے اگنی استر کا دفعیہ کرے وہ ایسی اشیا کے ملانے سے ہوتا ہے کہ جنکا دھواں ہوا کے مس ہوتے ہی بادل ہو کر جھٹ برسنے لگ جائے اور آگ کو بجھا دے۔ ایسی ہی ناگ پھانس یعنے جو دشمن پر چھوڑنے سے اُسکے اعضا کو جکڑ کر باندہ لیتا ہے ویسے ہی ایک موہن استر یعنے ایسی نشیلی چیزیں ڈالنے سے بنایا جاوے کہ جسکے دہوئیں کے لگنے سے دشمن کی سب فوج سو جاوے یعنے بیہوش ہو جائے۔ اسیطرح سب شستر استر ہتھیار اوزار ہوتے تھے اور ایک تار سے یا شیشہ سے یا کسی اور چیز سے بجلی پیدا کرکے دشمنوں کو ہلاک کرتے تھے اسکو بھی اگنی استر یا شوتیاستر کہتے ہیں۔ توپ یا بندوق یہ نام غیر ملک کی زبان کے ہیں سنسکرت یا آریہ ورت کی بھاشا کے نہیں ہیں۔ البتہ جسکو غیر ملک والے توپ کہتے ہیں سنسکرت اور بھاشا میں بھشنڈی کہتے ہیں۔ جو سنسکرت ودیا نہیں پڑہتے وے غلطی میں پڑکر کچھ کا کچھ لکھتے اور کچھ کا کچھ بکتے ہیں اُسکو دانا لوگ مان نہیں سکتے"

راقم حروف۔ دانا خود سمجھ لیں کہ دیانند کی یہ تعلیم کس امر کیطرف راہنمائی کرتی ہے۔

۱۱۔ موت ایک تبدیلی اور ضروری بات ہے جو ذی روح کے واسطے لازمی ہے کوئی دوسرا اُسکو قتل کرے یا نہ کرے کیونکہ اُسے دیالو کرپالو نے آخر ضرور مارنا ہے پس اگر جانور دوسرے کے قتل سے نہ مارا جائے تو بھی اُسکو ایک مدت کے بعد قسم قسم کے دُکھوں میں مبتلا ہو کر آخر مرنا ہوگا اور اسکو جو بیماری میں کیڑے پڑینگے وہ بھی آخر ہلاک ہو جائینگے اور اُسکے تعفن سے بہت سے ذی روحوں اور انسانوں کو شدید تکلیف پہونچیگی۔ پس کیا مناسب نہیں کہ جانوروں کو اُن دُکھوں سے بچانیکے لئے قتل کیا جائے اور پھر اُن سے کوئی کام بھی لیا جائے۔ قتل کا دُکھ بہر حال عام بیماریوں سے بہت تھوڑا ہے کیونکہ وہ آنی ہے۔ اور تبدیلی مرض الموت کا آخر ایک زمانہ کے بعد اور زمانہ تک آنا ضروری ہے۔ اگر کہا جائے کہ آدمیوں کے لئے بھی کیوں ایسی موت تجویز

نہ ہو تو یہ ظاہر ہے کہ ایسی اضطراری موت فوجی جوانوں کے لئے تجویز کی گئی ہے اور عام اہلِ
نہیں کہ انسان کے ساتھ بہت سے حقوق متعلق ہوتے ہیں انکا ضائع ہونا زیادہ دکھوں کا
موجب ہے۔

۱۲۔ قربانی کا ایک اور نظارہ دیانندی طرز کا ہمیں یہ دکھائی دیا ہے کہ آریوں کے نزدیک
درخت بھی وہی روحیں رکھتے ہیں جو انسان رکھتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۲۴۳ ستیارتھ پرکاش
جہاں لکھا ہے "جو نہایت درجہ کے تموگنی ہیں وہ غیر متحرک درخت وغیرہ کیڑے مکوڑے
کا مچھلی۔ سانپ۔ کچھوا۔ مویشی اور مرگ (جنگلی چوپایہ) کا جنم پاتے ہیں" (سنو ۱۲-۴۲)۔

اس قانون اور اعتقاد کی بناپر ایک درخت کا کاٹنا اور مرگ کا قتل کرنا برابر ہو جاتا ہے
ابن اصول کو مدنظر رکھکر آریوں پر فرض ہے کہ ایک درخت کے کاٹنے پر بھی وہی کائیں
کائیں کریں جو گائے کے قتل پر چشر برپا کرتے ہیں۔ ورنہ دیانند کے بنائے ہوئے اصول
کو وہ جوتیوں کے نیچے روندتے ہیں۔ اور درختوں میں بیہوشی کا عذر دعویٰ بے دلیل ہے۔

۱۳۔ قربانی دینا ہمارے دین اسلام میں اُن کاموں میں سے شمار کیا گیا ہے کہ جو اللہ تعالےٰ
کے قرب کا موجب ہوتے ہیں اور اُس سواری کیطرح یہ کام سمجھا گیا ہے جو اپنی سیر میں بجلی
سے مشابہ ہو جسکو بجلی کی چمک سے مماثلت حاصل ہو اسی وجہ سے ذبح ہونے والے جانور
کا نام قربانی رکھا گیا۔ کیونکہ حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ قربانیاں خدا تعالیٰ کے قرب اور ملاقات
کا موجب ہیں اُس شخص کے لئے کہ جو قربانی کو اخلاص اور خداپرستی اور ایمانداری سے ادا
کرتا ہے۔ قربانی شریعت کی بزرگتر عبادتوں میں سے ہے اسلئے قربانی کا نام عربی زبان میں
نسیکہ ہے اور نسک کا لفظ عربی زبان میں فرمانبرداری اور بندگی کے معنوں میں آیا ہے
اور ایسا ہی یہ لفظ یعنے نسک اُن جانوروں کے ذبح کرنے پر بھی زبان مذکور میں استعمال
پاتا ہے جنکا ذبح کرنا مشروع ہے۔ پس یہ اشتراک کہ جو نسک کے معنوں میں پایا جاتا ہے
قطعی طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حقیقی پرستار اور سچا عابد وہی شخص ہے جس نے
اپنے نفس کو مع اسکی تمام قوتوں اور مع اُسکے اُن محبوبوں کے جن کیطرف اسکا دل کھینچا گیا ہے
اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے ذبح کر ڈالا اور خواہش نفسانی کو دفع کیا۔ یہانتک کہ تمام
خواہشیں پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں اور نابود ہو گئیں اور خود بھی گداز ہو گیا اور اُسکے وجود کا کچھ
نمود نہ رہا اور چھپ گیا اور فنا کی تند ہوائیں اُس پر چلیں اور اُسکے وجود کے ذرات کو اس

ہوا کے سخت دھکے اُڑا کر لے گئے۔ اور جس شخص نے ان دونوں مفہوموں میں کہ جو باہم
نسک کے لفظ میں مشارکت رکھتے ہیں غور کی ہو گی اور اس مقام کو تدبر کی نگاہ سے
دیکھا ہو گا اور اپنے دل کی بیداری اور دونوں آنکھوں کے کھولنے سے پیش و پس کو زیر
نظر رکھا ہو گا پس اس پر پوشیدہ نہیں رہیگا۔ اور اس امر میں کسی قسم کی نزاع اسکے دامن
کو نہیں پکڑیگی کہ یہ دو معنوں کا اشتراک کہ جو نسک کے لفظ میں پایا جاتا ہے اس بھید کیطرف
اشارہ ہے کہ وہ عبادت جو آخرت کے خسارہ سے نجات دیتی ہے وہ اُس نفس امارہ کا ذبح
کرنا ہے کہ جو بُرے کاموں کے لئے زیادہ سے زیادہ جوش رکھتا ہے اور ایسا حاکم ہے کہ ہر وقت
بدی کا حکم دیتا رہتا ہے پس نجات اس امر میں ہے کہ اس بُرا حکم دینے والے کو انقطاع الی اللہ
کے کاردوں سے ذبح کر دیا جائے اور خلقت سے قطع تعلق کر کے خدا تعالےٰ کو اپنا مونس اور
آرام جان قرار دیا جائے اور اسکے ساتھ انواع و اقسام کی تلخیوں کی برداشت بھی کیجائے
تاکہ نفس غفلت کی موت سے نجات پائے۔ اور یہی اسلام کے معنے ہیں اور یہی کامل اطاعت
کی حقیقت ہے اور مسلمان وہ ہے جس نے اپنا مونہہ ذبح ہونیکے لئے خدا تعالےٰ کے
آگے رکھدیا ہو اور اپنے نفس کی اونٹنی کو اسکے لئے قربان کر دیا ہو۔ اور ذبح کے لئے پیشانی
کے بل اسکو گرا دیا ہو اور موت سے ایک دم غافل نہ ہو۔ پس حاصل کلام یہ ہے کہ ذبیحے اور
قربانیاں جو اسلام میں مروج ہیں وہ سب اسی مقصود کے لئے جو بذل نفس ہے بطور یاد دہانی
ہیں اور اس مقام کے حاصل کرنے کے لئے ایک ترغیب ہے اور اُس حقیقت کے لئے
جو سلوک تام کے بعد حاصل ہوتی ہے ایک ارہاص ہے۔ پس ہر ایک مرد مومن اور عورت
مومنہ پر جو خدائے ودود کی رضا کی طالب ہے واجب ہے کہ اس حقیقت کو سمجھے اور اسکو
اپنے مقصود کا عین قرار دے اور اس حقیقت کو اپنے نفس کے اندر داخل کرے یہانتک
کہ وہ حقیقت ہر ذرہ وجود میں داخل ہو جائے اور راحت و آرام اختیار نہ کرے جبتک کہ
اس قربانی کو اپنے رب معبود کے لئے ادا نہ کرے اور جاہلوں اور نادانوں کیطرح صرف
نمونہ اور پوست بے مغز پر قناعت نہ کر بیٹھے۔ بلکہ چاہئے کہ اپنی قربانی کی حقیقت کو بجالائے
اور اپنی ساری عقل کے ساتھ اور اپنی پرہیزگاری کی روح سے قربانی کی روح کو ادا کرے
یہ وہ درجہ ہے جس پر سالکوں کا سلوک انتہا پذیر ہوتا ہے اور عارفوں کا مقصد اپنی غایت کو
پہونچتا ہے اور اسی پر تمام درجے پرہیزگاروں کے ختم ہو جاتے ہیں اور سب منزلیں سترباز

اور برگزیدوں کی پوری ہوجاتی ہیں۔ اور یہانتک پہونچکر سیر اولیا کا اپنے انتہائی نقطہ تک جا پہونچتا ہے اور جب تو اس مقام تک پہونچگیا تو تو نے اپنی کوشش کو انتہا تک پہونچا دیا۔ اور فنا کے مرتبہ تک پہونچگیا پس اسوقت تیرے سلوک کا درخت اپنے کامل نشوو نما تک پہونچ جائیگا۔ اور تیری روح کی گردن تقدس اور بزرگی کے مرغزار کے نرم سبزہ تک پہونچ جائیگی اُس اونٹنی کی مانند جسکی گردن لمبی ہو اور اس نے اپنی گردن کو ایک سبز درخت تک پہونچا دیا ہو اور اسکے بعد حضرت احدیت کے جذبات ہیں اور خوشبوئیں اور تجلیات ہیں تا وہ ان رگوں کو کاٹ دے کہ جو بشریت میں سے باقی رہگئی ہوں اور بعد اسکے زندہ کرنا ہے اور باقی رکھنا اور قریب کرنا اُس نفس کا جو خدا کے ساتھ آرام پکڑ چکا ہے جو خدا سے راضی اور خدا اس سے راضی اور وہ فنا شدہ ہے تا کہ یہ بندہ حیات ثانی کے بعد قبول فیض کے لیے مستعد ہوجائے اور اسکے بعد انسان کامل کو حضرت احدیت کیطرف سے خلافت کا پیرایہ پہنایا جاتا ہے اور رنگ دیا جاتا ہے الوہیت کی صفتوں کے ساتھ۔ اور یہ رنگ ظلی طور پر ہوتا ہے تا کہ مقام خلافت متحقق ہوجائے۔ اور پھر اسکے بعد خلقت کیطرف اترتا ہے تا انکو روحانیت کیطرف کھینچے اور زمین کی تاریکیوں سے باہر لاکر آسمانی نور کیطرف لے جائے اور یہ انسان سب کا وارث کیا جاتا ہے جو نبیوں اور صدیقوں اور اہل علم اور درایت میں سے اور قرب ولایت کے سورجوں میں سے اس سے پہلے گذر چکے ہیں اور دیا جاتا ہے۔ اسکو علم الاولین کا اور معارف گذشتہ اہل بصیرت اور حکمائے ملت کے تا اسپر مقام وراثت کا متحقق ہوجائے۔ پھر یہ بندہ زمین پر ایک مدت تک جو اسکے رب کے ارادہ میں ہے توقف کرتا ہے تا کہ مخلوق کو نور ہدایت کے ساتھ منور کرے اور جب خلقت کو اپنے رب کے نور کے ساتھ روشن کرچکا یا امر تبلیغ کو بقدر کفایت پورا کردیا پس اُسوقت اسکا نام پورا ہوجاتا ہے۔ اور اسکا رب اسکو بلاتا ہے اور اسکی روح اُسکے مقر نقطہ نفسی کیطرف اُٹھائی جاتی ہے اور یہی رفع کے معنے ہیں انکے نزدیک جو اہل علم اور معرفت ہیں۔ اور مرفوع وہ ہے جسکو اسکے محبوب کے ہاتھ سے جام وصال پلایا جاتا ہے جو حسن و جمال کا دریا ہے اور ربوبیت کی چادر کے نیچے داخل کیا جاتا ہے۔ باوجود اسبات کے کہ عبودیت ابدی طور پر رہتی ہے اور یہ وہ مقام آخری ہے جس تک ایک حق کا طالب انسانی پیدائش میں پہونچ سکتا ہے۔

پس اس مقام سے غافل نہ ہو اور نہ اُس بھید سے غفلت کہو جو قربانیوں میں پایا جاتا ہے

اور قربانیوں کو اس حقیقت کے دیکھنے کے لیے آئینوں کیطرح بناؤ اور ان وصیتوں کو مت بھلاؤ اور ان لوگوں کیطرح مت ہوجاؤ جنہوں نے اپنے خدا تعالیٰ اور اپنی موت کو بھلا رکھا ہے اور اسی پوشیدہ کیطرف خدا تعالیٰ کے کلام میں اشارت کی گئی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ جو اصدق الصادقین ہے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ترجمہ۔ یعنے ان لوگوں کو کہدے کہ میری نماز اور میری عبادت اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اس خدا تعالیٰ کے لیے ہے جو پروردگار عالمیان ہے۔ پس دیکھ کہ کیونکر نسک کے لفظ کی حیات اور ممات کے لفظ سے تفسیر فرمائی ہے اور اس تفسیر سے قربانی کی حقیقت کیطرف اشارہ ہے۔

اے عقلمندو اس میں غور کرلو۔ جس نے اپنی قربانی کی حقیقت کو معلوم کرکے قربانی ادا کی اور صدق دل اور خلوص نیت کے ساتھ ادا کی پس اُس نے اپنی جان اور اپنے بیٹوں اور اپنے پوتوں کی قربانی کردی اور اُسکے لیے اجر بزرگ ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے اُسکے رب کے نزدیک اجر تھا۔ اور اسکیطرف ہمارے سید برگزیدہ اور رسول برگزیدہ نے جو کہ پرہیزگاروں کا امام اور خاتم انبیا ہے اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے اور وہ خدا کے بعد سب سچوں سے سچا ہے اِنَّ الضَّحَایَا ھِیَ الْمَطَایَا تُوْصِلُ اِلَی رَبِّ الْبَرَایَا وَتَمْحُو الْخَطَایَا وَتَدْفَعُ الْبَلَایَا ترجمہ۔ یعنے جو قربانیاں تم دیتے ہو یہ وہ سواریاں ہیں جو خدا تعالیٰ تک پہونچاتی ہیں اور خطاؤں کو محو کرتی ہیں اور بلاؤں کو دور کرتی ہیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جو ہمیں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پہونچی ہیں۔ آنجناب نے ان کلمات میں قربانیوں کی حکمتوں کیطرف فصیح کلموں کے ساتھ جو موتیوں کی مانند ہیں اشارہ فرمایا۔ در اصل روح کی قربانی ہے اور بکروں کی قربانیاں روح کی قربانی کے لیے مثل سایوں اور آثار کے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے شریعت اسلام میں بہت سے ضروری احکام کے لیے نمونے قائم کئے ہیں چنانچہ انسان کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اور اپنے تمام وجود کے ساتھ خدا کی راہ میں قربان ہو۔ پس ظاہری قربانیاں اسی حالت کے لیے نمونہ ٹھرائی گئی ہیں لیکن اصل غرض یہی قربانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ترجمہ۔ یعنے خدا تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت نہیں پہونچتا

مگر تمہاری تقویٰ اُسکو پہونچتی ہے۔ یعنے اُس سے اتنا ڈرو کہ گویا اسکی راہ میں مر ہی جاؤ اور جیسے تم اپنے ہاتھ سے قربانیاں ذبح کرتے ہو اسیطرح تم بھی خدا کی راہ میں ذبح ہو جاؤ جب کوئی تقوےٰ ذرہ درجہ سے کم ہے تو وہ ابھی ناقص ہے۔

الغرض قربانیاں اس لیئے ہوتی ہیں کہ انسان کو اللہ تعالےٰ کی وحدت پر یقین ہو جاوے اور ہر طرح سے عزیز چیزوں کی قربانی کرکے ثابت ہو جاوے کہ ان سب سے پیارا اور مقصود بالذات خدا ہی ہے اسپر سب کچھ قربان کرکے دکھا دینا ہی سچی بہادری اور صداقت ہے۔ نور۔ احمد۔ فضل۔

قربانی کے جانوروں کا ذبح کرنا خلاف رحم نہ ہونیکی وجہ

خدا تعالےٰ کو ماننے والی قومیں خواہ وہ کوئی ہوں اسبات کی ہرگز قائل نہیں ہیں کہ خدا تعالےٰ ظالم ہے بلکہ خدا تعالےٰ کو رحمان۔ رحیم۔ دیالو۔ کرپالو۔ مانتی ہیں۔ پس خدا تو ظالم نہیں اور بیشک ظالم نہیں۔

اب خدا تعالےٰ کا فعل دیکھو کہ ہوا میں باز شکرے گدھ چرغ وغیرہ شکاری جانور موجود ہیں اور وہ غریب پرندوں کا گوشت ہی کھاتے ہیں۔ گھاس اور عمدہ سے عمدہ میوے اور ہر قسم کی کوئی چیز نہیں کھاتے۔ پھر دیکھو کہ آگ میں پروانہ کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ پھر پانی کیطرف خیال کرو کہ اسمیں کسقدر خونخوار جانور موجود ہیں گھڑیال اور بڑی بڑی مچھلیاں اُود بلاؤ وغیرہ چھوٹے چھوٹے آبی جانوروں کو کھا جاتے ہیں۔ بلکہ بعض مچھلیاں قطب شمالی سے قطب جنوبی تک شکار کے لیئے جاتی ہیں۔ پھر ایک اور قدرتی نظارہ سطح زمین پر دیکھو کہ چیونٹی خور جانور کیسے زبان نکالے پڑا رہتا ہے۔ جب بہت سی چیونٹیاں اسکی زبان کی شیرینی کی وجہ سے اسکی زبان پر چڑھ جاتی ہیں تو جھٹ زبان کھینچکر سب کو نگل جاتا ہے مکڑی مکھیوں کا شکار کرتی ہے۔ گمس خور جانور اپنی غذا اُن جانداروں کو ہی مار کر بہم پہونچاتے ہیں بندروں کو چیتا مار کر کھاتا ہے۔ جنگل میں شیر بھیڑیئے تیندوے کی غذا جو مقرر ہے وہ سبکو معلوم ہے۔ بلی کسطرح چوہوں کو پکڑ کر ہلاک کرتی ہے۔

اب بتلاؤ کہ اس نظارہ عالم کو دیکھکر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون ذبح جو عام طور پر جاری ہے یہ کسی ظلم کی بنا پر ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر انسان پر حیوان کے ذبح کرنیکے ظلم کا الزام

کیا مطلب رکھتا ہے۔ انسان کو جوئیں پڑ جاتی ہیں یا کیڑے پڑ جاتے ہیں کیسی بے باکی سے انکی ہلاکت کی کوشش کیجاتی ہے۔ کیا اسکا نام ظلم رکھا جاتا ہے جب اُسے ظلم نہیں کہتے صرف اسلیئے کہ اشرف کے لیئے اخس کا قتل جائز ہے تو ذبح پر اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ غور کرو تو حضرت ملک الموت کو دیکھو کیسے کیسے انبیا و رسل بادشاہ بچے غریب امیر سوداگر سب کو مار کر ہلاک کرتے اور دنیا سے نکال دیتے ہیں۔ پھر غور کرو۔ اگر ہم جانوروں کو عید اضحیٰ پر ذبح نہ کریں اور ہمارا ذبح کرنا رحم کے خلاف ہے تو اللہ تعالےٰ انکو ہمیشہ زندہ رکھیگا اور اُنپر یہ رحم ہوگا کہ وہ نہ مریں۔

پس اس تمہید کے بعد گذارش ہے کہ اگر جانوروں کو ذبح کرنا رحم نہیں ہے تو شکاری اور گوشت خوروں کو اللہ کریم پیدا نہ کرتا۔ نیز اگر ذبح نہ کیا جاوے تو خود بیمار ہو کر مرینگے۔ پس غور کرو کہ انکے مرنے میں کیسی تکلیف انکو لاحق ہوگی۔

قانون الٰہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز بے انت بڑھنا چاہتی ہے۔ اگر ہر ایک بڑکے بیج حفاظت سے رکھے جائیں تو دنیا میں بڑ ہی بڑ ہوں اور دوسری کوئی چیز نہ ہو مگر دیکھو ہزاروں ہزار جانور اسکا پھل کھاتے ہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس بڑھنے کو روکنا منشاء الٰہی ہے۔ اگر ساری گائیوں کی پرورش کریں تو ایک وقت میں دنیا کی ساری زمین بھی اُنکے چارے کے لیئے کافی نہ ہوگی آخر بھوک پیاس سے خود انکو مرنا پڑیگا۔ جبکہ یہ نظارہ قدرت موجود ہے تو ذبح کرنا خلاف منشاء الٰہی کیوں ہے اگر کسی چیز کو ذبح نہ کریں تو پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ کبھی نہ مرے گی جب آخر مریگی تو سکھ کی موت ذبح ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہو کہ بھوکا پیاسا مر یا بیمار ہو کر بہت سے شدائد اور تکلیف اُٹھا کر مرے۔ پھر ماننا پڑیگا کہ سکھ کی موت ذبح ہی ہے۔ نور

ذبح انسان ناجائز ہونے کی وجہ

پھر کوئی کہے کہ ذبح انسان بھی جائز ہو سکتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ ذبح انسان کے لیئے بھی عمدہ تو ہے اور یہی وجہ ہے کہ شہادت کو سب نے متفق اللفظ ہو کر اعلیٰ مانا ہے مگر انسان کے ذبح نہ کرنے پر اور بہت سے قوی دلائل ہیں وجہ یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اوروں کے حقوق ہیں۔ کسیکی پرورش ہے تو کسیکا کچھ۔ اگر ایسا حکم دیں تو مشکلات کا ایک بڑا سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلیئے قتل انسان مستلزم السزا کو عرفی اور شرعی قانون میں سخت گناہ کہا گیا ہے۔ الغرض انسان کا قتل

اسلیئے تجویز نہیں ہوا کہ انسان کے ساتھ بہت سے حقوق ہوتے ہیں انکا ضائع ہونا زیادہ دکھوں کا موجب ہے۔ اور

قربانی دینے سے رفع عذاب مصائب کی وجہ

قبل ازیں کسیقدر لکھا جا چکا ہے اور ہم دنیا میں مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ہمیشہ ادنیٰ کی قربانی اعلیٰ کے لیئے ہوتی ہے اور اسکے برعکس کبھی نہیں ہوا۔ بیمار پر صدہا قسم کی بیش قیمت ادویہ کو قربان کرنا پڑتا ہے اور آخر اسکی جان بچ جاتی ہے۔ اعلیٰ کے لیئے ادنیٰ ذی روح حیوانوں کی قربانی کی فلاسفی تم پڑھ چکے ہو۔ اسی مناسبت پر ایک یہ قربانی بھی ہے کہ جب کسی شخص پر کوئی مصیبت آنے والی ہو تو اکثر اوقات قربانی دینے سے وہ مصیبت ٹل جاتی ہے اور یہ قربانی جیسا کہ عالم مادی میں موثر ہے ایسا ہی عالم ارواح میں موثر ہے۔ جب حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام پر امتحان الٰہی ہونے لگا اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات عالم مثال میں متعین ہو چلی تو خدا تعالےٰ نے اُنکے بدلہ میں ایک دُنبہ کی قربانی لیکر اُنکی وفات ٹال دی اور اُنکے بدلہ میں دُنبہ ذبح کیا گیا تو اسمٰعیلی صورت اسوقت عالم مثال میں اُس دنبہ کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ گویا خدا تعالےٰ کی درگاہ میں اسمٰعیل علیہ السلام کو دنبہ کی صورت میں ذبح کیا گیا پس چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی صورت عالم مثال میں دنبہ کی شکل سے منتقل ہوئی لہذا اُس سے وفات ٹل گئی۔ اور یہی سبب ہے کہ ہر انسان اپنے عقیقہ کا مرہون ہے۔ اس مسئلہ کو خوب غور سے سمجھ لو کہ جب قربانی متعین ہو چکے تو وہ جبر متعین ہو چکی ہے کبھی نہیں ٹلتی جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے اسمٰعیل کا ذبح کرنا ابراہیم پر متعین ہو چکا تھا اور وہ قربانی اُن سے ساقط نہ ہوئی تھی کہ خدا تعالےٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلہ میں ایک دنبہ لیا اور اُن سے موت رفع ہوئی وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ۔ ترجمہ یعنے اوس کے بیٹے ہم نے ایک بڑی قربانی کا فدیہ دیا قبول کر لیا ۱۲ مترجم

ایک ایسے واقعہ کے متعلق شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ایک شیخصاحب کے ساتھ ایک بادشاہ کی لڑکی کا حسن اعتقاد و ارادت تھی اور اُس نے شیخصاحب کو اپنے گھر طلب کیا۔ جب شیخصاحب اُسکے پاس پہونچے تو اسکا خاوند اُسکے پاس موجود تھا اور وہ شیخصاحب کے اکرام و اجلال کے لیئے کھڑا ہوا اور ہم شیخصاحب نے اُس لڑکی کو دیکھا کہ اُسپر نزع موت کی حالت طاری ہو گئی تو شیخصاحب نے بادشاہ کو کہا کہ اسکے مرنے سے پہلے اسکی موت کا تدارک کر لو۔ بادشاہ نے

کہا اب اسکا کیا تدارک ہو سکتا ہے۔ شیخ نے کہا اسکا تدارک دیت سے ہو سکتا ہے لہذا ایک کامل دیت اُسکے لیئے لائی گئی تو اسکی گھبراہٹ اور نزع میں وقفہ ہو گیا اور اس نے آنکھیں کھولیں اور شیخ کو سلام کیا۔ شیخ نے کہا تجھپر اب کچھ خوف نہیں ہے۔ لیکن یہاں ایک دقت واقع ہے اور وہ یہ ہے کہ تجھپر موت کا حکم ہو چکا ہے تو اب نا ممکن ہے کہ موت اپنا کام کئے بغیر ٹل جائے بالضرور موت کے کچھ اثر کا ظہور ہوگا اور ہم نے تمکو اُسکے ہاتھ سے لے لیا ہے اور اب موت اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ موت تو بالضرور ایک روح مقبوضہ کو لیگی اور اگر تو زندہ رہیگی تو تیرے ذریعہ مخلوق خدا کو فائدہ پہونچیگا کیونکہ تو عظیم القدر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرے بدلہ میں کسی عظیم القدر کو فدا کر دوں۔ میری ایک بیٹی ہے جو مجھے سب بیٹیوں سے زیادہ تر پیاری ہے۔ میں تیرے بدلہ میں اُسکو فدا کر دیتا ہوں۔ پھر شیخصاحب نے ملک الموت کو متوجہ ہو کر کہا کہ تو بالضرور ایک روح کو لیکر واپس اپنے پروردگار کے پاس جائیگا لہذا میری یہ بیٹی ہے جسکے ساتھ مجھے بڑی محبت معلوم ہوگی اسکی روح اس روح کے بدلہ میں لے لو کیونکہ میں نے خدا تعالےٰ سے اسکو خرید لیا ہے اور خدا تعالےٰ نے میرے اس سودا کو قبول کر لیا ہے اور میری لڑکی کو تیری آمد کے حق میں ٹھرا لیا ہے۔ لہذا تم اُسکو لیجاؤ اور اسکو چھوڑ دو۔

پھر شیخصاحب اپنے گھر کو اپنی لڑکی کے پاس چلے آئے۔ اور وہ لڑکی چنگی بھلی تھی اُسکو ابھی کوئی بیماری اُس وقت نہ تھی اُسکو کہا اے میری بیٹی مجھے اپنی جان کو راہ خدا میں بخشدے کیونکہ تیری زندگی سے مخلوق خدا کو اتنا فائدہ نہیں پہونچیگا جتنا امیر المومنین کی بیٹی زینب کی زندگی سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ لڑکی نے کہا اے باپ میں تیرے حکم میں ہوں میں نے اپنی جان آپ کو بخشدی پس شیخصاحب نے ملک الموت کو کہا کہ اسکو لے لو وہ لڑکی اسیوقت مر گئی یہ مسئلہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُنکے بیٹے اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام و ذبح عظیم سے بڑی مناسبت رکھتا ہے یہ باتیں علوم الٰہیہ کے موازنات ہیں انکو وہی لوگ جانتے ہیں جو اسکے اہل ہوتے ہیں۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایسی مصیبت کے موقعہ پر بدلہ تو ضرور چاہیئے لیکن کسی روح کا لینا ضروری نہیں ہے کیونکہ ہم نے بذات خود ایسے حال میں اپنی جان کو خرید لیا اور اُسکے بدلہ میں کوئی روح نہیں دی لیکن شیخ مذکور نے جو یہ کام کیا تو اسکی وجہ یہ ہوئی کہ شیخصاحب پر ایک حال طاری تھا جسکے سبب سے اُس نے اپنی بیٹی کا فدیہ دینا اپنے اوپر واجب ٹھرا لیا کیونکہ اُسوقت اسکا مشہد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ تھا لہذا اُسپر حال ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہوا۔ ورنہ خدا تعالےٰ حیا ہوں

اسلئے تجویز نہیں ہوا کہ انسان کے ساتھ بہت سے حقوق ہوتے ہیں انکا ضائع ہونا زیادہ دکھوں کا موجب ہے۔ نور

قربانی دینے سے رفع عذاب مصائب کی وجہ

قبل ازیں کسیقدر لکھا جاچکا ہے اور ہم دنیا میں مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ہمیشہ ادنیٰ کی قربانی اعلیٰ کے لئے ہوتی ہے اور اسکے برعکس کبھی نہیں ہوا۔ بیمار پر صدہا قسم کی بیش قیمت ادویہ کو قربان کرنا پڑتا ہے اور آخر اسکی جان بچ جاتی ہے۔ اعلیٰ کے لئے ادنیٰ ذی روح حیوانوں کی قربانی کی فلاسفی تم پڑھ چکے ہو۔ اسی مناسبت پر ایک یہ قربانی بھی ہے کہ جب کسی شخص پر کوئی مصیبت آنے والی ہو تو اکثر اوقات قربانی دینے سے وہ مصیبت ٹل جاتی ہے اور یہ قربانی جیسا کہ عالم حیات میں موثر ہے ایسا ہی عالم ارواح میں موثر ہے۔ جب حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام پر امتحان الٰہی ہونے لگا اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات عالم مثال میں متعین ہو چکی تو خداتعالے نے انکے بدلہ میں ایک دنبہ کی قربانی لیکر انکی وفات ٹال دی اور انکے بدلہ میں دنبہ ذبح کیا گیا تو اسمٰعیلی صورت اسوقت عالم مثال میں اس دنبہ کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ گویا خداتعالے کی درگاہ میں اسمٰعیل علیہ السلام کو دنبہ کی صورت میں ذبح کیا گیا پس چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی صورت عالم مثال میں دنبہ کی شکل سے منتقل ہوئی لہذا اُنسے وفات ٹل گئی۔ اور یہی قریب ہے کہ ہر انسان اپنے حقیقۃ کا مرہون ہے۔ اس مسئلہ کو خوب غور سے سمجھ لو کہ جب قربانی متعین ہو چکے تو وہ جسپر متعین ہو چکی ہے کبھی نہیں ٹلتی جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے اسمٰعیل کا ذبح کرنا ابراہیم پر متعین ہو چکا تھا اور وہ قربانی اُن سے ساقط نہ ہوئی حتیٰ کہ خداتعالے نے اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلہ میں ایک دنبہ لیا اور اُن سے موت رفع ہوئی وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔ ترجمہ یعنے اوس کے عوض ہم نے ایک بڑی قربانی کا فدیہ دیا قبول کر لیا۔

ایک ایسے واقعہ کے متعلق شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ایک شیخصاحب کے ساتھ ایک بادشاہ کی لڑکی کا حسن اعتقاد و ارادت تھی اور اس نے شیخصاحب کو اپنے گھر طلب کیا۔ جب شیخصاحب اسکے پاس پہونچے تو اسکا خاوند اسکے پاس موجود تھا اور وہ شیخصاحب کے اکرام و اجلال کے لئے کھڑا ہوا اور پھر شیخصاحب نے اُس لڑکی کو دیکھا کہ اسپر نزع موت کی حالت طاری ہو گئی تو شیخصاحب نے بادشاہ کو کہا کہ اسکے مرنے سے پہلے اسکی موت کا تدارک کر لو۔ بادشاہ نے

کہا اب اسکا کیا تدارک ہو سکتا ہے۔ شیخ نے کہا اسکا تدارک دیت سے ہو سکتا ہے لہذا ایک کامل دیت اُسکے لیئے لائی گئی تو اسکی گھبراہٹ اور نزع میں وقفہ ہو گیا اور اس نے آنکھیں کھولیں اور شیخ کو سلام کیا۔ شیخ نے کہا تجھپر اب کچھ خوف نہیں ہے۔ لیکن یہاں ایک وقت واقع ہے اور وہ یہ ہے کہ تجھپر موت کا حکم ہو چکا ہے تو اب ناممکن ہے کہ موت اپنا کام کئے بغیر ٹل جائے بالضرور موت کے کچھ اثر کا ظہور ہو گا اور ہم نے تمکو اسکے ہاتھ سے لے لیا ہے اور اب موت اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ موت تو بالضرور ایک روح مقبوضہ کو لیگی اور اگر تو زندہ رہیگی تو تیرے ذریعہ مخلوق خدا کو فائدہ پہونچیگا کیونکہ تو عظیم القدر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرے بدلہ میں کسی عظیم القدر کو فدا کر دوں۔ میری ایک بیٹی ہے جو مجھے سب بیٹیوں سے زیادہ تر پیاری ہے۔ میں تیرے بدلہ میں اُسکو فدا کر دیتا ہوں۔ پھر شیخصاحب نے ملک الموت کو متوجہ ہو کر کہا کہ تو بالضرور ایک روح کو لیکر واپس اپنے پروردگار کے پاس جائیگا لہذا میری یہ بیٹی ہے جسکے ساتھ مجھے بڑی محبت معلوم ہوگی اُسکی روح اس روح کے بدلہ میں لے لو کیونکہ میں نے خداتعالے سے اسکو خرید لیا ہے اور خداتعالے نے میرے اس سودا کو قبول کر لیا ہے اور میری لڑکی کو تیری آمد کے حق میں ٹھہرا لیا ہے۔ لہذا تم اُسکو لیجاؤ اور اسکو چھوڑ دو۔

پھر شیخصاحب اپنے گھر کو اپنی لڑکی کے پاس چلے آئے۔ اور وہ لڑکی چنگی بھلی تھی اُسکو ابھی کوئی بیماری اُس وقت نہ تھی اُسکو کہا اے میری بیٹی مجھے اپنی جان کو راہ خدا میں بخشدے کیونکہ تیری زندگی سے مخلوق خدا کو اتنا فائدہ نہیں پہونچیگا جتنا امیرالمومنین کی بیٹی زینب کی زندگی سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ لڑکی نے کہا اے باپ میں تیرے حکم میں ہوں میں نے اپنی جان آپکو بخشدی پس شیخصاحب نے ملک الموت کو کہا کہ اسکو لے لو وہ لڑکی اُسیوقت مر گئی یہ مسئلہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انکے بیٹے اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام و ذبح عظیم سے بڑی مناسبت رکھتا ہے یہ باتیں علوم الٰہیہ کے موزونات ہیں انکو وہی لوگ جانتے ہیں جو انکے اہل ہوتے ہیں۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایسی مصیبت کے موقعہ پر بدلہ تو ضرور چاہیئے لیکن کسی روح کا لینا ضروری نہیں ہے کیونکہ ہم نے بذات خود ایسے حال میں اپنی جان کو خرید لیا اور اسکی بدلہ میں کوئی روح نہیں دی لیکن شیخ مذکور نے جو یہ کام کیا تو اسکی وجہ یہ ہوئی کہ شیخصاحب پر ایک حال طاری تھا جسکے سبب سے اُس نے اپنی بیٹی کا فدیہ دینا اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا کیونکہ اُسوقت اسکا مشہد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ تھا لہذا اُسپر حال ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہوا۔ ورنہ خداتعالے

نفوس کے بدلہ میں اموال بھی لیکر چھوڑ دیتا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا ترجمہ یعنے خدا تعالے نے مومنوں سے انکی جانوں اور مالوں کو لے لیا ہے کہ انکے بدلہ میں انکو جنت ملیگا کیونکہ وہ خدا تعالے کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مارے جاتے ہیں اس بدلہ کا دینا خدا پر مقرر ہو چکا ہے کہ وہ مومنوں کو یہ بدلہ دیگا۔ پس اگر خدا تعالے انکے اموال کو نہ لیتا تو وہ اسکے ساتھ اپنی بقائے زندگی کا فائدہ حاصل کرتے۔ کیونکہ مال بھی جو موجود ہو تو وہ فوائد زندگی کے لئے ایک فدیہ ہے پس جبکہ مومنوں کو مقتول کیا تو گویا انکو معدوم کر دیا۔ پس شیخ صاحب کا مشہد اس آیت سے تھا فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ اور ہمارا مشہد عین خرید ہے اور بس۔ اور خرید زندہ چیز ہے۔ پس جسکے نزدیک خرید و فروخت زندہ تھی اسکے عوض کچھ بھی نہ دیدیا جسکے ساتھ اسکی زندگی کو خرید لیا اور وہ زندہ رہا اور اس مشہد میں موت کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا (اس سے شیخ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ انسان کے ہر فعل کو زندگی عطا ہوتی ہے لہٰذا یہ خرید و فروخت کا فعل بھی زندگی رکھتا ہے۔) وہ لکھتے ہیں فَھٰذِہٖ اٰثَارُ الْاَحْوَالِ عَلٰی قَدْرِ الشُّھُوْدِ وَھِیَ عُلُوْمُ الْاَذْوَاقِ فَھِیَ عَزِیْزَةُ الْمَنَالِ فَمَا کُلُّ عَارِفٍ یَعْرِفُھَا۔

راقم الحروف کے ایک صاحب دوست ہیں جو ابھی زندہ ہیں مجھے انہوں نے لکھا کہ مجھے کچھ قدر تکلیف ہے اور کچھ ایسے آثار بھی اُنپر مصیبت کے طاری ہونے لگے جنسے خطرہ تھا میں نے انکے لئے دعا بھی شروع کی اور راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی تاکید کی چنانچہ جب توفیق انہوں نے اس کتاب کی جلد اول میں کچھ قدر روپیہ خرچ کیا اسکے بعد ایک دن وہ ایک رویا میں مجھے سفید لباس پہنے ہوئے دکھائے گئے اور یہ تفہیم ہوئی کہ انکی مصیبت ٹل گئی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْد۔ اس امر میں علاوہ ازیں کئی اور واقعات ہیں جنکی تفصیل موجب طوالت و اطناب ہے جنسے واضح ہوتا ہے کہ قربانی اور فدیہ سے عذاب و مصائب رفع ہو جاتے ہیں۔

حقیقت روزہ و تاثیرات روزہ

جیسا کہ بہت سی ادویہ مفردہ جمع کر کے انسانی صحت کیواسطے ایک مرکب تیار کیا جاتا ہے ایسا ہی اسلامی احکام انسانی روح و جسم کی صحت و صفائی قائم رکھنے وحصولِ تہذیب کے لئے گویا کئی قسم کی مفردات کا خدا تعالے نے ایک مرکب تیار کیا ہے جسکے استعمال سے انسان دارین میں کامیاب و بامراد ہو سکتا ہے۔ پس یوں سمجھو کہ اسلام گویا انسانی اصلاح کے لئے مختلف مفردات کا

ایک معجون مرکب ہے۔ اور روزہ بھی اسی مرکب کا ایک جزو اعظم ہے۔ لہٰذا واضح ہو کہ اس جزو اسلام کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے انسان کے اخلاق مذمومہ مبدّل باخلاق حمیدہ ہو جاتے ہیں۔ درندگی و بہیمیت مبدّل بصفت ملکیت ہو جاتی ہے۔ انسانی ہمدردی کا احساس و نعمائے الٰہی کی تنگ گذاری کیطرف توجہ ہوتی ہے اور یہی امر انسان سے مطلوب ہیں۔ لہٰذا کم کھانا اور بھوک برداشت کرنا تزکیہ نفس انسانی کے واسطے ضروری ہے اس سے کشفی طاقت بڑھتی ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ بالکل ابدی زندگی کا خیال چھوڑ دینا اپنے اوپر قہر الٰہی کا نازل کرنا ہے مگر روزہ دار کو خیال رکھنا چاہئے کہ روزے سے صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان بھوکا رہے بلکہ خدا کے ذکر میں بھی بہت مشغول رہنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے ماہ رمضان میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہو کر تبتل الی اللہ کرنا چاہئے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جسکو جسمانی روٹی ملے مگر اس نے روحانی روٹی کی پروا نہ کی۔ جسمانی روٹی سے جسم کو قوت ملتی ہے ایسا ہی روحانی روٹی روح کو قائم رکھتی ہے۔ اس سے روحانی قوٰے تیز ہوتے ہیں۔

حضرت خاتم اولیا لکھتے ہیں کہ ایکبار ایام جوانی میں ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر ملک صورت مجھکو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسقدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کیلئے رکھنا سنتِ خاندانِ نبوت ہے اسبات کیطرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہلبیت رسالت کو بجالاؤں۔ میں نے رؤیا مذکورہ بالا کے موافق چھ ماہ تک برابر مخفی طور پر روزوں کا التزام کیا اس اثنا میں عجیب عجیب مکاشفات مجھپر کھلے۔ بعض گذشتہ نبیوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیا اس امت میں گذر چکے ہیں اُن سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مع حسنین و علی و فاطمہ رضی اللہ تعالے عنہم دیکھا اور یہ خواب نہ تھی بلکہ بیداری کی ایک قسم تھی۔ غرض اسطرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جنکا ذکر کرنا موجب تطویل ہے۔ اور علاوہ اسکے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستاں طور پر نظر آتے تھے جنکا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کیطرف گئے تھے جنمیں سے بعض چمکدار اور بعض سبز و سرخ تھے انکو دل سے ایسا تعلق تھا کہ انکو دیکھکر دل کو نہایت سرور پہونچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوتی جیسا کہ انکو دیکھکر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔

وہ لکھتے ہیں کہ وہ ستون درحقیقت روزہ اور خدا تعالیٰ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی
صورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنے وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر
سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہو گئی یہ روحانی امور
ہیں کہ دنیا انکو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں لیکن دنیا میں ایسے
بھی ہیں جنکو ان امور سے خبر ملتی ہے۔
لکھاتے ہیں جب میں نے چھ ماہ کے روزے رکھے تو ایک دفعہ ایک طائفہ انبیا کا مجھے ملا
اور انہوں نے کہا کہ تو نے کیوں اپنے نفس کو مشقت میں ڈالا ہوا ہے اس سے باہر نکل۔
اسیطرح جب انسان اپنے آپ کو خدا کے واسطے مشقت میں ڈالتا ہے تو وہ خود ماں باپ کیطرح
رحم کر کے اُسے کہتا ہے کہ تو کیوں مشقت میں پڑا ہے مگر جو لوگ تکلف سے اپنے آپ کو مشقت سے
محروم رکھتے ہیں خدا انکو دوسری مشقت میں ڈالتا ہے اور نکالتا نہیں۔ اور دوسرے جو خود مشقت
میں پڑتے ہیں انکو وہ آپ نکالتا ہے انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت
نہ کرے بلکہ ایسا بنے کہ خدا اُسکے نفس پر شفقت کرے کیونکہ انسان کی شفقت اسکے نفس پر
اسکے واسطے جہنم سوزاں ہے۔ اور خدا کی شفقت جنت ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام
کے قصہ پر غور کرو کہ جو آگ میں خود گرنا چاہتا ہے اُسے تو وہ خدا آگ سے بچاتا ہے اور جو خود
آگ سے بچنا چاہتے ہیں وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ یہ اسلم ہے اور یہ اسلام ہے کہ جو کچھ
خدا کی راہ میں پیش آوے اسکا انکار نہ کرے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عظمت کی فکر
میں خود لگتے تو واللہ یعصمک من الناس کی آیت نازل نہ ہوتی۔ حفاظت الٰہی کا یہی سر ہے۔

روزے اور والدین میں مناسبت مغفرت الٰہی کی حکمت

حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو آدمی بڑے بدقسمت ہیں۔ ایک وہ جس نے ماہ رمضان پایا اور
وہ گذر گیا لیکن اسکے گناہ نہ بخشے گئے۔ اور دوسرا وہ جس نے والدین کو پایا اور وہ گذر گئے اور اُسکے گناہ
نہ بخشے گئے۔ والدین کے سایہ میں جب بچہ ہوتا ہے تو اُسکے تمام ہم و غم والدین اٹھاتے ہیں اور اسکی
ساری غور و پرداخت کا بار انہی پر ہوتا ہے۔ جب انسان خود دنیوی امور میں پڑتا ہے تب
انسان کو والدین کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے والدہ کو مقدم رکھا ہے
کیونکہ والدہ بچے کے واسطے بہت دکھ اٹھاتی ہے کیسی ہی متعدی بیماری بچہ کو لاحق ہو چیچک ہو

ہیضہ ہو۔ طاعون ہو ماں اسکو چھوڑ نہیں سکتی۔ ہماری لڑکی زینب کو طاعون کی بیماری ہوئی تو
ہمارے گھر سے اُسکی والدہ ایک دم بھی اُس سے جدا نہ ہوتی تھی۔ باوجودیکہ میں منع کرتا رہا کہ یہ متعدی
بیماری ہے مگر اُسکے مرنے تک اسکی والدہ اسکی چارپائی کے پاس بیٹھی رہی۔ ماں بہت تکالیف
میں بچہ کے شریک ہوتی ہے۔ یہ طبعی محبت ہے جسکے ساتھ کوئی دوسری محبت مقابلہ نہیں کر سکتی
روزہ کو والدین سے یہ مناسبت ہے کہ جیساکہ والدین کے ذریعہ انسان کی جسمانی پرورش
و تربیت ہوتی ہے اسی مناسبت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے روزے اور والدین کا
ایک ہی جگہ ذکر فرمایا۔ اور دیکھو پارہ دوم رکوع ۷۔ جہاں خدا تعالیٰ نے انسان پر والدین کیلئے
وصیت مال کا ذکر کیا ہے وہاں اسکے اختتام کے بعد فرضیت روزہ کا ذکر شروع فرمایا ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تربیت و تکمیل کے لئے روزے اور والدین کو بڑا تعلق ہے۔

آئینہ دیکھنا و آنکھ میں سرمہ ڈالنا روزہ دار کے لئے منع نہ ہونے کی وجہ

روزہ میں یہ امر ہے کہ بول و براز یعنے عادی و غیر اختیاری امور کے سوا پیٹ سے
باختیار خود وہ اشیا نہ خارج اور نہ اسمیں داخل کیجاویں جنسے انسانی وجود کا قیام ہوتا ہے۔ مگر
آئینہ دیکھنا اور آنکھ میں سرمہ ڈالنا یا سر میں تیل ڈالنا ایسے امور نہیں ہیں جنکے ساتھ قیام وجود
انسانی ہو سکے اسلئے ان سے ممانعت نہیں ہے۔

صدقہ فطر غلہ یا اسکے بدلہ نقد مقرر ہونیکی وجہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے صدقہ فطر ایک صاع خالص جو یا انگور یا گندم مقرر فرمائے اسکی
وجہ یہ ہے چونکہ یہ مقدار شہروں و دیہات میں غالباً ایک کنبہ کی قوت کافی ہو سکتی ہے۔
اسلئے یہ مقدار معین فرمائی اور امر کیا کہ جس مقدار خوراک سے لوگ اپنے بال بچوں کی خبر گیری
و غور و پرداخت کرتے ہیں اُسی مقدار کے ساتھ مساکین کی اُس بزرگ دن میں خبر گیری کریں لہذا
جس شہر کے لوگوں کی خوراک اور کوئی چیز ہو تو انپر اسی چیز کا ایک صاع دینا لازم آتا ہے۔ مثلاً باجرہ
مکی چاول انجیر وغیرہ ہر قسم کے غلے اور اگر کسی شہر کے لوگوں کی خوراک غلے کے سوا اور اشیا ہوں

مثلاً دودھ یا گوشت یا مچھلی تو انپر لازم ہے کہ وہ اپنے قوت کا مقدار اِن اشیا میں سے جو چیز رکھتے ہوں مساکین کو دیں۔ کیونکہ مقصود تو اس سے یہ ہے کہ عید کے دن مساکین کی حاجت برآری ہوجائے اور اُنکے ساتھ انسانی ہمدردی کا حق ادا ہو۔ اسی قیاس پر آرد یعنے آٹے کا صدقہ فطر دینا جائز ہے اور پکے ہوئے طعام کا صدقہ دینا اگرچہ مساکین کے لئے زیادہ تر مفید ہے کہ اسمیں انکو کوئی محنت و مشقت اُٹھانی نہیں پڑتی۔ بلکہ غلہ مساکین کے لئے سب سے زیادہ مفید ہے کیونکہ غلہ دیر پا ہوتا ہے اور جو بات غلہ سے حاصل ہوتی ہے وہ مساکین کو پکے ہوئے طعام کثیر سے حاصل نہیں ہوتی۔ بالخصوص جبکہ پکا ہوا طعام مساکین کے پاس بکثرت جمع ہوجائے تو وہ دیر تک رہنے سے باسی ہوتا اور بگڑ جاتا ہے اور کھانے کے قابل نہیں رہتا اور اسکی حفاظت بھی ناممکن ہے اور اگر انکے لئے محض نقد دینے کا حکم ہوتا تو بھی اسمیں یہ نقص تھا کہ ہر ملک کے سکے مختلف اور آدل بدل ہوتے رہتے ہیں اسمیں بھی مساکین کی حاجت برآری کما حقہٗ نہ ہوسکتی اگر ایک خاص وزن کا صدقہ معین نہ ہوتا تو لوگ اسمیں کمی اور تساہل کرتے بلکہ نہ دیتے عربی صاع ایک وزن ہے جو خاص عرب کے لئے مخصوص ہے اور اُسی کے حساب سے ہر کسیکو صدقہ دینا لازم ہوا کیونکہ اسلامی احکام میں جہاں موازین کی قید کا حکم ہے وہاں اُنہی موازین کا مقدار معتبر ہوگا جو شاہِ عرب حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں نافذ ہونیکا حکم فرمایا۔ مگر عام کاروبار کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص سکہ یا وزن یا گز مقرر نہیں فرمایا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسبات کا علم ہوچکا تھا کہ جیسا کہ لوگوں کی تمدنی حالتوں کا تبدل ہوتا رہیگا ایسا ہی انکے قوانین تمدن کا بھی تبدل و تغیر ہوتا رہیگا۔ لہٰذا انکے لئے کوئی سکہ یا گز یا وزن مخصوص معین نہیں فرمایا کیونکہ یہ بات امت کے لئے تکلیف مالایطاق ہوجاتی۔ در اصل اس یوم عظیم یعنے عید فطر کے دن مساکین کو سوال سے لاپرواہ کردینا مقصود ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَغْنُوْهُمْ فِیْ هٰذَا الْیَوْمِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ۔ ترجمہ یعنے مساکین کو اس دن میں سوال کرنے سے غنی و لاپرواہ کردو۔ اور اِن اجناس کا دینا اسلئے مقرر فرمایا کہ لوگ عید کے دن کھانے پکانے کے اسقدر عادی نہ تھے بلکہ لوگوں کی قوت خوراک سارے ایام سال کیطرح معتاد و مقرر تھی لہذا عید قربان کے دن قربانیوں کے گوشت لوگوں کی خوراک و غذا مقرر ہونے کی وجہ سے خدا تعالےٰ کا حکم ہوا اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ترجمہ یعنے قربانیوں کے گوشت سوالی اور بے جھجکے کو دیدو اور کھلاؤ

اگر کسی گاؤں و شہر یا کسی قوم میں کے لوگوں میں غیر معتاد کھانے پکانے کی عادت اور رواج ہو تو انکو جائز بلکہ مشروع ہے کہ مساکین کے ساتھ ہر طرح سے ہمدردی کریں اور کھانے کھلائیں۔

ثبوت روزہ عہد عتیق و جدید میں

میں نے اہوا کے دریا پر منادی کرائی کہ روزہ رکھیں اور خدا کے آگے دکھ کھینچیں اور اُس سے دعا مانگیں تو کہ اپنی اور اپنی اولاد اور مال کے لئے سیدھی راہ پاویں۔ عزرا ۸ باب ۲۱ مسیح کے شاگرد مسیح سے کہنے لگے ہم کیوں دیو نہ نکال سکے۔ تو آپ جواب میں انکو فرماتے ہیں اپنی بے اعتقادی کے سبب۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں اگر تمہیں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوتا تو پہاڑ کو یہاں سے وہاں چلا سکتے اور کوئی بات تم سے ان ہونی نہ ہوتی۔ پر یہ جنس دعا اور روزے کے بغیر نہیں ملتی۔ متی ۱۷ باب ۱۹-۲۱-

نظم

هر آں کارے کہ گردد از دعائے محو جانانے — نہ شمشیرے کند آں کار نے بادے نہ بارانے
عجب دار و اثر دستے کہ دستِ عاشقش باشد — بگرداند جہانے راز بہر کار گریانے
اگر جنبد لبِ مردے ز بہر آنکہ سرگرداں — خدا از آسماں پیدا کند ہر نوع سامانے
ز کار افتادہ را بر کار دے آرد خدا زیں راہ — ہمیں باشد دلیلِ آنکہ ہست از خلق پنہانے
مگر باید کہ باشد طالب او صابر و صادق
نہ بیند روزِ نومیدی وفادار از دل و جانے

حاملہ و شیر خوار عورت پر روزہ واجب نہ ہونیکی وجہ

حاملہ و شیر خوار کو گرسنگی و کمزوری و ضعف لاحق ہو تو سقوط جنین و ہلاکت بچہ کا خطرہ ہوتا ہے اسلئے اُنپر روزہ واجب نہیں ہوا۔ اور اگر وہ روزہ رکھکر افطار کردیں تو بھی اُنپر صرف قضا لازم آتی ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔ اور فقہا بھی اسیطرف گئے ہیں۔ چنانچہ ماتن ہدایہ لکھتا ہے وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ اِذَا خَافَتَا عَلٰی وَلَدَیْهِمَا اَفْطَرَتَا وَقَضَتَا وَلَا فِدْیَةَ عَلَیْهِمَا

ترجمہ - یعنے حاملہ و شیر خوار کو اپنے بچے کی ہلاکت کا ڈر ہو تو وہ روزہ رکھکر افطار کر دیں تو انپر قضائے روزہ آتی ہے اور کوئی فدیہ و کفارہ لازم نہیں۔

تعبیرات روزہ

جو شخص اپنے آپ کو خواب میں روزہ دار دیکھے تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ وہ سلیم الدین اور لایعنی سے قلیل الکلام ہے اور جو اپنے آپکو بحالت روزہ خواب میں دیکھے کہ وہ ایسا کام کرتا ہے جو روزہ دار کو کرنا جائز نہیں تو یہ امر اسکے نقص دین پر دال ہے اور جو شخص دیکھے کہ اُس نے روزہ کو اپنے وقت پر افطار کیا تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ اسکو دین و دنیا کی بھلائی و بہتری و رزق وسیع ملیگا اور اسکے ہموم و غموم رفع ہونگے اور جو شخص خواب میں بے وقت روزہ افطار کرے تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ لوگوں کی غیبت کرتا اور جھوٹ بولتا ہے۔ بسا اوقات خواب میں افطار روزہ کی تعبیر بیماری و سفر پر دال ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہے فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ترجمہ - یعنے جو شخص تم میں سے پائے ماہ رمضان کو تو وہ اس مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی ماہ رمضان میں بیمار یا سفر پر ہو تو وہ روزہ نہ رکھے بلکہ کسی ماہ میں بحالت صحت و اقامت اُتنے دن روزے رکھکر انکی تعداد پوری کرے جو اس نے بحالت سفر یا مرض روزے نہیں رکھے۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ خواب میں روزہ رکھنا دس وجہ پر دال ہے - قدر - ریاست - علو مرتبہ - فتحمندی - زیادتی نعمت - حج - عزت - اولاد و صحت و توبہ - جس نے خواب میں جان بوجھکر روزہ افطار کیا اسکو سفر میں تکلیف ہوگی جس نے خواب میں بھولکر روزہ افطار کیا اسکی دلالت حصول رزق حلال پر ہے۔ اور جس نے خواب میں دو مہینے کے روزے رکھے اسکی دلالت گناہوں سے تائب ہونے پر ہے۔ اور جو شخص خواب میں نفلی روزہ رکھے وہ مرض سے صحت پائیگا۔ بسا اوقات خواب میں روزہ کی تعبیر صحت پر دال ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صُومُوا تَصِحُّوا ترجمہ - یعنے روزہ رکھو تو صحت حاصل ہوگی۔

کِتَابُ الحَجّ

حجّ و طواف کعبہ کی وجہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدِ نِ الَّذِیْ عَلَّمَ لَنَا النُّسُكَ لِنَهْتَدِیَ بِالنَّبِیِّهٖ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَخُلَفَائِهِ الَّذِیْنَ نَوَّرُوْا اَنْوَارَهٗ وَاَوْضَحُوا النَّاسُبُلَ الْوِصَالِ ۔ اما بعد واضح ہو کہ لفظ حج عربی زبان کا ہے جسکے معنے قصد کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں مقصد تکمیل عبادات مخصوصہ زیارت کعبہ کو حج کہتے ہیں۔

(۱) عبادت حج کا بنی آدم کے لئے موضوع ہونے میں یہ حکمت ہے کہ خدا تعالی کی عادت ہے کہ روحانی امور کے مقابل پر جسمانی امور بھی نمونہ کے طور پر پیدا کر دیتا ہے تاکہ وہ روحانی امور پر دلالت کریں۔ اسی عادت کے موافق خانہ کعبہ کی نبیاد ڈالی گئی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت دو قسم کی ہے ایک انکسار و تذلل دوسرے محبت و ایثار۔ تذلل و انکسار کے لئے اس نماز کا حکم ہے جو جسمانی رنگ میں انسان کے ہر ایک عضو کو خشوع اور خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے۔ یہانتک کہ دلی سجدہ کے مقابل پر اس نماز میں جسم کا بھی سجدہ رکھا گیا تاکہ جسم اور روح دونوں اس عبادت میں شامل ہوں۔

(۲) جسم کا سجدہ بیکار اور لغو نہیں۔ اول تو یہ امر مسلم ہے کہ خدا جیسا کہ روح کا پیدا کرنیوالا ہے ایسا ہی وہ جسم کا خالق ہے اور دونوں پر اسکا حق خالقیت ہے ماسوا اسکے جسم اور روح ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے ہیں۔ بعض وقت جسم کا سجدہ روح کے سجدہ کا محرک ہوجاتا ہے۔ اور بعض وقت روح بھی جسم میں سجدہ کی حالت پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ

جسم اور روح دونوں باہم سراپا متقابلہ کیطرح ہیں۔ مثلاً ایک شخص جب محض تکلف سے اپنے جسم میں ہنسنے کیصورت بناتا ہے تو بسا اوقات سچی ہنسی بھی آجاتی ہے کہ جو روح کے انبساط کے متعلق ہے ایساہی جب ایک شخص تکلف سے اپنے جسم میں یعنے آنکھوں میں ایک رونے کی صورت بناتا ہے تو بسا اوقات حقیقت میں رونا ہی آجاتا ہے جو روح کی دود اور رقت کے متعلق ہے۔ پس جبکہ یہ ثابت ہوچکا کہ عبادت کی اس قسم میں جو تذلل اور انکسار ہے جسمانی افعال کا روح پر اثر پڑتا ہے۔ اور روحانی افعال کا جسم پر اثر پڑتا ہے۔ پس ایساہی عبادت کی دوسری قسم میں جو محبت اور ایثار ہے انہیں تاثیرات کا جسم اور روح میں عوض معاوضہ ہے۔

(۳) محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اسکے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے ایساہی خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کے لئے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور خدا تعالے نے فرمایا ہے کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجر اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اسلئے دیا تاکہ انسان جسمانی طور پر اپنے ولولہ عشق اور محبت کو ظاہر کرے سو حج کرنیوالے حج کے مقام میں جسمانی طور پر اس گھر کے گرد گھومتے ہیں۔ ایسی صورتیں بنا کر کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں۔ زینت دور کر دیتے ہیں سر منڈا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اسکے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کرتے ہیں اور یہ جسمانی ولولہ روحانی تپش اور محبت کو پیدا کر دیتا ہے۔ اور جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہے۔ اور سنگ آستانہ کو چومتا ہے۔

(۴) اکثر آدمی اپنے پروردگار کے شوق میں تڑپتا ہے اسوقت تو اسکو ضرورت ہوتی ہے کہ کسطرح یہ اپنا شوق پورا کرے تو سوائے حج کے اور کوئی ایسی چیز نہیں ملتی۔

(۵) جیسا کہ دولت اور سلطنت کو ہمیشہ ایک آزمایش اور امتحان کی ضرورت پڑتی ہے جس سے مخلص اور منافق میں تمیز ہو جاوے۔ دوست کی شہرت ہو اسکا کلمہ بلند ہو اور سب لوگوں میں باہم جان پہچان ہو جائے۔ ایساہی مذہب کو حج کی ضرورت ہے۔ تاکہ منافق اور موافق کی بخوبی تمیز ہو جائے۔ اور دین الٰہی میں مختلف گروہوں کا داخل ہونا عیاں ہو جائے۔ ایک دوسرے سے ملیں جلیں اور ہر ایک دوسرے سے ان فوائد کو حاصل کرسکیں جو انکو حاصل نہیں ہیں۔ اسلئے کہ مقاصد باہمی مصاحبت اور ایک دوسرے کے ملنے ہی سے حاصل ہوا

کرتے ہیں۔

(۶) آئمہ دین کی حالت کو یاد کرنے اور ان کے اختیار کرنے کی آمادگی کے لئے کوئی چیز حج سے زیادہ مفید نہیں ہے۔

(۷) چونکہ حج میں دور دراز سفر کرنا پڑتا ہے وہ نہایت دشوار عمل ہے۔ بڑی مشقت سے پورا ہوتا ہے۔ اسلئے اسکی تکالیف کا برداشت کرنا خدا تعالیٰ کی خالص عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہوجاتی ہیں۔

(۸) آدمی طواف کعبہ کی وجہ سے ان مقرب ملائکہ الٰہی کے مشابہ ہوجاتا ہے جو عرش الٰہی کے گرد گھومتے ہیں۔ اور طواف کرتے ہیں۔ یہ خیال نہ کرو کہ طواف کعبہ سے مقصود صرف جسم کعبہ کا مقصود ہے بلکہ طواف سے مراد رب الکعبہ کا طواف ہے۔ یہانتک کہ ذکر کا آغاز اور انجام اسپر ہو جیسے کہ طواف کی ابتدا اور انتہا بیت پر ہوتی ہے۔ عمدہ طواف دل کا حضرت الوہیت کا طواف ہے۔ اور خانہ کعبہ عالم ظاہری میں اس دربار الٰہی کا نمونہ ہے۔ کیونکہ وہ عالم باطن میں ہے اور آنکھ سے محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ عالم ظاہری میں بدن کا نمونہ ہے۔

اس بات کیطرف یہ اشارہ ہے کہ بیت المعمور آسمان میں خانہ کعبہ کے مقابل میں ہے اور فرشتے اسکا طواف کرتے ہیں۔ چونکہ خلق کا رتبہ اس جیسے طواف سے قاصر ہے۔ لہذا ان فرشتوں کی مشابہت کا حکم ہوا کہ آدمی کا حشر اس قوم کے ساتھ ہوگا جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے اور وہ انہیں میں شمار ہوگا۔

(۹) اسلامی پانچویں اصل حج ہے۔ اہل اسلام کے قومی اجتماع کا ایک سفر۔ مسلمان بھائی محلے محلے کے آپس میں ہر روز پانچ دفعہ پانچ نماز دن میں باہم مل لیا کریں۔ یہ بات محلوں میں پانچ بار حاصل ہوجاتی ہے۔ اور شہر شہر کے اہل اسلام کا باہم ملنا بر سبیل دورہ حج کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱۰) قصبات اور دیہات اور شہری اہل اسلام کے اجتماع سال میں دو بار عید الفطر اور عید الضحےٰ پر تجویز کیا۔ کثرت بہیر میں عدم صحت کا اندیشہ اسطرح مٹایا۔ نہاؤ۔ کپڑے بدلو۔ سخت گرمی سے پہلے ہی شہر سے باہر کھلے میدان میں زن و مرد سب جا کر جمع ہوں۔ وہاں دو رکعت کی نماز ہے اور اسکے بعد ضرورتوں پر خطبہ ذ لکچر، تمام بلاد اسلام کے مسلمان بھائی

کے اجتماع کے واسطے صدر مقام وہ جگہ تجویز ہوئی جہاں سے ایسے عظیم الشان حکیمانہ مذہب کا نشو ونما اور ابتدا شروع ہوئی - الاہر ایک مسلمان فقیر ہو یا امیر ہر سال اسکا وہاں جانا خلاف فطرت تھا - اور خلاف امکان - اسلئے حکم ہوا کہ آسودہ لوگ استطاعت والے مسلمان وہاں جاویں - اور مختلف بلاد کے حالات جاننے اور اُن کے علوم وفنون کے اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر لانے نہیں اصحاب استطاعت ہی غالباً عمدہ طور پر کامیابی کا ذریعہ ہو سکتے ہیں - کمال اتحاد اور باہم برلے درجہ کی یکتائی کے واسطے اور اس لحاظ سے بھی کہ امراء و روسا کے ساتھ اُن کے غریب نوکر چاکر بھی ہونگے اور ضرور ہے کہ کوئی عاشق الٰہی غریب اور مسکین بھی وہاں جا پہونچے - حکم دیا تمام حجاج سادہ لباس - صرف دو چادروں پر اکتفا کریں - کسی کے سر پر عمامہ اور ٹوپی نہو - کوئی کرتہ نہ پہنے - کمال درجہ کی بے تکلفی اور سادگی سے باہم ملیں - اور لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ کی صدا بلند کریں - اتنا بڑا اجتماع اس صدر مقام میں کہاں ہو - شہر سے کئی کوس کے فاصلے پر نہایت بڑے وسیع میدان میں جہاں کسی مخلوق کی تعظیم کا نام ونشان ہی نہیں - نہ کوئی پتھر نہ کوئی درخت - نہ کوئی ندی - نہ کوئی رتھ -

(۱۱) اور سنو نیازمندی دو قسم ہوتی ہے - ایک نیازمندی خادمانہ - خدام کی نیازمندی اپنی آقا در بادشاہ کے سامنے - دوسری نیازمندی عاشقانہ - عاشق کی محبوب کے ساتھ پہلے قسم کی نیازمندی کو مناسب ہے کہ درباری لباس پہنکر بڑے ادب اور وقار سے مالک کے دربار میں حاضر ہو - اور تمام حکام اور رئیتوں کی اطاعت سے کان پر ہاتھ رکھکر اطاعت کا اقرار کرے - ہاتھ باندھکر حکم کا منتظر رہے - جھک کر تعظیم دے - زمین پر ماتھا رکھے - حضور کے غریب نوکروں کے لئے نذر دے -

(۱۲) عاشقانہ نیاز میں ضرور ہے - عاشق اپنے محبوب کے سامنے عشق میں بھوک اور پیاس بھی دیکھے - نہایت درجے گے اُس عزیز کو بھی جسکی نسبت لکھا ہے - انسان ماں باپ چھوڑکر اُس سے متحد اور ایک جسم ہوگا - کچھ دیر کے لئے ترک کرے - اور جہاں یقینی طور پر سُن لیا ہو کہ میرے محبوب کی عنایات اور توجہات کا مقام ہے وہاں دوڑتا کودتا سر کے عمامے اور ٹوپی سے بے خبر پہونچے - پروانہ وار وہاں فدا ہو - کہیں دشمنوں کی روک ٹوک کی جگہ سن پائے تو وہاں پتھر چلائے -

(۱۳) ہم مضمون ذیل کو بطرز اختصار قبل ازیں لکھ چکے ہیں اور اب مفصل طور پر اسکو دہراتے ہیں - نماز پنجگانہ کا باجماعت پڑھنا اور جمعہ وعیدین کی اقامت جس حکمت کے اصول پر مبنی ہیں انتظامات ملکی کا دقیقہ شناس اسکی خوبی سے انکار نہیں کرسکتا - ہزاروں برسوں کے دور کے بعد جو دنیا نے ترقی کی اور چاروں طرف غلغلۂ تہذیب بلند ہوا - اس سے بڑھکر اور کوئی تجویز کسی عقلمند میں نہ آئی - کہ کلب بنائے جائیں - انجمنیں منعقد ہوں - اور وقت کی ضروریات کے موافق قوم کو بیدار کرنے والی تقریریں کی جائیں - لیکن ظاہر ہے کہ باں ہمہ ترقی علوم ایسی انجمنوں کے قیام واستحکام کے کیا کیا طریقے نکالے جنہیں کوئی مزاحم کوئی مانع توڑ نہیں سکتا - اعضائے انجمن کے اجتماع کے لئے ٹکٹ جاری کئے جاتے ہیں - اشتہار چھاپے جاتے ہیں - اس طریق الٰہی میں وقت معین پر اذان دی جاتی ہے - جو اس پاک انجمن (مسجد) میں پہونچائے بغیر چھوڑ ہی نہیں سکتی -
قرب وجوار کے لوگوں کا ہر روز پانچ مرتبہ ایک جگہ میں جمع ہونا اور پھر شانے سے شانہ جوڑ اور پاؤں سے پاؤں ملاکر ایک ہی شخص معبود کے حضور میں کھڑا ہونا قومی اتفاق کی کیسی بڑی تدبیر ہے - ساتویں دن جمعہ کو آس پاس کے چھوٹے قریوں اور بستیوں کے لوگ صاف اور نظیف ہوکر ایک بڑی جامع مسجد میں اکٹھے ہوں اور ایک عالم بلیغ تقریر (خطبہ) حمد ونعت کے بعد ضروریات قوم پر کرے -
عیدین میں کسی قدر دور کے شہروں کے لوگ ایک فراخ میدان میں جمع ہوں اور اپنے ہادی کی شوکت مجسم کثیر جماعت منکر دنیاں کو آفتاب اسلام کی چمک دکھادیں - اور بالآخر اُس پاک زمین میں اُس غار ان میں جہاں سے اولا نور توحید چمکا کل اقطار عالم کے خدا دوست حاضر ہوں ساری بچھڑی ہوئی متفرق امتیں اُس جنگل میں اکٹھے ہوں وہاں نہ اُس مٹی اور پتھر کے گھر کی بلکہ اُس رب الارباب معبود الکل کو جس نے اُس ارض مقدس سے توحید کا عظیم الشان واعظ بے نظیر ہادی نکالا - حمد وستائش کریں -
اسطرح ہر سال اس یادگار بیت اللہ کو دیکھکر ایک نیا جوش اور تازہ ایمان دل میں پیدا کریں - جو حسب تقاضائے فطرت ایسی یادگاروں اور نشانوں سے پیدا ہونا ممکن ہے - سخت جہالت ہے اگر کوئی اہل اسلام کی سی موحد قوم کو مخلوق پرستی کا الزام لگا دے - ایسے شخص کو انسانی طبیعت کے عام میلان اور جذبات کو مدنظر رکھکر ایک واجب اللہ

امر پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ اگر قرآن کے پورے اور خالص معتقدین کے طبائع میں بت پرستی ہوتی تو انکو اپنے ہادی نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ سے بڑھ کر کون سا مرجع تھا۔ اللہ تعالےٰ نے مکہ معظمہ میں آنحضرتؐ کا مرقد مبارک نہیں ہونے دیا تاکہ توحید آلہی کا سرچشمہ پاک ہر قسم کے شوائب اور ممکن خیالات کے گرد و غبار سے پاک وصاف رہے اور مخلوق کی فوق العادت تعظیم کا احتمال بھی اُٹھ جائے۔

(۱۴) تمام قوموں میں میلوں کا رواج ہے۔ اور میلوں کا ہونا عمدہ مصالح دنیوی پر مبنی ہے کل مذاہب اور تمام اقوام کے میلے خالص توحید سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ کھیل غیر اللہ کی پرستش ہے۔ کھیل صرف دنیوی خیال ہے جو فانی اور غیر باقی ہے۔ انکو عظمت آلہی سے کچھ سروکار نہیں۔

الغرض اسلامی میلے تمام دنیا کے میلوں سے روحانیت میں بڑھے ہوئے ہیں۔

فضل۔ احمد۔ نور۔ ولی اللہ۔ غزالی ؒ

دولتمندوں پر حج واجب ہونے کی وجہ

(۱) امرا کے حق میں عیش اور کبر ہی مہلک امراض اور ترقی کے دشمن ہیں۔ دور دراز کا سفر کرنا۔ احباب اور اقارب کو چھوڑنا۔ سردی اور گرمی کی برداشت کرنا۔ مختلف بلاد کے علوم اور فنون اور اقسام مذاہب اور عادات پر واقف ہونا سستی اور نفس پروری کا خوب استیصال کرتا ہے۔

(۲) حج کے اعمال کبر و بڑائی کے سخت دشمن ہیں۔ زیب و زینت کو ترک کرنا۔ غربا کے ساتھ ننگے سر کوسوں چلنا۔ دنیاداروں مستوں عیاشوں کو کیسی کیسی ہمت بڑھانے کا موجب ہے غرض حج کیا ہے۔ اسلامیوں کو تجربہ کار اور ہوشیار بناتا ہے۔

(۳) بے ریب ایک ملک کے فوائد کو دوسرے ملک تک پہونچانے میں جیسی طاقت دولتمند رکھ سکتے ہیں ویسے ہی علے العموم غریب لوگ نہیں رکھ سکتے۔

(۴) امرا کے ساتھ جنپر حج فرض ہے ممکن ہے بلکہ ضرور ہی تھا کہ اُن کے نوکر چاکر بھی حج کرنے کو ساتھ جاویں اور کچھ لوگ غربا میں سے عشق آلہی کے مجبور کئے ہوئے بھی وہاں پہنچیں اسلئے اسلام نے بغرض کمال اتحاد اہل اسلام تجویز فرمایا کہ سب لوگ سادہ دو چادروں پر

اکتفا کر کے امیر و غریب یکساں سر سے ننگے کُرتے سے الگ سادہ وضع پر ظاہر ہوں تاکہ انکی یکتائی اور اتحاد کامل درجے پر پہونچے۔ نور

حکمت احرام حج

(۱) احرام حج باندھنے میں یہ حکمت ہے کہ حج و عمرہ کے لئے احرام ایسا ہے جیسے نماز کے لئے تکبیر تحریمہ۔ احرام کے اندر اخلاص و تعظیم اور ایک ظاہری فعل سے حج کے مصمم ارادہ کی صورت معلوم ہوتی ہے۔ اور اس میں آدمی کے نفس میں ذلت اور خشوع کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں تمام لذائذ اور عادات مالوفہ اور ہر قسم کی زینت کی باتوں کا چھوڑنا ہوتا ہے اور اس میں تعب اور خستگی اور خدا تعالےٰ کے لئے اپنی حالت کا بدلنا ہوتا ہے اور محرم کو ان اشیاء سے اجتناب کرنے کا اسلئے حکم دیا گیا ہے کہ ذلت اور ترک زینت اور خراب خستہ ہونے کے معانی پائے جائیں اور خوف رہے اور اسکی تعظیم کا اثر ظاہر ہو اور نفس کو اپنی خواہشوں کے پورا کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو جائے۔

(۲) زیب و زینت کی پہلی سیڑھی حجامت بنوانا بال کٹوانا ہے اور اسلئے ان ایام میں ممانعت ہے جو وضع کے پابندوں کو محال نظر آتی ہے اور کتب مقدسہ میں اس طرز کی نظیر موجود ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ نذیریت نذر کرنے والے کے سر پر استرا نہ پھیرا جائے جب تک وہ نے دن جنمیں اُس نے اپنے آپ کو خداوند کے لئے نذر کیا ہے گذر نہ جاویں سر کے بال بڑھنے دے۔ گنتی ۶ باب۔ ۵۔

سات بار طواف کعبہ کی وجہ

(۱) سات بار طواف کعبہ کی وجہ خدا تعالےٰ کی صفات سبع کے اثبات و اقرار کیطرف اشارہ ہے۔

(۲) یہ ابراہیمی عبادت کیطرح پر ایک عبادت ہے جسے طواف کہتے ہیں پروانہ وار چند بار الٰہی مسجد کے گرد گھومنا اس طواف کا ثبوت۔ زبور ۲۶ کو دیکھو۔

ابن عربی۔ نور

کعبہ کے حجر اسود کی اصل

حجر کے معنے پتھر اسود کے معنے کالا۔ چونکہ اس پتھر کا رنگ سیاہ ہے اسلئے اسکو حجر اسود کہتے ہیں۔

حجر اسود کیا ہے۔ ایک بن گھڑا پتھر ہے۔ چونکہ گھڑے ہوئے پتھروں کی عبادت ہوتی تھی اسواسطے ابراہیم اور انکی اولاد نے یادگار نشان کے لیئے بن گھڑے پتھر رکھے تھے۔ پیدائش ۲۸۔ باب ۱۸۔ یعقوب نے پتھر کھڑا کیا اور اسپر تیل ڈالا۔ اور پیدائش ۳۵ باب ۱۵۔ اور یشوع ۴ باب ۵۔ ۲۶ ہر ایک تم میں سے بنی اسرائیل کے فرقوں کے مطابق ایک ایک پتھر اپنے کاندھے پر رکھے تو کہ تمہارے درمیان نشان ہو یادری ان باتوں سے انکار نہیں کرسکتے۔ دانیال ۲۔ باب ۳۴ میں ہے یہود غیر قوموں کو بھی تیمہ کہتے تھے اور ہمیشہ بنی اسمٰعیل کو یہ سماوقوم حقیر جانتے تھے۔ عرب میں قدیم سے اسلئے کہ وہ ان پڑھ قوم تھی۔ تصویری زبان میں بطور پیشگوئی اور بشارت کے بیت اللہ کے کونے پر ایک بن گھڑا پتھر نصب کیا گیا۔ جسکے سلمتعہ یہ بات کی جاتی تھی کہ اُسے صرف ہاتھ لگاتے جو بیعت اور اقرار کا نشان ہے۔ مطلب یہ کہ اس پاک شہر میں وہ کونے کا پتھر پیدا ہوگا۔ جسکے ہاتھ پر بیعت کرنا ضرور ہے۔ جو کوئی اسپر گریگا چور ہوگا جسپر یہ گرا اُسے پیس ڈالیگا۔ زبور ۱۱۸۔ اور اشعیا ۲۸ باب۔ اور متی ۲۱ باب کی بشارت۔ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہ کونے کا سرا ہوا۔ یہ خداوند سے ہے۔ اور ہماری نظروں میں عجیب۔ یہ وہی کونے کا پتھر ہے جسمیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی مرکوز ہے۔ توریت۔ زبور۔ انجیل کو ماننے والے عیسائی خوب غور کریں۔

قدیم زمانہ میں تصویری تحریر کا عام رواج تھا۔ محسوسات کے اشکال پر اشارات اور کنایات سے گفتگو کرنا مروج تھا۔ عیسائی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں یہودیوں میں پولا ہلانے کی رسم کو مسیح کا جی اٹھنا خیال کرتے ہیں یوشع کا یردن سے بارہ پتھر اٹھانا بارہ حواریوں کا اشارہ بتاتے ہیں۔ اور مینڈھے کی قربانی کرنا حقیقی برے کی قربانی خیال کرتے ہیں۔ خصوصاً ان پڑھ قوم کے لیئے یہ تصویری زبان نہایت ضروری اسواسطے قدیم زمانے سے بنی عرب سے پہلے خاص کعبے کے کونے پر ایک بن گھڑا

پتھر جسے حجر اسود کہتے ہیں رکھا تھا اور اسکو ہاتھ لگانا اور اُسے چھونا اور اس سے ہاتھ ملانا حج میں ضروری رسم تھا۔ اور اس پتھر کو يَدُ الرَّحْمٰنِ فِي الْأَرْضِ (خدا کا ہاتھ زمین میں) کہتے تھے۔ یہ پتھر رسول عربی کے شہر میں گویا رسول خدا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت تصویری زبان میں تھی۔ آپ رحمۃ للعلمین اور مظہر اسم رحمان تھے آپ کی بیعت رحمان سے بیعت تھی۔ قرآن کریم بشارت حجریہ کی نسبت عجیب کنائے اور رمز سے اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ ترجمہ جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے۔ اور بخاری اور مسلم میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اسطرف ایما کرتی ہے مَثَلِيْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْيَانُهٗ تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ اِلٰى اَنْ قَالَ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُّ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا تِلْكَ اللَّبِنَةُ۔ ترجمہ یعنے میری اور دوسرے نبیوں کی مثال ایک عظیم الشان محل کی مثال ہے کہ ایک اینٹ کی جگہ اس میں چھوڑ دی گئی۔ پھر مینے اس اینٹ کی جگہ کو پورا کردیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں وہی اینٹ ہوں۔ اس آیت اور حدیث سے صاف واضح ہے کہ اس ہاتھ کی بیعت گویا رحمان کی بیعت تھی۔ ایسے ہی رسول کی بیعت بھی رحمان کی بیعت ہے۔ اور رسول خدا ایک اینٹ اس محل سرا کی ہیں جو انبیاء کی ذات بابرکات سے تیار ہوئی۔

اس پتھر کو بن گھڑا اسلئے رکھا گیا کہ بت پرستوں کا کام بن گھڑے پتھر سے نہیں تھا بلکہ گھڑے ہوئے سے۔

ابراہیم اور یعقوب جہاں خدا کو دیکھتے وہاں بن گھڑا پتھر اُس بات کی یادگار میں کھڑا کردیتے تھے۔ یشوع ۴ باب ۶۔ پیدائش باب ۱۲۔ فضل نور۔

مرمتی کعبہ میں اصلاح قوم کی پیشگوئی

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر جبکہ ۳۵ سال کی تھی تو کعبہ کی مرمتی میں کونے کے پتھر حجر اسود کے رکھنے پر تمام قبائل حجاز میں اسباب پر نفاق شروع ہوا کہ اس کونے کے پتھر کو کون شخص اُٹھا کر رکھے۔ قریب تھا کہ تمام قوم کٹ کر ہلاک ہو۔ اس حقیقی کونے کے پتھر نے جسکی پیشین گوئی کے لئے تصویری زبان میں اشارہ تھا۔ اسکا ایسا فیصلہ کیا

کہ قوم پر ثابت کر دیا۔ کہ میرے ہاتھ کے چھونے سے تمکو آرام اور نجات ہے۔ مجمل قصہ یوں ہے۔ جب قوموں میں اس پتھر کے رکھنے میں اختلاف ہوا۔ کہ اس پتھر کو کون رکھے تو اُن لوگوں نے یوں ٹھان لی کہ جو پہلے دروازے سے اندر آوے وہی اسکا رکھنے والا ٹھیرے اتنے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے اپنی چادر بچھا دی۔ اور پتھر اس میں رکھ کر حکم دیا کہ تمام قومیں بالاتفاق اس چادر کو اُٹھا لیں۔ اس سبب اور پیچھے کونے کے پتھر صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آفت قتل وقتال سے قوم کو آرام بخشا۔ نور۔

حجر اسود کو ہاتھ لگانے و چومنے پر اعتراض کا جواب

نادان کہتے ہیں مسلمان پتھر کی پرستش کرتے ہیں۔ آریہ اور عیسائی بتائیں۔ عبادت کسے کہتے ہیں۔ عبادت میں استتی۔ حمد۔ اور تعریف۔ پرارتھنا۔ یعنے دعا۔ اور اپاشنا یعنے دھیان ضرور ہے۔ بتائیں مسلمان کب اُس پتھر سے دعا اور اُسکا دھیان اور اوسکی استتت ومہما کرتے ہیں۔ اسلامی کسی عبادت میں اس پتھر کا ذکر بھی نہیں۔ بلکہ عبادات اسلامیہ میں تو کلمے تک بھی ذکر نہیں۔ تو اسکی عبادت کیا ہوگی۔ اگر اسکو ہاتھ لگانا یا چومنا عبادت ہے تو سب لوگ بیاہی ہوئی عورتوں کے عابد اور خدا کو سجدہ کرنے والے زمین کے پوجاری ہونگے۔ بات یہ ہے کہ مقدس مقام میں تصویری زبان کے اندر یہ گفتگو ہے کہ نبوت کی محلسرا میں کونے کا پتھر یہاں مکے سے نکلیگا۔ بلکہ مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متی ۱۲ باب ۳۳ میں خود لکھا ہے کہ یہ تمثیل ہے۔ نور

حجر اسود کو ہاتھ لگانے و چومنے کی وجہ

(۱) حجر اسود کو بوسہ دینے کے وقت انسان کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ میں خدا تعالیٰ سے اُسکی اطاعت پر بیعت کرتا ہوں کہ اس عہد و پیمان کو پورا کرونگا۔ کیونکہ جو شخص بیعت میں دغا کرتا ہے وہ مستحق غضب الٰہی ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راوی ہیں کہ اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ یَمِیْنُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فِی الْاَرْضِ یُصَافِحُ بِھَا خَلْقَہٗ کَمَا یُصَافِحُ الرَّجُلُ اَخَاہُ۔ ترجمہ یعنے حجر اسود زمین میں خدا تعالےٰ کا دہنا

ہاتھ ہے کہ اُسکے ساتھ اپنی مخلوق سے مصافحہ کرتا ہے۔ جیسے آدمی اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔

(۲) خانہ کعبہ کا پتھر حجر اسود ایک روحانی امر کے لئے نمونہ قایم کیا گیا ہے اور اس طریق میں کوئی شرک نہیں ایک دوست ایک دوست کا خط پاکر بھی اُنس کو چومتا ہے۔

الغرض یہ پتھر محبوب ازلی بے شبہ وبے مانند کے دست قدرت کا لکھا ہوا ہے۔ جسکو اُسنے اپنے آستانہ کا نمونہ ٹھہرایا اور خدا کا آستانہ مصدر فیوض ہے۔ یعنے اُسکے آستانہ سے ہر ایک فیض ملتا ہے۔ اسلئے معبترین لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب میں حجر اسود کو بوسہ دے تو اُسکو علوم روحانیہ حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ حجر اسود سے مراد منبع علم وفیض ہے۔ کوئی مسلمان خانہ کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ حجر اسود سے مرادیں مانگتا ہے۔ بلکہ صرف خدا تعالےٰ کا قرار دادہ ایک جسمانی نمونہ سمجھا جاتا ہے دلیل جسطرح ہم زمین پر سجدہ کرتے ہیں۔ ایسا ہی حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ مگر وہ بوسہ اس پتھر کے لئے نہیں پتھر تو پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ مگر اس محبوب کے ہاتھ کا ہے جسکو اُسنے اپنے آستانہ کا نمونہ ٹھہرایا۔ عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِیْعَۃَ قَالَ رَاَیْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ یُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَیَقُوْلُ اِنِّیْ اُقَبِّلُکَ وَاَعْلَمُ اِنَّکَ حَجَرٌ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یُقَبِّلُکَ لَمْ اُقَبِّلْکَ ترجمہ یعنے عابس بن ربیعہ کہتے ہیں کہ مینے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا کہ آپ حجر اسود کو چومتے تھے اور کہتے تھے اے پتھر میں تجھ کو چومتا ہوں اور جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ تو نفع دے سکتا ہے اور نہ ضرر۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ آپ تجھے چومتے تھے تو میں تجھے نہ چومتا۔ احمد نور ولی اللہ

حجر اسود تصویری زبان کا نمونہ ہے

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں بہت مدت سے تصویری زبان کا رواج تھا اور اب بھی ہے۔ چنانچہ سری رامچندرجی اور شیوجی کی تصویری قصص ہندؤں کے پاس خصوصاً ہند کے قدیم مصوروں کے پاس موجود ہیں۔ رومی سکندر جسکو حضرت دانیال نبی نے ذوالقرن یعنے ایک سینگ کا بکرا خواب میں دیکھا ہے۔ یہ تصویری زبان کی شہادت ہے۔ دیکھو دانیال باب ۸۔ اسی طرح دارا۔ ایرانی بادشاہ کی تصویری زبان میں گفتگو عام نظموں میں موجود ہے۔ تصویری زبان کی کتابیں اور اخبارات ہند میں بکثرت موجود

ہیں۔ سکندریہ ملک مصر کے ایک جریدہ نگار نے ابھی ایک رسالہ قدیمی تصویری زبان کے متعلق لکھ کر شائع کیا ہے جسمیں صرف حیوانات ذآلات و اشجار وغیرہ کی اشکال ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پہلے اس زبان کا عام رواج تھا۔ اب بھی تصویری زبان ان بلاد میں جہاں تعلیم کا رواج کم ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا زیادہ تر استعمال کی جاتی ہے۔ بلکہ اکثر تصویری زبان بہ نسبت تحریری کے زیادہ قوی ہوا کرتی ہے۔ اسواسطے یادگار دنوں کو عقلا اور حکماء اکثر تصویری تحریروں میں ادا کرتے ہیں۔

یوشع بن نون نے یردن سے گذرتے وقت بارہ پتھر اُٹھائے۔ یوشع باب ۱و۵ تقول عیسائیوں کے بارہ حواریوں کی پیشگوئی تھی۔ یہود اور عیسائی غیر قوموں کو اور بعض خواص کو پتھر کہنے تھے یہ انکا محاورہ تھا۔ بطرس کو پتھر اسواسطے کہا کہ کلیسیا کے لئے وہ فونڈیشن سٹون یعنے بنیادی پتھر ہوا۔ ان باتوں پر خوب غور کرو۔ اب اس تمہید کے بعد واضح رہے کہ کتب مقدسہ میں ایک پیشگوئی بہ نسبت حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زور سے درج تھے۔ دیکھو لوقا ۲ باب ۱۷و ۱۸۔ وہ پتھر جسے راجگیروں نے رد کیا۔ ہی کونے کا سرا ہوا۔ اور دیکھو زبور ۱۸ - ۲۲۔ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہوگیا ہے۔ متی باب ۲۱۔ آیت ۴۲ و ۴۴۔ غرض یہ ایک بشارت ہے جو کئی کتب مقدسہ میں مندرج ہے۔ اس بشارت اور اس پیشین گوئی کے اظہار و تصدیق کے لئے مکہ معظمہ کی بڑی عبادت گاہ میں بطور تصویری زبان کے حجر اسود کو نے پر رکھا گیا تھا۔ محمدیوں سے پہلے صدہا سال سے یہ پتھر ابراہیمی عبادت گاہ کے کونے پر منصوب تھا اور عرب کے لوگ آ چومتے اور اس سے ہاتھ ملاتے۔ گویا قدیم زمانے میں نبی عرب سے پہلے یہ فقرہ تصویری طور پر مکہ معظمہ کی مقدس مسجد پر لکھا تھا کہ اس شہر میں وہ کونے کا پتھر جسے یوں کہا جائیگا کہ نبوت اور رسالت کی عظیم الشان اور مستحکم عمارت جو انبیاء اور رسولوں کے وجود ذی جود سے وہ عمارت پوری ہوئی ہے۔ انکی بیعت رحمان کی بیعت اور انکی اطاعت رحمان کی اطاعت ہے۔ کیونکہ جو کچھ وہ بولے آنکی بلانے سے بولے۔ حضرت رسالت مآب نے بھی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ دیکھو مشکوۃ وغیرہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اَحْسَنَ بُنْیَانَہٗ وَتُرِکَ مِنْہُ مَوْضَعُ اللَّبِنَۃِ اِلٰی اَنْ قَالَ فَکُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضَعَ اللَّبِنَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاَنَا تِلْکَ اللَّبِنَۃُ۔ ترجمہ میری اور دوسرے نبیوں

کی مثال اوس محل کی ہے کہ وہ بہت خوبصورت بنایا گیا۔ اور ایک اینٹ کی جگہ اُس میں خالی رکھی گئی۔ میں وہی اینٹ ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام انجیل متی میں فرماتے ہیں۔ اَلْحَجَرُ الَّذِیْ رَفَضَہُ الْبَنَّاؤُنَ ھُوَ قَدْ صَارَ رَؤُسَ الزَّاوِیَۃِ مِنْ قِبَلِ الرَّبِّ کَانَ ھٰذَا وَھُوَ عَجِیْبٌ فِیْ اَعْیُنِنَا۔ لِذٰلِکَ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنَّ مَلَکُوْتُ اللّٰہِ یَنْزَعُ مِنْکُمْ وَیُعْطٰی لِاُمَّۃٍ تَعْمَلُ اَثْمَارَہٗ وَمَنْ سَقَطَ عَلٰی ھٰذَا الْحَجَرِ یَتَرَضَّضُ وَمَنْ سَقَطَ ھُوَ عَلَیْہِ یَسْحَقُہٗ۔

ترجمہ۔ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ یہ خداوند سے ہے۔ اور ہماری نظروں میں عجیب۔ اسلئے میں تم سے کہتا ہوں خدا کی بادشاہت تم سے لی جاویگی۔ اور قوم کو جو اسکے پھل لاوے دیجاویگی جو اس پتھر پر گریگا۔ چور چور ہو جاویگا۔ پھر جسپر وہ گریگا اُسے پیس ڈالیگا۔ نور۔ فضل۔

حجر اسود و خانہ کعبہ کے علو درجات کے متعلق صلحاء کے مکاشفات

نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ خدا تعالے حجر اسود کو قیامت کے دن اس حالت میں اٹھا دیگا کہ اُسکی دو آنکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھیگا اور زبان ہوگی جسکے ساتھ بولے گا۔ جسنے اُسکو بوجہ اللہ چوما ہوگا۔ اُسکی شہادت بیان کریگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم نے دیکھا کہ بیت اللہ قوت ملکیہ سے بھرا ہوا ہے۔ پس اس مناسبت سے ضروری ہے کہ عالم مثال میں حجر اسود کو آنکھیں اور زبان جو جانداروں کے لوازم ہیں عطا کی جائیں اور قیامت میں انکا ظہور ہو۔

حضرت ابن عربی رحمہ اللہ تعالے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ میں اپنی پیدائش کو کعبہ سے افضل اور اُسکے رتبہ کو اپنے سے کمتر سمجھتا تھا اور مولدات کے پہلے درجہ میں اُسکی پیدائش کو ذہن میں لاتا تھا۔ اور اُن عالی درجات سے جنکے ساتھ خدا تعالے نے اوسکو مخصوص کر رکھا ہے۔ روگردان تھا۔ اور یہ امر کعبہ کی بلندی درجہ پر دال ہے کہ رسولوں اور بزرگوں کے طواف اور اُسکے حجر اسود کو چومنے سے وہ بذاتہا محجوب نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس جہان کے علویات اور سفلیات کا ایک ہی حالت پر ثابت رہنا ناممکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اصل جو ساری موجودات عالم کا مرجع ہے وہ تو خدا تعالیٰ ہی ہے اور خدا تعالے نے اپنی ذات کے متعلق قرآن کریم میں

فرمایا ہے وَکُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ - ترجمہ یعنے خدا تعالےٰ ہر آن و ہر یوم ایک شان میں ہے - پس محال ہے کہ اس جہان کی کوئی چیز ایک ہی حالت ہر دو زمانوں میں باقی رہ سکے اور شیون الٰہیہ کے اختلاف کے سبب سے اُسکے احوال مختلف نہ ہوں - اور مجھ سے کعبہ کے حق میں یہ بات غلبۂ حال کے باعث صادر ہوئی - اور خدا تعالےٰ نے مجھے اسحالت مستی میں آگاہ و متنبہ کرنے کا ارادہ فرمایا لہذا ایک بڑی ٹھنڈی اور ماہتابی رات میں جبکہ بارش کا چھینٹا ہو چکا تھا - خدا تعالےٰ نے مجھے اپنی جوابگاہ سے بیداری کی توفیق بخشی - میں وضو کرکے سردی سے کانپتا ہوا طواف کعبہ کو چلا - اور طواف میں ایک آدمی کے سوا اور کوئی نہ تھا - مینے حجر اسود کو چوما اور طواف کعبہ شروع کیا - جب میں حجر اسود کے پیچھے میزاب کے مقابلہ پر پہونچا تو مینے دیکھا کعبہ کی بنیادیں اکٹھی ہو کر اوپر کو مرفوع ہو گئیں اور مجھے معلوم ہوا کہ کعبہ نے ارادہ کیا ہے کہ جب میں طواف کرتا ہوا رکن شامی کو پہونچوں تو اپنے آپ کو مجھ پر دے مارے اور طواف سے مانع ہو - اور میں اپنے کانوں سے سنتا تھا کہ کعبہ مجھ سے وعید آمیز باتیں کرتا اور ڈراتا تھا - پس میں سخت ڈرا اور خدا تعالےٰ نے مجھ پر کعبہ سے اتنی تنگی و غصہ ظاہر فرمایا کہ میں اسجگہ سے اُدہر اُدہر حرکت نہیں کر سکتا تھا - میں حجر اسود کی اوٹ میں ہو گیا تاکہ کعبہ کی ضرب پتھر پر واقعہ ہو - مینے حجر اسود اور کعبہ کو اپنے اور کعبہ کے درمیان ڈھال سا ٹہرا لیا - خدائے عزوجل کی عزت کی مجھے قسم ہے کہ میں سنتا تھا کہ کعبہ مجھے کہتا تھا آگے آ تاکہ تو دیکھے جو کچھ میں تیرے ساتھ کرونگا کسقدر تو میرے قدر کو پست اور بنی آدم کے مرتبہ کو بلند ٹہراتا رہے گا - اور عارفوں کو مجھ پر فضیلت دیتا رہیگا - مجھے خداوند تعالےٰ کی قسم ہے کہ میں تجھ کو طواف نہیں کرنے دونگا - پس مینے اپنے دل میں سوچا اور جان لیا کہ خدا تعالےٰ مجھے تادیب کرنا چاہتا ہے - اس پر مینے خدا تعالےٰ کا شکر کیا - اور وہ غم مجھ سے رفع ہو گیا جو میں محسوس کرتا تھا - بجد اکعبہ زمین سے اپنی بنیادوں کے ساتھ ایسا مرفوع ہو گیا - جیسا کہ انسان جبکہ اپنے مکان سے اُٹھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے کپڑے جمع کر لیتا ہے - مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کعبہ نے اپنی دیواریں جمع کر لیں تاکہ مجھ پر حملہ کرے - اور اسوقت کعبہ ایک ایسی حسین عورت کی صورت میں نمودار ہوا کہ مینے ایسی حسین شکل کبھی نہیں دیکھی تھی - پس مینے اُسیوقت کعبہ کو خطاب کرکے ابیات ذیل فی البدیہہ پڑھیں اور اسکو اُس تنگی

سے اترنے کی درخواست کی - جسمیں اسکو مشاہدہ کیا - میں ان ابیات میں کعبہ کی تعریف کرتا جاتا تھا - اور وہ کشادہ ہوتا ہوا اپنی دیواروں کے ساتھ اپنی جگہ پر اتر آیا - اور مینے سنا کہ وہ میری مدح سے خوش و مسرور ہو گیا - حتے کہ اپنی پہلی حالت پر آگیا - اور مجھے امن دیکر طواف کے لئے اشارہ کیا - پس مینے اپنے آپ کو اسپر ڈالدیا - اور میرا ہر ایک عضو قوت و غلبۂ حال سے مضطرب تھا - اور وہ مجھ سے خوش ہو گیا - اور مینے اس سے صلاح کر لی اور حجر اسود کو چومنے کے وقت شہادت توحید کی اپنی امانت اسکو سپرد کر دی - مینے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ وہ شہادت میرے تلفظ کے وقت ایک لڑی کی صورت میں خارج ہوئی اور حجر اسود میں ایک طاق سا کھل گیا - اور مینے اُس لڑی کو ایک گز کے قریب حجر اسود کے بیچ طول میں پڑا ہوا دیکھا - بعد ازاں مینے مجاورین کعبہ میں سے ایک سے اس بات کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے کہا کہ مینے اس لڑی کو ایک گز کے برابر ایسا ہی دیکھا ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے - پھر حضرت ابن عربی لکھتے ہیں کہ مینے دیکھا کہ وہ شہادت ایک گیند کی طرح گول ہو گئی اور حجر اسود کے بیچ قرار پکڑ گئی اور پتھر اسپر مل گیا اور میرے دیکھتے ہی وہ طاق بند ہو گیا - پھر کعبہ نے مجھے کہا کہ یہ تیری امانت ہے - جسکو میں قیامت کے دن تیرے لیئے خدا کے آگے پیش کرونگا - پس مینے اس پر کعبہ کا شکریہ ادا کیا اور اسوقت سے کعبہ اور میرے درمیان صلاح واقعہ ہو گئی - اور مینے کعبہ کو ابیات ذیل سے خطاب کیا اور مجھے فرحت اور سرور زیادہ ہوا:-

یَا مُسْتَجَارًا اِسْتَجَارَ قَلْبِیْ　لَمَّا اَتَتْ اَسْهُمُ الْاَعَادِیْ
یَا رَحْمَةَ اللّٰهِ لِلْعِبَادِیْ　اَوْدَعَكَ اللّٰهُ فِی الْجَمَادِیْ
یَا بَیْتَ رَبِّیْ یَا نُوْرَ قَلْبِیْ　یَا قُرَّةَ الْعَیْنِ یَا فُؤَادِیْ
یَا سِرَّ قَلْبِ الْوُجُوْدِ حَقًّا　یَا حُرْمَتِیْ یَا صَفَا وِدَادِیْ
یَا قِبْلَةً اَقْبَلَتْ اِلَیْهَا　مِنْ كُلِّ رَبْعٍ وَمِنْ كُلِّ وَادِیْ
وَمِنْ بَقَاءٍ فَمِنْ سَمَاءٍ　وَمِنْ فَنَاءٍ فَمِنْ مِهَادِ
یَا كَعْبَةَ اللّٰهِ یَا حَیَاتِیْ　یَا مَنْهَجَ السَّعْدِ یَا رَشَادِیْ
اَوْدَعَكَ اللّٰهُ كُلَّ اَمْنٍ　مِنْ فَزَعِ الْهَوْلِ فِی الْمَعَادِ

ترجمہ - جبکہ میری طرف دشمنوں کے تیر آنے لگے تو میرے دل نے کعبہ سے پناہ مانگی - اے بندوں کے لئے رحمت خدا تجھکو خدا نے عالم جمادات میں امانت رکھا - اے میرے پروردگار کے گھر - اے میرے دل کے نور - آنکھوں کی ٹھنڈک اور اے دل - اے سارے عالم کے دل کے بھید - اے میری حرمت - اے میری دوستی کی صفائی - اے وہ قبلہ جسکی طرف ہر آبادی اور ہر ویرانہ اور زمین اور آسمان سے اور فضا اور فرش سے مخلوق چلی آتی ہے - اے خدا کے کعبہ اے میری زندگانی - اے نیک بختی کے گھر - اے ہدایت تجھ میں خدا نے ہر امن امانت رکھا ہے - اور آخرت کے گھبراہٹ سے بے خوف کیا ہے -

اشیائے عالم جمادات وحیوانات عجم سے باتیں کرنا ممکن ہے

(سوال) کعبہ عالم جمادات میں داخل ہے اور جمادات کا بات کرنا عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے -

(جواب) واضح رہے کہ یہ بات عقل سے بعید نہیں ہے کہ انسانی نطق کیونکر ایک لڑی کے رنگ میں متشکل ہوئی - اور کعبہ نے کسطرح بات کی - آجکل کے ایک آلہ ایجاد فرنگ سے تجربہ ہو چکا ہے کہ انسان کی ہر بات اور اسکا فعل جس مقام پر واقع ہو وہ وہاں ہی شکل ہو جاتا ہے - دور نہ جاؤ گراموفون آلہ ایجاد فرنگ کو دیکھو کہ انسانی اصوات کسطرح مجسم ہو کر سنائی دے رہے ہیں -

ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس زمانہ سے تیرہ سو سال پیشتر خبر دی تھی کہ جو انسان کسی مقام میں نیکی یا بدی کرتا ہے وہ اس مقام پر نقش ہو جاتی ہے - اور قیامت کو اسکے فاعل پر بطور گواہ پیش ہوگی - قرآن کریم و احادیث نبویہ نے اس مضمون کو بہت جگہ بیان کیا ہے - بعض اہل مکاشفہ نے انسان کی اچھی و بری باتوں کو کئی اشکال میں مجسم دیکھا ہے - خاکسار راقم حروف کو بھی کئی بار رویا میں اس امر کا مشاہدہ ہوا - ابن عربی نے اچھی باتوں کو نورانی رنگ میں اور بری باتوں کو دھوئیں آمیز آگ کے شراروں کی شکل میں بھی دیکھنا بیان کیا ہے - نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض انسانی نطق کو پرندوں کی شکل میں اور بعض کو درختوں کی صورتوں میں متشکل

ہونا بیان فرمایا ہے ؎ چہ تعلق آں معانی را بجسم ؛ چہ تعلق فہم اشیا را با سم ؛

(۲) لفظ چوں و کرست معنے طائر است ؛ جسم جوئے و روح آب سائر است ؛

(۳) عالم مثال میں بعض اوقات بعض کلمات روپیہ و دراہم کی شکل میں متشکل ہو کر دکھائی دیتے ہیں - چنانچہ حضرت شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں ؛ وَالدَّرَاهِمُ الَّتِي لَا نَقْشَ عَلَيْهَا تَدُلُّ عَلَى كَلَامٍ فِيهِ - شرح - الدَّرَاهِمُ فِي الْمَنَامِ يَدُلُّ عَلَى الْوَلَدِ لِمَنْ عِنْدَهُ حَامِلٌ وَقَدْ يَدُلُّ عَلَى الذِّكْرِ وَالتَّسْبِيحِ - ترجمہ یعنے عالم رویا میں وہ روپے دیکھنا جنپر نقش نہ ہو اُن کی دلالت ایسی بات پر ہے جسمیں نقوطے ہو - پھر لکھا ہے خواب میں روپیہ کا دیکھنا بیٹے پر دلالت کرتا ہے اور کبھی ذکر اور تسبیح پر دال ہے - تعطیر الانام صفحہ ۲۲۲ جلد اول -

(۴)
نقل نتواں کرد مر اعراض را ٭ لیک از جوہر برند امراض زا
تا مبدل گشت جوہر زیں عرض ٭ چوں ز پرہیزی کہ زایل شد مرض
گشت پرہیز عرض جوہر بجہد ٭ شد دہان تلخ از پرہیز شہد
از زراعت خاک ہا شد سنبلہ ٭ دارو ہے مو گرد موے را سلسلہ
آں نکاح زن عرض بد شد فنا ٭ جوہر فرزند حاصل شد زما
جفت کردن اسپ اشتر را عرض ٭ جوہر کرہ بزائید ان غرض
گر نبودے مر عرض را نقل و حشر ٭ فعل بودے باطل و اقوال قشر
نقل ہر چیزے بود ہم لائقش ٭ لائق گلہ بود ہم سائقش
بنگر اندر خانہ و کاشانہا ٭ در مہندس بود چوں افسانہا
کاں فلاں خانہ کہ ما دیدیم خوش ٭ بود موزوں صفہ و سقف و درش
از مہندس آں عرض و اندیشہا ٭ آلت آورد و ستون از بیشہا
جملہ اجزائے جہاں را بے غرض ٭ درنگر حاصل نشد جز از عرض
اول فکر آخر آمد در عمل ٭ بنیت عالم چناں داں در ازل
میوہا در فکر دل اول بود ٭ در عمل ظاہر بآخر مے شود
چوں عمل کردی شجر بنشاندہ ٭ اندر آخر حرف اول خواندہ
گرچہ شاخ و برگ و بیخش اول است ٭ آں ہمہ از بہر میوہ مرسل است

نقل اعراض است این بحث و مقال
این عرض ها از چه زائید از صور

نقل اعراض است این شیر و شغال
وین صور ها از چه زائید از فکر

(۵) - اُن کھلونوں اور مشینوں ایجاد فرنگ کو دیکھو جنکو چابی لگائی جاتی ہے - تو اُن سے آدمی اور پرندوں کے آواز نکلتے ہیں - پس جبکہ انسان ضعیف البنیان جمادات سے بذریعہ چابی کے اسطرح باتیں کرا سکتا ہے تو قادر مطلق کے آگے کسطرح نا ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ بھی کسی وقت کسی چیز کو روحانی چابی لگا کر جو کام نطق و حرکت کا اس سے لینا چاہیئے لے لیوے - آخر ہم بھی تو ایک زمانہ عالم جمادات میں ہی تھے اُسی کی روحانی چابی لگانے سے ہمارے حرکات و اصوات کا ظہور ہے

محض بنی آدم کی خاطر اس عالم ساختہ ہادت میں خدا تعالے نے بالعموم عالم جمادات و نباتات و حیوانات میں ایک آڑ و امتیاز رکھی ہوئی ہے - اور اُن کے کچھ حدود مقرر ہیں - مگر خدا تعالے کے آگے یہ بات ہرگز نا ممکن نہیں ہے کہ وہ کبھی خاص وجہ سے موالید ثلاثہ کی کسی ایک چیز سے اُسکے ماتحت یا اسکے موافق کا کام لے لیوے - کیونکہ خدا وند کریم کے نزدیک تو سب چیزیں زندہ ہیں - وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ - تصویری زبان اور اشارات سے حیوانات و پرندوں کا باتیں کرنا مشہور و معروف و مشہود ہے - گو انسان کیطرح اُن سے فصیح و بلیغ باتیں کرنا متعارف نہیں ہے - لیکن عالم مثال میں اُنسے صادر ہونا مستبعد نہیں ہے - خاکسار راقم حروف نے بعالم رویا ایک پرندہ بٹیر کو فصیح و بلیغ باتیں کرتے دیکھا - مینے سمجھ لیا کہ اس جانور کا یہ باتیں کرنا اوسکی روحانی حالت کا نقشہ ہے - ایسا ہی کعبہ کا حضرت محی الدین ابن عربی سے باتیں کرنا اوسکی روحانی حالت کا نقشہ تھا - جو اُن کے آگے بعالم کشف پیش ہوا:-

تو وہ خاک ترا چوں زندہ ساخت
مردہ زینسو شید زانسو زندہ اند
چوں از آنسو شاں فرستد سوے ما
کوہ با ہم لحن داودی شود
باد حمالِ سلیمانے شود

خاکہا را جملگی باید شناخت
خامش این جا و آں طرف گوئیندہ اند
آں عصا گردد سوئے ما اژدہا
آہن بخارا بکف موے شود
بحر با موسے سخندانے شود

ماہ با احمد اشارت بین شود
خاک قاروں را چو مارے در کشد
سنگ احمد را سلامی مے کند
جملۂ ذراتِ عالم در نہاں
ما سمیعیم و بصیریم و خوشیم
باش تا خورشید حشر آید عیاں

نار ابراہیم را نسرین شود
استن حنانہ آید در ارشد
کوہ یحیے را پیامے مے کند
با تو مے گویند روزاں و شباں
با شما نامحرماں ما خامشیم
بینی جنبش جسمِ جہاں

در اصل بات یہ ہے کہ جہاں اس قسم کے خرق عادات کا ظہور ہو وہ ایک خاص قسم کے ملائکہ کا توسط ہوتا ہے چنانچہ حضرت موسے علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ کے اندر سے آواز اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ سنائی دینا اور ابن عربی رحمۃ اللہ کے ساتھ کعبہ کا باتیں کرنا اور ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھتے ہوئے سنائی دینا اور مسجد نبوی کے ستون حنانہ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنا درد اور فراق بیان کرنا سب اسی قبیل سے ہیں؎

مگر یہ بھی ممکن ہے اے پختہ کار
کہ پردے میں قادر کے اسرار ہیں
تو یک قطرہ داری ز عقل و خرد
اگر بشنوی قصۂ صا و قال
تو خود را خرد مند فہمیدۂ

کہ خود غیب سے ہو یہ سب کاروبار
کہ عقلیں وہاں ہیچ و بیکار ہیں
مگر قدر قش بحر بے حد و عد
محجباں سر خود چو مستہزیان
مقامات مرداں کجا دیدۂ

ابن عربی - احمد - رومی فیضل -

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا راز

(۱) صفا و مروہ کے درمیان خانہ کعبہ کے چوک کے اندر سعی کرنی ایسی ہے کہ جیسے غلام اپنے بادشاہ کے محل کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہو - اس خیال سے کہ خدمت میں اپنا خلوص ظاہر کرے تاکہ نظر رحمت سے سرفراز ہو -

(۲) اس میں یہ راز ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کے پاس داخل ہو اور پھر باہر نکلے اور نہ جانتا ہو - کہ بادشاہ میرے باب میں کیا حکم کریگا - منظور فرمائیگا یا نا منظور تو دربار کے

چوک میں بار بار آتا جاتا ہے۔ اس امید سے کہ اگر اوّل دفعہ رحم نہ کریگا تو دوسری بار میں رحم کریگا ۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے	عاقبت زاں در بروں آید سرے
سایۂ حق بر سر بندہ بود	عاقبت جوئندہ یابندہ شود
چوں نشینی بر سر کوئے کسے	عاقبت بینی تو ہم روئے کسے
چوں ز چاہے میکنی ہر روز خاک	عاقبت اندر رسی در آب پاک

(۳) اسمیں یہ راز بھی ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان آمد و رفت کرنے کے وقت یہہ خیال کرنا چاہئیے کہ میدان قیامت میں میزان کے دونوں پلوں کے بیچ اسطرح پھرنا ہوگا صفا کو نیکیوں کا پلڑا سمجھ لو اور مروہ کو برائیوں کا پلہ خیال کرو اور یہ سمجھو کہ دونوں پلوں کے درمیان اسیطرح آنا جانا ہوگا کہ دیکھئے کونسا پلہ غالب آتا ہے۔ اور کونسا مغلوب۔ عذاب و مغفرت کے درمیان تردد ہوگا کہ نہیں کسکا بقرار ہول ۔

(۴) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے میں یہ راز بھی ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو جب سخت پریشانی ہوئی تو صفا و مروہ میں انہوں نے تیز رفتاری سے ٹہلنا شروع کیا جسطرح کوئی متفکر آدمی جلدی جلدی قدم اُٹھاتا ہے اور خدا تعالےٰ نے اُنکی فکر کو دو طریقوں سے رفع کیا۔ ایک تو آب زمزم بر آمد ہوگیا دوسرا لوگوں کے دلوں میں اُس جنگل میں آباد ہونے کا الہام ڈالا گیا اسلیئے حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اولاد اور اُن کے فرمانبرداروں پر ضروری ہوا کہ اس نعمت کا شکر ادا اُن کی کرامت کو یاد کریں تاکہ اُن کی قوت بھی مغلوب ہو کر خدا تعالیٰ کیطرف اُن کو رہنمائی کرے اور اُسکے اندر کوئی بات اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ کہ اس دلی اعتقاد کو کسی خاص ظاہری فعل سے جو ان کے خلاف عادت ہے اور مکہ کے اندر داخل ہوتے ہی ایک قسم کی اُن کے لیئے ذلت ہے اُن کے اعتقاد کی مضبوطی کی جاے۔ اور وہ فعل حضرت ہاجرہ کی اُس تکلیف اور مشقت کا نقل کرنا ہے اور ایسے موقعہ پر ایک حالت کا نقل کرنا بدرجہا زبانی باتوں سے مفید تر ہوتا ہے۔

(۵) واقعات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سارہ نے پہلے کبھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی عہد لیا تھا کہ جو میں کہونگی اُسے اسکو پورا کرنا پڑیگا ۔

اب سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا ہاجرہ کو کسی دور دراز جگہ میں چھوڑ آؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بہت سمجھایا۔ مگر سارہ نے نہ مانا۔ اور اپنی بات پر اصرار کیا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے دعا کی کہ اے خدا اب میں کیا کروں۔ خدا تعالےٰ کیطرف سے حکم ہوا کہ اپنا وعدہ پورا کرو۔ پس آپ حضرت ہاجرہ کو لیکر دور دراز ملک میں چلے گئے۔ اور وادی مکہ میں چھوڑ آئے۔ حضرت ہاجرہ کی گود میں ایک بچہ تھا جسکا نام اسمٰعیل تھا۔ اور وہ ابھی شیر خوار تھا۔ ایک مشکیزہ پانی کا اور کچھ ستو دے آئے تھے۔ اور اُن سے رخصت ہوتے وقت آپ نے یہ دعا فرمائی اور اس دعا میں اُس زمین کا نقشہ بھی ظاہر کیا ہے۔ رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۔ ترجمہ اے ہمارے رب میں نے بسائی ہے ایک اپنی اولاد ایسے میدان میں جہاں کھیتی نہیں تیرے ادب والے گھر کے پاس اے ہمارے رب تاکہ وہ قایم رکھیں نماز لہذا بعض لوگوں کے دل ان کیطرف جھکادے اور اُن کو روزی دے ہر قسم کی ثمرات سے تاکہ وہ تیرے شکرگذار بنیں پ۱۳ رکوع ۱۸۔ یہی دعا ہے جسکے اثر نے سارے عالم کو مکہ کی طرف مائل کر لیا ہے۔ اور وہ چار ہزار سال کے عرصہ سے دنیا کے ہر گوشہ سے ہر قسم کے ثمرات اولاد ابراہیم کو وہاں پہونچا رہے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم اُن کو چھوڑ کر واپس آنے لگے تو حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا کہ مجھ کو یہاں کیوں چھوڑ چلے ہو۔ اور کس کے حکم سے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ میں تمکو یہاں خدا تعالےٰ کے حکم سے چھوڑ چلا ہوں یہ سنکر حضرت ہاجرہ نے جواب دیا کہ بس جاؤ۔ اب مجھکو کسی کی ضرورت نہیں۔ مشکیزہ پانی کا تو بہت جلد ختم ہوگیا بچہ رونے لگا۔ حضرت ہاجرہ بہت بے چین ہوگئیں۔ اس عالم پریشانی میں مروہ پر گئیں اور پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پر سات مرتبہ انہوں نے چکر لگائے۔ مگر نہ ملا۔ آخر واپس بچے کو دیکھنے آئیں کہ ایسا نہ ہو بچہ بیہوش ہوجائے پھر چلا کر کہنے لگیں کہ کوئی میرے آواز کو سنتا ہے؟ بچہ کے قریب آ کر دیکھا تو اسکو اسقدر بیتاب پایا کہ دیکھ نہ سکیں۔ اور دور ہٹ گئیں۔ پھر قریب آئیں تو ایک چشمہ دیکھا جو حضرت اسمعیل کی ایڑیوں کی جگہ سے پھوٹ نکلا تھا۔ اور اُسکے اردگرد کناروں پر انیٹیں لگا دیں

تاکہ پانی بہ نہ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ انیٹیں نہ رکھتیں تو ضرور تھا کہ یہ چشمہ ایک ندی کیصورت میں تبدیل ہو جاتا۔ پانی پیا اور بچے کو پلایا۔ بعض اصحاب اہل تجربہ ظاہر کرتے ہیں کہ اُس چشمہ کا پانی پی کر ستّرہ دن تک آدمی گذارہ کرسکتا ہے۔ بعض جانوروں کا بھی پانی سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ پانی کے سبب سے وہاں پرندے بھی آن موجود ہوئے تھے ایک قافلہ کا گذر اُسطرف سے ہوا انہوں نے پرندوں کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہاں کہیں ضرور پانی ہے۔ کچھ آدمیوں کو پانی کی تلاش میں بھیجا۔ اُن آدمیوں نے آکر دیکھا کہ ایک عورت چشمے کے کنارے بیٹھی ہوی ہے۔ اور ایک شیر خوار بچہ اسکی گود میں ہے۔ قافلہ والوں کو اطلاع دی۔ قافلہ اسطرف آیا۔ اور لوگوں نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ہم یہاں ٹھکانا بنالیں بستی کیطرح ڈالیں۔ حضرت ہاجرہ نے جواب دیا کہ ہاں ہمکو منظور ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہاں نمبرداری ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ قافلہ والوں نے اسکا وعدہ کرلیا اور مکانات بنالئے۔ ایک مکان حضرت ہاجرہ کو بھی بنا دیا۔ خدا فرماتا ہے کہ خواہ کسی پر کتنی ہی مضیبت آجائے پر وہ صفا و مروہ پر جاکر دیکھ لے کہ ہم بھی ہیں یا نہیں۔ اسلئے فرمایا کہ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔ ترجمہ۔ صفا اور مروہ خدا تعالےٰ کے شعائر میں سے ہیں۔ اسمیں یہ راز ہے کہ ہاجرہ کو امر تھا کہ وہ صفا و مروہ کے اندر رہے اُن سے باہر نہ جائے۔ اُس نے باوجود مصیبت و تکلیف شدید حکم الٰہی پر ثابت قدم و صابر رہنے کا نمونہ دکھایا۔ لہذا خدا تعالےٰ نے اُسکے اور سب لوگوں کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کے لئے ایسا فرمایا۔

(۶) صفا و مروہ کے درمیان بیادگار امّ اسمٰعیل ہاجرہ علیہا السلام چلنا ٹھہرا۔ ہاجرہ کو جب ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے یہاں چھوڑا تو انہوں نے ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا کہ تو ہمیں کس کے سپرد کرتا ہے۔ تو ابراہیمؑ نے فرمایا کہ خدا کے سپرد اور اُسکے حکم سے۔ تب ہاجرہ نے کہا جاؤ۔ وہ اللہ تعالےٰ ہم کو ضائع نہیں کریگا۔ آخر پیاس کی شدت میں پانی کی جستجو میں جب یہاں دوڑیں تو خدا نے زمزم سے انکی امداد فرمائی۔ اسی قسم کی یادگاریں اولاد ابراہیم میں مروج تھیں دیکھو پیدائش ۳۵- باب ۱۵- بلکہ یشوع نے بارہ پتھر کا ذکر یشوع ۴ باب میں ہے دریا سے صرف

یادگار کے لئے اٹھائے۔ اور دریا کے باہر لاکر رکھے۔ نور۔ فضل

حجّ کے لئے خصوصیّت مکّہ کی وجہ

(۱) حج کے لئے ایسے مقام میں جمع ہونا لازم ہوا۔ جہاں خدا تعالےٰ کے نشانات بینات موجود ہوں وہ مکّہ میں بیت اللہ ہے سب جگہوں سے زیادہ حج کے قابل ہے اس میں برملا نشانات الٰہی موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے جن کی نیکی اور خوبی کی شہادت اکثر امتوں کی زبان سے ظاہر ہے۔ خدا کے حکم اور وحی الٰہی سے اُسکی بنیاد قایم کی۔

(۲) حج کے لئے مکہ معظمہ سے کوئی مکان بہتر نہ تھا۔ کیونکہ اول تو وہ مقام مبدا اسلام تھا۔ دوم اُسمیں ایسے لوگوں کی یادگاری تھی۔ جنکی محنت اور کوشش نے سخت سے سخت بت پرستی کا دنیا سے استیصال ہوا۔ اور خالص توحید الٰہی قائم ہوئی۔

(۳) اسمیں کیا شک ہوسکتا ہے کہ مکہ معظمہ سے وعظ توحید شروع ہوا۔ اس معظم مکان نے مسئلہ توحید کی تائید کی۔ اور شرک کا استیصال کیا۔ قومی نفاق اور طوائف الملوکی اور خانہ جنگیاں عرب کی دور کیں۔ دختر کشی شراب اور خطرناک قمار کا اس ملک میں نام و نشان نہ چھوڑا۔ اتباع میں نفاق۔ وکسل و کاہلی کے بدلہ۔ آزادی صبر و ہمت و اخوت و ہمدردی و شجاعت اور استقلال۔ اور عزم کو پیدا کیا۔

(۴) مکہ کو خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں ام القرٰی فرمایا۔ ام عربی زبان میں ماں کو اور قری دہات کو کہتے ہیں۔ اس میں یہ ظاہر کیا کہ مکہ تمام روئے زمین کے دہات کی ماں ہے۔ اسی سے اُن کو روحانی دودھ ملیگا۔ اور پرورش پائیں گے۔ اس شہر کا نام ام القرے رکھ کر ایسا فرمایا۔ کہ سارے اہل عالم کی تربیت و تہذیب یہاں سے ہوگی۔ فضل۔ نور۔

کعبہ کا ثبوت توریت سے

پیدائش باب ۱۲-۶-۹ میں لکھا ہے۔ ابراہیم نے خداوند کے لئے کنعان میں ایک قربانگاہ بنائی۔ اور وہاں سے روانہ ہوکے اوسنے بیت ایل کے پورب

ایک پہاڑ کے نیچے اپنا ڈیرا کھڑا کیا۔ بیت ایل اوسکے پچھم اور عی اُسکے پورب کو تھا اور وہاں اسنے خدا کے لیئے ایک قربانگاہ بنائی۔ اور خداوند کا نام لیا۔ اور ابرام رفتہ رفتہ دکھن کیطرف گیا۔ یہاں جس بیت ایل کا تذکرہ ہے وہ ضرور مکہ ہی ہے کیونکہ کنعان عرب کے حدود میں ہے اور لکھا ہے قربانگاہ بنا کے جب روانہ ہوا پھر ایک جگہ ڈیرہ لگایا۔ اور وہاں دوسرا قربانگاہ بنایا۔ اور اُسکے پچھم ایک اور بیت ایل کا بیان کیا۔ جو بیت ایل سمندری ہے۔ یم سمندر کو کہتے ہیں۔ اور وہاں لفظ بیت ایل ۔یم ہے۔ اور آخر میں لکھا ہے ابرام رفتہ رفتہ دکھن پہنچا۔ اور مسیح کہتے ہیں کہ دکھن کی ملکہ شہر سبا کی شہزادی تھی۔ جو سلیمان کے پاس آئی۔ اور صاف ظاہر ہے کہ بیت اللہ جسے مکہ کہتے ہیں کنعان سے دکھن کیطرف واقع ہے علاوہ بریں پیدائش ۱۳ باب ۳ میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دکھن کیطرف چلا اور سفر کرتا دکھن سے بیت ایل میں پہونچا۔ اور قومی روایات ملکی تواتر۔ رسومات کا توافق ابراھیمی عبادات سے ختنے کی رسم۔ قربانی وغیرہ مناسک میں اتحاد۔ تمام اقوام عرب کا اسبات پر نسلاً بعد نسلاً اتفاق صاف گواہی دیتا ہے کہ ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مسجد سے تعلق ہے جسے بیت اللہ کہتے ہیں۔

پھر کوئی امر قانون قدرت میں اور کوئی ضروری اور بدیہی علم نہیں جو اس اعتقاد سے پھرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ بیت ایل کے معنے عربی زبان میں بیت اللہ اور فارسی میں خانہ خدا ہے۔ یسعیا ۔۶ باب ۶۔ اونٹنیاں کثرت سے تجھے آن کے چھپا لینگی۔ مدین اور عیفہ کی جوان اونٹنیاں وے سب جو سبا کی ہیں آویں گی۔ ۷ قیدار پسر اسمٰعیل کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہونگی۔ بنیط پسر اسمٰعیل کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہونگے۔ وہ منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جاینگے۔ اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دونگا۔ یہ کون ہیں جو بدلی کیطرح اُڑتے آتے ہیں۔ اور کبوتری کی مانند اپنی کابک کیطرف۔ یقیناً بحری ممالک تیرا راہ تکیں گے۔ اور ترسیس کے جہاز پہلے آوینگے۔ اجنبیوں کے بیٹے بھی تیری دیوار اُٹھاینگے۔ اور اُن کے بادشاہ تیری خدمتگذاری کرینگے۔ اگرچہ مینے اپنے قہر سے تجھے مارا پھر اپنی مہربانیوں سے تجھ پر رحم کرونگا۔ اور تیری پھاٹکیں نت کھلی رہیں گی۔

وے دن رات کبھی بند نہ ہونگی۔

ہاں سب جنھوں نے تیری تحقیر کی تیرے پاؤں پڑینگے۔ اور وہ خدا کا شہر اسرائیل کے قدوس کا صیہون (سنگلاخ زمین) تیرا نام رکھیں گے اس امر کے بدلے کہ تو ترک کی گئی۔ اور تجھ سے نفرت ہوئی۔

یسعیاہ باب ۵۴۔ ۱۔ اے بانجھ تو جو نہیں جنتی تھی (مکے اور قوم قریش میں کوئی نبی اور رسول نہ ہوا تہا۔ اسلئے اُسے بانجھ کہا) خوشی سے للکار تو جو حاملہ نہ ہوتی تھی وجد کرکے گا اور خوشی سے چلا۔ کیونکہ خداوند فرماتا ہے بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد خصم والی کی اولاد سے زیادہ ہیں۔ (اہل اسلام یہود سے زیادہ ہیں اور عیسائی۔ مجوس اور موجودہ یروشلم سے الگ ہو بیٹھے ہیں وہ ظاہری یروشلم کی اولاد ہی نہیں) اپنے خیمے کو بڑھا دے۔ ہاں مسکن کے پردے پھیلا۔ دریغ مت کر۔ اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر۔ اسلئے کہ تو داہنے اور بائیں طرف بڑھیگی۔ اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی۔ اور اُجاڑ شہروں کو بساویگی۔ مت ڈر کہ تو پشیمان نہ ہوگی۔ تو مت گھبرا کہ تو پھر رسوا نہ ہوگی۔ تو اپنی جوانی کے ننگ بھول جائیگی۔ اور اپنی بیوگی کی عار پھر یاد نہ کریگی۔ کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے۔ اوسکا نام رب الافواج ہے۔ اور تیرا نجات دینے والا اسرائیل کا قدوس ہے۔ وہ ساری زمین کا خدا کہلائیگا۔ کیونکہ تیرا خدا کہتا ہے خداوند نے تجھے جو طلاق کی ہوئی اور دل آزردہ سی عورت ہے اور جوانی ہی کی ایک ایک جورو کے مانند جو رد کی گئی ہو پھر بلایا ہے۔ لیکن اب میں بہت سی مہربانیوں کے ساتھ تجھے سمیٹ لونگا۔ شدت قہر کے حال میں مینے اپنا منہہ تجھ سے ایک لحظہ چھپایا پر اب میں ابدی عنایت سے تجھ پر رحم کرونگا۔ خداوند تیرا بچانے والا یوں فرماتا ہے میرے آگے یہ نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پانی کا سا معاملہ ہے جسطرح مینے قسم کھائی تھی کہ پھر زمین پر نوح کا سا طوفان کبھی نہ آئیگا۔ اُسیطرح اب مینے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہونگا۔

اب ہم عربی توراۃ کتاب یسعیاہ باب ۶۰ سے عبارت ذیل دربارۂ پیشگوئی مکہ و کعبہ لکھکر اس بیان کو ختم کرتے ہیں۔ قُومِي اسْتَنِيرِي لِأَنَّهُ قَدْ جَاءَ نُورُكِ

وَمَجْدُ الرَّبِّ أَشْرَقَ عَلَيْكِ - لِأَنَّهُ هَا هِيَ الظُّلْمَةُ تُغَطِّي الْأَرْضَ وَالظَّلَامُ الدَّامِسُ الْأُمَمَ - أَمَّا عَلَيْكِ فَيُشْرِقُ الرَّبُّ وَمَجْدُهُ عَلَيْكِ يُرَى - فَتَسِيرُ الْأُمَمُ فِي نُورِكِ وَالْمُلُوكُ فِي ضِيَاءِ إِشْرَاقِكِ - ترجمہ - اُٹھ روشن ہو تیری روشنی آئی - اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا - دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی اور تیری قوموں پر بھی تاریکی نے اثر کیا - لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا - اور اوسکا جلال تجھ پہ نمودار ہوگا - اور قومیں اور بادشاہ تیری روشنی اور تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گی -

ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ یہ سب مکے کی تعریف ہے - اگر نہیں تو بتاؤ مدین اور عیفا اور سبا کی اونٹنیاں کہاں جمع ہوئی ہیں - قیدار کی بھیڑیں اور بنیط کے مینڈھے کس مذبح پر چڑھائے جاتے ہیں - عربی میں یہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ تعریف کرنا مطلوب ہوتا ہے اُسے ملکہ اور عورت کرکے تعبیر کرتے ہیں - اگر انکار ہے تو دیکھو حزقیل ۱۷ - باب - نور - غزل -

مکّہ سے رخصت ہونیکے وقت دوبارہ خانہ کعبہ میں جانیکا راز

(۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ - ترجمہ - یعنے تجھ سے کوئی شخص آخر وقت بیت اللہ میں جائے بغیر وہاں سے نہ نکلے - یہ اسلئے ہے کہ آخر وقت پر بیت اللہ کے جاتے ہیں بیت اللہ کی تعظیم ہے - اسلئے کہ ہدایت بھی اُسی سے ہوئی تھی اور تمامی بھی اُسی پر ہوئی تاکہ معلوم ہو جاوے کہ مقصود بالذات سفر سے بیت اللہ ہے -

(۲) دستور ہے کہ لوگ رخصت ہوتے وقت اپنے سلاطین سے ملکر جاتے ہیں -

مکّہ میں امن کا راز

مکہ میں داخل ہونے کے وقت یہ دھیان کرو کہ اب حرم امن میں پہونچ گیا ہوں - اور خدا تعالےٰ سے یہ امید رکھو کہ وہ اس میں داخل ہونے کیوجہ سے عذاب سے محفوظ رکھیگا - اور اسبات کا خوف رکھنا چاہئیے کہ مبادا قرب کا اہل

اگر میں نہ ہوا تو حرم میں آنے سے گنہگار اور مستحق عذاب ٹھیرونگا - مگر سب وقتوں میں امید غالب ہونی چاہیے - کیونکہ اسکا کرم ہے اور خانہ کعبہ کی شرافت نہایت بڑی ہے آنے والے کے حق میں رعایت کیا کرتے ہیں - اور پناہ مانگنے والے اور دہائی دینے والے کو حرمت میں تلف نہیں کرتے -

حجّ میں حلق سر کی وجہ

حلق سر کیوجہ یہ ہے کہ بہت دنوں سر کھلا رہا - گرد و غبار پڑا - عام لوگوں کو سامان سر دھونے کا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ سر منڈوا دیں یا بالوں کو کٹوائیں حلق کا حکم جیسا کہ ہمارے کتب قرآن و احادیث فقہ میں مذکور ہے - ایسا ہی اسکا رواج اور اسکا ثبوت مقدسہ کتب میں موجود ہے - دیکھو ایوب - ۱ - باب - ۲۰ - نذیر یعنے نذر دینے والا جماعت کے خیمے کے دروازے پر سر کی منّت منڈاوے - گنتی ۶ باب ۱۸ -

کعبہ کیطرف رخ کرکے نماز پڑھنے کیوجہ

(۱) قرآن خود اس بھید سے آگاہ فرماتا ہے - وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ - ترجمہ - اور نہیں کیا تھا ہمنے وہ قبلہ جسپر تو تھا مگر اسلئے کہ ظاہر ہو جاوے کہ کون رسول کے تابع ہے اُس سے جو پھر جاتا ہے اپنی ایڑیوں پر -

(۲) یہ بہت صاف امر ہے اور حقیقت شناس و عاقل کے نزدیک کچھ بھی محل اعتراض نہیں اس ہادی کو جس نے تمام دنیا کی متداولہ عبادت کے طریقوں سے جن میں شرک اور مخلوق پرستی کے جز و اعظم شامل تھے اپنے طریق عبادت کو خالص کرنا منظور تھا - اور ایک واضح و ممتاز مسلک قایم کرنا ضرور - اسلئے تو اجب ہوا کہ وہ اپنی امت کے رخ ظاہر کو بھی ایسی سمت کیطرف پھیرے جسمیں قوائے روحانی کی تحریک اور اشتعال قدرت و مناسبت ہو -

(۳) اسمیں اتفاق و اتحاد قومی کا فائدہ ہے - اسلئے سب کو حکم ہوا کہ ایک دل ہو کر معبود حقیقی کی عبادت کریں - ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکے میں بیت اللہ کو توحید

گے بڑے واعظ نے تعبیر کیا اور آخری زمانے میں اُسی کی اولاد میں سے ایک زبردست کامل نبی مکمل شریعت لیکر ظاہر ہوا جسنے اُسی پہلی تلقین و تعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا۔ پس نماز میں جب اُدھر کو رُخ کرتے ہیں یہ تمام تصوّر آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور اس مصلح عالم کی تمام خدمات اور جانفشانیاں جو اُسنے اعلاے کلمۃ اللہ میں دکھلائیں یاد آجاتی ہیں۔

(۴) خانہ کعبہ کو اسلام والے بیت اللہ کہتے ہیں۔ اور بالکل ظاہر ہے کوئی شخص کسی کے مکان کو جاتا ہے تو اسکا مطلب مکان والے ہوا کرتا ہے۔ کسی تخت نشین بادشاہ اور بزرگ کے آداب و نیاز اُسکے تخت کے ادب نہیں ہوا کرتے۔

(۵) اسمیں یہ حکمت بھی مرکوز ہے کہ یہ کامل مذہب یہ توحید کا آفتاب اسی پاک زمین سے نمودار ہوا۔ وہ خداوندی حکمت بحال رکھی گئی۔ ورنہ اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا تعالے کی ذات مکان اور جہت کی قید سے منزہ ہے۔ اور عنصری و کونی صفات سے اعلے اور مبرا ہے۔ کوئی جہت نہیں جسمیں وہ مقید ہو۔ کوئی خاص مکان نہیں جسمیں مخصوصاً وہ رہتا ہو۔ اسی مطلب کیطرف قرآن شریف اشارہ کرتا ہے اور معترض کے اعتراض کو اپنے علم بسیط سے پہلے ہی رد کر دیا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۔ ترجمہ۔ خدا ہی کا مشرق اور مغرب ہے سو جسطرف منہ کرو۔ وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔

(۶) ایک اور لطیف بات قابل غور ہے۔ کہ آغاز نماز میں جبکہ مسلمان رو بقبلہ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ آیت پڑھتا ہے۔ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔ ترجمہ یعنے اپنا رخ کیا اُس خداوند تعالے کیطرف جس نے بنائے آسمان اور زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں ہوں شریک کرنے والا۔

(۷) اسمیں یہ بھی راز ہے کہ جماعت کے انتظام میں خلل نہ ہو اور تمام دنیا کے اہل اسلام یک جہت رہیں۔

کعبہ و مسجد کو بیت اللہ کہنے کی وجہ

ایک آریہ کے اعتراض ذیل کے جواب میں مصنف کتاب نور الدین کے فاضل نے جواب ذیل لکھا ہے۔

آریہ کا اعتراض ہے کہ مسجد کو خدا کا گھر کہنے سے خدا کو محدود کہنا پڑتا ہے۔

(جواب) سنسکرت میں پانی کو نارا کہتے ہیں وہ پہلے پرماتما کا گھر تھا۔ اسلئے پرماتما کو نارائن کہتے ہیں۔ اور ایک آریہ ترجمہ رگوید میں بحوالہ رگوید لکھتا ہے۔ جس ملک میں علم اور دہرم کی ترقی اور اشاعت ہوتی ہے وہ میرا مقام مالوف ہے۔

اس میں کیا شک ہوسکتا ہے کہ مکہ معظمہ سے وعظ توحید شروع ہوا۔ اس معظم مکان نے مسئلہ توحید کی تائید اور شرک کا استیصال کیا۔ قومی نفاق اور طوائف الملوکی اور خانہ جنگیاں عرب کی دور کیں۔ دختر کشی۔ شراب۔ اور خطرناک قمار کا اس ملک میں نام و نشان نہ چھوڑا۔ نفاق و کسل۔ و کاہلی کے بدلہ۔ آزادی۔ صبر و ہمت و اخوت و ہمدردی و شجاعت و استقلال اور عزم کو پیدا کر دیا۔ اب بتاؤ یہ مکان خدا تعالےٰ کا مقام مالوف اور گھر نہ ہو تو اور کونسا ہو۔ خاص نسبت اور تعلق کے لئے اضافت ہوا کرتی ہے۔ اس سے کوئی عقلمند منکر نہیں ہے کہ اسلامی مساجد (سجدہ گاہیں) صرف عبادت الٰہی کی جگہ ہیں۔ اور محض اللہ ہی کی رضامندی کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ اسواسطے ان کو بیوت اللہ اور ایک ایک کو بیت اللہ کہتے ہیں۔ یعنے ان گھروں میں صرف اللہ تعالے کا نام لیا جاتا ہے۔ اور بس۔ مثلاً خانہ کعبہ میں اندر جاکر صرف دو رکعت نماز و دعا کی جاتی ہے۔ اور اسکے اندر کسی مخلوق کا بت نہیں رکھا گیا۔ اسلئے اسکو بھی بیت اللہ کہتے ہیں۔

کعبہ پر نظر کرنے کی حکمت

انسان کو چاہئیے کہ کعبہ پر نظر کرنے کے وقت اُسکی عظمت دل میں حاضر کرے۔ اور فرض کرے کہ گویا رب البیت کو دیکھ رہا ہوں۔ اور امید کرے کہ خدا تعالے نے جسطرح بیت عظیم کا دیکھنا مجھے نصیب کیا ہے اسیطرح اپنی ذات پاک کیطرف دیکھنا بھی نصیب

کریگا۔ اور اللہ تعالےٰ کا شکر کرے کہ اُسنے ایسے مرتبہ پر پہونچایا۔ اور اپنے پاس آنے والوں کے زمرہ میں داخل فرمایا ہے۔ اور اسوقت یہ دھیان کرے کہ قیامت میں سب لوگ جنت میں داخل ہونے کی امید سے اسیطرح جھکینگے۔ پھر اُن کے دو فریق ہو جائینگے کہ بعض کو تو اجازت اندر جانے کی ہوگی۔ اور بعض لوٹا دیئے جاوینگے۔ جیسے حاجیوں کے دو فریق ہیں کہ بعض کا حج مقبول ہے۔ اور بعض کا نامنظور۔ جو احوال حج میں پیش آویں اُن کو دیکھ کر امور آخرت سے غفلت نہ کرنی چاہیئے۔ اسلئے حاجیوں کے سب حالات پر آخرت کے حالات دلالت کرتے ہیں۔ ۱۰۶ لی

میقات پر احرام باندھنے و لبیک کہنے کا بھید

مواقیت کے اندر اصل یہ ہے کہ مکہ کو ایسی حالت میں آنا چاہیئے کہ سر پر خاک بھری ہو۔ اور بدن میں بدبو آنے لگی ہو۔ اور نفس ذلت میں ہو شارع علیہ السلام کو بھی مطلوب ہے۔ اگر تمام لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا کہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھ کر آیا کریں۔ تو ظاہر ہے کہ انہیں کسقدر دقت تھی کیونکہ بعض شہر مکہ سے ایک مہینے کی مسافت پر واقع ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ دور ہیں لہذا ضروری ہوا کہ احرام باندھنے کے لیئے مکہ کے گرد چند مقامات سے احرام باندھا کریں اور ان مقامات کے بعد تاخیر نہ کر سکیں۔ اور ضرور ہے کہ یہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں اور کوئی شخص ان مقامات سے ناواقف نہ ہو۔

میقات پر احرام اور لبیک کہنے سنے یہ جانے کہ لبیک کے یہ معنے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی پکار پر جواب عرض کر رہا ہوں۔ کہ میں حاضر ہوں اسوقت یہ امید کرے کہ یہ جواب مقبول ہو اور خوف ہے کہ کہیں یہ نہ کہدیا جاوے وَلَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ اسلیئے ضرور ہوا کہ خوف و رجا کے درمیان متردد رہے اور اپنے تاب و طاقت سے علیحدہ ہو جاوے اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم پر تکیہ رکھے۔ اسلئے کہ لبیک کہنے کا وقت ہی حج کا شروع ہے اور وہ خطرہ کی جگہ۔

لبیک کہنے والا جب میقات میں لبیک کہکر پکارے تو اس غرض سے کہے کہ خدا تعالےٰ کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ جو اسنے فرمایا۔ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ

بِالْحَجِّ۔ ترجمہ۔ یعنے پکار لوگوں کو حج کے واسطے۔

اور دھیان کرے کہ آخرت میں قرنا کے پھونکنے سے لوگ اسیطرح پکارے جاوینگے اور قبروں سے اُٹھ کر میدان قیامت میں جمع ہونگے۔ اور اللہ تعالےٰ کی پکار کا جواب دینگے۔ اور اُن کی بہت سی قسمیں ہونگی۔ کوئی مقرب ہونگے۔ کسی پر غصہ ہوگا بعضے مقبول ہونگے۔ اور بعضے مردود۔

پردہ کعبہ کو پکڑنے کا راز

پردہ کعبہ کو پکڑنے اور ملتزم سے چمٹنے کے وقت انسان یہ نیت کرے کہ بیت اور رب البیت کی محبت اور شوق میں قرب کا طالب ہوں۔ اور کعبہ سے بدن کے چھونے کو برکت جانے اور یہ توقع کرے کہ جو عضو بدن کعبہ سے مل جاویگا وہ آگ سے محفوظ رہیگا۔ اور پردہ پکڑنے میں یہ نیت ہو کہ طالب مغفرت اور درخواست امان میں الحاح کرتا ہوں جیسے کوئی خطاوار جسکا کوئی قصور کرتا ہے اُسکے دامن کو پکڑتا ہے اور عفو قصور کے لیئے اُسکے سامنے انکسار کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ میرا ملجا و ماوی بجز تیرے اور کہیں نہیں۔ اور سوا تیرے کرم اور عفو کے اور کہیں ٹھکانا نہیں اور اب میں تیرا دامن نہ چھوڑونگا۔ جب تک خطا معاف نہ کردے اور آئیندہ کو امن نہ دے۔

توجہ قبلہ پر اعتراض آریہ کا جواب و تحویل قبلہ کی وجہ

آریہ معترض ہے کہ خود آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے وحی اور الہامات پر یقین اور وثوق نہ تھا۔ اسواسطے تحویل قبلہ و کعبہ کیا۔

(۱)۔ (جواب) یہ نادان لوگ نہیں جانتے کہ تحویل قبلہ اور یہ انقلاب اللہ تعالےٰ نے اسواسطے کرایا کہ تا یہ ظاہر ہو جاوے کہ مسلمان کعبہ پرست نہیں ہیں۔ ہر دو متبرک مقامات میں جنکی بزرگی اور عزت کیوجہ سے کبھی کسی زمانے میں کسی کو ان کی پرستش کا خیال ہو سکتا تھا اُن کو پیٹھ کے پیچھے کرا کے اس امر کا اظہار عام طور پر کرا دیا کہ مسلمان واقعی اور حقیقی طور سے خدا پرست ہیں نہ کہ کعبہ پرست۔

باایں ہمہ یہ لوگ مسلمانوں پر حجر اسود کی پرستش کا الزام دیئے جاتے ہیں۔ صاف بات ہے کہ عبادت کے لئے انسان کو کسی نہ کسیطرف تو منہ کرنا ہی پڑتا ہے پس ایک شخص تو خود اپنی خواہش سے کسی طرف کو پسند کرتا ہے اور دوسرا حکم الٰہی سے ایک خاص طرف منہ کرتا ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی ان میں سے کون اچھا ہے۔ ایک تو حکم پرست ہے اور دوسرا نفس پرست۔ باایں ہمہ یہ لوگ مسلمانوں کو کعبہ پرست کہتے ہوئے شرماتے کیوں نہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تحویل کعبہ کرنا اسی حقیقت پر مبنی تھا کہ مسلمان خاص موحد اور توحید کے پابند ہو جاویں کعبہ پرستی کا وہم تک بھی اُن کے دل سے نکل جاوے۔ یہ نہیں ہے کو کس تلوّن اور تقیّن کیوجہ سے تحویل قبلہ ہوا۔ جیساکہ نادان آریوں کا وہم ہے کیونکہ آپ تو صاف کہتے ہیں۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ ترجمہ کہدے کہ یہ میرا راستہ ہے جسپر میں علے وجہ البصیرت خدا کیطرف بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی۔ دوسری وجہ آیت ذیل سے ظاہر ہے۔

(۲) وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ ترجمہ۔ نہیں ٹھہرایا ہمنے وہ قبلہ جسپر تو تھا۔ مگر اسلئے کہ ہم تمیز کرلیں کہ کون رسول خدا کی پیروی کریگا۔ اور کون اپنی ایڑیوں پر پھیر جاویگا۔

(۳) یاد رہے کہ نماز علاوہ اُن تمام خوبیوں کے جو اُسپر مداومت کا لازمی نتیجہ ہیں بڑا بھاری قومی امتیاز اور نشان ہے۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ میں ایک منافق مسلمانوں کو دھوکہ دینے یا اوں کے رازوں پر مطلع ہونے کے لئے شامل ہو سکتا ہے اور اُسکی قوم کو اُسپر اطلاع بھی نہ ہو۔ کیونکہ ان امور کی بجا آوری میں اپنی قوم کے نزدیک وہ کسی بیماری یا لزوم فاقہ۔ سفر و تفرج یا خیرات کا حیلہ تراش ہو سکتا ہے اور مسلمان بھی اُسے بے تردد وفادار مسلمان کہ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ انہیں امور میں مسلمان ہونا محصور ہو۔ مگر سخت مشکل اور پردہ برانداز امر نماز ہے جسے کوئی شخص بھی جو اپنے مذہب کا کچھ بھی پاس اور حمیت دل میں رکھتا ہو۔ کبھی بھی گوارا نہیں کر سکتا خصوصاً ایک علیحدہ قومی نشان اور ایک بالکل الگ ہیئات میں الگ مذہبی سمت کیطرف متوجہ ہو کر باینہمہ اپنی قوم میں بھی شامل رہنے نا ممکن ہے۔ اب غور

فرمائیے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس خصوص میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں تاریخ اور قومی روایت متفقاً شہادت دیتی ہیں کہ بیت اللہ زمانہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے برابر ابا عن جد قوموں کا مرکز اور جائے تعظیم چلا آیا ہے کفار مکہ گو بت پرستی کے لباس میں تھے اس بیت ایل کو مقدس عبادت گاہ یقین کرتے۔ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دین حق کا وعظ شروع فرمایا اور خدا کا کلام دن بدن پھیلنے لگا۔ اور دشمنان دین مخالفت میں ہر طرح زور لگا کر تھک گئے۔ آخر یہ حیلہ سوچا کہ نفاقاً اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور اسطرح وہ لوگ سخت سخت اذیتیں اور مخفی در پردہ مصائب مسلمانوں کو پہونچانے لگے۔ بنا بر علے ہذا بانی مذہب کو ضرور ہوا۔ کہ اُس معجون مرکب کے اجزا کی تحلیل کے لیے کوئی بھاری کیمیاوی تجویز نکالے۔ آپنے ابتداءً مکے میں بیت المقدس کی جانب نماز میں رخ پھیرا۔ اس ربانی الہامی تدبیر سے قریش مکہ جو نہایت بت پرست اور اہل کتاب او جو ان کے مذہب کو بہت برا جانتے تھے۔ مسلمانوں کی جماعت سے بالکل الگ ہو گئے۔ اب کوئی منافق ظاہری طور پر بھی شامل ہونے کو گوارا نہ کر سکا۔ اور خاص مکے میں بجز خالص مخلص اصحاب اور یاران جان نثار کے اور کوئی پیرو نہ بنا۔ اس تدبیر سے ایک اور عظیم فائدہ یہ ہوا کہ بانی کو اپنے مشن کی ترقی اور خالص پیرووں کا اندازہ معلوم ہو گیا۔ اور آیندہ کے واسطے معتمد وفاداروں اور غدار منافقوں میں امتیاز کلی ہو گیا۔ پھر جب مدینے میں آپ تشریف لے گئے۔ جہاں بکثرت یہود رہتے تھے اور جو اول اول باغراض مختلفہ آپ کی تشریف آوری سے خوش ہوئے۔ اور آپ کے تابعین میں خوب مل جل گئے۔ پھر آخر اپنی امیدوں کے برخلاف دیکھکر خفیہ خفیہ اسرار و افساد میں ریشہ دوانی کرنے لگے۔ تب آنحضرت نے ربانی الہامی ہدایت سے جو ایسے تاریک وقتوں میں اپنے پاک نبیوں کو کشایش کی راہ دکھاتی ہے۔۔۔ اصلی قدیمی ابراہیم اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بیت اللہ کیطرف نماز میں توجہ کی۔ اس سے خالص انصار اور غدار یہودیوں میں امتیاز کی راہ نکل آئی۔ قرآن کریم بھی اسی مطلب کیطرف اشارہ کرتا ہے چنانچہ پہلے اُس آیت کو معہ ترجمہ اس مضمون میں درج کر دیا گیا ہے۔

اسباب کو بھولنا نہیں چاہیئے کہ ایسی جدید قوم کو جسکی استیصال کے درپے مختلف قومیں ہو رہی تھیں۔ ایسے نئے مذہب کو جسے اوّلاً مخلصین و منافقین میں تمیز کرنا اور دشمنوں کے جابرانہ حملوں کا اندفاع اختیار کرنا تھا۔ نہایت ضرور تھا اور عقلاً و نقلاً اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ ایسی ہی تدبیر سے کام لیا جاتا۔ سو آنحضرت نے ایسا ہی کیا اور یہ سب کچھ خدا تعالےٰ کے حکم سے ہوا تھا۔ احمد۔ نور تفصیل

زمانہ سابق میں علوم تفصیل اسرار شریعت کیوجہ کعبہ میں کنز مدفون کی حکمت

(سوال) جو اسرار شریعت تم بیان کرتے ہو اگر واقعی اور سچے ہیں تو خود خدا نے یا رسالتمآب نے یا آپ کے صحابہ کرام نے کیوں بیان نہ کئے۔

(جواب) قانون قدرت پر نظر کرو۔ فوٹوگراف۔ لیتھوگراف۔ ٹیلیگراف۔ چھاپہ ریل۔ گراموفون۔ ٹیلیفون۔ اسٹیم کے اسرار عناصر میں اُسوقت سے موجود ہیں جب سے عناصر کو خالق عناصر نے پیدا کیا۔ مگر نہ خدا نے اسوقت ان اسرار کو بیان فرمایا نہ اُسکے اُن مقربین بارگاہ نے جو اسوقت تھے اُنکی تشریح کی۔ تو پھر کیا اسوقت کے بیان نہ کرنے سے لازم آتا ہے کہ یہ اسرار موجود ہی نہ تھے۔ اور یہ منافع جو آج ظاہر ہوئے ان عناصر میں اسی زمانہ میں موجود ہو گئے ہیں۔ قانون اسلام بعینہٖ قانون الٰہی سمجھو۔ قانون قدرت اور طبقات میں صرف وہی اسرار اور منافع نہیں جو حکمائے یونان اور یوروپ اور دانایان ہند نے بیان کئے۔ بلکہ اور بے انت اسرار بھی ہیں۔ مگر طبعی قانون کے اسرار بے انتہا ہیں اور صرف اُسقدر نہیں جو ابتک حکماء نے بیان کئے ہیں تو احکام اسلام کے اسرار بھی ایسے ہی سمجھو۔

معلوم نہیں زمانے کی ترقی پر کیا کیا اسرار قانون قدرت اور قانون شریعت کے ظاہر ہوں گے۔ ہر چیز کا ظہور و بروز اپنے وقت پر ہونا مقدر ہے۔ میرے خیال میں اس تقریب پر ابن عربی کا مکاشفہ ذیل قابل ذکر ہے کیونکہ وہ اس بیان سے مناسبت رکھتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے کعبہ میں ایک خزانہ ودیعت رکھا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسکے نکال لینے کا ارادہ فرمایا تھا کہ اُسکو نکالکر لوگوں میں بانٹ دیں۔ پھر آپ نے کسی مصلحت کے لئے اسکو وہیں چھوڑ دیا اور نہ نکالا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اُس کے نکال لینے کا ارادہ فرمایا پھر اُنہوں نے بھی اقتدائے نبوی کا خیال کر کے اسکا نکالنا ترک کر دیا۔ اور وہ خزانہ اب تک کعبہ میں موجود ہے ۵۹۹ سنہ ہجری کو میں شہر تونس میں مقیم تھا تو عالم مکاشفہ میں کعبہ سے میرے پاس سونے کی ایک تختی لائی گئی جسمیں ایک شگاف تھا۔ اور اوسکی موٹائی ایک انگل بھر اور اسکا عرض ایک بالشت یا کچھ زیادہ تھا۔ اسمیں ایک قسم کا خط لکھا ہوا تھا۔ جسکو میں بوجہ ایک حالت طاری ہونے کے پڑھ نہیں سکا۔ میں نے بپاس ادب نبوی خدا تعالےٰ سے التجا کیا کہ اس تختی کو اوسی مقام میں پھر واپس رکھا جاوے۔ اور اگر میں اسکو نکالکر لوگوں میں ظاہر کرتا تو بڑا اندھا دھند فتنہ برپا ہوتا۔ اس مصلحت کے لئے بھی میں نے اسکو وہیں رہنے دیا۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسکو یوں ہی عبث نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ اس لئے چھوڑا کہ اسکو القایم بامر اللہ امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر زمانہ میں آکر نکالیں گے اب میں اُس خزانے کا بہ تفصیل ذکر نہیں کرتا اور نہ میں اسباب کا ذکر کرتا ہوں جو کچھ میں نے دیکھا ہے پھر آگے چلکر شیخ صاحب لکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ عارف کے دل میں علوم الٰہی کا خزانہ اسیطرح رکھتا ہے اور اسکے استدلال میں آیت ذیل پیش کر کے اسکی تشریح لکھی ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ ۔ فجعلها كنزاً في قلوب العلماء بالله تعالےٰ۔ ترجمہ۔ خدا تعالےٰ شاہد ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور اسکے فرشتے اور صاحبان علم بھی اس امر پر شاہد و قایم بر انصاف ہیں دیکھو خدا نے اس علمی شہادت کو علمائے ربانی کے دلوں میں خزانہ قرار دیا۔

دراصل کعبہ میں یہ مدفون خزانہ علمی خزانہ ہے جسکا اخراج القایم بامر اللہ امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسکا اخراج مہدی ہی کے زمانہ سے مناسبت تامہ رکھتا ہے۔ شیخ اکبر کو اپنی کتاب فصوص الحکم لکھنے سے پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نگینہ کیصورت میں دکھا کر فرمایا خُذْ هٰذَا اَقْتَصَاتْ یعنے اپنا نگینہ لے لو۔ اور اس سے مراد علوم کا ذخیرہ تھا۔ اور صاحب تعطیر الانام نے

صفحہ ۱۸۸ میں اشیائے زمینی معاون کو عالم رویا میں دیکھنا علم مکنون بھی لکھا ہے۔ پس
اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سونے کی تختی جو شیخ کو اکبر دکھائی گئی اس سے مراد
علوم الٰہیہ ہیں جنکا ظہور حسب مصلحت زمانہ بتدریج اپنے وقت پر مقدر ہے۔
اور ان علوم کا کعبہ میں مدفون ہونا اونکی حقیقت وسچائی پر دلالت ہے۔ اور سونے
کی تختی کی شکل میں ظاہر ہونا یہ ہے کہ جو شخص اُن کی اشاعت کریگا اسکو کچھ تکالیف
وہموم لاحق ہونگے۔ اور اس تختی کا درمیان سے تنق ہونا یہ ہے کہ امت نبوی جو استقبال
کرتے اور اہل قبلہ ہیں اُن علوم کی اشاعت سے دو گروہ ہو جاوینگے۔ کچھ تو اُن علوم
کی تصدیق کرینگے اور کچھ انکار کرینگے۔ اور اُس تختی کا ایک ہی ہونا یہ ہے کہ بالآخر
وہ دونوں گروہ ایک ہی ہو جاوینگے اور اُن علوم کی سب تصدیق کرلینگے اور اس
امت نبوی کو نزول کے بعد پھر ایسا عروج حاصل ہوگا کہ کسی زمانہ میں کسی قوم کو
حاصل نہیں ہوا۔ اور یہ عروج خود بخود قدرتی اسباب سے بتدریج دوسری قوموں
کے اسلام کیطرف رجوع لانے سے حاصل ہوتا جاویگا۔ اور یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ کوئی
خلیفہ یا امام وقت بجبر واکراہ کفار کو بزور شمشیر مسلمان کریگا۔ کیونکہ اسطرح سے
گروہ منافقین کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ جو باعث ضعف اسلام ہے بلکہ اسلام
کی صداقت وسچائی کی تلوار خود بخود دلوں کو فتح کرے گی۔

احرام باندھنے والے پر جنگل کا شکار حرام ہونے کی وجہ

واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے نفوس متنفرہ کے شکار کرنے کے لیئے پھندے لگا
رکھے ہیں دانہ محبت اور اطعمہ کے ذریعہ اُن کو پھندوں میں قید کرلیا۔ بعض شکار تو
پھندے میں اپنی جنس کو دیکھ کر اُن کے ساتھ ملنے کے طمع سے آکر پھنستے ہیں۔ کہ لہذا وہ
شکار بھی قبضہ میں آجاتے ہیں۔ اور وہی اسکا مقصود ہوتا ہے کیونکہ شکار ہی بعینہٖ اسکا
مطلوب ہوتا ہے اور بعض شکار پھندے پر دانہ ڈالنے سے پھنستے ہیں۔ اور شکاریوں
کے پاس سیٹی ہوتی ہے جسکا آواز اُن پرندوں ہی کیطرح ہوتا ہے۔ پس جب پرندہ
اُسکا آواز سنتا ہے تو آپ پھنستا ہے پس اُسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے جسنے خدا کا آواز
سُنا تو اُسنے اُسکو قبول کرلیا۔ پس یہ تو احسان کے ساتھ شکار نہیں ہوا۔ مگر دوسرا گروہ

احسان کرکے پھنسایا گیا۔ اُسنے دانہ کے احسان کو دیکھا اور احسان اُسکو کھینچ لایا
اور اپنے آپکو اُس احسان پر پھینک دیا اور اسکو شکاری نے پھانس لیا۔ اگر احسان نہ ہوتا
تو نہ آتا۔ پس اسکا آنا غرض وعلت پر مبنی ہے اور جنگل محسن واحسان ہے اور خدا تعالےٰ
سخت غیور ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اوسکا یہ خاص طائفہ حاجیان احسان کے بندے
بنیں۔ اور خدا تعالےٰ کے خالص بندے نہ بنیں یہی وجہ ہے کہ حاجی ژولیدہ مو پریشان
حال غبار آلود اور ان سیئے کپڑے پہنے ہوئے خداوند تعالےٰ کی آواز۔ اَذِّنْ فِي النَّاسِ
بِالْحَجِّ سنکر حاضر ہو گئے۔ اور اُسکے جواب میں خالصاً للہ ہو کر تلبیہ وتہلیل کر رہے ہیں۔
کیونکہ غیرت خدا تعالےٰ کی خاص صفات میں سے ہے۔ لہذا وہ اس گروہ مقربین کے لیئے
احرام میں زیادہ احسان نہیں چاہتا کہ مبادا وہ احسان کے بندے بنیں اور حقیقت
کے بندے نہ بنیں۔ کیونکہ اسمیں جناب الٰہی کی ہتک وسبکی ہے۔ چنانچہ مثل مشہور
ہے کہ غرضی غرض کا بندہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی غرض کے لیئے کسی کی مصاحبت
کرے تو اُسکی مصاحبت انقضائے غرض کے بعد نہیں رہتی اور خدا کے ساتھ بندہ کی
مصاحبت درحقیقت ذاتی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ بندہ اُسکے قبضہ ملک سے نکل نہیں
سکتا۔ اور اگرچہ وہ اپنے زعم میں بھاگ جائے مگر اسکے ملک سے نکل نہیں سکتا بھاگنے
والا درحقیقت خدا تعالےٰ کی ملکیت سے جاہل و ناواقف ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جہاں
جاویگا وہاں ہی خدا کی بادشاہی اور ملک ہوگی لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
آسمانوں و زمینوں کی بادشاہی خدا کی ہے۔ اسلیئے حاجی پر جنگل کا شکار حرام ہوا۔
چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں خدا کی محبت کرو۔ کہ وہ تم کو اپنی نعمت سے
غذا دیتا ہے۔ یہ بندگانِ احسان کے لیئے خاص خطاب ہے۔

محرم پر دریا کا شکار حرام نہ ہونے کی وجہ

محرم پر دریا کا شکار حرام نہ ہوا۔ کیونکہ وہ پانی کا شکار ہے۔ اور پانی زندگی کا عنصر ہے
جس سے خدا نے ہر چیز کو زندہ کیا ہے۔ اور اس عبادت حج اور دیگر عبادات کے ساتھ
زندگی دل ہی تو مطلوب ہے۔ پس جبکہ اُس عبادت کے ساتھ دل اور اعضا کی
زندگی مقصود ہے اور سب عبادات کے ساتھ اُن کے ظاہر و باطن میں مطلوب ہے

یعنے زندگی پانی میں بمناسبت واقع ہے تو سمندر کا شکار حرام نہ ہوا یہی وجہ ہے کہ
لفظ بحر بوجہ وسعت کے آیا ہے کیونکہ وہ عام ہے اور فی نفسہ ایسا ہی امر ہے۔ کیونکہ
جو چیز ہے وہ خدا تعالی کی تسبیح و تحمید کہہ رہی ہے اور تسبیح و تحمید وہی چیز کہتی ہے جو
زندہ ہو پس تمام موجودات میں زندگی دائر و سائر ہے لہذا بحر کا حکم وسیع ہوا پس
بحر کی بمناسبت وسعت کے سبب سے ہے یہی وجہ ہے کہ شکار کو بحر کی طرف نسبت
کی اور پانی کیطرف بحر کی وسعت کی رعایت کے لحاظ سے نسبت نہ کی۔ لہذا بحر کا
شکار محرم و محل کے لیئے حلال ہے۔ فتوحات مکہ۔

شیر خوار بچہ کی طرف سے حج کرنا جائز ہونیکی وجہ

سوال: جبکہ شریعت کا خطاب ہی عاقل و بالغ کے لیئے قرار دیا گیا ہے تو جو بچہ ابھی
عقل و سن بلوغ سے بے بہرہ ہے اسکا حج کسطرح ادا ہوسکتا ہے:

جواب۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ہر بچہ مسلمان اور فطرت اسلام پر پیدا
ہوتا ہے چنانچہ فرمایا۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ
اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ۔ ترجمہ۔ یعنے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر سن
بلوغ کو پہونچکر اُسکے ماں باپ اُسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی کردیتے ہیں پس جسکا
اسلام ثابت ہوجاوے مگر اُسمیں باقی شرائط وجوب حج کے نہ پائے جاویں تو اسپر
حج فرض و واجب تو نہیں۔ لیکن اسکی طرف سے جائز ہوسکتا ہے۔ بچہ نے اگرچہ
اسلام کا نام تک نہ لیا ہو۔ اور نہ نیت حج جانتا ہو اور وہ مرجاوے تو خدا تعالے اسکے
لئے حج بطور فرضیت کے قبول فرمالیتا ہے۔ اور آخروی زندگی میں اُس کے لیئے مفید
ہوتا ہے شیر خوار بچہ کے حج کی صحت کے متعلق ایک حدیث نبوی میں ذکر آیا ہے۔ اور
محققین نے بھی اس حج کو جائز ثابت کیا ہے۔ اور شریعت نے بھی اسکو معتبر کیا ہے
وجوب حج کے شرائط اسلام۔ عقل۔ بلوغ۔ مالی وسعت۔ صحت۔ امن مقرر ہیں۔ مگر
ان میں سے صرف ایک اسلام ثابت ہو اور باقی شرائط نہ ہوں تو واجب نہیں ہوتا مگر
جائز ہوسکتا ہے۔ اور آخروی زندگی میں اُسکا حج اوسکے لئے نتائج مفیدہ کا باعث
و مثمر برکات ہوگا۔ ایک عورت نے ایک چھوٹا بچہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے آگے

پیش کرکے کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا اسکا حج ہوسکتا ہے آپ نے فرمایا ہاں
ہوسکتا ہے اور اسکا ثواب تجھے بھی ملیگا۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج
کی نسبت اوس بچہ کی طرف فرمائی جسکا بظاہر کوئی قصد نہیں تھا۔ اگر اس شیر خوار کا کسی وجہ سے
قصد نہ ہوتا۔ جبکہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام صاحب کشف نے پہچان کر فتوی فرمایا
تو حج کی نسبت اُسکی طرف نہ فرماتے۔ اور بچے کا حج اگر جائز نہ ہوتا۔ تو نعوذ باللہ آں
حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمودہ جھوٹا ٹھہرتا۔

ایک عورت اپنے ایک چھوٹے بچے کو دودھ پلارہی تھی اور اُسکے پاس سے
ایک بڑا اسوار خوبصورت وبانکا صاحب حشم وجاہ شخص گذرا۔ تو اس عورت نے کہا
اے خدا میرے بیٹے کو اس شخص کیطرح بنا تو اس شیر خوار نے اپنی ماں کا پستان چھوڑ کر
اس شخص کیطرف دیکھا اور کہا اے خدا مجھے اس شخص کی شکل نہ بنائیو:
اس عورت کے پاس سے ایک عورت گذری اور اسکو زدوکوب ہورہی تھی اور
لوگ اُسکی بابت کہتے تھے کہ اُسنے زنا اور چوری کی۔ پس اُس عورت دودھ پلانے والی
نے دعا کی کہ اے خدا میرے بیٹے کو اس عورت کی شکل نہ بنائیو تو اس بچے نے اپنی ماں
کا پستان چھوڑکر اس عورت کیطرف نظر کی اور کہا اے خدا مجھے اس عورت کی شکل
بنا (جسکو لوگ جھوٹی تہمتیں دے رہے ہیں) نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس شخص
کے متعلق فرمایا کہ وہ سرکش اور متکبر آدمی تھا۔ اور عورت کے متعلق فرمایا کہ وہ اُن باتوں
سے بری تھی جن کی نسبت اسکی طرف کیجاتی تھی۔

ابن عربی رحمہ اللہ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ میری ایک بیٹی شیر خوار ایک سال
سے کم عمر کی تھی میںنے اسکو بلایا۔ اے دختر زینب اختر۔ پس وہ میریطرف متوجہ ہوگئی میںنے اسکو
کہا اس مرد کے حق میں تو کیا کہتی ہے جسنے اپنی عورت سے مباشرت کی اور اسکو انزال
نہ ہوا ہو اسپر کیا واجب ہوتا ہے۔ پس اُس لڑکی نے کہا کہ اسپر غسل واجب ہوتا ہے۔
مجھے اُسکی اس سنجیدہ بات سے غشی آگئی۔ یہ بات میںنے بنفس خود مشاہدہ کی وہ لکھتے
ہیں کہ شیر خوار بچے اور جنین کا صدقہ و زکوۃ مثمر برکات ہے۔

کعبہ کے چار ارکان ہونے کی حکمت

(۱) بنظر غور دیکھو گے تو معلوم کرو گے کہ اسلام کا ہر ایک کام وحکم اپنی مناسبت پر ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کعبہ کو جو اُسکے اسم کو یاد کرنے کا محل ومکان ہے چار ارکان پر ٹھیرایا ہے۔ اور اہی چار طبائع پر اُسکی پیدائش ہے۔ جیسا کہ کعبہ کے موجودہ چار ارکان۔ اور عرش کے موجودہ چار حاملین ہیں۔ ایسا ہی قرآن کریم واحادیث نبویہ میں وارد ہے کہ عرش کے موجودہ حاملین چار ہیں۔ اور کل آخرت میں آٹھ ہونگے اور آخرت میں باقی چار کا ظہور ہوگا۔ اسلئے آخرت میں دل کے حامل آٹھ ہونگے۔ چار تو وہ ہیں جنکا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور باقی چار۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ اور کلام ہیں پس اگر کہو کہ وہ تو آج ہی موجود ہیں۔ تو اُن کو تم نے آخرت کے لئے کیوں ٹھیرایا۔ ہم کہتے ہیں آٹھ حاملین آج ہی موجود ہیں۔ لیکن اُن کے خاص حمل کا حکم دنیا میں نہیں بلکہ کل آخرت میں ہوگا۔ ایسا ہی یہ صفات جنکا ہم نے ذکر کیا اُنکا حکم دنیا میں نافذ نہیں آئیگا بلکہ انکا حکم سعیدون کے لیئے آخرت میں ہوگا۔ اور اُن چار کا حکم جو اس گھر کی طبائع ہیں وہ اجسام میں ظاہر ہیں۔

(۲) خدا تعالےٰ کے امہات الصفات جنکا ظہور اس دنیا میں ہو رہا ہے وہ چار ہیں۔ رب۔ رحمٰن۔ رحیم۔ مالک یوم الدین ہیں۔ خدا تعالےٰ کے باقی سارے صفات انہی کے اندر سے نکلتے ہیں۔ لہٰذا خدا تعالےٰ کی خاص عبادت کے گھر کے ارکان بھی اس مناسبت سے چار ہی چاہئیں۔ کیونکہ جو عابد ہوگا وہ اپنی چار صفات کے تحت ہی ہوگا۔

چونکہ اس مضمون عنوان الصدر میں عرش الٰہی کا ذکر بھی آیا ہے۔ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص نافہمی سے عرش کو کعبہ کیطرح جسمانی قرار دیدیوے۔ چنانچہ اسپر نادان آریہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں لکھا ہے کہ خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور چار فرشتوں نے اُسکے تخت کو اُٹھایا ہوا ہے۔ اسطرح پر ثابت ہوتا ہے کہ خدا محدود اور قایم بالذات نہیں۔ اور جب محدود ہے تو اسکا علم بھی محدود ہوگا اور حاضر ناظر نہ ہوگا۔

جواب۔ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز نہیں ہے جسپر خدا بیٹھا ہے تمام قرآن شریف

کو اول سے لیکر آخر تک پڑھو اسمیں ہرگز نہیں پاؤ گے کہ عرش بھی کوئی چیز محدود اور مخلوق ہے۔ خدا نے بار بار قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ہر ایک چیز جو کوئی وجود رکھتی ہے اسکا میں ہی پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی زمین وآسمان اور روحوں اور انکی تمام قوتوں کا خالق ہوں۔ میں اپنی ذات میں آپ قائم ہوں اور ہر ایک چیز میرے ساتھ قایم ہے۔ ہر ایک ذرہ اور ہر ایک چیز جو موجود ہے وہ میری ہی پیدائش ہے۔ مگر کہیں نہیں فرمایا کہ عرش بھی کوئی جسمانی چیز ہے جسکا میں پیدا کرنے والا ہوں۔ اس اعتراض کی بنیاد تو محض اسبات پر ہے کہ عرش کوئی علیحدہ چیز ہے۔ جسپر خدا بیٹھا ہوا ہے۔ اور جب یہ امر ثابت نہ ہو سکا تو کچھ اعتراض نہ رہا۔

قرآن شریف میں یہ کہیں بھی نہیں لکھا کہ خدا کو کوئی فرشتہ اُٹھا رہا ہے۔ بلکہ جا بجا لکھا ہے کہ خدا ہر چیز کو اُٹھا رہا ہے۔ ہاں بعض جگہ یہ استعارہ مذکور ہے کہ خدا کے عرش کو جو در اصل کوئی مجسم چیز نہیں فرشتے اُٹھا رہے ہیں۔ دانشمند اسجگہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ جبکہ عرش کوئی مجسم چیز اور مخلوق نہیں تو فرشتے کس چیز کو اُٹھا رہے ہیں۔ ضرور یہ کوئی استعارہ ہوگا۔ نظم

اَلْعَرْشُ لِلّٰہِ بِالرَّحْمٰنِ مَحْمُوْلٌ	وَحَامِلُوْہُ وَھٰذَا الْقَوْلُ مَعْقُوْلٌ
وَاَیُّ حَوْلٍ لِّمَخْلُوْقٍ وَمَقْدِرَۃٍ	لَوْلَاہُ لَمَا جَاءَ بِہٖ عَقْلٌ وَتَنْزِیْلٌ

ترجمہ۔ خدا کے عرش اور حاملین عرش کو خدا ہی اُٹھانے والا ہے اور یہ بات معقول ہے مخلوق خدا کی کیا طاقت وقدرت ہے کہ وہ خدا کو اُٹھائے۔ اگر خدا تمام عالم کا حامل نہ ہوتا تو نہ یہ عالم ہوتا اور نہ عقل ہوتا اور نہ نزول قرآن ہوتا۔

اہل لغت لکھتے ہیں۔ اِنَّ الْعَرْشَ فِیْ لِسَانِ الْعَرَبِ یُطْلَقُ وَیُرَادُ بِہِ الْمُلْکُ یُقَالُ ثُلَّ عَرْشُ الْمَلِکِ اِذَا دَخَلَ فِیْ مُلْکِہٖ خَلَلٌ وَیُطْلَقُ وَیُرَادُ بِہِ السَّرِیْرُ فَاِذَا کَانَ الْعَرْشُ عِبَارَۃٌ عَنِ الْمُلْکِ فَتَکُوْنُ حَمَلَتُہٗ مَا یَقُوْمُ عَلَیْہِ مِنَ الْقَوَائِمِ اَوْ مَنْ یَّحْمِلُہٗ عَلٰی کَوَاھِلِھِمْ۔ ترجمہ۔ اہل عرب کی زبان میں عرش کا اطلاق ومراد بادشاہی سے کیئے ہوتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ بادشاہ کا ملک خلل پذیر ہوگیا۔ یہ اسوقت کہتے ہیں جبکہ اُسکی بادشاہی میں خلل داخل ہوجاوے۔ اور کبھی لفظ عرش کا اطلاق ومراد تخت ہوتا ہے۔ پس ہوا اور

لو تھرا و مدبرین امور ہے جب عرش سے مراد تخت ہو تو اسکے حاملین سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو اسکے پائے اٹھاتے ہیں۔ یا وہ ہوتے ہیں جو اسکو اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں

اب حاملین الٰہی کی اصل حقیقت سنو۔ واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کی چار صفات ہیں جن سے الوہیت کی پوری شوکت نظر آتی ہے اور کامل طور پر اُس ذات ازلی ابدی کا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان ہی چار صفتوں کو سورہ فاتحہ میں بیان کرکے اپنی ذات کو معبود قرار دینے کے لیئے اُن لفظوں سے لوگوں کو اقرار کرنے کی ہدایت دی ہے کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ یعنے اے وہ خدا جو ان چار صفتوں سے موصوف ہے ہم خاص تیری پرستش کرتے ہیں کیونکہ تیری ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری رحمانیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے۔ اور تیری رحیمیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے۔ اور تیری صفت مالکانہ جزا و سزا بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیرے اس احسان میں بھی کوئی شریک نہیں اسلئے ہم تیری عبادت میں بھی کسیکو شریک نہیں کرتے ؎

خدا تعالیٰ نے اس سورت میں ان چار صفتوں کو اپنی الوہیت کا مظہر اتم قرار دیا ہے اور اسلئے صرف اسقدر ذکر سے یہ نتیجہ مترتب کیا ہے کہ ایسا خدا کہ یہ چار صفتیں اپنے اندر رکھتا ہے وہی لائق پرستش ہے۔ اور درحقیقت یہ صفتیں بہر وجہ کامل ہیں۔ اور ایک پیدائرہ کے طور پر اپنی ربوبیت کے تمام لوازم اور شرائط پر محیط ہیں۔ کیونکہ ان صفتوں میں خدا کی ابتدائی صفات کا بھی ذکر ہے اور درمیانی زمانہ کی رحمانیت کا رحیمیت کا بھی ذکر ہے اور پھر آخری زمانہ کی صفت مجازات کا بھی ذکر ہے۔ اور اصولی طور پر کوئی فعل اللہ تعالیٰ کا ان چار صفتوں سے باہر نہیں۔ پس یہ چار صفتیں اللہ تعالیٰ کی پوری صورت دکھاتی ہیں۔

سو درحقیقت استوا علے العرش کے یہی معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہی صفات جب دنیا کو پیدا کر کے ظہور میں آگئیں تو خدا تعالیٰ ان معنوں سے اپنے عرش پر پوری وضع استقامت سے بیٹھ گیا۔ کہ کوئی صفت صفات لازمہ ربوبیت سے باہر نہیں رہی۔ اور تمام صفات کی پورے طور پر تجلی ہو گئی۔ جیسا کہ جب اپنے تخت پر بادشاہ بیٹھتا ہے تو تخت کے وقت اُسکی بھاری شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ ایکطرف

شاہی ضرورتوں کے لئے طرح طرح کے سامان تیار ہونیکا حکم ہوتا ہے اور فی الفور تیار ہو جاتے ہیں۔ اور وہی حقیقت الوہیت عامہ ہیں۔ دوسریطرف خسروانہ فیض بے بغیر کسی عمل کے حاضرین کو جود و سخاوت سے مالامال کیا جاتا ہے۔ تیسریطرف جو لوگ خدمت کر رہے ہیں اُنکو مناسب چیزوں سے اپنی خدمات کے انجام کے لئے مدد دی جاتی ہے۔ چوتھی طرف جزا و سزا کا دروازہ کھولا جاتا ہے کسی کی گردن ماری جاتی ہے اور کوئی آزاد کیا جاتا ہے۔ یہ چار صفتیں تخت نشینی کے ہمیشہ لازم حال ہوتی ہیں پس خدا تعالیٰ کا ان ہر چہار صفتوں کو دنیا پر نافذ کرنا گویا تخت پر بیٹھنا ہے۔

اب رہے یہ معنے کہ اسکے کیا معنے ہیں کہ اس تخت کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں اور قیامت میں آٹھ اُٹھائینگے اسکا یہ جواب ہے کہ ان چار صفتوں پر چار فرشتے موکل ہیں جو دنیا پر یہ صفات خدا تعالیٰ کی ظاہر کرتے ہیں اور ان کے تحت چار ستارے ہیں جو چار رب النوع کہلاتے ہیں جنکو وید میں دیوتا کے نام سے پکارا گیا ہے پس وہ ان چار صفتوں کی حقیقت کو دنیا میں پھیلاتے ہیں گویا اس روحانی تخت کو اٹھا رہے ہیں یہ چاروں صفات خدا تعالیٰ کے عرش کو اٹھا رہے ہیں۔ یعنے خادموں کیطرح اِن صفات الٰہی کو اپنے آئینوں میں ظاہر کر رہے ہیں۔ اور عرش سے مراد لوازم صفات تخت نشینی ہیں۔

الغرض یہ چار دیوتے یعنے اکاش۔ سورج۔ چاند۔ دھرتی۔ خدا کے عرش کو جو صفت ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور مالک یوم الدین ہے اٹھا رہے ہیں۔ اسجگہ فرشتوں سے مراد اکاش۔ سورج وغیرہ ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی چار صفتوں کو اٹھا رہے ہیں۔ یہ وہی صفتیں ہیں جنکو دوسرے لفظوں میں عرش کہا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کے مظہر چار ہیں۔ جو چار دیوتے کہلاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں اکاش جسکا نام اندر بھی ہے۔ سورج جسکو عربی میں شمس بھی کہتے ہیں۔ اور چاند جسکو عربی میں قمر کہتے ہیں۔ دھرتی جسکو عربی میں ارض کہتے ہیں۔ یہ چاروں دیوتے خدا کی چار صفتوں کو جو اسکے جبروت اور عظمت کا اتم مظہر ہیں۔ جنکو دوسرے لفظوں میں عرش کہا جاتا ہے اٹھا رہے ہیں۔ اور قرآنی اصطلاح کے رو سے انکا نام فرشتے بھی ہیں اور ان دیوتوں پر اور طاقتیں مسلط ہیں جو ملائک کے نام سے موسوم ہیں جو ان دیوتاؤں کو

کی طاقتوں کو قائم رکھتے ہیں۔ جن میں سے زبان شرع میں کسیکو جبرائیل کہتے ہیں اور کسیکو میکائیل۔ اور کسیکو عزرائیل اور کسیکو اسرافیل کہتے ہیں۔

خدا تعالےٰ نے تمام اجسام سماوی و ارضی پیدا کر کے پھر اپنے وجود کو وراء الوراء مقام میں مخفی کیا جسکا نام عرش ہے اور یہ ایسا نہاں در نہاں مقام ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کی چار صفات ظہور پذیر نہ ہوتیں جو سورۂ فاتحہ کی پہلی آیات میں ہی درج ہیں۔ تو اسکے وجود کا کچھ پتہ نہ لگتا۔ یعنے ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالک یوم الدین ہونا۔ سو یہ چاروں صفات استعارہ کے رنگ میں چار فرشتے خدا کے کلام میں قرار دئے گئے ہیں۔ جو اسکے عرش کو اٹھا رہے ہیں یعنے اُس وراء الوراء مقام میں جو خدا ہے جو اس مخفی مقام سے اُسکو دکھلا رہے ہیں۔ ورنہ خدا کی شناخت کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔

ہم پورے طور پر ظاہر کر چکے ہیں کہ یہ چاروں صفتیں ہیں جو اسکے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یعنے اسکے پوشیدہ وجود کا ان صفات کے ذریعہ سے اس دنیا میں پتہ لگتا ہے۔ اور یہ معرفت عالم آخرت میں دو چند ہو جائیگی۔ یعنے یہی چار صفات عالم آخرت میں دو چند ہو جائیں گی۔ یعنے آٹھ ہو جائیں گی۔ تو گویا بجائے چار کے آٹھ فرشتے اسدن عرش کو اٹھائیں گے۔

الغرض صرف یہی کلمہ عرش اللہ قرآن کریم میں پڑھ کر یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا کا تخت ہمارے تخت کیطرح ہے اور وہ اسپر ہماریطرح بیٹھا ہے۔ ایسا ہرگز نہ سمجھو لفظ ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر کہیں اسکے معنے صوری آئے ہیں۔ اور کہیں معنوی۔ مثلاً کہتے ہیں زید بیٹھ گیا۔ دیوار بیٹھ گئی۔ اسکی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ اسکا کام بیٹھ گیا۔ اسکا کارخانہ بیٹھ گیا۔

اور سنو۔ صاحب عرش و فرش۔ صاحب تخت و بخت۔

اور سنو ملک معظم کے بعد اسکا بیٹا جارج پنجم اسکے تخت کا مالک ہے تو اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ صرف ایک لکڑی یا چاندی سونے کے بنے ہوئے ایک تخت یا چبوترے کا مالک ہے اور اسی تک اسکا تخت محدود ہے بلکہ اُسکے معنے یہ ہیں کہ وہ تمام ممالک ہند اور یوروپ کے کئی ممالک اور بر اعظم افریقہ و امریکہ کے کئی وسیع ممالک

اور اسٹریلیا اور اوشنیاں کے کئی جزائر کا مالک ہے اور یہی اسکا تخت ہے جسپر وہ متمکن ہے۔ دراصل یہ مضمون ہماری کتاب اسرار شریعت جلد سوم سے تعلق رکھتا ہے اور اُسمیں اسکا مفصل ذکر آئیگا۔

وجود کعبہ عالم روحانی

محققین کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ اس عالم کی ہر چیز کا وجود عالم مثال میں بھی موجود ہے یہی وجہ ہے کہ اس کعبہ کا وجود عالم مثال میں بھی مشہود ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر رحمہ اللہ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ مجھے رویا میں معلوم ہوا کہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں جنکو میں نہیں جانتا۔ اور انہوں نے دو بیت پڑھے جنمیں سے ایک یہ ہے۔

لَقَدْ طِفْنَا كَمَا طِفْتُمْ سِنِيْنًا ✽ بِهٰذَا الْبَيْتِ طُرًّا اَجْمَعِيْنَا

ترجمہ۔ ہم سب نے اس گھر کا سالہا سال سے طواف کیا جیسا کہ تم کرتے ہو۔ ان میں سے ایک نے میرا ایسا نام لیکر بولا یا جس نام سے میں واقف نہیں۔ اور مجھے کہا کہ میں تمہارے اجداد میں سے ہوں میں نے اسکو کہا کہ آپ کو فوت ہوئے کتنی مدت گذری ہے کہا کہ قریباً پچاس ہزار سال گذر گئے ہیں۔ میں نے کہا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جسکی اولاد ہم ہیں اُسکو اتنی مدت نہیں گذری تو اسنے مجھے کہا کہ تو کس آدم کی بات کرتا ہے کیا اس قریب آدم کی بابت کہتا ہے یا کسی اور کی۔ اس وقت مجھے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث یاد آئی۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ مِائَةَ اَلْفَ اٰدَمَ۔ ترجمہ یعنے خدا تعالےٰ نے اس آدم سے پہلے ایک لاکھ آدم پیدا کیا۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا یہ جد جسنے مجھے اپنی طرف نسبت کی وہ ان لاکھ آدموں میں سے ہوگا۔ اس بارے میں تاریخ بالکل ساکت ہے کچھ پتہ نہیں دیتی۔ ہاں اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ عالم حادث ہے قدیم نہیں۔ حدوث عالم کی بابت ہماری کتاب اسرار شریعت جلد سوم اسرار اسلام میں زبردست دلائل مذکور ہیں۔ جو تحت طبع ہے

کعبہ میں آئمہ اربعہ کے چار مصلّوں کی ابتداء کب ہوئی

چوتھی صدی ہجری کے بعد کچھ ایسے مقدمات ہوئے۔ جن سے چار مصلّوں کی بنا ر پڑی۔ نور

عقائد میں آئمہ اربعہ متفق ہیں

آئمہ مذاہب اربعہ عقائد میں قریباً سب کے سب ایک ہی ہیں۔ سب اللہ تعالےٰ کے صفات پر اللہ تعالےٰ کے افعال پر ایمان میں متحد ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے عبادات اور صفات میں شریک نہ کرنے پر متفق ہیں۔

نمازیں پانچ۔ ان کے رکعات اور سنن میں اتفاق۔ روزوں۔ زکوۃ اور حج کے ضروری امور میں انکا اتحاد ہے۔

فروعات میں آئمہ اربعہ کا بہت تھوڑا اختلاف ہے

بہت تھوڑا اختلاف آئمہ میں ہے سو وہ بھی دو قسم کا ہے یا تو ایسے مسائل کہ ان میں نص صریح ہیں اسواسطے ہر مجتہد مصیب اور اجر پانے والا ہے۔ یا نص کے معانی میں دو پہلو ہیں اور دونوں صحیح معلوم ہوتے ہیں اسواسطے ہر مجتہد ماجور ہے البتہ ایسے مسایل بھی ہیں جن میں نص بعض آئمہ کے پاس ہوتی ہے اور دوسرا ضرورت پر قیاس کرتا ہے کیونکہ اسکو نص نہیں ملی۔ ایسی صورت میں ہمکو اگر نص صحیح مل جاوے تو نص پر عمل کرلیں اور اس مجتہد کا قول چھوڑ دیں۔ اور اس مجتہد کو معذور یقین کریں کہ یا اسے نص نہیں پہونچی یا صحیح طریق سے نہیں پہونچی۔ جس ملک میں صلحا کی کتب صحیحہ آسانی سے مل جاویں۔ اسکو غنیمت جانو۔ نور

آئمہ اربعہ اور ان کے شاگرد عظیم الشان صلحا میں سے تھے

امام ابوحنیفہؒ۔ امام مالکؒ۔ امام ابو یوسفؒ۔ امام محمدؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمدؒ۔ یہ بڑے عظیم الشان لوگ ہیں۔ ان کو کسی بادشاہ نے امام نہیں بنایا۔ اور کسی وقت کسی نے

نہیں کہا کہ ان کے مذاہب پر چلو۔ قدرت اللہ تعالےٰ نے خود ایسے اسباب مہیا کر دیئے کہ ان کے مذاہب مشہور ہو گئے۔ اسحٰق بن راہویہ۔ داؤد الظاہری۔ ابن جریر۔ اوزاعی وغیرہ آئمہ بھی ہوئے۔ مگر ان کے مذاہب آہستہ آہستہ گم ہو گئے۔ بعض مسایل میں حق دائر ہے۔ اور بعض میں سب حق پر ہیں۔

عرفات میں ٹھیرنے کا سِرّ

(۱) عرفات کے وقوف میں یہ راز ہے کہ ایک زمانہ اور ایک مکان میں مسلمانوں کا اجتماع اور خدا تعالےٰ کیطرف اون کا راغب ہونا اور خشوع و خضوع کے ساتھ اُس سے دعا کرنا اور برکات الٰہی کے نازل ہونے اور روحانیت کے انتشار میں اثر عظیم رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان اس روز تمام روزوں سے زیادہ ذلت اور خواری کی حالت میں ہوتا ہے اور نیز اجتماع میں مسلمانوں کی شوکت و شان معلوم ہوتی ہے اور اسدن اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام سے بدستور ثابت ہوتی چلی آتی ہے چنانچہ حضرت آدم اور اُن کے مابعد انبیاء سے اُسکی نسبت روایات بیان کیجاتی ہیں اور صلحائے سلف نے جو طریقہ منقول چلا آتا ہے توقیت اور تعیین کے باب میں اوسکا قبول کرنا بڑا اصل الاصول ہے۔

(۲) عرفات پر ٹھیرنے میں جب لوگوں کا اژدحام اور آوازوں کا بلند ہونا اور زبانوں کا اختلاف اور مشاعر کی آمد و رفت میں ہر ایک فرقہ کا اپنے اپنے اماموں کے قدم بقدم چلنا نظر پڑے تو یہ یاد کرے کہ میدان قیامت میں بھی تمام امتیں مع انبیاء کے اسطرح اکٹھی ہونگی اور امت اپنے نبی کی پیروی کرے گی۔ اور انبیاء کی شفاعت کی طمع کریگی اور اس میدان میں قبولیت اور عدم قبولیت کے باب میں حیران رہینگے اور جب آدمی کو عرفہ میں یہ خیال گذرے تو چاہیئے کہ اپنے دل کو انکسار اور اللہ تعالےٰ کیطرف رجوع کرنا لازم کر دے تاکہ فلاح والوں اور مرحوم فرقہ کے ساتھ حشر ہو اور اسجگہ اپنی امید کو قبول ہی سمجھے کیونکہ یہ میدان شریف ہے اور رحمت الٰہی دربار جلال سے تمام خلایق پر نازل ہوتی ہے۔ یہ میدان ابدال و اوتاد کے گروہ سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ اور صالحین کے گروہ بھی اس میدان میں ضرور حاضر ہوتے ہیں

جب ان لوگوں کی ہمتیں جمع ہو کر خدا کے آگے انکسار و زاری کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اور گردنیں اُسکی طرف جھک جاتی ہیں۔ اور ایک ہمت کے ساتھ طالب رحمت کے لیئے آسمان کیطرف نگاہ کرتے ہیں تو پھر یہ گمان نہ کرو کہ وہ اپنی امید میں محروم رہیں۔ اور اُن کی کوشش بیکار جاوے۔ بلکہ ان پر وہ رحمت نازل ہوتی ہے کہ سب کو ڈھانپ لے۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی عرفات میں موجود ہو کر یہ گمان کرے کہ خدا تعالےٰ نے میری مغفرت نہیں کی۔ اور حج کا راز اور غایت مقصود بھی یہی ہے کہ ہمتوں کا اجتماع ہو اور ابدال و اوتاد شہروں کے اطراف سے اکٹھے ہوتے ہیں اون کے پاس ہونے سے جمع ہمت میں سہارا ہے۔ غرضکہ رحمت آلہی کے اُتارنے کا طریق اُسکے برابر اور کوئی نہیں ہے کہ ہمتیں اکٹھی ہوں اور ایک وقت میں ایک زمین پر دل ایک دوسرے کی مدد کریں۔

(۲) عرفات کے میدان میں جانا ایک ضروری فعل حج کا ہے۔ جہاں نہ کوئی پتھر نہ کوئی درخت صرف آلہی یاد ہے اور اسی سے دعا دیکھو۔ موسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرعون کو کہتے ہیں خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وے بیابان میں میرے لئے عید کریں۔ عرفات کا لفظ مسلمانوں کے باہم تعارف کیطرف ایما ہیں کہتے ہیں۔

منا میں اُترنے کا راز

(۱) منا میں اترنے کے اندر یہ راز ہے کہ ایام جاہلیت کے بازاروں میں سے منا۔ عکاظ۔ مجنہ۔ اور ذی المجاز وغیرہ کی مانند ایک عظیم الشان بازار تھا۔ اور یہ بازار انہوں نے اسواسطے مقرر کیا تھا کہ حج کے اندر کثرت سے دور دراز ملکوں کی خلقت اکٹھی ہوتی تھی اور تجارت کے حق میں اُس سے زیادہ مناسبت اور بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ ایسے میلے کے لیئے نہ اُسکا وقت مقرر کیا جائے۔ اور دوسری یہ بات ہے کہ مکہ کے اندر اس انبوہ کثیر کے رہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ لہذا اگر ہر قسم کے لوگ منا جیسے فضا و کشادہ ہوا میں اترنے پر متفق نہ ہوں تو بڑی دقت پڑے۔

(۲) اور ایک یہ بھی راز ہے کہ ایک ہی مقام وسیع میں لوگ اکٹھے ہو کر تبادلہ خیالات کر سکیں۔ اور آپس میں تعارف پیدا کریں۔

مشعر الحرام میں ٹھیرنے کی وجہ

مشعر الحرام میں ٹھیرنے کا اسلیئے حکم دیا گیا کہ یہاں اہل جاہلیت باہم تفاخر اور نمود کے لئے قیام کرتے تھے اسکے بدلہ میں کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ اُنکی یہ عادت دور ہو اور ایسی جگہ کی توحید بیان کرنے میں ان کو حرص پیدا ہو۔ اور یہ ایسا ہوا جیسے اُن سے کہا جاتا۔ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تم خدا تعالےٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت کیطرح اپنے مفاخر کا زیادہ ذکر کرتے ہو

رمی جمار کا راز

(۱)۔ رمی جمار کرنے میں وہی راز ہے جو خاص حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رمی جمار خدا تعالےٰ کا ذکر کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ توقیت ذکر کی تمام اقسام میں سے بہتر اور کامل اور وجوہ توقیت کے لیئے زیادہ تر جامع یہ قسم ہے کہ ایک زمانہ اور ایک مقام کے اندر ذکر آلہی کی تعیین کی جائے اور اُسکے ساتھ ایک ایسی قسم بھی مقرر کیجائے جس سے ذکر کی شمار محفوظ رہ سکے۔ اور سب کے سامنے ذکر آلہی کا پایا جانا ثابت ہو اور کچھ مخفی نہ رہے ذکر آلہی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو یہ ہے کہ جس سے خدا تعالےٰ کے دین کی تابعداری منظور ہو۔ اور اس قسم کے ذکر میں لوگوں کی کثرت زیادہ ضروری ہے۔ نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں رمی جمار یعنے کنکریاں پھینکنا ہی اُسی قبیل سے ہے اسلئے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ الغرض یہ امر تعیین ذکر کے لئے یہی وجہ ہے کہ ہر کنکری پھینکنے کے ساتھ اللہ اکبر کہنا مشروط ہے۔ چنانچہ ابوداود و ترمذی بروایت حضرت عایشہؓ کے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ لَا لِغَيْرِهٖ۔ یعنے طواف کعبہ اور سعی درمیان صفا اور مروہ کے اور پتھروں کا پھینکنا فقط ذکر اللہ قایم رکھنے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے نہ اور کسی بات کے لئے

(۲) رمی جمار یعنے کنکر پھینکنے میں یہ قصد کرے کہ غلامی اور بندگی کے ظاہر کرنے کے لئے

امر کی طاعت کرتا ہوں اور صرف تعمیل ارشاد کے لیئے اٹھتا ہوں سوائے اس کے کہ اس فعل میں کچھ عقل و نفس کا حظ ہو۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کا قصد کرے کہ اس مقام پر آپکو شیطان مردود ظاہر ہوا تھا۔ تاکہ آپ کے حج میں کچھ شبہ ڈالدے یا کسی معصیت میں مبتلا کرے تو آپکو اللہ تعالےٰ نے حکم فرمایا تھا کہ اُسکے دفعیہ کرنے کو اور اسکی امید منقطع کرنے کے لیئے اُسکو کنکریاں مارو۔ اب اگر یہہ کہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو شیطان ظاہر ہوا تھا اور آپ نے اُسکو دیکھا تھا اسلئے اُسکو مارا تھا۔ ہمکو تو شیطان دکھائی نہیں دیتا۔ پھر کنکریاں مارنے سے کیا غرض ہے تو اسکا یہ جواب ہے کہ یہ شبہ شیطان کیطرف سے ہے اس نے یہ شبہ تمہارے دل میں ڈالا ہے تاکہ تمہارا ارادہ رمی جمار کا سست پڑجاوے اور تمہارے خیال میں یہ آوے کہ یہ فعل ایسا ہے جسمیں کچھ فائدہ نہیں ہے ایک کھیل کی سی صورت ہے اسمیں کیوں مشغول ہوتے ہو۔ پس خوب کوشش اور مضبوطی کے ساتھ شیطان کو ذلیل کرنے کی نیت سے کنکریاں مارکر اپنے دل سے رفع کرو۔ اور جان لو کہ ہر چند کنکریاں پتھر پر مارتے ہیں۔ لیکن واقع میں شیطان کے منہ پر مارتے ہیں۔ اور اسکی پیٹھ توڑتے ہیں کیونکہ اسکی ذلت اسی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ایسے حکم کی بجا آوری کریں جسکی تعمیل میں نفس اور عقل کو کچھ حظ نہیں۔ صرف اسکی تعظیم ملحوظ ہے۔

آب زمزم کے پینے کی حکمت

آب زمزم کے پینے میں صرف یہ راز ہے کہ یہ امر شعائر الٰہی کی تعظیم اور خدا تعالےٰ سے طلب رحمت و حصول برکت کی خواہش کے لئے ہے۔

حج میں ہدی یعنے قربانی کرنے کیوجہ

ہدی میں یہ راز ہے کہ اس میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل کے ساتھ مشابہت ہے کہ انہوں نے اپنے پیارے بیٹے کو اس جگہ خدا تعالےٰ کے حکم کی بجا آوری اور اسکی طرف توجہ کے قصد سے ذبح کرنا چاہا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو انعامات کئے ہیں اُنکی یاد دہانی ہوتی ہے اس فعل کے کرنے

میں نفس کو تنبیہ عظیم ہوتی ہے۔

ہدی کے ذبح کرنے کے وقت یہ جان لو کہ یہ فعل بسبب امتثال و اطاعت امر کے باعث قرب الٰہی کا ہے اسلئے اسکو اور اُسکے تمام اجزا کو پورا دیکھ لینا چاہیئے۔ اور یہ امید کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ اسکے جزو کے بدلے میں ہمارے ہر جزو کو آگ سے آزاد کریگا۔ کیونکہ وعدہ اسیطرح ہوا ہے پس جسطرح ہدی بڑی ہوگی اور اُسکے اجزا بڑے ہونگے اُسیطرح آگ دوزخ سے رہائی کیصورت زیادہ متصور ہے۔

بطن محسر میں تیز چلنے کا راز

بطن محسر میں سواری کے تیز کرنیکا یہ سبب ہے کہ وہ جگہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونیکا مقام ہے۔ لہذا جس شخص کو خدا تعالےٰ اور اسکی عظمت کا خوف ہے اوسکو اس مقام میں خوف معلوم ہوتا ہے اور غضب الٰہی سے ڈرکر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک باطنی امر تھا اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ظاہری فعل سے جو نفس کو یہی خوف یاد دلاتا ہے اور اُسکو آگاہ کرتا ہے منضبط فرمایا

حرم کے جانوروں کا شکار نکرنے کی مصلحت

(۱) حرم کے جانوروں کا نہ کھانا ایسا ہے جیسا کوئی شخص اپنے محبوب کے کوچہ کے جانوروں کو باوجودیکہ گوشت کھایا کرتا ہو کچھ نہ کہے۔

(۲) مکہ و مدینہ کے حرم میں یہ راز ہے کہ ہر چیز کے لیئے ایک خاص تعظیم ہوتی ہے۔ کسی زمین کی تعظیم یہ ہے کہ اُس میں کسی چیز سے تعرض نہ کیا جائے۔ دراصل یہ تعظیم بادشاہوں کی حد اور اُن کی شہر پناہوں سے ماخوذ ہے جب کوئی قوم اُنکی فرمانبردار ہوتی ہے اور اُن کی اطاعت و تعظیم کرتی ہے تو اُن کے مطیع ہونے میں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اسبات کو مقرر کر لیتی ہے کہ اُن کی حدود کے اندر جو درخت و چارپائے وغیرہ ہیں اُن سے ہم کچھ تعرض نہ کرینگے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمًی وَحِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ یعنے ہر بادشاہ کے لئے باڑ ہوتی ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی باڑ اُسکے محارم ہیں۔ غزالی۔ احمد

معارف قطع علایق بارادۂ حج بیت اللہ

قطع علایق کا یہ مطلب ہے کہ حق داروں کے حق اُن کے حوالہ کئے جائیں۔ اور سب گناہوں سے خالصاً للہ توبہ کیجاوے کیونکہ جو مظلمہ اور کسی کا حق ہے وہ ایک علاقہ ہے اور ہر ایک علاقہ ایسا ہے جیسے کوئی قرض خواہوں میں سے موجود ہو۔ اور اگر یہاں پکڑ کر یوں کہتا ہو کہ تو کہاں جاتا ہے۔ کیا شہنشاہ کے گھر کا ارادہ رکھتا ہے حالانکہ اُسکی حکم کو گھر میں بجا نہیں لاتا۔ اسکو حقیر جانتا ہے اور تعمیل نہیں کرتا۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ اسکے سامنے بندہ گنہگار کیطرح جاتا ہے تاکہ تجھے پیچھے ہٹادیوے۔ اور قبول نہ کرے اگر تجھے اپنی زیارت کے قبول ہونے کی رغبت اور خواہش ہے تو اسکے حکم کی تعمیل کر اور حقوق جو ظلم سے لئے ہوں واپس کر اور اول سب گناہوں سے توبہ کر اور اپنے دل کا علاقہ اور طرف التفات نہ کرنے سے قطع کر تاکہ تو اسکی طرف اپنے دل کے چہرہ سے متوجہ ہو۔ جسطرح کہ ظاہر حال سے تو اسکے گھر کا متوجہ ہے اور اگر تو ایسا نہ کریگا تو اپنے سفر سے تجھے بجز اسکے کہ ابتدا میں رنج اور مشقت ہو اور انجام کو مردود ہونا اور نکالا جانا نصیب ہو اور کچھ وصول نہ ہوگا۔ اور وطن سے علاقہ کو ایسی طرح منقطع کرے جیسے کوئی وہاں سے اُٹھایا جاتا ہو اور فرض کرکے پھر واپس نہ آؤنگا۔ اور اپنے اہل فرزند کے لئے وصیت لکھدے کہ مسافر ہدف موت ہوتا ہے بجز اس شخص کے جسکو خدا تعالےٰ بچاوے اور سفر حج کرنے کے لئے علاقوں کو قطع کرتے وقت یہ یاد کرے کہ سفر آخرت کے لئے بھی اسیطرح علاقے چھوڑ جاوینگے۔ اسلئے کہ یہ سفر عنقریب آگے چلا آتا ہے اور سفر حج میں جو کچھ کرو اس سے سفر آخرت کی آسانی کی جمع کرو کہ قرارگاہ اور بازگشت وہی ہے اسلئے چاہئیے کہ سفر حج کی تیاری کرنے میں سفر آخرت کو نہ بھولو۔

معارف زاد راہ حج

زاد راہ یعنے اخراجات و مصارف حج حلال جگہ سے ڈھونڈھو جب اپنے دل میں یہ خواہش معلوم کرو کہ کسیطرح خرچ بہت ہو۔ اور باوجود سفر دراز کے خرچ بچ رہے اور منزل مقصود تک پہونچنے سے آگے وہ زاد راہ خراب اور تبدیل نہ ہو جائے۔ تو تم

سفر آخرت کو یاد کرو۔ اور عبرت پکڑو۔ کیونکہ سفر آخرت سفر حج کی بہ نسبت بہت دراز ہے۔ اور اسکا خرچ تقوےٰ ہے اور تقوےٰ و پرہیزگاری کے سوا جس چیز کو تم زاد راہ خرچ جانتے ہو وہ تمہارے مرنے کے وقت سب تم سے پیچھے رہ جاویگا۔ اور تم سے دغا کریگا۔ جیسے تازہ اور پکا ہوا کھانا کہ سفر کی پہلی ہی منزل میں سڑ جاتا ہے اور پھر بھوک کیوقت آدمی حیران اور محتاج رہ جاتا ہے۔ اور کوئی تدبیر نہیں بن پڑتی۔ پس تم بالضرور اسبات سے ڈرتے رہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال صالح جو راہ آخرت کے لیے زاد راہ ہیں موت کے بعد تمہاری بداعمالی سے تمہارے ساتھ نہ رہیں ریا اور شہرت کی آمیزش اور قصور کی کدورت سے خراب ہو جاویں۔

معارف جدائی وطن بارادۂ حج

بارادۂ حج اپنے شہر سے نکلنے کے بوقت یہ خیال کرو کہ میں اپنے وطن سے جدا ہو کر ایسے سفر میں خدا تعالےٰ کیطرف متوجہ ہوتا ہوں جو دنیا کے سفروں کیطرح نہیں ہے اسوقت دل میں یہ خیال کرو کہ میں کیا ارادہ کرتا ہوں اور کہاں جاتا ہوں اور کس کی زیارت کو متوجہ ہوتا ہوں۔ اسوقت یہ سمجھو کہ میں شہنشاہ کیطرف اُسکی زیارت کرنے والوں کے زمرہ میں متوجہ ہوں جو نذر کے ساتھ حاضر ہوئے۔ جنکو شوق دلایا گیا تو وہ مشتاق ہو گئے اور جنکو جانے کا حکم ہوا تو علاقوں و تعلقات کو قطع اور خلقت کو چھوڑ کر خدا تعالےٰ کے گھر کیطرف جسکی شان عظیم اور قدر رفیع اور قدر فخیم ہے متوجہ ہوئے تاکہ رب البیت کی زیارت کے عوض اُسکے گھر کی زیارت سے دل نہ بہلاویں۔ یہانتک کہ اُنکو اُنکی آرزو میسر ہو اور اپنے مولےٰ کے دیدار سے اپنی مرادیں حاصل کریں اور اپنے دل میں امید حصول آرزو کی کریں۔ نہ اسطرح کہ اپنے اعمال پر بھروسہ ہو کہ اتنے دور سے گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ کے فضل و رحم پر اسقدر بھروسہ ہو۔ چونکہ اُسنے اپنے گھر کی زیارت کرنے والوں کے حق میں وعدہ فرمایا ہے تو امید رکھیں کہ وہ اپنے وعدہ کو سچا کریگا۔ اور یہ امید ہو کہ اگر میں خانہ کعبہ تک نہ پہونچا اور اثنائے راہ میں ہی ختم اجل ہوا تو خدا تعالےٰ سے ملاقات اُس حال میں ہوگی کہ اسکے پاس جا رہا ہوں کیونکہ وہ خود فرماتا ہے۔ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ

الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ - ترجمہ - یعنے جو کوئی اپنے گھر سے بارادہ ہجرت براے اللہ اور اُسکے رسول کے نکلا پھر اسکو موت بنے آلیا تو اسکو اس ہجرت کا اجر دینا خدا تعالےٰ پر ہو چکا -

سواریئے حاجی کی عبرتیں

سواری جسوقت سامنے آوے اس وقت اپنے دل میں خدا تعالےٰ کی نعمت کا شکر کرو کہ اُسنے ہماری سواری کے لیئے چوپایوں کو اور عناصر آب و ہوا اور آتش وغیرہ کو جن سے ریل و اگبوٹ وغیرہ چلتے ہیں مسخر کیا کہ ہم کو تکلیف نہ ہو اور مشقت ہلکی ہو جاوے - اور یہ یاد کرو کہ دار آخرت کی سواری بھی ایک دن اسیطرح سامنے آجاویگی یعنے جنازہ کی تیاری ہوگی - اسپر سوار ہو کر دار آخرت کا کوچ کرنا پڑیگا - الغرض حج کا سفر آخرت کے سفر کیطرح ہے لہذا ضرور نظر کر لینا چاہیئے کہ حج کی سواری پر سفر کرنا اس قابل ہے کہ سفر آخرت کی سواری کا توشہ ہو سکے کیونکہ سفر آخرت آدمی سے بہت ہی قریب ہے کیا معلوم کہ موت قریب ہو اور اونٹ کی سواری سے پیشتر ہی تابوت آخرت پر سوار ہو جاوے اور تابوت کی سواری یقیناً ہوگی اور سامان سفر کا مہیا ہو جانا مشکوک امر ہے تو مشکوک سفر میں احتیاط کرنا اور توشۂ سواری سے مدد لینی اور یقینی سفر سے غافل رہنا کب زیبا ہے -

معارف چادرہائے احرام

احرام کی دو چادروں کے خریدنے کے وقت اپنے کفن کو اور اُس میں اپنے لپٹنے کو یاد کرو کیونکہ احرام کی چادر اور تہمد کو اسوقت باندھو گے جب کہ خانہ کعبہ کے نزدیک پہونچو گے - اور کیا عجب کہ یہ سفر پورا نہ ہو اور خدا تعالےٰ سے ملاقات کفن میں لپٹے ہوئے ہونی یقینی ہے کیونکہ خدا تعالےٰ جل شانہ کی زیارت بھی مرنے کے بعد بجز اس صورت کے نہ ہوگی - کہ دنیا کے لباس کے مخالف لباس ہو کیونکہ احرام کا کپڑا کفن کے کپڑے کے مشابہ ہے

اسرار میقات و تکالیف حج

جنگل میں داخل ہو کر میقات تک گھاٹیوں کے دیکھنے میں وہ ہول و احوال یاد کرو جو موت کے باعث دنیا سے نکل کر میقات قیامت تک ہونگے - اُسکے ہر ایک حال کو اسکی ہر کیفیت سے مناسبت ہے مثلاً رہزنوں کی دہشت سے منکر و نکیر کے سوال کی دہشت یاد کرنی چاہیئے اور جنگل کے درندوں سے قبر کے سانپ بچھو اور کیڑے وغیرہ یاد کرو - اور اپنے گھر بار اور اقارب سے علیحدہ ہونے سے قبر کی وحشت اور سختی اور تنہائی کو سوچو -

ابتدائے آفرینش زمین میں خانہ کعبہ کی زمین اول تیار ہونے اور انتہائے زمانہ میں اُسکا سب سے پہلے ویران ہونیکی حکمت

خانہ کعبہ کا آبادی اور ویرانی میں اوّل ہونا اسپر دلالت کرتا ہے کہ وہ تجلّی گاہ مرتبہ محبوبیت اور مظہر مرتبہ اوّل معبودیت ہے - دار الخلافہ اگر آباد کیا جاتا ہے تو اول مکانات شاہی کے لیئے کوئی جگہ تجویز کیجاتی ہے اور اُنکی بنا رڈالی جاتی ہے اُسکے بعد وزراء امراء شاگرد پیشوں کے مکانات کے تعمیر کی تجویز ہوتی ہے - اور جب دار الخلافہ کسی وجہ سے بحکم شاہی ویران کیا جاتا ہے تو اول بادشاہ اپنے مکانات کو چھوڑتا ہے اسکی اتباع میں اُس کے بعد وزراء امراء شاگرد پیشہ بھی اپنے اپنے مکانات چھوڑ چھوڑ کے پیچھے ہو لیتے ہیں - علےٰ ہذا القیاس وقت دورہ اگر مقام میں حکام کا قیام ہوتا ہے تو اول خیمہ حکام کے لیئے میدان مقرر ہو جاتا ہے - اور اس میدان میں خیمہ نصب کیا جاتا ہے بعد ازاں اُسکے آس پاس اوروں کے خیمے اور پالیں قائم کی جاتی ہیں اور پھر جب وہاں سے کوچ ہوتا ہے تو اول خیمہ شاہی اکھاڑا جاتا ہے اُسکے اکھڑتے ہی اوروں کے خیمہ بھی اُکھڑنے لگتے ہیں غرض باعتبار حاکم تعمیر اور ویرانی یا مقام و کوچ ہوتا ہے - تو یوں ہوتا ہے مگر یہی تو یہ لازم ہے کہ تجلی گاہ تجلی اول جو مخلص مرتبہ محبوبیت اور خیمہ خاص مرتبہ اوّل معبودیت ہے تعمیر میں بھی اول رہے اور تخریب میں بھی اول رہے

وہ تعمیر کیا جائے تو اُسکی تعمیر کے ہوتے ہی اور وں کے مکانات تغیر ہونے لگیں اور وہ ویران ہو تو اُسکے ویران ہونے ہیں اوروں کے مکان ویران ہونے لگیں۔

اجزائے عالم اجرام ہین سے کعبہ کا اول بننا اور کعبہ کا اُسکے بعد منجملہ واقعات گذشتہ ہے اگر بروایت معتبر ہم کو یہ بات ثابت ہو جائے کہ زمین یا آسمان اور اس میں سے بھی فلان مکان اول بنا ہے تو بشرط فراہمی جملہ سامان اعتبار وارتفاع جملہ اوہام اہل الصاف کے ذمہ اسبات کا ماننا لازم ہوگا۔ اور پھر اسکے ساتھ شواہد خارجیہ بھی اُسپر شاہد ہوں اور دلیل وان صحیح اسکے موید ہوں تو پھر وہ یقین حد اطمینان تک پہونچ جائیگا مگر چونکہ تنقیح روایات ہیں اہل اسلام کا تمام مذاہب ہیں نمبر اول ہے۔ اسپر قرآن کی روایت متواتر ہر قرن ہیں لاکھوں ہزاروں حافظ برابر چلے آتے ہیں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مثل آفتاب نیمروز روشن۔ اسلئے نہ یہ احتمال ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ نے اپنی طرف سے یہ قرآن اور یہ حکایات بناکر کھڑ کر دیئے ہیں اور نہ یہ وہم ہوسکتا ہے کہ راویوں نے غلط کہدیا ہو یا غلطی کھائی ہو اسلئے قرآن شریف کی آیات تو اول درجہ میں واجب التسلیم ہونگی۔ اور احادیث اہل اسلام کی روایات دوم درجہ میں مگر قرآن دیکھا تو یہ نکلا کہ زمین اول بنی ہے اُسکے بعد آسمان اور پھر زمین میں بھی اول تعمیر خانہ کعبہ ہے مضمون اول پر تو آیت۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور آیت قُلْ اِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَکَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ ترجمہ۔ خدا تعالیٰ وہ ہے جسنے پیدا کیا تمہارے لیئے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر متوجہ ہوا آسمان کو اور آسمانوں کو سات بلندیاں قرار دیا اور وہ ہر چیز کے جاننے والا ہے۔ کہدے کیا تم اس ذات سے انکار کرتے ہو جسنے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا۔ تم اسکے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو یہی وہ رب العالمین

جسنے سب چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور زمین میں بلند پہاڑ پیدا کئے اور برکت دی اور اسکو اور اسمیں اندازے رکھے چار دنوں میں اور سب حاجتمندوں کی حاجتیں پوری ہوگئیں پھر آسمان کو توجہ کی اور وہ دہوان تھا۔ پس اُسکو اور زمین و آسمان کو فرمایا کہ خواہ مخواہ میرے فرمانبردار بن جاؤ وہ دونوں (زبان حال سے) بولے ہم فرمانبردار ہو چکے ہیں تیرے حکم کے۔ پس خدا نے اُن کو سات بلندیاں قرار دیا دو دنوں میں اور ہر آسمان میں اُسکے کام میں وحی کی۔ اور آسمان دنیاں کو چراغوں سے زینت دی اور اُسکی حفاظت کی۔ یہ اندازہ لگایا ہوا ہے زبردست اور جاننے والے خدا تعالے کا۔

اور خانہ کعبہ کی ویرانی۔ ویرانئے عالم یعنے قیامت کیوقت۔ عالم کی ویرانی ہیں کعبہ کے اول ویران ہونے پر آیت۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ ترجمہ یعنے خدا تعالیٰ نے کعبہ کو عزت کا گھر بنایا۔ لوگوں کے قیام کے لیئے اور مہینہ حرام کا اور ہدی اور قلائد یعنے قربانی کے جانور یہ اسلئے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالے جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور خدا تعالے کو ہر چیز کا علم ہے۔

دلالت کرتی ہے۔ وجہ دلالت کی یہ ہے کہ اگر لفظ قیامًا للناس کو بغور دیکھا جائے اور کچھ تکلف نہ کیا جائے تو یہی مطلب نکلتا ہے کہ خانہ کعبہ سامان قیام جملہ بنی آدم ہے کیونکہ لفظ قیام مقید بقید فی العرب وغیرہ نہیں اور لفظ للناس اصل میں سب کو عام ہے اور وجہ تخصیص پس و پیش میں کوئی پائی نہیں جاتی۔ پھر یہ کہنا کہ قیام سے قیام فی العرب مراد ہے اور للناس سے فقط اہل عرب مقصود ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ عرب میں بوجہ کثرت خونریزی اور شیوع رہزنی قیام دشوار تھا اور سامان قیام مثل تجارت وغیرہ ضروریات کے وہاں کوئی صورت نہ تھی البتہ ایام حج میں زائران کعبہ کو بلحاظ عظمت کعبہ کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔ اس بہانہ سے سب کے کام چل جاتے تھے اور سب ارمان نکل جاتے تھے خالی تکلیف سے نہیں ہاں اگر یوں کہئے کہ جب تک یہ گھر قایم ہے جبھی تک بنی آدم کا بھی اس عالم کا قیام ہے جس روز یہ ویران ہوا تو ان کا قیام بھی معلوم پھر سارے کارخانہ جسمانی کو ویران سمجھئے کیونکہ بدلالت آیت۔ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ - ترجمہ خدا تعالے نے پیدا کیا تمہاری خدمت کے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر متوجہ ہوا آسمانوں کو اور اُن کو سات بلندیاں ٹھیک ٹھاک کر کے قرار دیا -

یہ بات عیاں ہے کہ زمین و آسمان سب بنی آدم کے لیئے ہیں جب وہی نہونگے تو زمین و آسمان کا ہیکو رہینگے - گھاس دانہ گھوڑوں ہی تک رہتا ہے وہ نہیں رہتے تو اُسے کون رکھتا ہے تو نہ تکلیف کی ضرورت ہوتی ہے نہ تخصیص کی نوبت آتی ہے -

بعض روایات میں ہے کہ اول پانی تھا - پھر اسجگہ سے جہاں اب کعبہ ہے بلبلا سا اُٹھا اور زمین کی پیدایش شروع ہوئی - ان روایات کے ملاحظہ سے آشکارا ہے کہ تجلی گاہ تجلی اوّل ہر بہج اول ہے زمین کا ٹکڑہ بھی وہی بنا جہاں کعبہ شریف ہے اور تعمیر بھی اول اسیکو ہوی اور ویران بھی اول وہی ہوگا -

الغرض عالم جسمانی میں خانہ کعبہ کو بمنزلہ مکان شاہی یا خیمہ شاہی خیال فرمایئے اور کیوں نہ ہو تجلی گاہ ربّانی اور آئینہ جمال یزدانی ہے - اسلئے بنانے میں بھی اوسیکو اول رکھا اور ویرانی عالم کے وقت بھی اوسیکو اول رکھینگے چنانچہ آیت اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ - جسکا حاصل یہ ہے کہ سب میں پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے وہ ہے جو بکہ معظمہ میں ہے اوسکی اولیت تعمیر پر دلالت کرتی ہے - اور اہل اسلام کی اُس روایت پر نظر کیجئے جس میں کچھ ایسا مذکور ہے کہ اوّل پانی تھا اور اُس پانی ہی پر عرش کبریائی تھا - پھر اُس پانی میں سے اسجگہ سے جہاں پر اب خانہ کعبہ ہے ایک تبلبلا سا اُٹھا یا جھاگ سی اُٹھی اور وہیں سے زمین کی بنا شروع ہوئی تو اولیت خانہ کعبہ دور تک پہونچتی ہے کیونکہ دراصل موافق اشارات قرآنی مثل خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ زمین جملہ عناصر اور تمام افلاک سے پہلے پیدا ہوئی ہے گو اسکا پھیلاؤ آسمانوں کے بعد وقوع میں آیا ہو - پھر جب زمین کا ٹکڑہ خاص جہاں خانہ کعبہ ہے زمین کے اجزا میں بھی سب سے اوّل نکلا تو یوں کہو کہ بعد عرش کے جو عالم سے ایک علیحدہ چیز ہے کیونکہ وہ تخت ربانی ہے اور عالم بمنزلہ ملک و رعیت یزدانی خانہ کعبہ کی جگہ سب میں اوّل ہوئی ہے - بہرحال - اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ اور روایت مشارٌ الیہا اور اشارات مذکورہ جسکا حاصل یہ ہے کہ سب

میں پہلی جگہ یہ ہے جہاں خانہ کعبہ ہے اولیت تعمیر خانہ اور اولیت پیدایش بقعۂ خانہ کعبہ پر دلالت کرتی ہے اور آیت جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ جسکا حاصل یہ ہے کہ یہ گھر لوگوں کے قیام کا باعث ہے - اُسکی اولیت ویرانی پر دلالت کرتی ہے کہ حاصل اشارہ قرآنی یہ ہوا کہ جب تک یہ گھر قایم ہے لوگ بھی اُس عالم میں قایم ہیں - جس روز یہ گھر ویران ہوا اُس روز عالم کو خراب اور ویران سمجھو -

قربانی حج کے اونٹ کو خون آلودہ کر کے کعبہ میں روانہ کرنے کی حکمت

(سوال) اشعار ہدی - یعنے قربانی حج کے اونٹ کے کوہان کو خون آلودہ کر کے کعبہ میں روانہ کرنا خلاف اصول قیاس و عقل ہے - کیونکہ ایسا کرنا گویا مثلہ کرنے سے مشابہ ہے - اور مثلہ کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے -

(جواب) اشعار عربی لفظ ہے اُس کے معنے صراح میں ذیل لکھے ہیں اشعار بمعنے خون آلود کردن کوہان شتر قربانی - یعنے قربانی کے اونٹ کے کوہان کو خون آلودہ کرنا - اور ہدی کے معنے قربانی کا جانور - و مثلہ سے مراد ناک و کان کاٹنا -

واضح ہو کہ مثلہ کرنا وہ جور و زیادتی و ظلم کا فعل ہے جو نہ عذاب اور نہ شعائر اللہ کی تعظیم میں سے شمار ہوتا ہے - مگر قربانی والے اونٹ کے کوہان کی ایک طرف کو خون آلودہ کرنا اسلئے ٹھیرایا گیا کہ اشعار اسلام اور خدا تعالے کے محبوب ترین طریق کا اظہار ہوتا ہے اور عقل و کتاب الٰہی و سنت نبوی نے اس فعل کو حرام نہیں ٹھرایا بلکہ پسند فرمایا ہے - اور اشعار کا قیاس مثلہ پر ہرگز نہیں ہو سکتا - کیونکہ اشعار کو خدا تعالے پسند کرتا اور مثلہ کو ناپسند -

(۱) دراصل اشعار ہدی میں عاشقانہ رنگ کے نیاز کا اظہار ہوتا ہے جو صاحب ہدی اپنے معشوق حقیقی کے آگے ظاہر کرتا ہے کہ میرا مال و جان سب کچھ تیری راہ میں قربان ہے -

(۲) اشعار ہدی سے شعائر اللہ کی عظمت و عزت کا اظہار ہوتا ہے

(۳) اسمیں یہ امر بھی مدنظر ہے کہ عام لوگوں کو معلوم ہو جائیگے کہ یہ قربانیاں محض تقرب الی اللہ کے لیئے خدا کے گھر کو روانہ کی گئی ہیں - اور اُن میں بزبان حال قرب الٰہی کی درخواست و مال و جان کی قربانی کا اظہار براہ محبوب حقیقی ہے ایسا ہی کعبہ کے اندر نماز میں اسی قرب الٰہی

کی درخواست ہوتی ہے۔

(۴) یہ فعل مشرکوں اور خدا کے دشمنوں کے برخلاف کیا جاتا ہے جو کہ اپنے ارباب کی رضا کے لئے قربانیاں اور چڑھاوے چڑھاتے اور ذبح کرتے ہیں اور اسے اُن کی قربت چاہتے ہیں سو یہ امر اُن کے برعکس کیا گیا تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ بندگان خدا کی قربانیاں اور اُن کی نمازیں یعنے مالی و بدنی عبادات محض خدائے واحد لاشریک ہی کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ اسمیں کسی انسان کو شراکت نہیں ہو سکتی۔

(۵) اس فعل میں باطنی اعتقاد توحید الٰہی کے خیال کو عملی صورت میں ظاہر کرنیکا ایما ہوتا تاکہ دین الٰہی کی سب ادیان پر بڑائی و بلندی و بزرگی ثابت ہو۔ فصل

مُحرم پر جنایات کے بدلہ میں کفارۂ لازم ہونیکی وجہ

حج کے تمام افعال عاشقانہ رنگ کے آداب ہیں جو عاشقان الٰہی کے لئے اپنے معشوق حقیقی کے گھر کے پاس بجالانے کے لئے معہود ہیں۔ پس جو شخص اُن آداب پسندیدۂ معشوق کے برخلاف کوئی حرکت کرے اُسپر عاشقانہ حرکت کو چھوڑنے اور اپنے معشوق کے آگے خلاف ورزیٔ اداب و نیاز کیوجہ سے کفارہ دینا لازم ہوا۔ لہٰذا محرم اگر اپنے کسی اندام کو خوشبو لگاوے تو اُسکو صدقہ دینا چاہیئے اور اگر ایک دن کامل سِیا ہوا کپڑا پہنے یا اپنے سر کو ڈھانپے تو اُسپر قربانی واجب ہوتی ہے اور اگر اس سے کم مدت میں یہ فعل کیا ہے تو صدقہ دینا چاہیئے اور اگر اپنے سر کا چوتھا یا زیادہ حصہ منڈاوے تو اسپر قربانی لازم آتی ہے اور اس سے کم کے لیئے صدقہ دینا چاہیئے اور ایسا ہی ناخن کٹوانے کے باب میں ہے تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ان حرکات کو عاشقانہ نیاز و خستگی و شکستگی کے برخلاف شمار کیا جاتا ہے کیونکہ خوشبو ملنا اور سِیئے ہوئے کپڑے پہننا اور سر منڈوانا اور ناخن کٹوانا زیب و زینت کے اسباب اور حظوظ نفسانی و خود آرائی کی صورتیں ہیں اور یہ تمام حرکات عاشقانہ نیاز کے برخلاف اور معشوق حقیقی کی نظر میں بحالتِ احرام ناپسند ہیں۔ لہٰذا ان مخالفانہ حرکات کی تدارک کے لئے کفارات مقرر ہوئے۔ نظم

ترک خوبی نمے کناند خوبِ شمر ✦ عشق را دریاں بود عشق دگر

ہر کہ ترک خود کند یابد خدا	چیست وصل از نفس خود گشتن جدا
لیک ترک نفس کے آساں بود	مردن واز خود شدن یکساں بود
ہست آں عالی جناب بس بلند	بہر وصلش شورہا باید فگند

زیب و زینت و آرایش اور ننگ و ناموس کے سامان و اسباب و حالت صحوسی وابستہ اور حالتِ عشق و فریفتگی و سکر کے نقیض و ضد اور ایک قسم کے تصنع و تکلیف بر دال ہیں اِن سب کو بحالتِ احرام حج یعنے کوچۂ محبوب میں گشت کرنے کے وقت ترک کرنا مناسب ہوا اور محبِّ صادق و عاشقِ خالص کو وہ آداب و طریقے اختیار کرنے پڑے جو کوچہ محبوب میں پہونچنے کے وقت معشوق حقیقی کی نظرِ التفات و توجہِ رحمت کے جاذب ہوں چنانچہ ایک عاشق صادق کا ترانۂ ذیل اسی حالتِ رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔

ننگ و نام عزت دنیا ز داماں ریختیم	یار آمیز و مگر با ما بخاک آمیختیم
دل بداویم از کف و جاں در رہے اندا ختیم	و زپئے وصلِ نگارے حیلہا انگیختیم

بحالتِ احرام اپنی عورت سے جماع کرنے سے حج فاسد ہونیکی وجہ

دنیا کی تمام لذائذ و مرغوبات میں سے جماع سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے مگر حج میں ساری لذات کو چھوڑنا پڑتا ہے کیونکہ حج کی تمام صورتیں اُس کے برخلاف ہوتی ہیں حج میں عاشقانہ طرز و وضع اختیار کی جاتی ہے۔ جسمیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق حقیقی و محبوب ابدی کے سوا تمام لذات و مرغوبات کو میں نے ترک کر دیا۔ پس جو شخص باوجود اس دعوے کے جماع جیسے لذیذ ترین فعل کا ارتکاب بحالت احرام حج کرے۔ وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ٹھیرتا ہے۔ لہٰذا اسکا حج فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ عاشقانِ صادق کے زمرہ میں شمار نہیں ہوتا بلکہ خائن ہے

ہر کہ بینا کی کند در راہ دوست ✦ راہزن مرداں شدہ نامرد اوست

دراصل بات یہ ہے کہ بعض عبادات میں خدا تعالیٰ کے حلال بھی حرام ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اُن عبادات کے فعل مشروع کے لئے مخل و فاسد ہوتے ہیں۔ جیسے کلام کرنا یا کھانا پینا منع نہیں ہے۔ مگر نماز میں حرام ہے۔ ایسا ہی بوجہ حلال اپنی عورت

سے مباشرت کرنا کھانا پینا منع نہیں ہے۔ مگر بحالت روزہ یہ افعال حرام ہیں کیونکہ یہ افعال عبادات مشروع کے لئے ناقص ہیں۔ پس ایسا ہی حج کے لئے بعض محظورات ہیں جن سے حج فاسد ہوجاتا ہے۔ اور حج ان سے اسلئے فاسد ہوتا ہے کہ ان امور کی اوضاع افعال حج کے ضد میں ہیں۔ اگر حج میں ایسے امور جائز ہوتے تو افعال حج ایک کھیل سا ہوتا اور جب ان امور کو حج میں ترک کیا گیا تو حج کے سارے ارکان باحکمت ہوگئے۔

چیل۔ کوے۔ بچھو۔ سانپ۔ چوہے و بھیڑیئے و سگ دیوانہ کو حرم میں مار ڈالنا جائز ہونے کی وجہ

یہہ جانور موذی و ضرر رسان اور عاشقان الٰہی کو گزند پہونچانے والے اور کوچہ محبوب سے مانع ہوتے ہیں۔ لہذا محبوب حقیقی خداوند تعالےٰ کی نظر میں اسی وجہ سے مبغوض و ممقوت ٹھیرے کہ اسکے عاشقوں کو اسکے کوچہ سے مانع ہوتے ہیں اور یہ امر اسکو ناپسند ہے۔ پس جو امر محبوب حقیقی کی نظر میں مبغوض ہو بالضرور اسکے عاشقوں و محبوں کی نظر میں بھی مبغوض ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر جانور ان عنوان الصدر کو محرم مار ڈالے تو اسپر کوئی تاوان انکے بدلہ میں دینا لازم نہیں ہوتا۔ بلکہ کار ثواب و رضائے محبوب ہے کیونکہ یہ جانور اسکے محبوب کی نظر میں مبغوض و مردود ہیں۔

بحالت احرام حج سب و شتم و جنگ و جدال منع ہونیکی وجہ

حجاج کعبہ میں بمنزلہ عاشقان ازلی و کوچہ گردان محبوب ابدی میں شمار ہوتے ہیں۔ پس جو شخص عاشقان الٰہی کو سب و شتم کرے اور ان سے لڑے بھڑے وہ خدا کا مبغوض و ممقوت ٹھہرتا ہے۔ اور ایسا ہی جو حاجی دوسرے حاجیوں سے لڑے اور ان کو سب و شتم کرے وہ زمرہ عاشقان الٰہی سے خارج ہوجاتا ہے کیونکہ لڑنا بھڑنا اکثر ننگ و ناموس و عزت و جستجوئے آرام و تن پروری کے لئے بھی ہوتا ہے سو ایسا شخص بدو وجہ زمرہ عاشقان سے خارج ہوجاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ عاشقان الٰہی کو ایذا دہ ہوا۔

دوسرا یہ کہ وہ اپنی عزت و ننگ و ناموس و آرام کا طالب و محبوب حقیقی سے غافل ہے یہی وجہ ہے کہ بعض حاجی کعبہ میں جاکر بعض ایسے امور ممنوعہ کے مرتکب ہونے سے سخت دل ہوکر واپس آتے ہیں۔ کیونکہ وہ کوچہ محبوب حقیقی میں جاکر شرایط عاشقانہ کو توڑ کر اسکی نظر سے گرجاتے ہیں ایسے محظورات جو محبوب ازلی کی نظر میں مبغوض و ممقوت تھے اسنے پہلے ہی بتادئے تھے کہ مبادا کوئی شخص بحالت عدم علم ان امور کا مرتکب ہوکر مبغوض و مردود و تقصیر جائے چنانچہ وہ فرماتا ہے اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ترجمہ۔ یعنے حج کے مہینے معلوم و مشہور ہیں۔ پس جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کرنا ٹھہرالے تو اسکو چاہیئے کہ حج میں جماع و محرکات جماع کا مرتکب نہ ہو اور کسیکو گالی نہ دے اور جھگڑا نہ کرے۔

مقام نحر سے پہلے ہدیہ کے جانور کا گوشت ہادی کیلئے کھانا ناجایز ہونیکی وجہ

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناسک حج سے کوئی امر فوت ہوا تو آپ نے ناجیہ بن کعب اسلمی کے ہمراہ ایک ہدیہ کا جانور کعبہ کو روانہ کرکے امر فرمایا کہ اپنا پاپوش ہدیہ کے جانور کے خون کے ساتھ آلودہ کرکے اسکے گلے میں ڈالدو۔ اس سے تمہارے اور لوگوں کے درمیان تخلیہ ہوجاویگا اور اس جانور سے کوئی تعرض نہ کریگا۔ کیونکہ وہ سمجھ جاوینگے کہ جانور خداتعالےٰ کے نام ہے اور آپ نے ناجیہ بن کعب اسلمی کو فرمایا کہ تم اور تمہارے رفقا میں سے اس ہدیہ کے جانور کا گوشت کوئی نہ کھائے۔

اسکی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اس جانور کا گوشت مقام نحر سے پہلے کھانا جایز کیا جاتا تو یہ امر بسا اوقات اوس جانور کے چارہ و حفاظت میں کوتاہی کا باعث ہوتا اور وہ جانور مقام مقصود پر پہونچنے سے پہلے اس جانور کے ہلاک ہوتے سے انکی غرض مقام نحر پر پہونچنے کیطرح حاصل ہوجاتی۔ پس جب لوگوں کو مقام نحر سے پہلے جانور کے ہلاک ہونے سے اپنی حصول غرض میں ناامیدی ہوئی اور مقام نحر پر پہونچنے سے حصول غرض کی امید ہوئی تو یہ امر اس جانور کے لئے مقام مقصود تک باحفاظت پہونچانے کا باعث ہوا۔

مسائل حج کی دقایق فہمی خیر القرون میں

تاریخ ابن خلکان کا مؤلف حضرت وکیعؒ سے راوی ہے کہ وہ کہتے ہیں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت نے مجھ سے بیان کیا کہ حج کے مسایل میں مینے پانچ جگہ غلطی کی اور وہ مسئلے مجھے ایک حجام نے سکھائے وہ پانچ مسئلے یہ ہیں کہ جب میں حجامت بنوانے کو اُسکے پاس گیا تو مینے پوچھا کہ میری حجامت کا کیا لوگے اُسنے پوچھا کہ کیا تو دہاتی ہے مینے کہا ہاں۔ اُسنے کہا کہ عبادت کے کاموں میں شرط مزدوری نہیں کیجاتی تو بیٹھ جا۔ پس میں بیٹھ گیا۔ مگر قبلہ کیطرف کو نہ بیٹھا۔ تو اُسنے مجھ کو قبلہ کی طرف مُنہ کرنے کو کہا اور مینے چاہا کہ پہلے بائیں طرف سے حجامت بنواؤں۔ اُسنے کہا کہ داہنی طرف سے بنوا مینے داہنی جانب کو اُسکی طرف پھیر دیا۔ اور وہ حجامت بنانے لگا اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ اُسنے کہا کہ تکبیر کہتا رہ۔ میں تکبیر کہنے لگا۔ جب میں حجامت کے بعد چلنے لگا تو اسنے کہا کہ کہاں کو جاتا ہے مینے کہا کہ اپنے ڈیرہ کو جاتا ہوں اُسنے کہا کہ دو رکعتیں پڑھ اُسکے بعد جاؤ۔ مینے اپنے دل میں کہا کہ ایسے حجام سے کام لینے والا ایسا آدمی ہونا چاہیئے جسکو علم ہو پھر مینے اُس سے پوچھا کہ جن باتوں کا تونے مجھ کو حکم کیا ہے یہ کہاں سے تجھکو حاصل ہوئیں۔ اُس نے کہا کہ مینے عطا ابن ابی رباح کو یہ کام کرتے دیکھا ہے۔

برکات حج

حج کے برکات میں سے ایک یہ تعلیم ہے جو اُسکے ارکان سے حاصل ہوتی ہے کہ اس میں انسان کو عملی صورت میں اختیار سادگی و ترک تکلفات اور کبر و بڑائی کو چھوڑنے کا سبق دیا جاتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حج کے سارے ارکان کبر و بڑائی کے بڑے دشمن ہیں۔ دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے احباب و اقارب چھوٹ جاتے ہیں نفس پروری اور سستی و کسالت کا استیصال ہوجاتا ہے اور سب سے بڑی بات ہے کہ ہزارہا سال سے انسان کے لئے خدا تعالےٰ کا ایک پاک معاہدہ چلا آتا ہے جسکا ایفاء بذریعہ ادائے حج ہوجاتا ہے۔

کتاب النکاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقاصد نکاح

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد خاتم النبیین وعلی الہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔ **امابعد** واضح ہو کہ اسرار شریعت جلد اول کی تمہید میں سہولت فہم احکام الہی کے قواعد ہم کئی بار لکھ چکے ہیں اور قوانین وقیقہ الہیہ کی علتوں کو معلوم کرنے کے لئے ناظرین کو اُنکے آثار مؤثرہ پر نظر کرنے کے لئے توجہ دلا چکے ہیں لہذا نکاح کے آثار مؤثرہ پر نظر کروگے تو صاف نمایاں طور پر نکاح کی علت غائی کو مندرجہ ذیل مقاصد و اغراض پر مشتمل پاؤگے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ قرآن کریم کے پارہ ۲۱ میں فرماتا ہے (۱) خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ **ترجمہ**۔ یعنے خدا تعالےٰ نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے بنائی کہ تم اُن سے آرام پکڑو اور تم میں دوستی و نرمی رکھدی (۲) پھر فرمایا نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ یعنے تمہاری عورتیں تمہاری اولاد پیدا ہونے کے لئے بمنزلہ تمہاری کھیتی کے ہیں (۳) پھر فرمایا حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ یعنے تمہاری بیویاں تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے مال و عزت و دین کی حفاظت کرنے والی ہیں۔ (۴) بی بی آرام اور سکون کے لئے بنائی گئی ہے اور غمگسار ہر روز افکار میں آرام کا موجب ہے انسان میں طبعی طور پر دوستی اور محبت کرنا ایک فطری امر ہے اور دوستی و محبت کے لئے بی بی عجیب و غریب چیز ہے۔ عورت نازک بدن اور ضعیف الخلقت ہے اور بچوں کو جننے اور گھر کے انتظام رکھنے میں مرد کا ایک عظیم الشان بازو ہے پس اسکے متعلق رحم سے کام لو۔ خدا تعالےٰ نے اسکو رحم کے لئے بنایا ہے اسکی غلطیوں اور فطرتی کمزوریوں پر چشم پوشی کرو۔ (۵) آدمیوں میں قدرتی طور پر شہوت کا مادہ ہے قدرت نے اسکا محل بی بی ہی کو بنایا ہے خدا تعالےٰ نے فرماتا ہے کہ عورت کھیتی ہے اور بیج بونے کے قابل ہے۔ جسطرح کھیت کا علاج معالجہ ضرور ہوا کرتا ہے اور اسمیں خاص غرض ہوا کرتی ہے۔ بنابریں عورت میں بھی خاص خاص اغراض ہیں جنسے متمتع ہونا چاہیئے (۶) عورت ننگ و ناموس

اور مال و اولاد کی محافظ اور مہتمم ہے (۷) قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی عفت پرہیزگاری، حفظ صحت و حفظ نسل کے لئے ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہے وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (سورہ نور) ترجمہ۔ یعنے جو لوگ نکاح کی طاقت نہ رکھیں جو کہ پرہیزگار رہنے کا اصل ذریعہ ہے تو انکو چاہئے کہ اور تدبیروں سے طلب عفت کریں۔

چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نکاح کرنے پر قادر نہ ہو سکے اُسکے لئے پرہیزگار رہنے کی یہ تدبیر ہے کہ وہ روزہ رکھا کرے اوس حدیث کا خلاصہ ترجمہ ذیل میں بصیرت ناظرین کے لئے درج کر دیتے ہیں فرمایا اے نوجوانوں کے گروہ جو کوئی تم میں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو تو چاہئے کہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو خوب نیچا کر دیتا ہے اور شرم کے اعضا کو زنا وغیرہ سے بچاتا ہے ورنہ روزہ رکھو کہ وہ خصی کر دیتا ہے۔

جو خواہش مرد کے دل میں عورت کے لئے یا عورت کے دل میں مرد کے لئے ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کا جائز ذریعہ یعنے نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل میں سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے اور اسکا ناجائز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کیطرف لیجاتا ہے اور اُسکے دل میں بدخیالات پیدا کر دیتا ہے پس نکاح انسان کو پاکیزگی کیطرف لیجانے اور اُسے ناپاکی سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ فطری خواہش جو مرد اور عورت کے دل میں ایک دوسرے کے لئے موجود ہے اسے گندی یا ناپاک خواہش کے نام سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ اس خواہش کو فطرت انسان میں پیدا کرنیوالا خود خدا تعالے ہے اور اسی نے اپنی مصلحت اور حکمت سے بعض اغراض کے لئے اس خواہش کو انسان کے نفس میں مرکوز فرمایا ہے۔ ہاں اسکا برا استعمال یعنے ناجائز طریقوں سے اسکا پورا کرنا بیشک انسان کو ناپاکی اور بدی کیطرف لیجانے والا ہے۔

الغرض نکاح کا بڑا مقصد وہی ہے جسکی اللہ تعالے نے قرآن کریم میں یہ تعلیم دی ہے کہ پرہیزگار رہنے کی غرض سے نکاح کرو اور اولاد صالح طلب کرنیکے لئے دعا کرو جیسا کہ وہ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ یعنے چاہئے کہ تمہارا نکاح اس نیت سے ہو کہ تاتم تقویٰ اور پرہیزگاری کے قلعہ میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کیطرح محض نطفہ نکالنا ہی تمہارا مطلب ہو اور محصنین کے لفظ سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جو شادی نہیں کرتا وہ نہ صرف روحانی آفات میں گرتا ہے

بلکہ جسمانی آفات میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ احصان کا لفظ حصن سے مشتق ہے اور حصن قلعہ کو کہتے ہیں اور نکاح کرنے کا نام احصان اسواسطے رکھا گیا کہ اسکے ذریعہ سے انسان عفت کے قلعہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور بدکاری اور بدنظر سے بچ جاتا ہے اور جسم بھی بے اعتدالی سے بچا رہتا ہے۔ پس گویا نکاح ہر ایک پہلو سے قلعہ کا حکم رکھتا ہے۔

بہت سی آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح شہوت رانی کی غرض سے نہیں بلکہ بدخیالات اور بدنظری اور بدکاری سے اپنے تئیں بچانا اور نیز حفظ صحت بھی غرض ہے۔ اور پھر نکاح میں ایک اور بھی غرض ہے جسکیطرف قرآن کریم کی سورہ فرقان میں یہ اشارہ ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ ترجمہ۔ یعنے مومن وہ ہیں جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی بیویوں اور فرزندوں سے ٹھنڈک دل کی عطا کر اور ایسا کر کہ ہماری بیویاں اور ہمارے فرزند نیک بخت ہوں اور ہم کو انکا پیشرو امام بنا (فضل احمد۔ نور)

تعریف نکاح یعنے نکاح کیا چیز ہے

نکاح عربی لفظ ہے جسکے معنے عقد مرد و عورت اور مجامعت کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نکاح نام ہے اس تقریب کا جو اعلان عام اور تقرری مہر اور رضائے فریقین سے کسی عورت یا لڑکی کا کسی مرد کے ساتھ رشتہ یا عقد کیا جاتا ہے اسمیں اول خدا تعالے کی رضامندی دیکھ لی جاتی ہے کہ اسمیں خدا تعالے کیطرف سے اجازت ہے کہ نہیں۔ پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضابطہ اور عملدرآمد کے موافق ہے یا نہیں پھر لڑکیوں کے ولی کی رضامندی ضروری ہے اگر ولی رضامند نہ ہوں اور کوئی نکاح ہو جاوے تو ایسے نکاح بدیوں میں الجھاتے ہیں اور انکے نتائج خراب اور ناگوار ہوتے ہیں۔ ایسا ہی لڑکوں اور لڑکیوں کی رضامندی ضروری ہے۔ ان رضامندیوں کے بعد گویا نکاح ہوتا ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی نارضامندی اور مخالفت ہو تو پھر اسمیں مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ بمطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملدرآمد کے موافق دو ولیوں و طرفین کی رضامندی کے بعد جب ایک فریق منظور کرتا ہے اور دوسرا اسکو قبول کرتا ہے تو یہ نکاح ہوتا ہے۔

نقصانات تجرد و فوائد نکاح

خدا نے چونکہ آدمی کو بالطبع متمدن بنایا ہے اسلئے وہ تنہائی و گوشۂ خلوت میں آرام سے زندگی بسر نہیں کرسکتا اور مجبور ہے کہ وہ اپنے ہمنشین و ہمدم کا خواہشمند ہو۔ جمعیت کا حاصل ہونا اجتماع مرد و عورت کے سوا ناممکن ہے لہذا ازدواج انسان کے لئے لازمی و ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے حکما اور فلاسفروں نے نکاح کو لوازم انسانیت سے گنا ہے جو لوگ اس قانون الہی کی مخالفت کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی و اپنی زندگی کے دشمن ہیں۔

حیوانات میں جماع ایک فطرتی خواہش ہے۔ جب تک اسکا بوجہ جائز استعمال ہو کسی طرح سے بھی مضر نہیں۔ لیکن اگر ناجائز طور پر اسکا استعمال کیا جائے تو صدہا الم و امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

تجرد ایک گناہ کبیرہ ہے جو خلقت کے انتظام پیدائش کا حارج ہے ازدواج سے منشا اور مراد تکثیر بنی نوع انسانی ہے اور اس ذریعہ سے وطن اور اہل وطن کی خدمتگذاری اور ادائے وظیفۂ انسانیت اور تابعداری اور قانون فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام رہبانیت کا سخت مخالف ہے اور خود قرآن شریف میں نہایت سخت تاکید اسبارے میں ہوئی ہے۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے زور سے ازدواج کی تاکید فرمائی ہے۔ اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنَّا۔ ترجمہ۔ یعنے نکاح میری سنت ہے۔ پس جو شخص میری سنت سے پھر جائے وہ ہم سے نہیں ہے۔

مجرد کو اسمیں فائدہ صرف اتنا ہی ہے کہ وہ عیالداری کے تفکرات سے بری رہتا ہے۔ مگر نقصان صدہا ہیں۔ خانہ داری کی برکت اور آسائیشوں سے محروم رہنا تھوڑی بات نہیں۔ محبت جو اس دنیا میں نعمت عظمیٰ ہے اسکے مزے سے مجرد آدمی عمر بھر واقف نہیں ہوتا۔ پھر جنون اور اختناق الرحم اور جمود وغیرہ بیماریاں ایسی ہیں جو بالخصوص مجردوں ہی کو ہوتی ہیں۔ اور خودکشی کے مرتکب جسقدر مجرد لوگ ہوا کرتے ہیں اسقدر متاہل نہیں ہوتے۔ یہ بات فوتیوں کے رجسٹروں سے بخوبی ثابت ہو چکی ہے۔

نوجوان مرد اور عورتیں جنکو شادی کا اتفاق نہیں ہوتا انکو خواہش جماع کے سبب سخت تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس خواہش کا مقابلہ نہیں کرسکتے اور انسانی کمزوری انکو ایسے مصائب میں مبتلا کرتی ہیں کہ بقیۃ العمر نہایت سختی سے گذرتی ہے۔ جوان آدمی کے لئے

تجرد کی حالت میں اپنے آپ کو روکنا قریباً ناممکن ہے۔ اور بحالت مجبوری اپنی خواہشات کو دوسرے طریقہ پر پورا کرنا یقینی ہے۔ مجردوں کو چتی رہنا مشکل ہے۔ چھپ کر زنا غلام یا مشت زنی کرتے ہیں یا رنڈی بازی کی علت انکو ہو جاتی ہے اس سے انکی صحت کا بگاڑ اور آبرو کا نقصان ہونا متوقع ہے۔ یہ ایک صریح امر ہے کہ جو آدمی روزمرہ بازار سے خرید کر کھانا کھائے اور کوئی مستقل انتظام اپنے گھر کا نہ رکھتا ہو وہ بہت سا روپیہ برباد کرے گا۔ وہ مدام بے اطمینان و پریشان ہوگا اور اسکی صحت خراب و غموم و افکار کی افواج کے حملے شب و روز اسپر وارد ہوتے رہیں گے۔

افسوس ہے ان عورتوں پر جو کسی مجبوری سے تنگ آکر یا شوقیہ اپنی قدر دیکھکر اس پیشے کو اختیار کرتی ہیں اور اسکے انجام کو نہیں سمجھتیں۔ اگر تمام دنیا کے لوگ اسی پیشہ پر کمر باندھیں اور مجرد و غیر متاہل لوگوں کا گروہ کثیر ہو جائے تو بچوں کی پرورش اور ضعفا بوڑھوں کی خدمت کون کریگا اور دنیا کی گاڑی کسطرح چلیگی۔ جو لوگ بازاری عورتوں سے میل جول رکھنے ہیں اور بالکل آزاد رہنا چاہتے ہیں وہ غور کریں اور سوچیں کہ بیماری اور بڑھاپے میں انکا کون خدمتگار و مددگار و غمگسار ہوگا۔

نکاح کرنے سے انسان پابند ہو جاتا ہے مستعدی کے ساتھ کمانے کی فکر کرتا ہے اور بیجا کام کرنے سے ڈرتا رہتا ہے۔ محبت۔ حیا۔ فرمانبرداری اس میں پائی جاتی ہے وہ نہایت کفایت کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور بے شمار امراض سے بچا رہتا ہے۔

جس جمعیت کے لئے انسان فطرۃً مجبور و مجبول ہے وہ تزویج زوجین علی وجہ المعروف ہے یہ امر مفید صحت۔ اطمینان بخش۔ راحت رسان۔ سرور افزا۔ کفایت آمیز۔ مترقی زندگی دارین ہے اخلاقی یا مذہبی نگاہ سے اس امر پر غور کروگے تو اسکو سراسر فائدوں سے معمور پاؤگے۔ طریق معیشت کے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں۔ حب الوطنی کی یہی جڑھ ہے اور ملک و قوم کے لئے اعلیٰ ترین خدمات میں سے ہے۔ بیماریوں سے بچانے اور صدہا امراض سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ ایک قلمی نسخہ ہے۔ اگر یہ قانون الہی بنی آدم میں نافذ نہ ہوتا تو آج دنیا سنسان ہوتی۔ نہ کوئی مکان۔ نہ کوئی باغ نہ کسی قوم کا نشان باقی رہتا۔

وجوہات تعدد ازدواج

(۱) منجملہ وجوہات تعدد ازدواج سب سے مقدم حفظ تقوےٰ یعنے پرہیزگار رہنا اور بدی سے بچنا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی پیاری چیز ہے کہ اسکا خیال ہر انسان کو باقی سب باتوں سے مقدم رکھنا چاہیئے

قدرت نے بعض آدمیوں کو معمولی آدمیوں کی نسبت زیادہ قوی الشہوت بنایا ہے اور ایسے آدمیوں کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور اگر انکو جائز طور پر دوسرا یا تیسرا یا چوتھا نکاح کرنے سے روکا جاویگا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقوی کو چھوڑ کر بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ زنا ایک ایسی بدکاری ہے جو انسان کے دل سے ہر ایک پاکیزگی اور طہارت کا خیال دور کر دیتی ہے اور اس میں ایک خطرناک زہر پیدا کر دیتی ہے اسلئے ان لوگوں کے لئے جو قوی الشہوت ہیں ضرور کوئی ایسا علاج ہونا چاہیئے جس سے وہ زنا جیسی سیاہ کاری میں پڑنے سے بچے رہیں باقی رہا یہ امر کہ قوی الشہوت آدمیوں کو ایک سے زیادہ عورت کی حاجت پڑے گی یہ اظہر من الشمس ہے

(۲) عورت ہر وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ خاوند اس سے تعلقات زناشوئی پیدا کر سکے۔ کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر ایک عورت کو ہر ایک مہینہ میں کچھ دن ایسے آتے ہیں۔ جیسے ایام حیض جنمیں مرد کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے لیکن مردوں میں ایسا نقص پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) ایام حمل عورت کے لئے ایسے ہوتے ہیں خصوصاً اسکے پچھلے مہینے جنمیں عورت کو اپنے اور اپنے جنین کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرد کی صحبت سے پرہیز کرے۔ اور یہ صورت کئی ماہ تک رہتی ہے۔

(۴) جب وضع حمل ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت تک عورت کو مرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ اب ان تمام اوقات میں جبکہ عورت کے لئے یہ قدرتی روکیں واقع ہو جاتی ہیں خاوند کے لئے کوئی امر مانع نہیں ہوتا۔ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ کثرت سے ایسے مرد ہیں جو ان وقفوں میں دوسری عورت کرنے کے بغیر تقوے کو قائم رکھ سکتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہیں اور کوئی عقلمند اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں قوی الشہوت آدمی بھی موجود ہیں۔ اور اس قوت کا زیادہ ہونا کسی صورت میں انکے لئے باعث الزام نہیں ہے جنکو اگر ان یا اس قسم کے اور وقفوں کے اندر دوسری عورت سے نکاح کی اجازت نہ دی جاوے تو پھر اس خواہش کے تقاضا کو پورا کرنے کے لئے وہ ناجائز ذرائع استعمال کرینگے۔

(۵) گرم ملکوں میں عورتیں آٹھ نو یا دس سال کی عمر میں شادی کے قابل ہو جاتی ہیں اسلئے ان ممالک میں شادی کا زمانہ عمر کے لحاظ سے بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ بیس سال کی عمر میں وہ بوڑھی ہو جاتی ہیں اسلئے عقل اور خوبصورتی دونوں ایک وقت انکے اندر جمع نہیں ہوتے۔ جب خوبصورتی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ عورت حکومت کرے اسوقت عقل اور تجربہ کا نہ ہونا اس دعوی کا

مانع ہوتا ہے لیکن جب عقل اور تجربہ حاصل ہوتا ہے تو خوبصورتی نہیں رہتی۔ اسلئے عورتوں کو لازمی طور پر ایک محکومی کی حالت میں رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ عقل اور تجربہ بڑھاپے کے وقت وہ حکومت پیدا نہیں کر سکتے جو جوانی اور خوبصورتی میں بھی نہ کر سکتے تھے۔ اسلئے یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے کہ ان ممالک میں تعدد ازدواج کا رواج ہو۔

(۶) ہر ملک میں مردوں کی نسبت عورتوں کے قویٰ بڑھاپے سے جلدی متاثر ہوتے ہیں پس جہاں مرد کے قوےٰ بالکل محفوظ ہوں جیسا کہ وہ اکثر حالات میں ہوتے ہیں۔ اور عورت بوڑھی ہو چکی ہو دوسری عورت سے نکاح کرنا بعض حالات میں مرد کے لئے ایسا ہی ضروری ہوگا جیسا کہ پہلے کسی وقت پہلی عورت سے نکاح کرنا ضروری تھا پس جو قانون تعدد ازدواج سے روکتا ہے۔ وہ مردوں کو جنکے قویٰ خوش قسمتی سے بڑھاپے کی عمر تک محفوظ رہیں یہ راہ بتاتا ہے کہ وہ ان قوی کے تقاضا کو زنا کے ذریعہ سے پورا کریں۔ ایسا قانون تمام انسانوں کی حالتوں کے مطابق کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۷) مذکورہ بالا ضروریات تو مردوں کی ہیں مگر خود عورتوں کو بعض وقت ایسی مجبوریاں آپڑتی ہیں کہ اگر ان کے لئے یہ راہ کھلی نہ رکھی جائے کہ وہ ایسے مردوں سے نکاح کرلیں جنکے گھروں پر پہلے عورتیں موجود ہیں تو اسکا نتیجہ بدکاری ہوگا۔ ایک یہی امر پر غور کرو کہ کسطرح ہر سال دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں لاکھوں مردوں کی جانیں لڑائیوں میں تلف ہو جاتی ہیں حالانکہ عورتیں بالکل محفوظ رہتی ہیں۔ اگر پرانی مثالوں کیطرف نہ جائیں تو یہ تازہ دو مثالیں ہی اس دلیل کی صداقت کا کافی ثبوت ہیں۔ یعنے انگلستان کی لڑائی بوئروں کے ساتھ جو جنوبی افریقہ میں ہوئی اور روسیوں اور جاپانیوں کی لڑائی جو ابھی ختم ہوئی ہے۔ اس لڑائی میں طرفین سے قریباً پانچ لاکھ مرد تلف ہوئے اب ایسے واقعات یعنے جنگوں میں مردوں کی جانوں کا تلف ہونا ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور جب تک دنیا میں مختلف قومیں آباد ہیں ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہینگے اور ہمیشہ ان سے مردوں کی تعداد میں کمی ہو کر عورتوں کی تعداد کا بڑھ جانا ایک لازمی امر ہے۔ اگر یہ بھی فرض کرلیں کہ عورتوں کی تعداد کی یہ زیادتی کسی قوم میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہتی تاہم اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک مدت تک مردوں کی اس کمی کا اثر ضرور رہیگا جو اسطرح پر پیدا ہوگی۔ اب یہ عورتیں جو مردوں کی تعداد سے زیادہ ہونگی انکے لئے کیا سوچا گیا ہے۔ تعدد ازدواج کی ممانعت کی صورت میں انکا کیا حال ہوگا۔ کیا انکو یہی جواب نہیں ملیگا کہ جنکے دل میں مرد کے لئے وہ خواہش پیدا ہو جو قدرت نے فطرت

انسانی میں رکھی ہے وہ ناجائز طریقوں سے اسے پورا کرے۔ سوچ کر دیکھو کہ تعدد ازدواج کی راہ
کو بند کر کے ان لاکھوں عورتوں کو جو اسطرح لڑائیوں کے سبب سے بیوہ ہوگئیں یا جنکے لئے
نکاح کے ذرائع نہیں رہے یہی جواب دینا پڑیگا۔ عیسائیوں پر افسوس ہے کہ ایک غلط
اصول کی حمایت میں انسانی ضروریات پر ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہیں کرتے۔ وہ نہیں سوچتے
کہ تعدد ازدواج کے سوا اور کوئی ایسی راہ نہیں جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔

(۸) گذشتہ مردم شماری میں ہمنے صرف بنگال احاطہ کی تعداد مردوں و عورتوں پر نظر کی تھی
تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج کیلئے ایک بین
دلیل ہے جسکو شک ہو وہ علیحدہ علیحدہ تعداد مردوں و عورتوں کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں
ملاحظہ کرے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔

اسکے ساتھ ہی ہم اس امر کیطرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ میں جسکو سب ممالک سے بڑھکر تعدد
ازدواج کی ضرورت سے برتر سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کسقدر زیادہ ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء
کی مردم شماری کے رو سے انگلستان میں مردوں کی نسبت عورتوں کی تعداد (۱۰۸۲۶۱۹) دس لاکھ بیاسی ہزار
چھ سو انیس زیادہ تھی۔ گویا ہر ہزار مرد کے لئے ایک ہزار انہتر (۱۰۶۹) عورتیں تھیں۔ آئرلینڈ میں
اکسٹھ ہزار اٹھاسٹھ۔ گویا برطانیہ کلان میں بوئروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ انہتر ہزار تین سو
بچاسی عورتیں ایسی تھیں جنکے لئے ایک ایک بیوی والے قاعدہ کی رو سے کوئی مرد مہیا نہیں
ہو سکتا تھا۔

فرانس میں سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ تئیس ہزار سات سو نو
زیادہ تھی۔ جرمن میں سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کے لئے ایک ہزار بتیس عورتیں موجود تھیں۔
گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جنکے لئے شادی کرنے والا کوئی
مرد نہ تھا۔ سویڈن میں سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتیں اور ہسپانیہ
میں سنہ ۱۹۰۰ء میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتیں اور آسٹریا میں سنہ ۱۹۰۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار
سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں مگر یہ بتایا جاوے
کہ ان کم از کم چالیس لاکھ عورتوں کے لئے یورپ نے کونسا قانون تجویز کیا ہے۔ کیونکہ ایک ایک بیوی
کے قاعدہ کے رو سے انکو یورپ میں تو خاوند نہیں مل سکتے۔ سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانوں کی ضروریات

کے لئے تجویز کئے جاتے ہیں وہ انسانوں کی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں۔ وہ قانون
جو تعدد ازدواج کی ممانعت کرتا ہے ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف
چلیں اور انکے دلوں میں مردوں کے لئے کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ تو ناممکن امر ہے جیسا کہ خود
تجربہ ثابت کر رہا ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریق سے روکا جانے کے باعث وہ ناجائز طریق اختیار
کرینگی اسطرح پر ان ممالک میں زنا کی کثرت ہوگی۔ یہ تعدد ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے۔ اور یہ امر کہ زنا
اس ذریعہ سے زیادہ پھیلیگا خیال ہی خیال نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ جیسا کہ ہزارہا ولد الحرام بچوں کی تعداد
سے ثابت ہو رہا ہے جو یورپ میں ہر سال پیدا ہوتے ہیں۔

(۹) نکاح کی اغراض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے لئے بطور
رفیق کے ہوں۔ پس اگر کوئی وجہ ایسی پیدا ہو جائے کہ جسکے سبب سے عورت مرد کے لئے بطور
رفیق کے نہ رہے یا اس سے اسکو وہ خوشی حاصل نہ ہو سکے جو ایسے رفیق سے ہونی چاہئے تو ان
صورتوں میں بھی مرد کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ مثلاً اگر عورت کو کوئی ایسی بیماری
لاحق ہو جائے جو اسکو ہمیشہ کے لئے یا بڑے بڑے وقفوں کے لئے ناقابل کر دے۔ یعنی
اس امر کے قابل نہ رہنے دے کہ خاوند اس سے تعلقات زناشوئی رکھ سکے تو کوئی وجہ نہیں
کہ کیوں نکاح کی اصل غرض کو مرد دوسرے نکاح کے ذریعہ سے پورا نہ کرے۔ جیسا کہ انسانی زندگی
کے حالات کا دائرہ وسیع ہے ویسا ہی ان ضروریات کا دائرہ بھی وسیع ہے جو بعض وقت مرد کو
دوسرا نکاح کرنے کے لئے مجبور کر دیتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ایسی ضروریات اکثر پیدا نہیں ہوتیں
مگر جب واقعی وہ ضرورتیں پیدا ہو جائیں اور یہ ضروری ہے کہ ہر انسانی سوسائٹی میں وہ کم و بیش
پیدا ہوتی رہیں تو سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی ذریعہ انکے پورا ہونے کا نہیں نیز (۳) علاج کو
روکنا بیماریوں کو بڑھانا ہے۔ ایسا ہی تعدد ازدواج اکثر حالات میں طلاقوں کی کمی کا ذریعہ ہو سکتا
ہے۔

(۱۰) قدرت نے عورت کو وہ سامان دیئے ہیں جو مرد کے لئے باعث کشش ہیں اور مرد و عورت
کے تعلق میں ان فریفتگی اور کشش کے موجبات کی موجودگی ایک نہایت ضروری امر ہے اور
صرف اسی صورت میں نکاح بابرکت ہو سکتا ہے کہ ایسے سامان کشش عورت میں موجود ہوں
اور اگر عورت میں ایسے سامان موجود نہ ہوں یا کسیطرح سے جاتے رہیں تو مرد کا عورت سے
وہ تعلق نہیں ہو سکتا پس ایسی صورت میں اگر خاوند کو دوسری شادی کی اجازت نہ دیجاوے

تو یا تو وہ کوشش کرے گا کہ کسطرح اس عورت سے نجات حاصل کرے اور یا اگر ممکن نہ ہو تو بدکاری میں مبتلا ہوگا اور ناجائز تعلق پیدا کرے گا کیونکہ جب عورت کی رفاقت سے اسے وہ خوشی حاصل نہ ہوسکے جسکا حصول بفطرت انسانی چاہتی ہے تو ناچار اس خوشی کے حصول کیلئے وہ اور ذریعے تلاش کرے گا۔ ان صورتوں کے لیئے تعدد ازدواج ہی ایک علاج ہے اور اسی ذریعہ سے ایک گھرانا خوشحال ہوسکتا ہے۔

(۱۱) تعدد ازدواج کی روک سے بعض وقت نکاح کی تیسری غرض یعنے بقائے نسل انسانی حاصل نہیں ہوسکتی۔ مثلاً اگر ایک عورت بانجہ ہو اور اسکا عقم ناقابل علاج ہو تو تعدد ازدواج کی ممانعت کی صورت میں قطع نسل لازم آئیگا۔ یہ بیماری عورتوں میں بہت پائی جاتی ہے اور سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی راہ نہیں جس سے یہ کمی پوری ہوسکے۔ ایسی صورت میں عورت کو طلاق دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ اور ممکن ہے کہ عورت اور مرد میں ایسی محبت بھی ہو کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوسکتے ہوں۔ اس بقائے نسل کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ ایسی صورتوں پر مرد کو نکاح ثانی کی اجازت دیجائے۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی قسم کے وجوہات ہیں جو تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں۔ اور ان سب کو تفصیل سے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

اصل سبب تعدد ازدواج کا بدکاریوں سے بچنا ہے۔ جو لوگ بحثوں میں تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشات اور افعال کا مطالعہ فرماویں۔ صرف کمزور، جلق کے عادی مخنث طبع۔ عدیم الفرصت لوگ اس فکر سے مستثنےٰ ہیں۔ جس قوم نے زبان سے تعدد ازدواج کا انکار کیا ہے وہ عملی طور پر ناجائز اور ناپاک تعدد ازدواج یعنے زناکاری میں گرفتار ہوئے ہیں انکی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے ایک عورت پر قناعت نہ کرکے ثابت کردیا ہو کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو ضرور ہے۔ خدا تعالےٰ کے قانون کا یہ مقتضا ہونا چاہیئے کہ وہ انسان کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں پر مطلع اور حاوی ہو کر ایسی ترتیب اور طرز پر واقع ہو کہ مختلف جذبات والی طبائع کو بھی تقوےٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھے۔

مرد کے لئے تعداد ازدواج چار تک محدود ہونیکی وجہ

مرد کے لئے چار عورات منکوحہ تک محدود ہونے کی وجہ خدا تعالےٰ کی کمال حکمت و اتمام نعمت

و مصلحت و رحمت پر مبنی ہے۔ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ مرد کو قوتیں و طاقتیں بہ نسبت عورت کے زیادہ عطا کی گئی ہیں اسلئے وہ کئی عورتوں سے ایک زمانہ میں نکاح کرسکتا ہے۔ تعدد ازدواج کی حقیقت نکاح کی علت غائی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ سو نکاح کی علت غائی جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں سب سے اول و اہم تقوےٰ و عفت و غرض اولاد ہے لہذا چونکہ تمام بنی آدم کی قوت یکساں نہیں ہوتی اسلئے خدا نے انکی طاقتوں و قوتوں کے مناسب حال انکے لئے اسباب فراہم کیئے ہیں۔ جن اشخاص کو ہیجان و توقان شہوت زیادہ ہو انکی حفاظتِ عصمت کے لیئے ہر سال میں چار عورتیں نوبت بنوبت انکے پاس ہونی چاہئیں اور ایسے آدمیوں کے لئے یہ عدد عین قانون قدرت کے مطابق ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایسا آدمی جب کسی ایک عورت کو نکاح میں لائیگا تو کم از کم یہ عورت اُسکے لئے تین ماہ تک کافی ہے کیونکہ حمل کی شناخت کم از کم تین ماہ تک مقرر ہے۔ پس اگر اس میعاد میں اس عورت کو حمل ٹھہر جائے تو ایسے ہیجان و جوش شہوت والا آدمی اگر اس عورت سے صحبت کرے گا تو جنین پر بُرا اثر پڑے گا اور حمل گر جانیکا اندیشہ ہے لہذا اس عورت کو آرام دیوے اور اس سے صحبت ترک کرکے دوسری عورت نکاح میں لائیگا۔ اگر دوسری عورت کو بھی تین ماہ تک قرار حمل ہوجاوے تو اس سے بھی صحبت ترک کرنی پڑے گی کیونکہ اس سے اسقاط حمل کا اندیشہ ہے اور والدین کے شہوانی جوش جنین پر بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ یہ چھ ماہ ہوئے۔ اب تیسری عورت سے نکاح کریگا۔ اگر تیسری عورت کو بھی حمل ہوگیا تو اب اس سے بھی اسکو صحبت ترک کرنی پڑے گی۔ یہ نو ماہ ہوئے اب پہلی عورت کا وضع حمل ہوجائیگا مگر وہ غالباً تین ماہ تک قابل صحبت نہیں ہوسکتی۔ لہذا اسکو چوتھی عورت نکاح میں لانی پڑے گی۔ اب چوتھی عورت کے حمل کی شناخت بھی تین ماہ تک مقرر ہے۔ یہ ایک سال ہوا۔ اور اس اثنا میں پہلی عورت جسکو وضع حمل سے تین ماہ گذر چکے ہیں تعلقات زناشوئی کے لئے تیار ہوجائے گی۔ اسطرح وضع حمل کے بعد ہر ایک نوبت بنوبت اُسکے لئے مہیا ہوگی۔ پس یہ تعداد ہر ایک قوی الشہوت انسان کے لئے کافی اور عین قانون قدرت و فطرت کے مطابق ہے۔ اور اسپر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالےٰ نے جو قرآن کریم میں دو دو تین تین چار چار تک فرمایا ہے اسمیں یہ اشارہ ہے کہ بعض آدمیوں کے لئے ہر سال میں دو ہی عورتیں کافی ہوسکتی ہیں کیونکہ بعض عورات کو اولاد نہیں ہوتی یا دیر سے حمل ٹھہرتا ہے۔ اور بعض کے لئے سال میں تین ہی کافی ہوتی ہیں اور بعض کو

چار تک کی ضرورت پڑتی ہے۔

حاملہ کے ساتھ منع صحبت کی وجہ ایک تو اندیشہ اسقاط حمل ہے۔ دوسرا اُس حمل سے جو اولاد ہوگی اُسکے اخلاق و اطوار میں والدین کے شہوانی جوش مرکوز ہوکر بد اخلاقی پیدا کرینگے کیونکہ جوش شہوت کا اثر جنین پر بالضرور پڑتا ہے۔ اور وہ طبع میں فطری ہو جاتا ہے۔ طبی قاعدہ کے رو سے اسپر اعتراض ہو سکتا ہے کہ دودھ پلانے والی سے صحبت کرنی بچہ کے لئے مضر ہے لیکن اطبائنے اس امر کی اصلاح بعض ادویہ کے ساتھ بتائی ہے لہذا یہ امر بھی قادح نہ رہا۔

(۲) ضرور تھا کہ ایک خاص حد بیویاں کرنے کی مقرر ہوتی ورنہ اگر حد مقرر نہ ہوتی تو لوگ حد اعتدال سے نکلکر صدہا تک بیویاں کرنے میں نوبت پہونچاتے اور اُنپر اور اپنی جانوں پر اسطرح کرنے سے ظلم اور بے اعتدالیاں کرتے۔

(۳) چار عورات تک مرد کے لئے محدود ہونے کی وجہ آدمی کے مزاج طبیعت اور اُسکے چار ارکان اور سال کے چار فصول کے لحاظ پر ہے۔ کیونکہ جس انسان کی توقان شہوت اپنے کمال کو ہوگی وہ اپنے ارکان اربعہ و قدرتی فصول اربعہ کے عدد سے متجاوز نہ ہوگی جسکے لئے چار کا عدد رکھا گیا۔

(۴) چار سے زیادہ بیاں کرنا اسلئے منع ہوا کہ زیادہ بیویاں کرنے سے لوگ بیویوں کے حقوق کو کما حقہٗ بجا نہ لائینگے اور اسطرح سے اُنپر جور وجفا و ظلم ہوگا۔

(۵) مرد کے لئے چار عورات تک محدود ہونیکے وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ جب ایک قوی الشہوت مرد کی چار عورتیں ہوں تو اسکو لازم ٹھرایا گیا کہ وہ ہر تیسرے دن کے بعد انمیں سے ایک کے پاس شب باشی کرے۔ اور ایک شب سے کم میں نوبت کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور ایسے وقت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے کسی کے پاس شب باشی کی۔ اور تین کثرت یعنی جمع کی پہلی حد ہے اور چار اسکی زیادتی ہے۔ الغرض تین کا وہ پہلا عدد ہے جس سے جمع کا مرتبہ شروع ہوتا ہے۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین کے عدد کے ساتھ بہت سے احکام معلق فرمائے ہیں۔ مہاجر کے لئے جائز رکھا کہ حج کرنیکے بعد مکہ میں تین دن رہے اور مسافر کے لئے مباح کیا گیا کہ موزہ پر تین دن رات مسح کرے اور لازم مہمانی کی حد تین دن تک ٹھرائی گئی اور عورت کے لئے مباح کیا گیا کہ اپنے شوہر کے سوا والدین وغیرہ اقربا کا تین دن سوگ رکھے اور سوکن پر رحم ہوا کہ اُس سے اسکے شوہر کی جدائی تین دن تک ہو۔

علامہ شیخ حسین افندی جسر باشندہ ملک مصر مؤلف رسالہ حمیدیہ نے مرد کے لئے چار عورات تک محدود ہونے کی وجہ بیان کرنے میں سخت غلطی کی ہے۔ علامہ موصوف اپنے رسالہ حمیدیہ صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں وَكَانَ حَصْرُ التَّعَدُّدِ بِالْأَرْبَعِ لِمُقَابَلَةِ كُلِّ وَاحِدَةٍ بِنَوْعٍ مِنْ اَنْوَاعِ الْمَكَاسِبِ الَّتِيْ يَرْتَزِقُ مِنْهَا الْاِنْسَانُ وَيُنْفِقُ عَلٰى زَوْجَتِهٖ وَهِيَ التِّجَارَةُ وَالصِّنَاعَةُ وَالْفَلَاحَةُ وَالْاِمَارَةُ وَقَدْ تَكُوْنُ اِحْدٰهَا وَافِرَةً فَتَقُوْمُ مَقَامَ الْبَقِيَّةِ۔ ترجمہ یعنے عورات کا مرد کے لئے چار تک محدود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہر عورت کے مقابلہ میں انواع مکاسب میں سے ایک نوع کسب کے ہونے کے لئے ہے جنسے انسان روزی کماتا اور اپنی بیوی پر خرچ کرتا ہے۔ اور مکاسب یہ ہیں۔ صناعت۔ زمینداری۔ تجارت۔ امارت۔ اور کبھی ان پیشوں میں سے ایک ہی وافر ہوتا ہے۔ پس وہ باقیوں کے قایم مقام ہو جاتا ہے جس سے مرد کی چاروں بیویوں کی گذران ہو سکتی ہے۔

ہم کہتے ہیں علامہ موصوف کی یہ فلاسفی ایسی ہے جیسا کہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است ٭ تو معتقد آنی کہ زیستن از برائے خوردن است۔

واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں نکاح کی علت غائی حفظ تقویٰ و عفت و غرض اولاد بیان فرمائی ہے مگر علامہ موصوف کے مضمون مذکور کو نکاح کی علت غائی سے بہت ہی بُعد واقع ہے۔

اعمال و احکام شریعت میں تقرری اعداد کی حکمت

ہر چیز کی تین حدیں مقرر ہیں قلیل۔ وسط۔ کثیر۔ یعنے ابتدا۔ درمیان۔ انتہا۔ جمع قلیل کی ابتدا تین سے شروع ہوکر نو پر ختم ہو جاتی ہے۔ اور جمع کثیر کی ابتدا دس سے شروع ہوکر ہزارہا تک پہونچتی ہے۔ شریعت میں بعض اعمال ایسے ہیں کہ اگر جمع قلیل کی ابتدائی حد سے اُن میں تجاوز کیا جائے تو عامل کو اس سے یا تو ملال خاطر لاحق ہوتا یا وہ عمل ہی حکمت تشریع سے خارج ہوکر فاسد ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے نور نبوی نے اکثر اعمال کے لئے جمع قلیل کا ابتدائی عدد تین اختیار فرمایا ہے جو وسط کی ابتدا اور اعمال کے خاتمہ و تکمیل پر دال ہے اور خیر الامور اوسطہا میں داخل ہے۔ وجہ یہ کہ تین کا عدد واحد و تثنیہ کی حد سے نکلکر جمع پر پہونچا ہے جو تکمیل اعمال پر دال ہے۔ اسی حکمت پر مسح موزہ مسافر کے لئے تین دن رات کی حد ہوئی۔ اعضاء وضو کو تین بار

وسہو نا ٹھہرا۔ رکوع وسجود میں تسبیح مسنونہ کی حد تین بار ہوئی۔ جسکے چار عورتیں ہوں اسکو ہر عورت کے پاس بشرط صحت جانبین ہر تیسرے دن کے بعد شب باشی کا حکم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی بہت سے اعمال ہیں جنکی تکمیل تین پر آکر ہوتی ہے۔

احکام الٰہی میں چار جو جمع قلیل کا دوسرا عدد ہے نمو و ترقی مدارج پر دال ہے۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی تحدید کا عدد اپنے نبی کی ازواج کے عدد سے نصف یعنے چار مقرر ہونا اس امر پر دال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے فیوض کا دروازہ اپنی امت کے لئے قیامت تک کھلا ہے۔ اسمیں امت کو استفادہ واستفاضہ روحانی کی امید دلائی گئی ہے۔ اگر امت کی ازواج کی تحدید کا عدد تین مقرر ہوتا تو یہ بات اس امت کی خیر متعدی پر دال نہ ہوتی کیونکہ تین اعمال کے اختتام کی آخری حد ہے اور چار نمو و ترقی کا ابتدائی عدد ہے جو خیرات متعدیہ وفیوض جاریہ پر دال ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ امت بہترین امم ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی تحدید کے لئے جمع قلیل کا آخری عدد نو مقرر ہونا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت شان وبعد مرتبہ و آخری کمالات انسانی کے پہونچنے پر دال ہے اور نیز اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بعد ایسا کوئی شخص آنے والا نہیں ہے جسکا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فوق ہو۔ کیونکہ یہ عدد اسبات پر دال ہے کہ آپ تمام کمالات انسانی کے جامع اور خاتم الانبیاء تھے۔ اگر آپ کی ازواج کا آخری تحدیدی عدد دس یا اس سے اوپر ہوتا تو اسمیں یہ حکمت امت کے لئے مفقود ہوتی۔ کیونکہ اعشار کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

احکام الٰہی کی حکمتوں میں تعدد کی وجوہات

جبکہ اسبات کا تجربہ ہو چکا۔ اور یہ امر مسلم شدہ ہے کہ ایک ایک دوا صدہا امراض کے لئے کافی ہوتی ہے تو پھر یہ امر کیونکر ناممکن شمار ہو سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے احکام کی حکمتوں میں تعدد نہ ہو۔ پس جیسا کہ خدا تعالےٰ کی پیدا کردہ ادویہ کے خواص میں تعدد ہے ایسا ہی اُسکے احکام کی مصلحتوں وحکمتوں میں تعدد ہے۔

وجہ تعدد ازواج

(۱) التقویٰ۔ (۲) حفظ التقویٰ۔ (۳) عدم موافقت ہے۔ اور طلاق کا موقع نہیں (۴) عقم

(۵) عقم اور اسیر رضاع کی مدت دراز اور علاوہ براں مرد تاسلی مزاج ہے (۶) کثرت تولد بنات بعض بلاد وخاندانوں میں (۷) پولیٹیکل مصالح اور سیاست کیضرورت (۸) عورتیں غالباً پچاس برس کے بعد قابل نسل نہیں رہتیں بخلاف مردوں کے کہ وہ نوّے برس تک ہمارے ملک میں قابل ہیں (۹) قدرتاً مرد انسانی نسل میں جوڑا پیدا نہیں ہوتے (۱۰) مشاہدہ کثرت زنا جن بلاد میں تعدد ازواج جائز نہیں (۱۱) وقوع قتل ازواج ایسے بلاد میں بقرورت نجت کسی اور سے (۱۲) عورتوں کو ممکن نہیں کہ یکحال میں مرد کے لئے کئی لڑکے جن دیں اور مردوں کو ممکن (قدرت نے توالد وتناسل میں عورت کو بہ نسبت مرد کے بہت بوجھ رکھا ہے اور اولاد کے منافع میں قریباً دونوں شریک ہیں۔

مندرجہ بالا اسباب ہیں جو تعدد ازواج کی ضرورت کو بیان کرتے ہیں

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہ نسبت اپنی امت کے زیادہ بیبیاں کرنے کی وجہ

(۱) خدا تعالےٰ فرماتا ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ترجمہ۔ یعنے پس نکاح کرلو جو تمکو پسند ہو عورتوں سے دو دو تین تین اور چار چار۔ اس آیت کے نزول سے پہلے کئی صحابہ کرام ونبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی چار سے زیادہ عورات نکاح میں لاچکے تھے۔ کیونکہ اس سے پہلے اہل عرب میں تزویج عورات کی کوئی شرعی تحدید معین ومقرر نہ تھی اور انبیاء علیہم السلام اپنی طرف سے کوئی امر ونہی کسی کام کے متعلق پسند نہیں کرتے جب تک اُنکے لئے حکم الٰہی نازل نہ ہو۔ جب یہ آیت اُتری تو صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باعلام الٰہی فرمایا اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ یعنے چار رکھو اور باقی سب کو چھوڑ دو اور آپکو اپنی موجودہ بیویوں کے متعلق حکم الٰہی ہوا کہ انکو طلاق مت دو۔ بلکہ انکو اپنے پاس رہنے دو۔ اور آئیندہ کبھی عورت سے نکاح نہ کرو۔ کیونکہ جبکہ امت کو اُن عورات سے بوجہ شرافت وکرامت وعظمت نبی نکاح کرنا حرام ہوا تو انکا نبی سے علیحدہ ہونا اُنکے لئے سخت مشکلات کا پیش ہونا تھا۔

(۲) انبیاء کا یہ خاصہ ہے کہ جبتک حکم الٰہی نہ پہونچے وہ خواہ مخواہ کسی چیز کو حلال

یا حرام نہیں ٹھہراتے اور نہ اس میں وہ دخل دیتے ہیں۔ چونکہ اہل عرب میں قبل از بعثت نبوی تحدید ازدواج کا کوئی قانون مقرر نہ تھا لہذا اُسی رواج کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بلا تعین تعداد کئی عورات کو اپنے نکاح میں لا چکے تھے۔ جب تحدید ازدواج کا حکم الہٰی نازل ہوا تو صحابہ کرام کو چار کے سوا باقی عورات کو چھوڑ دینے کا حکم ہوا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ امر ہوا کہ جسقدر عورات نکاح میں لا چکے ہو انکو اپنے نکاح میں رہنے دو اور آئیندہ کسی عورت کو نکاح میں نہ لاؤ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اسلئے عورات کو طلاق دینے سے روکا گیا کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عورات کو طلاق دیتے تو جن دینی اغراض کے لئے انکو نکاح میں لائے تھے وہ مفقود ہو جاتیں۔ دوسرا یہ کہ اپنے نبی کی مطلقہ عورت سے کوئی امتی شخص نکاح کرتا تو اس سے حقارت نبی متصور ہوتی۔ اور عظمتِ نبی کا خیال اُسکے دل سے مفقود ہو جاتا اور یہ امر تابع نبی کے لئے سخت مضر ترین امور سے ہے اور اگر طلاق کا حکم تو نافذ ہو جاتا مگر اُس مطلقہ کو نکاح میں لانے سے ممانعت ہوتی تو اُس عورت کی پرورش اور خبر گیری کرنے والا کوئی نہ ہوتا لہذا خدا نے اس باب کو ہی مسدود بنا دیا۔

الغرض نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زیادہ بیویاں کرنا اس غرض سے نہ تھا جیسے کہ ہمارے مخالف آریہ و عیسائی اعتراض کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کا یہ کام انسانی ہمدردی و مصلحت الہٰی سے تھا۔ ؎

کارِ پاکاں بر بداں کردن قیاس — کار ناپاکاں بود لے بد حواس
خود مخور کن آں یکی زندانی است — واں دگر داروغہ سلطانی است
گرچہ در کلیجاست ہر دو را قرار — لیک فرقے ہست در دو آشکار
کاملاں کز شوق دلبر مے روند — با دو صد بارے سبکتر مے روند
ایں کمال آمد کہ با فرزند و زن — از ہمہ فرزند و زن یکسو شدن
در جہان و باز بیروں از جہاں — بس ہمیں آمد نشانِ کاملاں
فانیاں را مانعے از یار نیست — بچہ و زن بر سر شاں بار نیست
با دو صد زنجیر سوئے پیش یار — خار با او گل۔ گل اندر ہجر خار
تو بیک خارے بر آری صد فغاں — عاشقاں خنداں بپیشِ جاں فشاں

(۳) انبیاء کے لئے بعض ایسی خصوصیتیں ہیں جنہیں اوروں کو اشتراک نہیں ہے۔ انبیاء کو بعض صفات قدسیہ و آسمانی نسبتیں و قوتیں ایسی عطا ہوتی ہیں کہ وہ اوروں کو نہیں دیجاتی ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بسا اوقات بہ نفسِ نفیس خود بعض ایسے اعمال بجالاتے تھے کہ جنکی بنا تقویٰ و طہارت پر تھی اور انکا اپنی امت کو حکم نہیں دیا کرتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسبات سے مامون تھے کہ کسی شے کو بے محل و بے موقعہ استعمال کریں یا جس حد تک اُن اعمال کو عمل میں لانیکا حکم دیا گیا ہے اُس سے بڑھکر ملال خاطر اور ضعف جسمانی کی نوبت پہونچے اور بجز آپ کے کوئی شخص اس بات سے مامون نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم امت کو چار بیویوں سے زیادہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔ چنانچہ فرمایا اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ ترجمہ۔ یعنے چار عورتیں اپنے پاس منکوحہ رکھ لو اور باقی سب کو چھوڑ دو۔

(۴) جیسا کہ آپ بنی آدم کے مردوں کے لئے رسول تھے ایسا ہی عورتوں کے بھی رسول تھے لہذا ضروری تھا کہ کچھ عورتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دائمی صحبت میں رہکر آنحضرت سے تعلیم پاکر دوسری عورات تک تعلیم و تبلیغ اسلام کریں۔ سو اسی غرض کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہ نسبت اپنی امت کے زیادہ بیویاں کی ہیں۔

(۵) آپکی جسمانی و روحانی قوت بہ نسبت اوروں کے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ آپ صوم وصال یعنے روزہ پر روزہ رکھ لیا کرتے تھے مگر امت کو اس سے منع فرمایا۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہو فرمایا تم میں مجھسا کون آدمی ہے اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ۔ ترجمہ۔ یعنے میں اپنے پروردگار کے پاس شب باش ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

(۶) آپ پر نماز تہجد واجب تھی اور کسی پر واجب نہ ہوئی بلکہ مستحب ہے۔

(۷) آپ ریاضات و مجاہدات میں تمام امت سے بڑھے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیتیں آپ کی مخصوص کثرت ازدواجی پر دلالت کرتی ہیں جنکی بنا تقویٰ و طہارت و تبلیغ اسلام و انسانی ہمدردی پر ہے۔

(۸) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کے متعلق بڑی غلط فہمی عیسائیوں وغیرہ میں ہے۔ آپ کے نکاح جنکی اصل غرض یا تو محض ہمدردی اور رحم تھا اور یا مختلف قوموں کو

ایک کرنا اور جنہیں علاوہ انکے اور کئی ملکی مصالح اور دینی اغراض تھیں۔ ہمارے مخالفین انکی بنا نفسانی خواہشات بتاتے ہیں۔ (نعوذباللہ) تاریخ شاہد ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ برس کی عمر میں نکاح کیا تو آپ عفت اور پرہیزگاری میں تمام عرب میں مشہور تھے پھر اسکے بعد ۲۵ سال تک یعنے جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا زندہ رہیں آپ نے دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا حالانکہ عرب میں تعدد ازواج کی رسم بلا قید کسی شرط کے مروج تھی ان لوگوں کا جو ناحق نیک افعال میں بد اغراض تلاش کرتے ہیں یہ فرض ہے کہ وہ اسکا سبب بھی تلاش کریں کہ کیوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۵۰ سال کی عمر تک جب آپ بوڑھے ہو چکے تھے ایک سے زیادہ بیوی سے نکاح نہ کیا۔ اگر نفسانی خواہشات کسی وقت ایک شخص کے دل پر غلبہ پاسکتی ہیں تو وہ جوانی کا وقت ہوتا ہے جب جذبات جوانی جوش میں ہوتے ہیں مگر اس جوانی کے وقت میں آپ نے ایک بی بی پر ایسا اکتفا کیا کہ جس وقت قریش نے جمع ہوکر آپ کو یہ کہا کہ آپ بت پرستی کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور خوبصورت سے خوبصورت عورتیں آپ سے نکاح کرنیکے لئے حاضر کرتے ہیں تو آپ نے کچھ بھی پرواہ نہ کی بلکہ یہی کہا کہ اگر سورج کو میرے دائیں اور چاند کو بائیں ہاتھ رکھدیا جائے تو بھی میں اس تبلیغ کو نہیں چھوڑ سکتا جس پر اللہ تعالےٰ نے مجھے مامور کیا ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ نفسانی خواہشات کے غلبہ کا وقت جوانی کا وقت ہے چونکہ آپ کے اس زمانہ کی نسبت آپ کے سخت ترین دشمنوں کو بھی اقرار ہے کہ آپ اسوقت طہارت پاکیزگی اور عفت کا نمونہ تھے اسلئے یہ الزام کہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنیکے لئے آپ نے شادیاں کیں آپ کی ذات عصمت مآب پر سخت بہتان ہے۔

(۹) (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانے اور آخری زمانے میں بڑا بھاری تغیر واقع ہوچکا تھا۔ ابتدائی سالوں میں جب مکہ میں آپ نے تبلیغ شروع کی تو اگرچہ کفار کیطرف سے مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ اور اذیتیں پہونچتی تھیں مگر رشتہ داری کے تعلق بکلی منقطع نہیں ہوچکے تھے خصوصاً ایسے لوگ جو ذی وجاہت تھے وہ نسبتاً کفار کے حملوں سے محفوظ تھے اور ان سے تعلقات بھی رکھتے تھے چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لڑکی ایک کافر سے بیاہی ہوئی تھی اور حضرت ابوبکرؓ کی لڑکی عائشہؓ کی منگنی بھی ایک کافر کے لڑکے جبیر بن مطعم سے ہوئی تھی مگر مطعم نے بدیں وجہ انکار کیا کہ اس تعلق سے خوف ہے کہ لڑکا نئے دین میں چلا جائیگا اسکے بعد ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا

اگرچہ ابتدا میں ایسے تعلقات تھے مگر آہستہ آہستہ یہ تعلقات بالکل منقطع ہوچکے تھے اور کسی مسلمان عورت کا کفار کے ہاتھ پڑجانا اسکے لئے ہلاکت کا موجب تھا۔ بجز آپ کی ہجرت سے رہے سہے تعلقات بھی کٹ گئے پس مسلمان لڑکیوں یا بیوہ عورتوں کے لئے ضروری تھا کہ مسلمان خاوند ہی ہوں۔ ان واقعات کو مدنظر رکھکر ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کو دیکھنا ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہیں کہ سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آپکی ساری بیویاں بیوہ عورتیں تھیں۔ انکو ہم الگ الگ جماعتوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ اول وہ عورتیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کے ساتھ حبش یا مدینہ کیطرف ہجرت کی تھی۔ اور دوسری وہ عورتیں جو کسی قوم کے سردار کی لڑکیاں یا بیوہ تھیں اور جنکے خاوند لڑائیوں میں مارے گئے۔ انکا ذکر ہم اس ترتیب سے کرتے ہیں جس ترتیب سے انکے نکاح ہوئے۔

ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپ نے ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ سودہ اور اسکا خاوند ابتدا ہی میں ہجرت کرکے حبش کو چلے گئے تھے اور اسجگہ وہ بیوہ ہوگئیں۔ واپس آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا۔

اسکے بعد ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے آپکا نکاح ہوا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لڑکی تھیں۔ انھوں نے بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کی۔ جب آپ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر نے پہلے حضرت عثمانؓ کو اور پھر حضرت ابوبکرؓ کو آپ سے نکاح کرنے کے لئے کہا مگر ان دونوں نے انکار کیا اسکے بعد آپکا نکاح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا حضرت عمرؓ کا خود حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکر کو کہنا صاف بتاتا ہے کہ مسلمانوں کو کسقدر مشکلات تھیں۔

اسکے بعد ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ہیں وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ اس پہلے گروہ میں شامل تھیں جو سب سے اول کفار کے ظلم سے تنگ آکر حبش کو ہجرت کرگیا ام سلمہ کے خاوند کی موت کا موجب ایک زخم ہوا جو انکو ایک لڑائی میں لگا تھا۔

ام سلمہ کے بعد ام حبیبہ سے آپ نے نکاح کیا۔ یہ قریش کے مشہور سردار ابوسفیان کی لڑکی تھیں۔ آپ مع اپنے خاوند کے اس دوسرے گروہ میں شامل تھیں جو ہجرت کرکے حبش کو چلا گیا تھا۔ وہاں انکا خاوند عیسائی ہوگیا اور تھوڑی دیر بعد مرگیا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

اسکے بعد آپکا نکاح ام المومنین زینب بنت جحش سے ہوا۔ ان کو زید بن حارثہ نے بوجہ عدم اتفاق طلاق دیدی تھی اسکے بعد آنحضرت کے نکاح میں آئیں

اسکے بعد ام المومنین زینب سے نکاح ہوا جو ام المساکین کے نام سے مشہور تھیں۔ آپ کا خاوند احد کی جنگ میں شہید ہو گیا تھا آپ خود بھی نکاح سے دو تین ماہ بعد ہی فوت ہو گئیں

ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالے عنہا بھی مہاجرات میں سے تھیں اور بیوہ ہونیکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

اب اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسقدر عورتیں آپ کے ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں وہ سب کی سب ایسی تھیں جو ابتدا میں ہی مسلمان ہوئی تھیں اور آخر کفار کے ہاتھ سے طرح طرح کے دکھ اُٹھا کر جلا وطنی اختیار کر کے دوسرے ملکوں میں اُنہوں نے پناہ لی۔ وہ سب کی سب قریش کے شریف خاندانوں سے تھیں۔ ایک طرف تو وہ اپنے گھر بار کو چھوڑ چکی تھیں اور اپنی جائداد اور آسائش کو قربان کر کے صرف دین کی خاطر جلا وطنی قبول کی تھی۔ اب دوسری مصیبت یہ آپڑی کہ انکے خاوند جو محنت مشقت کر کے انکو کھلاتے تھے وہ بھی مر گئے یا جنگوں میں شہید ہو گئے۔ اس بیکسی کی حالت میں انکی تکالیف کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ کیا جائز تھا کہ ان عورتوں کو کفار کی طرف واپس بھیجدیا جاتا تاکہ وہ طرح طرح کے دکھ دیکر انکو مار ڈالتے۔ یا کیا یہ درست تھا کہ انکو بغیر خبر گیری کے چھوڑ دیا جاتا تا وہ خستہ حال ہو کر تباہ ہو جاتیں۔ نہیں نہیں اسلام یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے مذہب اور دین کی خاطر طرح طرح کے دکھ اُٹھائے تھے یوں ذلت اور کس مپرسی کی حالت میں تباہ ہونے کے لئے چھوڑ دیا جاتا یا خود اپنے ہاتھوں سے دشمنوں کے حوالے کر دیا جاتا کہ جو ظلم چاہیں ان پر کریں۔ انکی اس بیکسی کی حالت پر رحم کھا کر ہی اس رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنے ازواج مطہرات ہونے کا شرف بخشا تا جس عزت کو انھوں نے گھر بار چھوڑ کر دین کی خاطر چھوڑا تھا اس سے بھی وہ چند عزت انکو اس دنیا میں دیجاوے۔

ام المومنین جویریہ اور ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالے عنہما ان عورتوں میں سے تھیں جو قوم کے سرداروں کی لڑکیاں تھیں اور جنگوں میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ ان میں سے اول الذکر ایک کافر کی بیوہ تھیں جو لڑائی میں مارا گیا۔ مال غنیمت میں وہ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ ثابت نے بہت سا روپیہ رہا کرنیکے معاوضہ میں اُن سے

مانگا جسے وہ دے نہ سکتی تھیں۔ چنانچہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور سارا قصہ آنحضرت کے روبرو بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ میں اپنی قوم کے سردار کی لڑکی ہوں پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اپنی قوم میں واپس جائے تا کوئی اور فساد نہ ہو۔ اور خود روپیہ دیکر آپ اس سے نکاح کر لیا۔ کیونکہ عربوں کی غیرت یہ برداشت نہ کر سکتی تھی کہ ایک رئیس کی لڑکی ہو کر کسی کم درجہ کے آدمی کے نکاح میں جاوے؛

ام المومنین صفیہ خیبر کی لڑائی میں ہاتھ آئی تھیں۔ پہلے دحیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیدی عورتوں میں سے ایک مجھے دیجائے جسپر آپ نے اسکو کہا جسے چاہو لو اس نے صفیہ کو چنا۔ مگر لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ ایک سردار کی لڑکی ہے اور مناسب نہیں کہ آپ کے سوا کسی دوسرے کے قبضہ میں آئے یا نکاح کرے۔

اسپر آپ نے اس سے نکاح کیا۔

ان آخری دونوں نکاحوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ تا اس ایک تعلق سے وہ کلی کی کل قوم فساد سے رک جاوے۔ اور اسطرح وہ قومیں جنکی عمریں جنگوں میں گذرتی ہیں ایک ہو جائیں۔ یہ امر کہ اس ذریعہ سے آپ نے پوری پوری کامیابی حاصل کی ایسا بدیہی اور صاف ہے کہ جسکے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔

اغراض اولاد

اگرچہ اس دار الابتلا میں خدا تعالے نے اولاد کو بھی فتنہ میں ہی داخل رکھا ہے جیسا کہ اموال کو لیکن اگر کوئی شخص صحت نیت کی بنا پر محض اس غرض سے اور سراسر وجد اور فکر سے طالب اولاد ہو کہ تا اسکے بعد اسکی ذریت میں سے کوئی خادم دین پیدا ہو جسکے وجود سے اُسکے باپ کو بھی دوبارہ ثواب آخرت کا حصہ ملے تو خاص اس نیت اور اس جوش سے اولاد کا خواہشمند ہونا نہ صرف جائز بلکہ اعلی درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہے جیسا کہ اس خواہش کی تحریک اس آیت کریمہ میں بھی پائی جاتی ہے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ اِمَامًا۔ یعنے اے خدا ہمکو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ لیکن سچ سچ اور واقعی طور پر بھی جوش پیدا ہونا۔ اور اس للٰہی جوش کی بنا پر اولاد کا خواہشمند ہونا اُن ابرار اور اخیار اور اتقیاء کا کام ہے جو اپنے اعمال خیر کے آثار باقیہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتے ہیں۔

ابنائے روزگار کی رسم اور عادت کے طور پر خواہشمند اولاد ہونا اور یہ خیال رکھنا کہ ہماری موت فوت کے بعد ہماری اولاد وارث بنے اور نشرکار ہماری جائداد کے قابض نہ ہونے پائیں بلکہ ہمارے بیٹے ہمارے ترکہ پر قبضہ کریں اور شریکوں سے لڑتے جھگڑتے رہیں اور ہمارے مرنے کے بعد دنیا میں ہماری یادگار رہ جائے۔ یہ خیال سراسر شرک اور فساد اور سخت معصیت سے بھرا ہوا ہے جبتک یہ خیال دل سے باہر نہ ہوئے کوئی شخص سچا موحد اور سچا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ ہمیں ہر روز خداتعالےٰ کیطرف قدم بڑھانا چاہیئے اور جن امور کو وہ فتنہ قرار دیوے بغیر تحقیق صحت نیت کے انکو اپنی درخواست سے اپنے اوپر نازل نہیں کرانا چاہیئے۔ جو شخص خداتعالےٰ کے لئے ہوجاتا ہے وہ اسکے اندرونی پاک جوشوں اور مظہر جذبات کو خوب جانتا ہے بلکہ درحقیقت پاک دل انسان کے اندرونی جوش اُسکیطرف سے ہوتے ہیں اور پھر وہ انہی کو پورا بھی کردیتا ہے جس وقت دیکھتا ہے کہ ایک الٰہی حالت کا آدمی اُسکے دین کی خدمت کے لئے اپنا کوئی وارث چاہتا ہے تو اللہ تعالےٰ ضرور اسکو کوئی وارث عنایت کرتا ہے اُسکی دعائیں پہلے ہی سے قبول شدہ کے حکم میں ہوتی ہیں۔

الغرض طلب اولاد محض خدمت دین کے لئے چاہیئے ورنہ جو شخص محض دنیاوی لالچ کے لئے طالب اولاد ہو وہ طالب فتنہ ہے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتا ہے۔ "درویشے زنے حاملہ داشت۔ مدت حمل او بسر آمد۔ درویش را ہمہ عمر فرزند نیامدہ بود۔ گفت اگر خدائے عزوجل مرا پسرے بخشد جز ایں خرقہ کہ در بر دارم ہرچہ در ملک من است ایثار درویشاں کنم۔ اتفاقاً زنش پسر آورد۔ درویش شادمانی کرد و سفرہ یاراں بموجب شرط نہاد۔ پس از چند سال کہ از سفر شام باز آمدم بمحلت آں درویش بگذشتم و چگونگی حالش پرسیدم۔ گفتند پسر خمر خوردہ است و عربدہ کردہ و خون کسے ریختہ و از شہر گریختہ۔ پدر را بعلت آں سلسلہ در نائے و بند بر پائے نہادہ اند۔ گفتم ایں بلارا بدعا از خدا خواستہ است۔ ترجمہ۔ ایک فقیر کی بیوی امیدوار تھی اور اُسکے ایام امید قریب الاختتام تھے۔ فقیر کے اس ساری عمر میں کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا۔ کہا اگر خداتعالےٰ مجھے بیٹا عطا کرے تو اس گودڑی کے سوا جو میں نے پہنی ہے جو کچھ میری ملکیت میں ہے فقیروں کو بخشدونگا اتفاقاً اسکی بیوی کو لڑکا تولد ہوا۔ فقیر نے خوشی کی اور جیسا کہ شرط کی تھی دوستوں اور یاروں کے لئے دعوت کا دستر خوان بچھایا۔ چند سال کے بعد جبکہ میں سفر شام سے واپس آیا تو اُس فقیر کے گھر میں سے گذر ہوا اور اسکا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ حوالات میں محبوس ہے میں

پوچھا کہ کس باعث سے محبوس ہوا۔ لوگوں نے بتایا کہ اُسکے بیٹے نے شراب پی کر جنگ کیا اور کسیکو مار ڈالا اور شہر سے بھاگ گیا ہے باپ کو اس سبب سے گردن اور پاؤں میں زنجیر ڈالا گیا ہے میں نے کہا اس بلا کو اس نے خداتعالےٰ سے مانگ کر لیا ہے۔

نکاح میں تعیین مہر کا راز

(۱) نکاح میں یہ بات متعین ہوئی کہ مہر مقرر کیا جاوے تاکہ خاوند کو اس نظم و جوڑ کے توڑنے میں مال کے نقصان کا خطرہ لگا رہے اور نیز ایسی ضرورت کے جسکے بغیر اسکو چارہ نہ ہو اُسپر جرأت نہ کرسکے پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائداری ہے۔

(۲) نکاح کی عظمت بغیر مال کے جو شرمگاہ کے بدلہ ہوتا ہے ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ لوگوں کو جسقدر مال کی حرص ہے اور کسی چیز کی نہیں ہے۔ لہذا اُسی کے صرف کرنے سے ایک چیز کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوسکتا ہے۔ اور اُسکے مہتم بالشان ہونے سے والیوں کی آنکھیں اُس شخص کو اپنے لخت جگر کے مالک ہوتے ہوئے دیکھنے سے ٹھنڈی ہوسکتی ہیں۔

(۳) مہر کے سبب سے نکاح و زنا میں امتیاز ہوجاتا ہے چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔ ترجمہ یعنے بذریعہ اپنے مالوں کے تم اپنی عفت کی حفاظت کرنے والے بنو اور صرف مستی نکالنے والے نہ بنو یہی وجہ ہے کہ رسوم سلف میں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وجوب مہر کو بدستور باقی رکھا۔

مہر حسب حیثیت مقرر ہونیکی وجہ

جیسا کہ انسانوں کی دنیاوی حیثیتیں مختلف ہیں ایسے ہی اُنکے اخراجات وضروریات بھی متفاوت ہیں۔ اس امر کو مد نظر رکھکر شریعت اسلامیہ نے کوئی معین تعداد مہر کی مقرر نہیں کی۔ بلکہ مہر کی تعداد بمقدار حیثیت پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مہر مختلف تھے سب یکساں نہ تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ بڑے مہروں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر ایک بار جب ایک عورت نے کہا قِنْطَارًا یعنے ڈھیر جوڑے ہونے بھی اموال مہر ہوتو خداتعالےٰ نے نہیں روکا تو عمر رضی اللہ تعالےٰ کون روکنے والا ہے۔ اسپر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عمر کی

تو مدینہ کی عورتیں بھی افقہ ہیں۔ اُس عورت نے اس امر کا استنباط آیت ذیل سے کیا تھا وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ط اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ط ترجمہ یعنے اگر تم بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور تم دے چکے ہو ایک کو ڈھیر مال کا تو اُس میں سے کچھ مت لو۔ کیا تم اُس مال کو واپس لینا چاہتے ہو۔ یہ مال واپس لینا ناحق اور صریح گناہ ہے۔

بہر حال مہر حسب حیثیت ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ایک صحابی کو کہا کہ تیرے پاس کچھ ہے اُس نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اچھا لوہے کی انگوٹھی ہی لے آ۔ جب اس نے اس سے بھی انکار کیا اور کہا کہ صرف تہبند ہے تو اسکا مہر بما معک من القرآن مقرر ہوا۔ اسپر فقہا نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تیری قرآن دانی کے بدلے اور بعض کہتے ہیں قرآن کریم کی تعلیم دینے کے بدلے۔

بہر حال مہروں کا اندازہ انسان کے حالات پر ہوتا ہے چار سو درہم یا دو سو درہم یا پانچسو ٹکا سلطانی یہ کوئی شرعی حدود یا قیود نہیں ہیں۔ ہماری اس تقریر سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مہر کا مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مہر کا مقرر کرنا لازم اور واجب ہے اسکے بغیر نکاح ہی نہیں ہوتا۔

مہر دو قسم ہے۔ ایک معجّل یعنے جلدی کیا گیا یعنے مرد عورت کو جلدی ادا کر دیوے کیونکہ یہ دین ہے۔ اور در صورت عدم ادائے دین عاقبت میں سخت مواخذہ ہوگا۔ ہاں اگر عورت بخشدیوے تو البتہ برئت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ پہلے تو مرد ہی باعث سہل انگاری اور عدم تقاضا عورتوں کے مہر ادا نہیں کرتے۔ اور اگر کسی نے ہمت و نیت ادائے مہر کی کرلی تو عورتیں بوجہ خام خیالی کے اپنی زندگی میں مہر نہیں لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جو کوئی لے لیوگی وہ نکاح سے باہر جاوے گی، اور مرد قابو میں نہ رہیگا۔

دوسری قسم مہر کی موجّل ہے۔ یعنے مہلت و فرصت سے دیا گیا۔ اسکی کوئی حدود مقرر ہو یا جب استطاعت ہو تب مرد ادا کر دیوے۔

کیا لڑکی دینے والیکی خدمت لازم ہے

عقل و انصاف اس امر کے مقتضی ہیں کہ لڑکی دینے والے کے ساتھ حتی الامکان احسان کرنا چاہیے کیونکہ جو اپنے لخت جگر اور اپنے جسم کے ایک ٹکڑے کی پرورش کر کے پھر اسکو اپنے

الگ کر کے دوسرے کے حوالہ کر دیتے ہیں وہ مستحق ہیں کہ ناکح اُنکے ساتھ احسان اور مروت سے پیش آوے۔ مجھے ایسے لوگوں سے سخت تعجب آتا ہے جو کہتے ہیں کہ جہاں لڑکی بیاہی جاوے وہاں سے اُسکے والدین کو روٹی کھانی بھی حرام ہے۔ معلوم نہیں ایسے من گھڑے مسئلے کہاں سے نکل آتے ہیں۔ بلکہ قرآن کریم سے تو یہ ثابت ہے کہ اگر لڑکی دینے والا اپنے داماد سے خدمت کرانے تو داماد کو کرنی چاہیے اور اگر وہ کچھ اس امر کے بدلہ میں مانگے تو حرام نہیں ہے قال اللہ تعالیٰ حکایۃً عن شعیب علیہ السلام۔ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ۔ ترجمہ یعنے کہا شعیب علیہ السلام نے اے موسیٰ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک تجھکو اس شرط پر بیاہ دوں کہ تو آٹھ برس میری نوکری کرے پھر اگر تو اس نوکری کے دس برس پورے کرے تو یہ تیری طرف سے احسان ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف مالایطاق ڈالوں۔

یہ قصہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں اسی حکمت کے لئے بیان فرمایا ہے کہ یہ قابل عمل ہے قرآن کریم کا کوئی بیان قابل عبرت باتوں اور نصائح سے خالی نہیں ہے۔

تعیین ولیمہ کی وجہ

ولیمہ یعنے نکاح کے بعد جو عام لوگوں کو روٹی کھلائی جاتی ہے اسکی تقرری کی یہ وجہ ہے کہ بہت سی مصلحتیں ہیں۔

(۱) اس سے نکاح اور اسبات کی اشاعت اور شہرت ہوتی ہے کہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے یہ اشاعت ضروری ہے تاکہ نسب میں کسی کو وہم کرنے کی بھی گنجائش نہ ہو اور نکاح و زنا میں تمیز بادی الرائے میں معلوم ہو جاوے اور لوگوں کے سامنے اُس عورت کے ساتھ جائز تعلق متحقق ہو جاوے۔

(۲) اس سے بیوی اور اُسکے کنبے کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک پایا جاتا ہے کیونکہ اسکے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کا اسکے باب میں جمع کرنا اسبات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت اور عزت ہے اور میاں بیوی کے مابین اس قسم کے امور الفت قائم کرنیکے لیے خاصکر اُنکے اول اجتماع میں ضروری ہوتے ہیں۔

(۳) ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا۔ اظہار شکر و سرور و خوشی کا سبب ہے اور مال کے خرچ

کرنے پر آدمی کو آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کی پیروی کرنے سے سخاوت کی عادت و خصلت پیدا ہوتی اور بخل کی عادت جاتی رہتی ہے۔ اسکے علاوہ بہت سے فوائد ہیں پس چونکہ سیاست مدنیہ اور امور منزلیہ اور تہذیب نسل اور احسان کے متعلق کافی فوائد اور مصالح ولیمہ میں مودع ہیں اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکیطرف رغبت اور حرص دلائی اور خود بھی اسکو عمل میں لایا۔ اور جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی اسیطرح ولیمہ کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اوسط درجہ کی حد بکری ہے۔ اور آپ نے حضرت صفیہ کے ولیمہ میں لوگوں کو مالیدہ کھلایا تھا۔ اور آپ نے بعض اپنی بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے کیا ہے۔ اور فرمایا اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَۃِ فَلْیَاْتِھَا۔ ترجمہ یعنے جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی مسنون دعوت میں بلایا جاوے تو چلا آوے۔

نکاح و ولیمہ میں اباحت دف و راگ کی حکمت

راگ اور دف ولیمہ وغیرہ کے اندر تمام عرب و عجم کے لوگوں کی عادات اور خصلتوں میں داخل ہے کیونکہ یہ سرور اور خوشی کے حال کا اقتضا ہے اور اُن امور میں سے نہیں ہے جس سے دنیا و دین خراب ہو جاوے۔ ان چیزوں میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ جو رسوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے تمام ملک حجاز اور تمام آبادیوں میں فرح و سرور پیدا کرنے والے مروج تھے ان میں سے جو مخرب دنیا و عاقبت تھے انکو آنحضرت نے موقوف فرما کر اُن سے منع فرمایا اور جو مضر نہ تھے اُن سے درگذر کیا۔ لہذا فرمایا اِعْلَنُوا النِّکَاحَ وَاضْرِبُوْا عَلَیْہِ بِالدُّفِّ ترجمہ یعنے نکاح کا اعلان کرو اور اسپر دف بجاؤ۔

ولیمہ وغیرہ میں دف اظہار سرور کی غرض سے بجانا اور گانا مباح ہے بشرطیکہ گندے گیت نہ ہوں ورنہ حرام ہے۔ اور حدی جو اونٹوں کے اندر جولانی کی غرض سے پڑھی جاتی ہے وہ بھی مباح ہے کیونکہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے دنیا اور آخرت سے بے فکر ہو جائے بلکہ وہ ملال کو دور کرنے والی چیزیں ہیں۔ اور آلات جنگ سے بازی کرنا مثلاً تیر اندازی کرنا یا گھوڑے کا دوڑانا پلٹانا یا نیزہ بازی کرنا فی الحقیقت یہ چیزیں کھیل میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان سے مقصود شرعی حاصل ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آپکی مسجد میں ایک بار حبشیوں نے پٹہ کھیلا ہے خدا نے اشیاء کی حلت و حرمت کا یہ قاعدہ رکھا ہے کہ جو روح و جسم انسانی کے لئے مضر ہوں

وہ حرام ہیں اور جو مفید ہوں وہ حلال ہیں اور جو مضر و مفید دونوں نہ ہوں وہ مباح ہیں۔

نکاح میں تقرری گواہ و اعلان کی وجہ

سب انبیاء و ائمہ دین اسبات پر متفق ہیں کہ نکاح کو شہرت دیجائے تاکہ حاضرین کے سامنے اُس میں اور زنا میں تمیز ہو جائے۔ لہذا علاوہ ازیں اس امر کو مزید شہرت اور عروج دینے کو مدار منزلی قرار دینے کی ضرورت ہے کہ ولیمہ کیا جاوے اور لوگوں کو اسمیں دعوت دیجاوے دف بجا کر خوشی میں اسکا اظہار کیا جاوے۔ نسبتوں کی تقریب پر جو شکر وغیرہ بانٹتے ہیں دراصل اسی غرض کے لئے یہ امور ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو بھی خبر ہو جائے اور بعد میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

تعیین عقیقہ اور بچہ کا سر منڈانیکی وجہ

اہل عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جنکا رجوع مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ کیطرف تھا۔ اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو برقرار رکھا۔ خود بھی اسپر عمل کیا اور اوروں کو بھی اسکی ترغیب دی۔

(۱) منجملہ اُن مصلحتوں کے ایک یہ ہے کہ عقیقہ میں اولاد کی نسبت کی اشاعت ہوتی ہے

(۲) ازانجملہ سخاوت کے معنے اسمیں پائے جاتے ہیں

(۳) ازانجملہ ایک یہ ہے کہ نصاری میں جب کسیکے بچہ پیدا ہوتا تھا تو اسکو زرد پانی سے رنگا کرتے تھے اور اسکو معمودیہ کہتے تھے۔ یعنے بپتسمہ اور انکا قول تھا۔ کہ اسکے سبب سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے۔ اس نام کے ساتھ مشاکلت کے طور پر اللہ پاک نے صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً فرمایا۔ مناسب معلوم ہوا کہ ملت حنیفیہ یعنے دین محمدی میں بھی انکے اس فعل کے مقابل میں کوئی ایسا فعل پایا جائے جس فعل سے اُس فرزند کا حنیفی اور ملت ابراہیمی و اسمٰعیلی کا تابع ہونا معلوم ہو۔

(۴) جسقدر افعال حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما الصلوات والسلام کے ساتھ مختص تھے اور انکی اولاد میں چلے آتے ہیں انمیں سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کے ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر خدا تعالے کا اُسکے

فدیہ میں ذبح عظیم کے ساتھ انعام کرتا ہے اور ان دونوں شرائع میں سے زیادہ مشہور حج ہے جسکے اندر سر منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے۔ پس ان باتوں میں انکے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ملت حنیفی پر آگاہ کرنا اور اسبات سے اطلاع دینا ہوتا ہے کہ اس فرزند کے ساتھ اُس ملت کا برتاؤ کیا گیا۔

(۵) از انجملہ ایک یہ مصلحت ہے کہ اُسکے شروع ولادت میں اُسکے ساتھ یہ فعل کرنے سے اسکے خیال میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ گویا اس نے اپنے فرزند کو خدا کی راہ میں دیدیا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور اسمیں سلسلہ احسان اور نیازمندی و فرمانبرداری کو حرکت دینا ہے جیسا کہ صفا و مروہ کے مابین سعی کرنے میں بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاهْرِقُوا عَنْهُ دَمًا وَامِيْطُوا عَنْهُ الْاَذٰى ترجمہ۔ یعنے لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے پس اُسکیطرف سے خون بہاؤ اور اُسکیطرف سے اُسکے آزار کو دفع کرو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ ترجمہ یعنے لڑکا اپنے عقیقہ میں مرہون ہوتا ہے اسلئے اسکے بدلے ساتویں دن قربانی دیجاوے اور نام رکھا جاوے اور اسکا سر منڈایا جاوے۔ اماطۃ الاذٰی یعنے سر منڈانے میں حجاج کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

حضرت ابن عربی رح فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں اِذَا تَعَيَّنَ الدَّمُ فَلَا يَسْقُطُ عَمَّنْ تَعَيَّنَ عَلَيْهِ كَمَا تَعَيَّنَ ذَبْحُ وَلَدِ اِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلِ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَلَمْ يَسْقُطْ عَنْهُ الدَّمُ اَصْلًا فَفَدَاهُ اللّٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَهُوَ الْكَبْشُ حَيْثُ جَعَلَ بَدَلَ الْفِسَادِ بِنْيَةَ نَبِيٍّ مُكَرَّمٍ [illegible] لِاَنَّهُ مُوْجِبٌ وَبَعْدَ اَنْ وَجَبَ فَلَا يَرْتَفِعُ فَصَارَتْ صُوْرَةُ وَلَدِ اِبْرَاهِيْمَ صُوْرَةَ كَبْشٍ فَذُبِحَتْ صُوْرَةُ الْكَبْشِ وَلَيْسَ وَلَدُ اِبْرَاهِيْمَ صُوْرَةَ الْاِنْسَانِ وَهٰذَا سَبَبُ الْعَقِيْقَةِ الَّتِيْ كُلُّ اِنْسَانٍ مُرْهُوْنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ - ترجمہ - یعنے جب قربانی معین ہو چکی تو جس پر معین ہو جائے اُس سے ساقط نہیں ہو سکتی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی قربانی حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام پر مقرر ہو چکی تھی اور وہ انسے ہرگز ساقط نہ ہوئی پس خدا نے اسکے بدلہ میں ایک دنبہ کا فدیہ قبول فرما لیا۔ اور وہ فدیہ ایک دنبہ تھا جسکو خدا نے ایک مکرم و معظم نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بنیاد وجود بگڑنے کے بدلہ میں معین فرمایا تھا پس وہ قربانی کی صورت حاصل ہو گئی کیونکہ وہ واجب ہو چکی تھی اور جب قربانی واجب ہو جائے

تو وہ ساقط نہیں ہوتی پس حضرت ابراہیم کے بیٹے کی صورت (عالم مثال) میں ایک دنبہ کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ لہذا دنبہ کی صورت کو ذبح کرنے سے اسمٰعیلی قربانی ادا ہو گئی۔ کیونکہ عالم مثال میں ابراہیم کے بیٹے کی صورت انسانی صورت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انسان اپنے عقیقہ کے ساتھ مرہون ہے۔

بہر حال اس سے ہویدا ہوا کہ عقیقہ دینے میں ایک یہ فائدہ ہے کہ جو امراض و عوارض مہلکہ مولود کو لاحق ہونیوالی ہوتی ہیں وہ قربانی انکا معاوضہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہلاکت سے بچ جاتا ہے۔ مینے اس امر کا خود تجربہ کیا۔

مورخہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کی شب کو مینے رویا میں دیکھا کہ میں ایک بڑے سیلاب میں ہوں اور وہاں اُس سیلاب میں میری زوجہ ام عبد الرحمن و عبد الرؤف و عبد الرحیم بھی عبد الرحیم کو اُٹھائے ہوئے موجود ہے۔ مینے دیکھا کہ میں تو اُس سیلاب سے باہر نکل گیا ہوں۔ لیکن میری زوجہ مع بچہ کے اُس سیلاب کے گردابوں میں آگئی اور اُن دونوں کے لئے خطرناک صورت پیدا ہو گئی۔ اُس سیلاب میں ایک طرف آدمیوں کی شکل میں ملائکہ بھی کھڑے ہوئے دیکھے اور میرے خیال میں آیا کہ وہ قضا و قدر کے ملائکہ ہیں۔ مینے بیدار ہوکر سب کیطرف سے کچھ تھوڑا سا صدقہ دیا۔ ۱۳ ربیع الثانی کی ظہر کو میری زوجہ کے ہاتھ پر دفعۃً ایک زہریلا اور خطرناک دُمل جیسے پھوڑا نمودار ہوا جس سے اسکو سخت درد و تکلیف ہو گیا۔ مینے اسکو کہا کہ ایک رویا میں تمہاری حالت خطرہ میں دیکھی ہے۔ مینے سب کیطرف سے صدقہ تو دیا ہے لیکن تم خود بھی بدست خود صدقہ ادا کرو۔ چنانچہ اس نے بھی تھوڑا سا صدقہ دیا۔ بالآخر ۱۵ ربیع الثانی کی شب میں اسکو اس پھوڑا کا درد ذات الجنب وغیرہ عوارض کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور اسکی حالت قریب المرگ ہو گئی۔ چونکہ چھوٹے بچے عبد الرحیم کو بوجہ اوسکی والدہ کی بیماری کے اُسکی والدہ سے علیحدہ کر رکھا ہوا تھا اور بہت دیر تک اسکو دودھ نہ ملا تھا۔ اسلئے اُسکی حالت بھی قابل رحم ہو رہی تھی کئی معالجات کئے گئے مگر مؤثر نہ ہوئے۔ بالآخر مینے تین دنبے قربانی کر دیئے اور تھوڑا سا معالجہ بھی ساتھ کیا گیا وہ موثر ہوا اور ۱۶ ربیع الثانی کو والدہ عبد الرحمن کو صحت ہو گئی۔

یہ سب رویہ والے سیلاب کا معاملہ تھا کہ خدا تعالے نے اس قربانی کے ذریعہ رفع فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

ساتویں روز تعیین عقیقہ و نام رکھنے کا سبب

عقیقہ دینے میں ساتویں روز کی تخصیص اسلئے ہے کہ ولادت و عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ سب کنبہ اُس زچہ اور بچہ کی خبر گیری میں اول مصروف رہتے ہیں پس ایسے وقت میں مناسب نہیں ہے کہ انکو عقیقہ کا حکم دیکر انکا شغل اور زیادہ کیا جائے۔ اور نیز بہت سے لوگوں کو اسی وقت بکری دستیاب نہیں ہوسکتی بلکہ تلاش کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ اگر پہلے ہی روز عقیقہ مسنون کیا جائے تو لوگونکو وقت ہو۔ لہذا سات روز کا فاصلہ ایک کافی اور معتدبہ مدت ہے۔ اور ساتویں روز نام رکھنے کی یہ وجہ ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کا نام رکھنے کی کیا حاجت ہے۔ بلکہ نام رکھنے میں بھی مہلت چاہئے تاکہ خوب غور و تدبر کر کے اچھا نام رکھا جائے ایسا نہ ہو کہ عجلت کے سبب کوئی خراب نام مقرر کر دیں ۔ (۲) ہر امر مہتم بالشان کی تکمیل چھ دنوں کے بعد ہوتی ہے

بچے کے سر کے بالوں کا چاندی کے ساتھ تصدق کرنے کا راز

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو حضرت حسن کے متعلق فرمایا کہ اے فاطمہ اسکے سر کے بالوں کو منڈوا دو۔ اور ہموزن اسکے بالوں کے چاندی خیرات کر دو چاندی کو خیرات کرنے میں یہ سبب ہے کہ بچہ کی حالت جنینہ سے منتقل ہو کر طفلیت کی طرف آنا خدا تعالے کی نعمت ہے تو اُسپر شکر واجب ہے اور بہترین شکر یہ ہے کہ اسکی بدلہ میں کچھ دیا جاوے۔ اور جنین کے بال نشانات جنینہ کے بقیہ تھے انکا دور ہونا نشانات طفلیۃ کے استقلال کی نشانی ہے۔ اسلئے واجب ہوا کہ اُنکے بدلہ میں چاندی دیجاوے۔ اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں ہے سوائے امراء کے اور کسیکو دستیاب نہیں ہوتا۔ اور اور چیزیں علاوہ اسکے ایسی نہیں ہیں کہ مولود کے بالوں کے برابر دے سکیں۔

لڑکے کا عقیقہ دو بکرے اور لڑکی کا عقیقہ ایک بکرا دینے کی وجہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ۔ ترجمہ۔ یعنے لڑکے کیطرف سے دو بکریاں اور لڑکی کیطرف سے ایک بکری عقیقہ میں دینی چاہئے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکوں کا نفع زیادہ تر ہے۔ لہذا دو کا ذبح کرنا زیادتی اور اُنکی عظمت کے مناسب ہے۔

حضرت ابن قیم اس بارے میں لکھتے ہیں۔ اَمْرُ التَّفْضِيلِ فِيهِمَا تَابِعٌ لِشَرَفِ الذَّكَرِ وَمَا مَيَّزَهُ اللّٰهُ بِهٖ عَلَى الْاُنْثٰى وَلَمَّا كَانَتِ النِّعْمَةُ بِهٖ عَلَى الْوَالِدِ اَتَمَّ وَالسُّرُوْرُ وَالْفَرْحَةُ بِهٖ اَكْمَلَ كَانَ الشُّكْرُ عَلَيْهِ اَكْثَرَ فَاِنَّهٗ كُلَّمَا كَثُرَتِ النِّعْمَةُ كَانَ شُكْرُهَا اَكْثَرَ۔ ترجمہ۔ یعنے لڑکے کے لئے دو اور لڑکی کے لئے ایک بکری عقیقہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکے کو لڑکی پر فضیلت ہے۔ کیونکہ جبکہ لڑکے کے وجود سے والد پر تمام و کمال نعمت اور سرور و خوشی زیادہ ہوتی ہے۔ تو اسپر مزید شکر واجب ہے کیونکہ جب زیادہ نعمت ملے تو زیادہ شکر کرنا لازم آتا ہے۔

مولود کو گڑھتی دینے کی وجہ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ ترجمہ۔ یعنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا سے روایت ہے کہ جو بچے پیدا ہوتے تھے انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے تھے۔ پس آنحضرت اُنپر برکت کی دعا فرماتے تھے اور انکو گڑھتی دیتے تھے۔ گڑھتی نیک سے لینا مسنون ہے تاکہ اسکا اثر بچہ کی طبیعت میں منتقل ہو جائے۔

عورت کے نکاح میں اجازت ولی کی حکمت

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ ترجمہ۔ یعنے ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں عورتوں کو حکم کرنا روا نہیں ہے کیونکہ وہ ناقصات العقل ہوتی ہیں اور انکی فکر ناقص ہوتی ہے۔ اسلئے بسا اوقات

مصلحت کیطرف انکو رہبری نہ ہوسکیگی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ غالباً وہ حسب کی حفاظت نہ کرینگی اور بسا اوقات انکو غیر کفو کیطرف رغبت پیدا ہوسکتی ہے۔ اور اسمیں قوم کی عار ہے۔ پس ضروری ہوا کہ ولی کو اس باب میں کچھ دخل دیا جاوے تاکہ یہ مفسدہ بند ہو۔

(۳) اعتبار کے رو سے لوگوں کا عام طریق یہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور تمام بند و بست انہی کے متعلق ہوتا ہے اور سارے خرچ مردوں کے متعلق ہوا کرتے ہیں اور عورتیں انکی مقید ہوتی ہیں۔ چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ ترجمہ۔ یعنے مرد عورتوں پر قوی ہیں اسلئے کہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

(۴) نکاح کے اندر ولی کی شرط مقرر ہونے میں والیوں کی عزت و حرمت ہے اور عورتوں کو اپنا نکاح خود بخود کرنے میں انکی بے عزتی ہے جسکا مدار بیحیائی پر ہے اور اسمیں والیوں کی مخالفت اور انکی بے قدری ہے۔

(۵) یہ بات واجبات سے ہے کہ نکاح کو زنا سے شہرت کے ساتھ امتیاز ہو اور شہرت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کے والی نکاح میں موجود ہوں۔

عورتوں میں عدل کی حکمت

نبی علیہ الصلوٰة والسلام فرماتے ہیں اِذَا کَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَاَتَانِ فَلَمْ یَعْدِلْ بَیْنَهُمَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَشِقُّهٗ سَاقِطٌ۔ ترجمہ یعنے جب کسی مرد کے پاس دو عورتیں ہوں اور وہ دونوں میں برابری نہ کرے تو قیامت کے روز جب آئیگا تو اسکی ایکطرف جھکی ہوئی ہوگی۔

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ عمل کی جزا اسکی صورت میں ظاہر ہوتی ہے سو جیسا یہاں پر انسان ایک ہی طرف پر جھکا ہوا تھا آخرت میں اسکو نمایاں طور پر اپنا ایک رخ میلان نمودار ہوکر اسکے لئے موجب ایذا کا ہوگا۔

مرد پر بعض قریبی عورات حرام ہونیکی وجہ

۱۔ سلامت مزاج کا یہ اقتضا ہے کہ آدمی کو اُس عورت کی جانب رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اُس سے عورت پیدا ہوئی ہے یا وہ دونوں ایسے ہیں جیسے ایک باغ کی دو شاخیں جو کہ ہم بستری کی ضرورت کے ذکر کرنے میں حیا آیا کرتی ہے۔

۲۔ جب اقارب خود قریبی عورات سے نکاح کر لیا کریں تو کوئی شخص عورتوں کیطرف سے ان اقارب سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنیوالا نہ ہوتا۔ باوجودیکہ عورتوں کو اسبات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص انکیطرف سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا ہو۔ اسکی نظیر وہ ہے جو قرآن کریم میں یتیم لڑکیوں کے متعلق مذکور ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس امر کو بیان فرمایا ہے۔ یہ ارتباط طبعی طور پر مرد اور اسکی ماں۔ بہن۔ بیٹی۔ پھوپھی خالہ۔ بھتیجی۔ بھانجی میں واقع ہوا ہے۔

۳۔ ازانجملہ رضاعت موجب حرمت ہے۔ کیونکہ دودھ پلانے والی عورت مثل ماں کے ہوجاتی ہے اسلئے کہ وہ اخلاط بدن کے اجتماع اور اسکی صورت کے قائم ہونیکا سبب ہوتی ہے پس وہ بھی فی الحقیقت ماں کے بعد ماں ہے اور دودھ پلانیوالی کی اولاد بہن بھائیوں کے بعد اسکے بہن بھائی ہیں پس اسکا مالک ہوجانا اور اسکو اپنی جورو بنا لینا اور اسکے ساتھ جماع کرنا ایسی بات ہے جس سے فطرت سلیم نفرت کرتی ہے۔

۴۔ ازانجملہ اقارب میں قطع رحم ہونے سے احتراز ہے کیونکہ دو سوکنوں میں ہمیشہ حسد رہتا ہے اور انکا باہمی بغض انکے اقارب کے ساتھ بغض کا سبب ہوتا ہے۔ اور اقارب میں بغض کا ہونا نہایت قبیح اور شنیع امر ہے اسلئے سلف کے چند گروہوں نے دو چچا کی بیٹیوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا ناپسند کیا ہے اور اُن دو عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اگر ان میں سے ایک مرد فرض کیجاوے تو دوسری اُسپر حرام ہے۔ جیسے دو بہنیں اور پھوپھی بھتیجی و خالہ۔ بھانجی۔ اور یہی اصل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتبار کیا ہے اور اپنی بیٹی اور غیر کی بیٹی میں جمع کرنا حرام فرمایا۔ کیونکہ سوکن کا حسد اور خاوند کا اسکو اختیار کرنا بسا اوقات سوکن اور اسکے کنبہ کی ناخوشی کا سبب ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا کفر کو پہونچاتا ہے۔

۵۔ ازانجملہ دو بہنوں کا جمع کرنا حرام ہے۔ کیونکہ انہیں بھی سوکن پنے کا حسد منجر بالعداوت ہوگا اور یہ امر خدا تعالےٰ کو منظور نہیں ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس اس قسم کی قریبی عورات کا ایک ہی شخص کے نکاح میں ہونا حرام ہوا۔ چنانچہ آنحضرت فرماتے ہیں لَا یُجْمَعُ الْمَرْأَۃُ وَعَمَّتُهَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَخَالَتِهَا۔ ترجمہ یعنے نہ ایک عورت اور اُسکی پھوپھی کو جمع کرو اور نہ ایک عورت اور اُسکی خالہ کو جمع کرو۔

۶۔ ازانجملہ مصاہرت باعث حرمت ہے۔ اسلئے کہ اگر لوگوں میں اس قسم کا دستور جاری ہو کر ماں کو اپنی بیٹی کے خاوند کے ساتھ اور مردوں کو اپنے بیٹوں کی بیویوں کیطرف اور اپنی بیویوں کی بیٹیوں کیطرف رغبت ہو تو اس تعلق کے توڑنے یا اس شخص کے قتل کرنے میں جسکی طرف سے خواہش پائی جاتی ہے کوشش کیا کریں۔

کیا مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم کتابی مرد سے ہو سکتا ہے

عنوان الصدر ایک استفتاء ہے جو کہ ملک مصر کے ایک عربی رسالہ الهلال مورخہ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ میں شائع ہوا ہے اس استفتاء کی اصلی ساری عبارت ذیل ہے۔

اِسْتَفْتَاءٌ مِّنْ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ

قَدْ اَبَاحَتِ الشَّرِیْعَۃُ الْاِسْلَامِیَّۃُ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّتَّخِذَ زَوْجَۃً کِتَابِیَّۃً (مَسِیْحِیَّۃً اَوْ یَھُوْدِیَّۃً) وَیُؤْخَذُ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْمِ وَالسُّنَّۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَنَّہٗ لَیْسَ ھُنَاکَ نَصٌّ صَرِیْحٌ یَقْتَضِیْ عَلَی الرَّجُلِ الْکِتَابِیِّ اَنْ لَّا یَتَزَوَّجَ اِحْدَی الْمُسْلِمَاتِ۔ وَاِذَا کَانَتِ الشَّرِیْعَۃُ الْمَذْکُوْرَۃُ قَدْ حَرَّمَتْ ذٰلِکَ فَمَا ھُوَ حُکْمُھَا فِیْ فَتَاۃٍ مِّنْ بِلَادٍ بَعِیْدَۃٍ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ قَدْ اَعْجَبَھَا الْاِسْلَامُ فَاعْتَنَقَتْہُ وَلَیْسَ فِیْ وُسْعِھَا صِحِّیًّا وَّلَا مَالِیًّا اَنْ تَسْتَبْدِلَ بِلَادَھَا بِبِلَادٍ اُخْرٰی یَقْطُنُھَا الْمُسْلِمُوْنَ۔ ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِکَ آنَ اَوَانُ زَوَاجِھَا فَتَھَافَتَ عَلَیْھَا الطُّلَّابُ مِنْ اَھْلِ تِلْکَ الْبِلَادِ وَکُلُّھُمْ کُفُوْلَھَا لٰکِنَّھُمْ یَدِیْنُوْنَ بِدِیْنٍ غَیْرِ دِیْنِھَا فَھَلْ یَجُوْزُ اَنْ

یَّتَزَوَّجَھَا اَحَدُ ھٰؤُلَاءِ اَمْ تَبْقٰی کَرَاھِبَۃٍ فِیْ بِلَادِھَا مَعَ مُرَاعَاۃِ تَحْرِیْمِ ذٰلِکَ۔ اِذْ لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ۔ وَاِذَا کَانَتِ الشَّرِیْعَۃُ الْاِسْلَامِیَّۃُ تُجِیْزُ لِتِلْکَ الْفَتَاۃِ اَنْ یَّتَزَوَّجَھَا اَحَدُ اُولٰئِکَ فَمَا حُکْمُھَا فِیْ اَوْلَادِھِمَا ذُکُوْرًا اَوْ اِنَاثًا فِی التَّابِعِیَّۃِ اَوِ الْمِیْرَاثِ ÷ ھذا ما نرجو درجه فی الهلال فعسے ان لا یبخل علینا اهل العلم بارائهم فی ذلك ولهم عنی وعن الانسانیة الشكر الجزیل۔ علی احمد الشهیدی بنظارة الحربیة مصر القاهرة۔

ترجمہ۔ تحقیق اسلامی شریعت نے مسلمان مرد کے لئے مباح کیا ہے کہ کتابی عورت یعنے عیسائن یا یہودن سے نکاح کرلے اور قرآن کریم اور سنت نبویہ سے ماخوذ ہوتا ہے کہ اس امر میں کوئی نص صریح نہیں ہے کہ اجنبی کتابی مرد یعنے عیسائی یا یہودی شخص کسی مسلمان عورت سے نکاح نہ کرے۔ اور جبکہ شریعت اسلام نے مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم مرد سے حرام کر دیا ہے تو شریعت اسلام کا اُس عورت نوجوان کے متعلق کیا فتوےٰ ہے جو مسلمانوں کے ملک سے دور رہتی ہے اور اسکو اسلام پسند آگیا پس وہاں ہی مسلمان ہوگئی اور اسکی بدنی و مالی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ملک میں جا سکے بعد ازاں اُسکے نکاح کا وقت پہونچا۔ اور اُس ملک کے لوگ جو اُس عورت کی کفو و قوم کے ہیں مگر غیر مسلم ہیں اُسکے پاس بارادہ نکاح آمد و رفت کرنے لگے۔ پس کیا جائز ہو سکتا ہے کہ اُن غیر مسلم لوگوں میں سے کوئی شخص اُس عورت سے نکاح کرلے یا وہ اپنے ملک میں ستی ہی رہے۔ حالانکہ شریعت اسلام نے ستی رہنا حرام ٹھرایا ہے۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اور جبکہ شریعت اسلام اُس نوجوان عورت کے لئے یہ امر جائز رکھے کہ وہ اپنی قوم کے غیر مسلم لوگوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرلے تو ان دونوں کے ازدواج سے جو لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوں گے انکی تابعت و میراث کے متعلق اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے۔ امید ہے کہ آپ اس استفتا کو الهلال میں درج فرما دینگے۔ اور اہل علم سے توقع ہے کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق اپنی اظہار رائے کا ہم پر بخل نہیں کرینگے۔ بلکہ مجھ سے اور بنی نوع انسان سے شکر گذاری جزیل کے مستحق بنینگے۔ علی احمد شہیدی دفتر جنگ۔ ملک مصر۔ شہر قاہرہ۔

جواب۔ ایک عورت یا کہ مرد جس نے ایک قوم کے مذہبی اعتقادات و رسوم و اعمال کو اسلئے ترک کر دیا ہو کہ وہ اسکے لئے زندگی دارین میں مضر ثابت ہوئے ہوں تو آیا اسکو جائز ہے

کہ کسی نفسانی خواہش کی مجبوری کی غرض سے بھی اُس قوم کے افراد سے ازدواج جیسا میل ملاپ پیدا کرے جس سے اُسکو اُسی پہلی حالت کیطرف عود کرنا و گندہ ہونے کی توقع قوی ہو۔ ہرگز جائز نہیں۔

۲۔ ازدواج کا اثر طرفین پر بڑا قوی ہوتا ہے۔ پس جو مسلمان عورت ایک ایسے شخص سے نکاح کرے جسکے اعتقادات و اخلاق اسلام کے برخلاف ہوں تو بالضرور ایسے شخص کا اثر اس عورت پر پڑکر اُسکے اخلاق حمیدہ کے لئے مخرب ہوگا۔ لہذا ایسا نکاح ہرگز جائز نہیں۔

۳۔ ایک اشرف و افضل انسان یا عورت جسکو اسوقت ایک چیز کی اشد ضرورت ہے مگر وہ دور و دراز ممالک سے نہایت عمدہ و نفیس و اعلیٰ و پائدار و حسب دلخواہ ملسکتی ہے۔ اور اُسکے ملنے کی امید قوی ہے۔ اگرچہ بالفعل اسکے ملنے کے لئے کوئی سامان مہیا نہ ہو۔ اور اُسکے اپنے شہر میں اُس نوع کی اشیا بکثرت موجود ہوں جنسے کچھ قدر حاجت برآری تو ہوسکتی ہو مگر وہ نہایت ہی ردّی و ناپائدار ہوں اور اُنکے استعمال سے اُن اشیا کیطرح اسکو بھی ردی و گندہ و بیمار ہونے کی قوی امید ہو تو اب سوال یہ ہے کہ وہ شخص یا عورت کیا کرے۔ اول الذکر یعنے اُس چیز کی امید پر رہے جو دور و دراز ممالک ہیں سے ملسکتی ہے یا اُس اپنے ملک کی ردّی و گندی اشیا میں سے ایک لیکر گذران کرے۔ جواب یہی ہے کہ وہ ممالک بعیدہ والی چیز کا انتظار کرے اور اُسکے حصول کے لئے سعی کرے۔ یہی حال مسلمہ عورت کا کافر مرد کے ازدواج کا ہے۔

سوال۔ شاید کوئی کہے کہ یہود و نصرانی کافر نہیں ہوتے اسی جہت سے خدا نے اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح جائز فرمایا ہے۔

جواب۔ واضح ہو کہ انبیا میں سے کسی ایک کو نہ ماننے والے مرد و عورت کو خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں پکا کافر کہا ہے۔ سو یہود تو دو نبیوں حضرت عیسیٰ و حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے منکر ہیں اور عیسائی حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبی آخر زمان کے منکر ہیں اور ایسے لوگوں کے متعلق خدا تعالےٰ کا ارشاد ذیل ملاحظہ کرو۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ پ ۶

ترجمہ۔ جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ اور اُسکے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اُسکے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں بیچ میں ایک راہ۔ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار۔

اور نصاریٰ کی نسبت خدا تعالےٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ

ترجمہ۔ یعنے تحقیق وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا تیسرا ہے تین میں سے۔

دیکھو آیات مذکورہ بالا میں صاف آچکا ہے کہ جو شخص کسی ایک نبی کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ اور ایسا ہی تثلیثی مذہب والے تمام افراد مرد و زن کو خدا تعالےٰ قرآن کریم میں کافر کہتا ہے اور کافر مردوں و عورتوں اور مسلمان مردوں و عورتوں کے ازدواج کے متعلق خدا تعالےٰ کا ارشاد ذیل ملاحظہ کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ

ترجمہ۔ اے ایمان والو جب آویں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑکر تو انکو جانچ لو اللہ بہتر جانتا ہے انکے ایمان کو۔ پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو نہ پھیرو اُن عورتوں کو کافر مردوں کی طرف۔ نہ یہ مسلمان عورتیں حلال ہیں اُن کافر مردوں کو اور نہ وہ کافر مرد حلال ہیں اُن مسلمان عورتوں کو۔

اور یہ جو آیا ہے کہ اہل کتاب عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ اہل کتاب عورتیں جنکے خاوند اہل کتاب میں سے ہوں اور وہ عورتیں خود مسلمان ہوجائیں تو وہ عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال ہیں۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح کو ابن اللہ و ثالث ثلاثہ کہنے والی عورتوں۔ اور قالت الیہود عزیر ابن اللہ کہنے والی اور ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و کینہ رکھنے والی عورتوں سے ایک موحد مسلمان کا نکاح جائز ہوسکے۔ اگر یہ امر جائز ہوتا تو خدا تعالےٰ قرآن کریم میں یوں نہ فرماتا کہ مشرک عورتیں مومن مردوں کے لئے ہرگز جائز نہیں۔ پس خوب غور کرو کہ یہود و عیسائی عورتیں بروئے حوالہ قرآن کریم مشرکہ و کافرہ ہیں یا نہیں۔ اگر وہ مشرکہ و کافرہ نہیں تو اون سے نکاح کرلو۔

جبکہ عورتوں کے متعلق یہ امر ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمہ عورت کا نکاح ایک ایسی قوم کے مرد سے جائز ہوسکے جسکے متعلق خدا تعالے فرماتا ہے کہ اُنپر میرا غضب ہوا وہ مغضوب علیہم ہیں۔ وہ میرے اور میرے دوستوں کے پکے دشمن اور ضال و مضل ہیں کیا ایسے عقیدہ والی عورتوں کے ساتھ کسی مسلمان مرد کا نکاح یا کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی ایسے عقیدہ والے مرد سے جائز ہوسکتا ہے جس عقیدہ کے متعلق خدا تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ترجمہ۔ نزدیک ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ جاویں اور زمین شق ہوجاوے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر پڑیں اس قوم پر خدا تعالےٰ کے غضب کے سبب سے جو کہ خدا کے لئے بیٹا تجویز کرکے اسکو ابن اللہ کہتے ہیں کیا ایسا عقیدہ رکھنے والے مرد سے مسلمہ عورت کا نکاح جائز ہوسکتا ہے۔ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا۔ ترجمہ یعنے نکاح نہ کرو مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لاویں اور نکاح نہ کرو مسلمان عورتوں کا مشرک مردوں سے جبتک وہ مرد مومن نہ ہولیں۔

ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ماریہ قبطیہ سے نکاح کیا تھا وہ مسلمان ہوچکی تھی علامہ ابن قیم لکھتا ہے اِخْتِلَافُ الدِّيْنِ مَانِعٌ مِنْ اِبْتِدَاءِ النِّكَاحِ فَكَانَ مَانِعًا مِنْ دَوَامِهٖ كَالرَّضَاعِ ۔ ترجمہ۔ یعنے دین کا اختلاف ابتدائے نکاح سے مانع ہے۔ پس اختلاف دین ہمیشہ کے لئے رضاعت کیطرح ازدواج سے مانع ہے۔

قال الزہری لم یبلغنی ان امرأۃ ھاجرت الی اللہ و رسولہ و زوجھا کافر مقیم بدار الکفر الا فرقت ھجرتھا بینھا و بین زوجھا الا ان یقدم زوجھا مھاجرا قبل ان تنقضی عدتھا۔ ترجمہ۔ زہری کہتا ہے مجھے کوئی ایسی روایت نہیں پہونچی۔ یعنے پونچی ہے کہ جس کسی عورت نے خدا و رسول کیطرف ہجرت کی ہو اور اسکا خاوند دار کفر میں مقیم ہو مگر جدائی ڈالی اسکی ہجرت نے اُسکے درمیان اور اُسکے خاوند کے درمیان۔ مگر یہ کہ اسکا خاوند ہجرت کرکے آجاوے اسکی عدت گذرنے سے پہلے۔ پس جب عدت گذر جاوے تو وہ عورت اُسکے نکاح سے باہر ہوجاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرد کافر و عورت مسلمان ہو تو انکی اولاد اپنے باپ سے وراثت لیگی خواہ وہ بچے بلوغت کے بعد مسلمان ہی ہوجائیں یا کہ اپنے والد کے پیرو رہیں۔ ؎

اِنَّمَا اُمَّهَاتُ النَّاسِ اَوْعِيَةٌ ۔ مُسْتَوْدَعَاتٌ وَلِلْاَحْسَابِ اٰبَاءُ

فَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمْ مِنْ اَصْلِهِمْ شَرَفٌ ۔ يُفَاخِرُوْنَ بِهٖ فَالطِّيْنُ وَالْمَاءُ

ترجمہ۔ تحقیق لوگوں کی مائیں صرف ظروف ہیں جو کہ جائے امانت نطفہ ہیں اور نسب تو باپوں پر ہوتا ہے پس جسکا نسب ہوگا اسی سے اولاد کو وراثت بھی ملیگی۔ اور اگر لوگوں کو اپنی اصل اور بزرگی پر فخر ہے تو انکی اصل مٹی اور پانی ہے جس سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے بیان مذکور کا یہ مطلب ہے کہ کافر مرد و مسلمان عورت کے ایسے ازدواج کی اولاد باپ سے حصہ لے سکتی ہے کہ پہلے دونوں میاں بیوی مرد و عورت کافر ہوں اور پھر اُن میں سے ایک مسلمان ہوجا۔ اور انکی اولاد کے دینی امر کا یہ حال ہے کہ بلوغت کے بعد جسطرف وہ راغب ہونگے وہی اُنکا دین و مذہب ہوگا۔

ایسی عورت جسکے متعلق استفتا میں ذکر ہے اُسپر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو بدی سے روکے اور تقوٰی اختیار کرے اور تقوٰے و عفت اختیار کرنے سے بالآخر ایسی عورات و مردوں کے لئے خدا تعالےٰ کا وعدہ ہوچکا ہے کہ وہ حسب دلخواہ انکا جوڑا مہیا کردیگا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے فَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ترجمہ یعنے تقوٰی و عفت اختیار کریں وہ مرد و عورتیں جنکے پاس سامان نکاح موجود نہیں۔ پس اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تعالےٰ انکو سارے اسباب نکاح اپنے فضل سے مہیا کرکے غنی و لاپرواہ و بے محتاج کردیگا۔ یہ ہے خدا تعالےٰ کا فتوٰی اس عورت کے متعلق جسکا استفتا میں ذکر ہے۔

اسلام کے سارے امور دنیاوی و اخروی میں امید و صبر و استقلال و ثابت قدمی کا حکم ہے۔ اگر ایسی تھوڑی تھوڑی نفسانی مجبوریوں کے لئے عذر و حیلے تراش کر جسطرح ہوسکے حاجت برآری کا فتوٰی دیا جائے تو اسلامی افواج کے تمام مسلمان سپاہیوں کے لئے بھی (نعوذ باللہ) وہی حکم نافذ ہوتا جو ہماری برٹش گورمنٹ نے فوجی گوروں کے لئے بوجہ مجبوری کسبیوں و کنچنیوں سے ناجائز تعلق پیدا کرنا جائز رکھا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں اگر ایسی معذوریوں و مجبوریوں کے باعث خدا تعالےٰ کی یہ مرضی ہوتی تو وہ یوں نہ فرماتا:۔

فَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔

قرآن کریم میں جو اہل کتاب عورتوں کا نکاح مسلمان مردوں سے جائز ٹھہرایا گیا ہے اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو خدا تعالےٰ کی اُتاری ہوئی تورات و انجیل کے ماننے والی ہوں اور موحد ہوں نہ کہ آجکل کی محرفہ بائبل اور عیسائیوں کے بناوٹی مجموعوں کے موافق مشرکہ و تثلیث کی قائل و

معتقد ہوں بلکہ موحد مسلمان ہوں اور ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دشمنی نہ رکھتی ہوں گو انکے پہلے خاوند یہودی یا عیسائی زندہ موجود ہوں۔ کیونکہ وہ مسلمان ہونے سے یہود و عیسائیوں کے لائق نہیں رہتیں۔ اور ایسا بھی ہرگز جائز نہیں ہو سکتا کہ جبراً کسی یہود یا عیسائی سے اسکی عورت چھین لی جائے حالانکہ وہ عورت اپنے پہلے مذہب یہودیت یا نصرانیت پر قائم ہو بلکہ ہمارا یہ مطلب ہے کہ وہ عورت برضائے خود مسلمان ہو کر مسلمان سے نکاح کرے۔

بالفرض اگر مسلمان مرد کا نکاح برضائے فریقین کسی یہودن و عیسائن سے جائز ہو سکتا ہے تو اسکی ایک وجہ وجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ خدا تعالے نے مرد کو غالب و عورت کو مغلوب قرار دیا ہے تو ایسے نکاح وازدواج سے یہ صورت ہو گی کہ توحید کا نقشہ بالا و غالب اور شرک و کفر کو نیچے و مغلوب کر کے دکھایا گیا جسمیں یہ ایما ہے کہ توحید شرک پر غالب ہے اور واقع میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ چونکہ مرد کی تاثیر قوی ہوتی ہے اسلئے عورتیں خواہ یہودن یا عیسائن ہوں وہ مسلمان ہو جاتی ہیں۔ مگر اسکے برعکس ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مسلمہ عورت کا نکاح یہودی یا عیسائی مرد سے کسی مجبوری کے سبب جائز ہو سکے۔ کیونکہ یہ امر حکمت الٰہی کے برخلاف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نکاح جائز ہوتا تو یہ نقشہ یوں دکھائی دیتا کہ شرک بالا و توحید نیچے و مغلوب ہوتی۔ لہذا یہ امر قانون قدرت و حکمت الٰہی کے سراسر برخلاف ہے کہ مسلمہ عورت کا نکاح یہودی یا عیسائی مرد سے جائز ہو سکے کیونکہ اسطرح سے توحید کو مغلوب اور شرک کو غالب قرار دینا پڑتا ہے اور اس امر سے خدا کی غیرت اور اسکا قانون قدرت اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و افضلیت مانع ہیں۔ کیونکہ ایسے ازدواج سے افضل الرسل و خاتم الانبیاء سید ولد آدم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نیچے و مغلوب دکھانا پڑتا ہے سو یہ امر خدا کو منظور نہیں ہے ؎

یار احمد شو کہ تا غالب شوی یار مغلوباں مشو لولے غوی

سوال۔ تم نے مسلمان عورت کا نکاح عیسائی یا یہودی مرد سے ناجائز قرار دینے کے وجوہات میں سے ایک یہ وجہ بھی بتائی ہے کہ ایسا کرنے سے توحید و حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مغلوب اور شرک و یہودیت و عیسائیت کو غالب قرار دینا پڑتا ہے پس جبکہ ایسا ہے تو تم خود کیوں برٹش گورنمنٹ کے ماتحت ہو کر زندگی بسر کر رہے ہو جو کہ عیسائی

گورنمنٹ ہے کیا مسلمانوں کا کسی غیر مسلم مذہب والی حکومت کے ماتحت ہونے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کسر شان نہیں ہوتی۔

جواب۔ خدا تعالے نے انسان کو دو چیزوں جسم و روح کا مجموعہ بنایا ہے اور ان ہر دو کی حفاظت کے لئے الگ الگ دو قسم کے انسان مقرر فرمائے ہیں۔ حفاظت جسم کے لئے سلاطین اور انکا عملہ و اراکین سلطنت اور روحانی حفاظت کے لئے انبیاء اور انکے نواب و خلفاء مقرر ہوئے۔ ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ سو ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بنی آدم کو روحانی ہلاکتوں سے بچانے کی غرض سے ہوئی تھی۔ اور آپ نے اہل اسلام کے لئے یہ کوئی خاص حکم نہیں فرمایا کہ وہ مسلمان سلاطین کی حکومت کے سوا کسی اور حکومت کے ماتحت نہ رہیں بلکہ آپ نے پہلے پہل صحابہ کرام کو کفار مکہ کی ایذا دہی کے سبب سے مکہ سے ہجرت کرنے اور نجاشی بادشاہ حبش کی عیسائی گورنمنٹ میں جا کر رہنے کا امر فرمایا جو کہ بعد ازاں مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ بات اس امر پر دال ہے کہ اہل اسلام کا گروہ کثیر بالآخر عیسائی گورنمنٹ کے ماتحت میں ہو گا۔ اور اُس بادشاہ کا اہل اسلام کے ذریعہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے مسلمان ہو جانا اور انکے ذریعہ اسکو نجات دارین حاصل ہونا اس امر پر دال ہے کہ جسقدر کسی حکومت میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کثیرہ آباد ہو اسقدر اسکو امن ہو گا۔ اور آنحضرت کا ایسا کام کرنے میں یہ ایما بھی ہے کہ آنحضرت کا بروز اعظم القائم بامر اللہ حضرت محمد مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور کسی ایسی ہی حکومت میں ہو۔ اور بالآخر اسی طرح جسطرح نجاشی شاہ حبش بغیر جبر و اکراہ کے برضامندی خود مسلمان ہو گیا تھا ایسا ہی آخر کی زمانہ میں القائم بامر اللہ کی تاثیرات انفاس قدسیہ سے بغیر جبر و اکراہ اسلام کی طرف عام اور خاص لوگوں کا بکثرت رجوع و میلان ہو اور خدا نے اَطِیعُوا اُولِی الْاَمْرِ کہکر حکومت مسلم و غیر مسلم کی خصوصیت نہیں فرمائی۔

بحث وکلاء و علماء در باب نکاح و اولاد پنجم زن و فیصلہ ججان چیفکورٹ پنجاب

باجلاس مسٹر جسٹس جانسٹن صاحب بہادر و مسٹر جسٹس لال چند صاحب بہادر

خورشید جان وغیرہ دیگر مدعا علیہم اپیلانٹان بنام عبدالحمید خان و دیگر کسان مدعیان رسپانڈنٹان۔

اپیل دیوانی نمبر ۷۰ بابت ۱۹۱۶ء

خلاصہ مقدمہ۔ شریعت محمدی۔ ازدواج ہمراہ زن پنجم۔ جوازیت شادی قسم مذکور۔ صحیح النسبی اسی

اولاد کی جو شادی ناجائز سے پیدا ہو۔

قرار دیا گیا کہ بروئے شرع محمدی ازدواج ہمراہ زوجہ پنجم بموجودگی چار زندہ زوجگان کے ناجائز ہے تاہم باطل نہیں ہوتا۔ اور بنابریں ایسے نکاح کی اولاد صحیح النسب ہوتی ہے اور بطور وارث جائز اپنے والد کے جانشین بننے کی مستحق ہوتی ہے۔ عزیز النساء خاتون بنام کریم النساء خاتون کا حوالہ دیا گیا۔ انڈین لاز رپورٹ کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰۔

اپیل اول بنا راضی ڈگری شیخ رکن الدین صاحب ڈسٹرکٹ جج اٹک مورخہ ۲۰ جون ۱۹۰۶ء

مسٹر روشن لال منجانب اپیلانٹان حاضر ہے۔ مسٹر فضل حسین منجانب رسپانڈنٹان حاضر ہے۔

فیصلہ عدالت ہذا کو لال چند صاحب بہادر حاکم نے صادر کیا۔ لال چند صاحب بہادر حاکم۔

مدعیان رسپانڈنٹان مقدمہ ہذا پسران سردار محمد ابراہیم خان ہیں۔ جو ایک افغان امیر سلطانی تھا۔ جو بمقام حسن ابدال بماہ اگست ۱۹۰۴ء فوت ہوا۔ مدعا علیہم اپیلانٹان اسکی بیوہ خورشید جان اور اسکا پسر عبد الرحمن ہیں جو پسر کہ قریباً دو ماہ بعد وفات سردار مذکور پیدا ہوا۔ سردار محمد ابراہیم خان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تک کل خاندان نہایت امن سے اور شرائط صلح کے مطابق رہا۔ اور ایک مشترک سارٹیفکیٹ وراثت بحق اسکے چھ پسران کے جنمیں عبد الرحمن مدعا علیہ اپیلانٹ شامل تھا حاصل کیا گیا مگر تھوڑا عرصہ بعد فریقین لڑ پڑے۔ ہر دو مدعیان بالغ نے ایک نالش فوجداری بتاریخ ۱۵ جون ۱۹۰۵ء زیر دفعات ۳۸۰ و ۴۱۱ مجموعہ تعزیرات ہند برخلاف مدعا علیہ نمبر ۱ خورشید جان و کئی دیگر اشخاص رجوع کی جنکی نسبت یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے عورت مذکور کی بددیانتی سے نقدی و پارچات و زیورات کے نکال لینے میں اعانت کی تھی کارروائی فوجداری کے دوران میں مدعیان کو انکے وکیل نے یہ مشورہ دیا کہ مدعا علیہم سردار ابراہیم خان کی وراثت میں سے کسی حصہ لینے کے مستحق نہ تھے۔ کیونکہ جب خورشید جان مدعا علیہ نمبر ۱ سے سردار موصوف نے ۱۹۰۲ء میں نکاح کیا تھا۔ اسوقت اسکی چار زوجگان زندہ تھیں اور بدیں وجہ بروئے شرع محمدی مشار الیہا کا ازدواج اسکے ہمراہ بالکل ناجائز تھا اسپر مدعیان نے استغاثہ فوجداری کو چھوڑ دیا۔ اور نالش ہذا بتاریخ ۳۱ اگست ۱۹۰۵ء واسطے استقرار اس امر کے رجوع کی کہ مدعا علیہم وارثان سردار ابراہیم خان نہ تھے۔ کیونکہ نمبر ۱ کا ازدواج ہمراہ سردار بروئے شرع محمدی ناجائز تھا۔

مدعا علیہم نے اپنے جواب دعوے میں صریح طور پر اس امر سے انکار نہ کیا کہ سردار ابراہیم خان

کی چار زوجگان زندہ تھیں جبکہ اس نے مدعا علیہ نمبر ۱ سے شادی کی مگر یہ عذر کیا کہ بروئے قانون و رواج نکاح جائز تھا مگر جب مدعا علیہ نمبر ۱ کی شہادت بطور گواہی لی گئی تو اس نے اس امر سے انکار کیا کہ جب اسکے ہمراہ سردار نے شادی کی تھی تو اسکی چار زوجگان زندہ نہ تھیں۔ مشار الیہا نے ظاہر کیا کہ اسکو علم نہ تھا کہ بی بی مستورہ اسوقت سردار کی زوجہ تھی۔ اور بیان کیا کہ بی بی مریم اسکی زوجہ نہ تھی بلکہ اسکے بھائی کی بیوہ تھی۔ مگر اس نے تسلیم کیا۔ ناز کو اور تاج بی بی زوجگان سردار اسوقت تھیں صاحب ڈسٹرکٹ جج نے بعد تحقیقات یہ تجویز کیا کہ جب سردار نے مدعا علیہ نمبر ۱ سے نکاح کیا تو مشار الیہا اسکی پانچویں یا چھٹی زوجہ تھی۔ اور کہ بدیں وجہ اسکا نکاح ناجائز تھا۔ اور بنابریں مدعا علیہم بروئے شرع محمدی جائز وارث سردار نہ تھے۔ چنانچہ صاحب ڈسٹرکٹ جج نے بلا کرنے کسی تحقیقات نسبت رواج کے ڈگری دعویٰ صادر کی اور فی الحقیقت کوئی ثبوت رواج فریقین نے پیش نہ کیا۔

مدعا علیہم اپیل کرتے ہیں اور صاحب ڈسٹرکٹ جج کی اس تجویز کی تردید کرتے ہیں کہ مدعا علیہ نمبر ۱ زوجہ پنجم تھی اور نکاح بروئے شرع محمدی ناجائز تھا۔ بوقت پیشی مقدمہ وکیل مدعا علیہم نے یہ بھی عذر کیا کہ گو نکاح ناجائز ہو تو بھی کم از کم مدعا علیہ نمبر ۲ شرع محمدی کے مطابق وارث بننے کا مستحق تھا۔

سوال واقع کی نسبت کوئی گنجائش اس امر کے شبہ کرنیکی نہیں ہے کہ سردار ابراہیم خان کی چار زوجگان زندہ تھیں جبکہ اس نے مدعا علیہ نمبر ۱ سے شادی کی۔ اس امر سے خاص طور پر مدعا علیہم نے اپنے عذرات میں انکار نہ کیا۔ گویا اسکو واضح طور پر مدعیان نے اپنے عرضی دعوے میں بیان کیا تھا۔ علاوہ بریں معتبر اور بلا واسطہ شہادت سے یہ ثابت ہے کہ بی بی مستورہ اور بی بی مریم سردار کی منکوحہ زوجگان تھیں اور وہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے نکاح کے وقت زندہ تھیں اور کوئی بلا واسطہ شہادت نہیں ہے جس سے ظاہر ہو کہ بی بی مریم سردار کے برادر کی بیوہ تھی۔ جیسا کہ مدعا علیہ نے بطور گواہ اپنے اظہار میں بیان کیا۔ لہذا ہم صاحب ڈسٹرکٹ جج سے اتفاق رائے کرتے ہیں اور قرار دیتے ہیں کہ خورشید جان مدعا علیہ نمبر ۱ بوقت نکاح خود اگر چھٹی زوجہ سردار موصوف نہ تھی تو کم از کم پانچویں تھی۔

مزید براں ہمکو کوئی معقول وجہ واسطے واپسی مقدمہ بغرض تحقیقات نسبت رواج بینہ معلوم نہیں ہوتی ہے۔ عدالت ماتحت میں کوئی شہادت یا ثبوت پیش نہیں کیا گیا تھا اور

امر متنازعہ کی خاص نوعیت پر اور حیثیت فریقین پر غور کرنیکے بعد یہ امر ہرگز اغلب معلوم نہیں ہوتا کہ اگر کسی تحقیقات مزید کی اب ہدایت کی گئی تو کوئی شہادت جو کسی طور پر مفید یا قابل وقعت ہو دستیاب ہوگی۔ پس سوال صاف طور پر شرع محمدی کا ہے کہ آیا نکاح ہمراہ زوجہ پنجم علاوہ زوجگان کے جو اسوقت موجود ہوں جائز ہوتا ہے۔ اور اسکے قانونی نتائج کیا ہوتے ہیں۔

منجانب مدعا علیہم اپیلانٹان یہ بحث کیگئی کہ نکاح از ینقسم صرف ناجائز ہوتا ہے اور کہ بوجہ اسکے ناجائز ہونیکے زوجہ پنجم مستحق وراثت پانیکی نہیں ہوتی ہے مگر ایسی زوجہ کی اولاد صحیح النسب ہوتی ہے اور اس امر کی مستحق ہوتی ہے کہ بطور جائز وارث پدر خود جانشین ہو۔

منجانب رسپانڈنٹان یہ حجت کیگئی کہ نکاح ہذا بالکل باطل ہے اور بنابریں نہ تو زوجہ پنجم نہ اسکی اولاد اس امر کی مستحق ہے کہ بروئے شرع محمدی بطور وارث جانشین ہو۔

منجانب اپیلانٹان کتاب شرع محمدی مصنفہ امیر علیصاحب جلد دوم صفحہ ۳۱۰ پر انحصار کیا گیا۔ اور منجانب رسپانڈنٹان کتاب اینگلو محمڈن لا مصنفہ ولسن صاحب صفحہ ۱۲۹ پر انکی حجت کی تائید میں ذیل کی سندات پر انحصار کیا گیا۔ یعنے کتاب مصنفہ امیر علیصاحب صفحہ ۲۶۹ - ٹیگور لا لکچر ۱۹ و ۲۰ و صفحات ۹۶ و ۱۰۱ ردالمحتار صفحہ ۷۰۹ و ۳ و مقدمہ عزیز النسا خاتون بنام کریم النسا[1] بعد ملاحظہ سندات محولہ فریقین و بعض دیگر سندات متعلق بمضمون مذکور ہم اس امر کے قرار دینے پر مائل ہیں کہ نکاح ہمراہ زوجہ پنجم ناجائز ہوتا ہے مگر باطل نہیں ہوتا۔ اور کہ بنابریں مدعا علیہ نمبر ۲ اس امر سے ممنوع نہیں ہے کہ وہ حقیت متروکہ پدر خود سردار محمد ابراہیم خان کا وارث بنے۔

فاضل وکیل منجانب رسپانڈنٹان نے اس امر کی بحث کرنے کی کوشش کی کہ بروئے شرع محمدی نکاح ناجائز و نکاح باطل میں کوئی تمیز نہیں کی گئی ہے مگر ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش کی تردید خاص اسی سند سے ہوتی ہے جسکا حوالہ دیا گیا ہے۔ یعنی ردالمحتار صفحہ ۷۰۹ سے۔ اس میں شک نہیں کہ جیسا کہ فاضل مصنف نے جتایا ہے) کہ ایسے مراتب کو غور میں لانیکے ذریعے جنکا اثر کسی بیع کی جوازیت پر پڑتا ہو تمیز بالا کو مخلوط نہیں کرنا چاہئے الانکاح ناجائز و نکاح باطل کے مابین جو فرق ہے اسکو مشرح نے صاف طور پر تسلیم کیا ہے اور اس نے کئی نظائر ایسے نکاحوں کی دی ہیں جنکو ناجائز کہا جائے گا منجملہ انکے وہ نکاح ہوتا

(۱) انڈین لا رپورٹ کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰۔

ہے۔ جو زوجہ پنجم سے باقی چار زوجگان میں سے کسی ایک کے زمانہ عدت میں کیا جائے اور وہ نکاح بھی جو ایک ہی وقت میں دو ہمشیرگان سے کیا جائے۔ علاوہ براں اس فرق کو مصنف درالمختار نے جسکی کہ ردالمختار محض ایک شرح ہے صاف طور پر تسلیم کیا ہے اور کئی مشرحان نے اس مضمون پر بحث کرتے ہوئے اس فرق کو قطعی طور پر ایسے الفاظ کے استعمال سے جتلایا ہے۔ جیسا کہ باطل و فاسد۔ دراصل وہ مثال فاسد نکاح کی جو مصنف درالمختار نے دی ہے یعنے کہ جب کوئی نقص گواہان ہو اس امر کو قطعی طور پر گرفت کرتی ہے۔ کیونکہ یہ حجت کرنا بے سود ہوگا کہ ایسا نکاح جو بوجہ کسی نقص گواہ یا دیگر امر ضابطہ اسی قسم ناقص ہو وہ بالکل باطل ہوتا ہے۔ اور نہ کہ محض ایک ناجائز نکاح۔ پس ضرور ہے کہ اس امر کو بلا کسی شبہ اور تنازع کے تسلیم کیا جائے کہ شرع محمدی ایک بڑا فرق نکاح باطل اور فاسد میں تسلیم کرتی ہے اور جو نکاح ہائے بہ سبب کسی نقص کے فاسد ہوتے ہیں۔ اور وہ ضرور نہیں ہے کہ شروع ہی سے باطل ہوں۔

پس جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے سوال یہ ہے کہ آیا نکاح جو زوجہ پنجم کے ہمراہ علاوہ چار زوجگان زندہ کیا جاوے وہ بروئے شرع محمدی باطل ہوتا ہے یا کہ محض فاسد نکاح کی اولاد صحیح النسب نہ ہوگی۔ ایسی اولاد کی صحیح النسبی کی تائید میں سندات کا حوالہ دینا ضروری نہیں ہے۔ الا اقتباس ذیل از ٹیگور لکچر ہائے ۹۱ و ۹۲ و صفحہ ۱۶۱ فقرہ ۲۷ ۱۳۴۲ - اس امر کو شک و شبہ کے حجاب سے عبور کرا دیتا ہے۔ اس اقتباس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شروع سے آخر تک شادی باطل و شادی فاسد میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔

دفعہ ۳ - متعلق صورت ہائے نسب ۱۲۴۲ (۳۴۲) ایک شخص کسی عورت سے بطور ازدواج فاسد نکاح کرتا ہے اور بعد ازاں وہ اس سے مباشرت کرتا ہے۔ اور عورت ازاں بعد چھ مہینہ پر بچہ جنتی ہے یعنے عین چھ ماہ بعد مباشرت از ازدواج تو اس بچہ کا نسب (بقول ابو حنیفہ و ابو یوسف) شخص متذکرہ صدر سے قائم ہوگا اگرچہ تولید ساعت مباشرت سے چھ مہینے کے اندر ہوئی ہو۔ اس رائے کی تائید اس بحث میں کی گئی ہے جو کتاب اینگلو محمڈن لا مصنفہ ولسن صاحب میں بصفحات ۷۸ و ۷۹ حسب ذیل مندرج ہے۔

صفحہ ۷۸ - پدریت قانونی رشتہ ہوتا ہے جو پدر اور طفل کے درمیان ہو۔ حقوق و فرائض جنکا انحصار ان رشتہ ہائے قانونی پر ہوتا ہے وہ (ج) حقوق وراثت باہمی

ہوتے ہیں جنکا ذکر باب ۸ میں کیا گیا ہے۔

صفحہ ۹۷۔ پدریت ایسے شخص میں قائم ہوتی ہے جو باپ بیان کیا جائے بذریعہ ثبوت یا قیاس قانونی اس امر کے کہ طفل اسکے نطفہ سے ایسی عورت کے بطن سے پیدا ہوا جو وقت حمل کے اسکی جائز زوجہ تھی۔ اور جنکو نیک نیتی سے اور معقول طور پر وہ اپنی زوجہ جائز سمجھتا تھا نہ کہ کسی دیگر طریق پر۔"

نسبت ایسی صورت کے جنمیں ولدیت بطور نتیجہ ایسے نکاح کے قائم ہوتی ہے جو دراصل فاسد تھا۔ اگرچہ اسکو بوقت مباشرت جائز یقین کیا جاتا تھا۔ دیکھو نیز کتاب مصنفہ بیلی صاحب جلد پنجم دفعہ چہارم۔

الا اس امر کو اور زیادہ توضاحت سے (اگر زیادہ وضاحت ممکن ہے) کتاب ڈائجسٹ مصنفہ بیلی صاحب میں بہ صفحہ ۳۹۲ بیان کیا گیا ہے۔

پدریت کے قائم کرنے میں تین درجے ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ نکاح جائز ہو یا نکاح فاسد جو ایسے نکاحوں کے معنوں میں آسکے جو کہ جائز ہوتا ہے۔ نکاح فاسد جو تکمیل کو پہونچایا گیا نکاح ہائے جائز سے اپنے بعض نتائج میں شامل ہو جاتا ہے جنمیں ایک نتیجہ پدریت کا قائم کرنا ہوتا ہے۔

ایضاً فتاوی عالمگیری صفحہ ۳۲۲۔ فی النکاح الفاسد ثبت نسب الولد المولود۔ معنے یہ ہیں کہ نکاح فاسد میں نسب یعنی صحیح النسبی اولاد کی قائم ہوتی ہے۔

اسلئے اس امر کے شبہ کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے کہ اگر نکاح ہمراہ زوجہ پنجم محض فاسد ہو اور شرع سے باطل نہ ہو تو مدعا علیہ نمبر ۲ اپنے باپ سردار محمد ابراہیم خان کا جائز وارث ہوگا۔ پس امر تنقیح طلب اور زیادہ تنگ ہو کر صرف بمنزلہ اس واحد مسئلہ کے رہ جاتا ہے کہ آیا نکاح پنجم بروئے شرح محمدی باطل ہوتا ہے یا فاسد ہوتا ہے۔ جہانتک ہم دریافت کر سکے ہیں سندات نسبت اس امر کے شاید بالکل متفق نہیں ہیں۔ الا اسکو معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ وزن تحقیقی طور پر تائید نکاح کے صرف فاسد ہونیکے ہے۔

منبع شرع محمدی یعنے القرآن نسبت اس مضمون کے بالکل خاموش ہے۔ آیت متعلق سوال تعداد زوجگان حسب ذیل ہے (اور اگر ڈرو تم کہ انصاف نہ کرو گے تم یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرو جو تم کو خوش آویں عورتیں دو دو تین تین چار چار۔)

کتاب اینگلو محمڈن لا مصنفہ ولسن صاحب صفحہ ۳۲۔ اس عبارت کی یہ تشریح کی گئی ہے کہ اسکے ذریعے تعداد کی غایت حد چار مقرر کیگئی ہے۔ نہ کہ زیادہ۔ دیکھو کتاب مصنفہ ولسن صاحب صفحہ ۲۳۰ و ٹیگور لا لکچرہائے ۱۹۱ و ۹۲ و صفحہ ۱۶۰ و ٹیگور لا لکچرہائے بابت ۱۸۷۳ء صفحہ ۳۱۶ جنمیں ہدایہ کی سند کا حوالہ بتائید اس امر کے دیا گیا ہے کہ اسکے روسے تعداد صرف چار تک محدود کی گئی ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ اس تعبیر کو جو کہ مسٹر جان نے کی ہو بطور صحیح تعبیر کے قبول کیا جائے۔ الا اسقدر اظہار رائے کرنا شاید جائز ہوگا کہ بادی النظر میں یہ عبارت اپنی شرائط میں ایسی مانع نہیں ہے جیسے کہ وہ عبارت جسکے روسے نکاح ہمراہ بعض خاص رشتہ داران امہات وغیرہ ممنوع ٹھرایا گیا ہے۔ عبارت مؤخر الذکر حسب ذیل ہے۔ ٹیگور لکچرہائے ۹۱-۹۲ فقرہ جات ۱۱۶ و ۱۲۰ تمکو منع کیا جاتا ہے کہ تم اپنی والدہ وغیرہ سے اور زوجگان پسران خود سے جو تمہاری پشت سے پیدا ہوئے ہوں نکاح مت کرو۔ اور تمکو یہ بھی منع کیا جاتا ہے کہ دو ہمشیرگان زوجیت بناؤ بجز اسصورت کے جو اب تک گذر چکی ہے۔ پس عبارت قرآن شریف کو چھوڑ کر کیونکہ وہ امر متنازعہ کی نسبت کوئی قطعی نتیجہ پیدا نہیں کرتی ہے۔ کوئی گنجائش شک کرنے کی موجود نہیں ہے کہ بموجب سند ابو حنیفہ اس قسم کا نکاح جیسا کہ مقدمہ ہذا میں متنازعہ ہے نکاح ناجائز قرار دیا جائے گا۔ اس مضمون پر مفصل بحث کتاب ڈائجسٹ مصنفہ بیلی صاحب میں بصفحات ۱۵۰ لغایت ۱۵۵ کیگئی ہے۔

باب سوم ڈائجسٹ مذکور میں بصفحہ ۳۲ یہ جتلایا گیا ہے کہ عورتوں کے نو اقسام ہوتے ہیں جنکا جائز یا ممنوع ہوتے ہیں۔ منجملہ انکے چوتھا قسم ان عورتوں کا ہوتا ہے جنکو جائز طور پر اکٹھا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور ان میں نوع اول وہ ہے جس میں کوئی مرد جائز طور پر چار سے زیادہ زوجگان کسی ایک وقت میں نہیں رکھ سکتا ہے۔ صفحہ ۳۰۔

صفحہ ۱۵۰ پر یہ جتلایا گیا ہے کہ نکاح فاسد وہ ہوتا ہے جسمیں جوازیت کی شرطوں میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ ان معنوں میں ہر ایک نکاح جو خلاف قانون ہو اور بنا بریں ہر ایک نکاح جو مابین کسی مرد کے اور اُن نو اقسام کی عورتوں میں سے کسی ایک کی ہو جو اسکے لئے ممنوع ہیں یا حرام ہیں ناجائز ہوتا ہے لیکن جب کسی مسلم نے اپنی محرمات میں سے کسی ایک کے ہمراہ نکاح کیا ہو اور اُس عورت کے بطن سے بچہ پیدا ہو تو اسکا نسب بقول ابو حنیفہ و محمد اس سے

قائم نہیں ہوتا۔ کیونکہ انکی رائے میں نکاح باطل ہوتا ہے۔ حالانکہ بقول ابوحنیفہ بچے کا نسب اُس شوہر سے قائم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسکی رائے میں نکاح صرف ناجائز ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک یعنے فرقہ حنفی کے نزدیک محرمات ایسی عورتیں ہوتی ہیں جنکے نکاح کرنے سے مرد کو بوجہ نسب یا قرابت یا رضاع ہمیشہ ممانعت ہوتی ہے خواہ وہ رشتہ بذریعہ مباشرت ناجائز کے بھی ہو۔ چنانچہ اس میں والدہ و دختر عورت شامل ہیں۔

عورت مجوسی کو بذریعہ اسلام جائز بنالیا جاتا ہے یا بذریعہ قبول کرنے مذہب عیسائی یا مذہب یہودیان اور ایسی عورت کو جس سے تین دفعہ انکار کیا گیا ہو۔ بذریعہ تکمیل شادی ہمراہ شوہر دویم و انقضائے عدت اور عورت منعقدہ دیگر شخص کو بذریعہ انقضائے محض میعاد عدت۔ چنانچہ ان عورتوں میں سے کسی کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کسی مرد کے واسطے ہمیشہ کے لئے ممنوع ہیں۔ بنابریں وہ محرمات نہیں ہوتی ہیں۔ مشابہت استدلال سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ان تمام دیگر عورات سے جو کسی مرد کے لئے حرام یا ممنوع ہوتی ہیں صرف وہی عورات جن کو بوجہ نسب یا قرابت یا رضاع ممنوع ٹھہرایا گیا ہے اسکی محرمات ہوتی ہیں پس صرف انہی کی نسبت یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ جو شادی انکے ہمراہ کیجاوے وہ حسب رائے ابوحنیفہ و محمد باطل ہوگی۔

انتخاب بالا سے جو صریحاً فتاوٰے عالمگیری کی سندات پر مبنی ہے یہ صاف ظاہر ہے کہ مطابق رائے ابوحنیفہ کل خلاف قانون نکاح فاسد ہوتے ہیں اور بقول اسکے دو شاگردوں کے ایسے نکاح ہائے جو بوجہ نسب قرابت رضاع ہمیشہ کے لئے ممنوع ہیں باطل ہوتے ہیں نہ کہ باقی اقسام ناجائز نکاح ہائے کے۔ اس فرق کی نسبت پھر بحث صفحہ فقرہ اخیر میں کی گئی ہے۔ مرد و عورت میں دو قسم کی ناجائز مباشرت ہوتی ہے۔ یعنی ایک تو وہ جو بذاتہٖ ناجائز ہو۔ اور دوسری وہ جو بلحاظ کسی دیگر امر کے ناجائز ہو۔ فعل مقدم الذکر میں زنا ہوتا ہے اور فعل موخر الذکر زنا نہیں ہوتا ہے جبکہ مرد کو کوئی حق نسبت عورت کے حاصل نہ ہو یا درحالیکہ ایسا حق حاصل ہو وہ عورت ہمیشہ کے لئے اسکو ممنوع ہو تو مباشرت بذاتہٖ ناجائز ہوتی ہے۔ اور جبکہ ممانعت عارضی ہو تو مباشرت بوجہ کسی شئے کے ناجائز ہوتی ہے۔

باب سوئم کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا۔ کہ منجملہ ان نَو اقسام عورات کے جو کسی مرد کے واسطے

ناجائز یا حرام ہوتی ہیں۔ چھٹی ساتویں اور نانویں قسموں کا تصفیہ اس امر کے ظاہر کرنے سے کیا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے ممنوع نہیں ہوتی ہیں۔ اور کہ نوع چہارم (جو یہی نوع مقدمہ ہذا میں متنازعہ ہے۔ اور نوع ششم کا اس طور پر تصفیہ بذریعہ سندات خاص یا بذریعہ مشابہت ادلال کے طور پر کیا گیا ہے کہ انکے ہمراہ مباشرت جبکہ اسکی اجازت از روئے استحقاق منجانب مرد کے ہو بمنزلہ زنا نہیں ہوتی ہے جو قریباً وہی بات ہے (صفحہ جات ۱۵۳ و ۱۵۴) صریح طور پر یہی رائے امیر علی صاحب نے اپنی کتاب شرع محمدی میں بصفحات ۳۱۸ و ۳۱۹۔ اختیار کی ہے مثلاً تعلقات جو خلاف قانون ہوتے ہیں وہ شروع سے باطل ہوتے ہیں اور انکے ذریعہ کوئی حقوق اور فرائض دیوانی مابین فریقین پیدا نہیں ہوتے۔ وہ نکاح جو ان درجوں میں منعقد کئے جائیں جو از روئے شرع محمدی ممنوع ہیں وہ ان نکاحہائے کی ذیل میں آتے ہیں جو شروع سے باطل ہوتے ہیں انکے متعلق کوئی حقوق نہیں ہوتے اور انکا کوئی اثر قانونی نہیں ہوتا ہے بقول امام ابویوسف و محمد جنکی رائے نافذ ہیں تعلق مذکور کی ناجوازیت میں۔ اس امر سے بھی کوئی فرق نہیں آتا ہے کہ نکاح نیک نیتی سے اور بصورت عدم واقفیت ان اسباب کے کیا گیا تھا جنکے روسے فریقین ایک دوسرے کی نسبت حرام تھے۔ اگر ایسے نکاح سے کوئی اولاد ہو تو اسکو مطابق عام مسلمہ مسائل حنفیہ کے حیثیت صحیح النسبی کی حاصل نہیں ہوتی۔ گو عورت کو پھر شادی کرنے سے پہلے روزِ میعاد عدت کی ملحوظ رکھنی ہوتی ہے۔

یہ سب کچھ جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جاچکا ہے حسب قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہے۔ کیونکہ مطابق قول ابوحنیفہ ہر ایک نکاح جسمیں بوجہ خلاف قانون یا خلاف قاعدہ یا کسی ناقابلیت کے حائل ہونیکے کوئی نقص کسی ایک وجہ یا دوسری سے عاید ہوتا ہے وہ صرف فاسد ہوتا ہے۔ اور اولاد ہر حالت میں صحیح النسب ہوتی ہے۔

وہ نکاح جنمیں کوئی اصلی نقص قسم متذکرہ بالا عاید ہو کر انکو ناقص اور خلاف قانون نہیں بنا دیتا ہے وہ ایک مختلف صورت پر مبنی ہیں ایسی صورتوں میں تکمیل نکاح عام طور پر اس نقص کو دور کر دیتا ہے جو نکاح کی جوازیت کے بارہ میں ہوتا ہے۔ جو اطفال معاہدہ کی موجودگی کی اثنا میں حمل میں آتے ہیں اور تولد ہوتے ہیں وہ صحیح النسب قرار دیئے جاتے ہیں رنا ان بعد نظائر فاسد نکاح ہائے قسم بالا ہیں۔ اور منجملہ انکے نظیر ذیل کو ردالمحتار سے نقل کیا گیا ہے

نکاح ہمراہ زن پنجم وکیل منجانب رسپانڈنٹ نے یہ ظاہر کیا کہ مثال آخری کا مفصل طور پر حوالہ نہیں دیا گیا تھا۔ اور جو مثال مصنف رد المحتار نے بیان کی تھی وہ نکاح کے ہمراہ پانچویں زوجہ کے دراثنائے عدت زوجہ چہارم تھی یہ صحیح ہے۔ اِلّا اس سے کوئی اثر اس رائے کی صحت پر نہیں پڑتا ہے جو امیر علی صاحب نے نسبت اس اختلاف کے اختیار کی ہے جو ابو حنیفہ اور ان کے دو شاگردوں کی رایوں میں ہے۔ اور یہ رائے بالکل مطابق اس رائے کے ہے جسکا اظہار ڈائجسٹ مصنفہ بیلی صاحب میں کیا گیا ہے جسکا کہ ہم نے مفصل طور پر اقتباس کیا ہے۔ وکیل منجانب رسپانڈنٹان نے بحث کرنے کی اس طور پر کوشش کی کہ بقول شاگردہائے موصوف جملہ نکاحہائے باطل ہوتے ہیں۔ اور اس نے اخیر فقرہ مندرجہ ۲۱۸ کا حوالہ دیا جو عبارت بقول امام ہائے سے شروع ہوتا ہے جسکا اوپر پورا پورا اقتباس کیا گیا ہے۔ اِلّا یہ کوشش صرف بجائے سود ہے اور اسکی کوئی بنا کھڑے ہونیکی نہیں ہے۔ ناجوازیت تعلق جسکا حوالہ فقرہ ہذا میں دیا گیا ہے متعلق درجہائے ممنوع کے ہے جیسا کہ فقرہ مقدم میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اور فاضل وکیل اس امر کے ناقابل تھا کہ کوئی واحد سند اس حجت کی تائید میں پیش کرتا۔ بموجب مسلمہ مسائل ہر دو شاگردان کے جملہ ناجائز نکاحہائے باطل ہوتے ہیں جو ایک ایسی حجت ہے جو صاف طور پر سند فتاوی عالمگیری کے مخالف ہے جس طور پر کہ اسکا حوالہ ڈائجسٹ مصنفہ بیلی صاحب میں دیا گیا ہے۔ اس بحث کا جو صفحہ ۲۶۹ کتاب مذکور میں نسبت سوال متنازعہ نکاح کی گئی ہے جس پر تقریر میں انحصار کیا گیا تھا۔ کوئی تعلق امر متنازعہ سے نہیں ہے اور وہ بالکل ناقابل اطلاق ہے۔ برخلاف اسکے ایک انتخاب صفحہ ۳۱۷ پر کتاب عنایہ کا دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی مباشرت بذاتہ ناجائز ہو یا یوں کہو کہ قطعی طور پر ناجائز ہو تو وہ زنا ہوتی ہے۔ مگر جبکہ مباشرت بوجہ کسی دیگر امر کے ناجائز ہو۔ مثلاً بصورت ممانعت عارضی تو وہ زنا نہیں ہوتی۔ اس رائے کی معقول تائید اس بحث سے ہوتی ہے جو ٹیگور لا لکچر اے ۱۹۰۲ء جلد دوم صفحہ ۱۰۰ پر کی گئی ہے جیسا کہ انتخاب ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

فقرہ ۱۱۷۵ ممانعت از دواج دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو دوامی ممانعت ہوتی ہے اور دوسری غیر دوامی ممانعت یعنے ممانعت عارضی فقرہ ۱۱۷۶ دوامی ممانعت بذریعہ نسبت یا رضاع یا صہریت (یعنے تعلق جماع خواہ جائز ہو یا غیر جائز) قائم ہوتی ہے۔ فقرہ ۱۱۷۷ وہ عورات

جو بذریعہ نسب حرام ہیں وہ ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے نسار کے نام سے مخصوص کیا ہے جبکہ وہ فرماتا ہے " ذیل کی عورات تمہارے واسطے حرام ہیں یعنے تمہاری مائیں (علے ہذا تا اخیر آیت) قطع نظر تفصیل متعلق ایسی عورات کے جو بوجہ رضاع و صہریت دوامی طور پر ممنوع ہیں۔ اور جنکی بابت بحث فقرہ جات ۱۱۷۹ لغایت ۱۲۰۲ میں کیگئی ہے۔ مضمون زیر بحث مقدمہ ہذا کی تشریح فقرہ ۱۲۰۳ میں کیگئی ہے جب ذیل ہے۔

فقرہ ۱۲۰۳۔ اب دربارہ ایسی عورات کے جو دوامی طور پر ممنوع نہیں ہیں (بلکہ عارضی طور پر) ایسی عورات سات اقسام کی ہوتی ہیں۔ ایک قسم کی وہ عورت ہوتی ہے جو جائز تعداد سے فاضل ہو۔ اور جائز تعداد مرد حر کے لئے چار عورات ہوتی ہیں۔ خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام۔

اگر کوئی مرد حر پانچ عورات سے یکے بعد دیگرے نکاح کرے تو وہ نکاحہائے جو پہلی چار عورات کے ہمراہ ہوں جائز ہوتے ہیں اور نکاح ہمراہ زوجہ پنجم جائز نہیں ہوتا۔ اِلّا اگر ہر پانچ عورات سے بذریعہ ایک عقد کے نکاح کرے تو ان میں سے ہر ایک کا نکاح فاسد ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر فاسد بمعنے باطل استعمال کیا گیا ہے۔

فقرہ ۱۲۰۳ محض ایک کھلا ترجمہ بزبان انگریزی فقرہ ۳۰۳ فتاوی قاضیخان کا ہے جسکا ابتدائی عربی متن بھی لیکچرائے مذکور کے اخیر میں طبع کیا گیا ہے۔ اس موقعہ پر اس عین عربی عبارت فتاوی قاضی خان کا انتخاب کرنا مفید ہوگا جو متعلق سوال جوازیت یا ناجوازیت نکاح پنجم کے ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے:۔ وَاِذَا تَزَوَّجَ الْحُرُّ خَمْسًا عَلَے التَّعَاقُبِ جَازَ نِكَاحُ الْاَرْبَعِ الْاُوَلِ وَلَا يَجُوْزُ نِكَاحُ الْخَامِسَةِ وَاِنْ تَزَوَّجَ خَمْسًا فِي عَقْدٍ فَسَدَ الْكُلُّ۔ جو عبارت اس موقعہ پر استعمال کی گئی ہے وہ آسانی سے قابل تفہیم ہے۔ اور اسکا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد مرد پانچ عورات سے یکے بعد دیگرے نکاح کرتا ہے تو پہلی چار کا نکاح جائز ہوتا ہے اِلّا نکاح پانچویں کا جائز نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ہر پانچ سے بذریعہ ایک عقد کے نکاح کرتا ہے تو وہ عقد فاسد ہوتا ہے۔ فاضل مصنف ٹیگور لیکچرہائے نے لفظ فاسد کی جو یہاں استعمال کیا گیا ہے تعبیر یہ کی ہے کہ وہ بمعنے باطل ہے خواہ بصورت ہو یا نہ ہو۔ اِلّا یہ ظاہر ہے کہ بصورت پانچ پے درپے نکاحوں کے لفظ استعمال شدہ لَا یَجُوْزُ

ہے کہ پانچویں جائز نہیں ہوتی یعنے ناجائز ہے۔ ایک نہایت صاف اور سیدھی سند بتائید حجت مدعا علیہم کی ہے اور اس سے عبور کرنا ہمکو قریباً ناممکن معلوم ہوتا ہے خود عبارت متن سے یہ امر خارج از شبہ ہو جاتا ہے۔

باب کے شروع میں ایک فرق درمیان ممانعت ہائے دائمی و عارضی کے کیا گیا ہے اور نکاح پنجم کو ذیل موخر الذکر میں لکھا گیا ہے۔

پدریت کے سوال پر مصنف نے اپنی کتاب کے فقرہ ۲۴۳ میں دیکچر ہا کے فقرہ ۲۴۲ میں ابحث کی ہے اور اس جگہ اس امر کو واضح طور پر جتلایا گیا ہے جیسا کہ اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے بذریعہ نکاح فاسد شادی کرے اور اس سے مباشرت کرے تو طفل کا نسب (بقول ابو حنیفہ و ابو یوسف) اسی سے قایم ہوگا۔ امر اختلاف ان ہر دو صاحبان اور محمد میں صرف یہ ہے کہ آیا چھ ماہ تاریخ نکاح سے شمار ہونے چاہئیں یا تاریخ مباشرت سے۔

یہ ایک ایسی صاف سند ہے جیسی کہ طلب کیجا سکتی ہے اور اسکے ذریعہ یہ امر بلا شک و شبہ قایم ہو جاتا ہے کہ نکاح پنجم محض ناجائز ہوتا ہے اور کہ ایسے نکاح کی اولاد مطابق متفق الرائے ابو حنیفہ اور اسکے دو شاگردوں کے صحیح النسب ہوتی ہے جو بحث صفحہ ۱۰۱ لیکچر ہا میں کی گئی ہے جسپر وکیل رسپانڈنٹ نے اپنی تقریر میں انحصار کیا وہ متعلق ممانعت دائمی بوجہ نسب رضاع کے ہے اور اس امر کی نسبت ہرگز اطلاق پذیر نہیں ہے جو مقدمہ ہذا میں متنازعہ ہے۔

وہ عبارت عربی جسکا ہم نے فتاویٰ قاضی خان سے انتخاب کیا ہے لفظ بہ لفظ فتاویٰ عالمگیری میں صفحہ ۳۹۱ پر اس دفعہ تحت میں جس میں محرمات بالغیر کا ذکر ہے مندرج ہے۔ اور اس کتاب میں اس دفعہ کی تحت میں جو متعلق نتائج نکاح ہائے فاسد صفحہ ۴۶۶ پر مندرج ہے (جسکا اوپر اقتباس کیا جا چکا ہے) یہ جتلایا گیا ہے کہ بصورت نکاح فاسد کے طفل کی پدریت قایم ہو جاتی ہے اور اختلاف صرف متعلق طریقہ شمار ایام کے ہے جو مقدمہ ہذا کے لئے غیر اہم ہے۔ لہذا جو نتیجہ مصنف فتاویٰ عالمگیری نے نکالا ہے وہ عین مطابق اس رائے کے ہے جو فتاویٰ قاضی خان میں مندرج ہے یعنے کہ پانچواں نکاح پے درپے والا جائز نہیں ہوتا ہے اور کہ پانچوں نکاح جو ایک عقد کے ذریعہ کئے جاتے ہیں

فاسد ہوتے ہیں۔ اور نکاح فاسد میں صحیح النسبی قرار دیجاتی ہے۔ ذیل میں وہ پوری پوری عبارت درج کی گئی ہے جو اس سوال کے متعلق ہے جس طور پر کہ فتاوی عالمگیری میں صفحہ ۴۶۶ پر درج ہے۔ جیسا کہ سرکاری مترجم نے اسکا ترجمہ کیا ہے۔ فصل ہشتم متعلق نکاحہائے فاسد و شرائط متعلقہ آں۔

جب کوئی نکاح فاسد پایا جائے تو قاضی کو چاہئے کہ شوہر اور زوجہ کے مابین تفرق کر دے اگر کوئی مباشرت نہ ہوئی ہو تو زوجہ کسی مہر کی مستحق نہ ہوگی اور نہ اسکے لئے ضروری ہوگا کہ میعاد عدت کو پورا کرے۔ مگر اس صورت میں کہ شوہر اور زوجہ کے مابین مجامعت ہوئی ہو تو زوجہ اس مہر کو حاصل کرے گی جو اسکے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ یا جو اسکے خاندان میں مروج ہو (مہر المثل) یعنے جو ان ہر دو میں کمتر ہو۔ مہر صرف اس صورت میں دلایا جائیگا جبکہ وہ مقرر کیا گیا۔ الا اگر وہ مقرر نہ ہوا ہو تو اسکو مہر المثل ملیگا۔ خواہ اسکی تعداد کچھ ہی ہو۔ اس صورت میں عورت کے لئے میعاد عدت پوری کرنی ہوگی اور صرف وہی مجامعت مانی جائے گی جو کی گئی ہو اور مرد نے اپنے عقد کے منشار کو پورے طور پر حاصل کیا ہو۔ میعاد عدت اسوقت سے شمار ہوگی جبکہ شوہر اور زوجہ کے درمیان تنسیخ نکاح عمل میں آچکی ہو۔ اس رائے کو ہر سہ اماموں نے اختیار کیا تھا۔ (دیکھو کتاب محیط) پدریت ایسے شخص کی جو بطور اولاد نکاح فاسد پیدا ہو قایم ہوگی۔ اور میعاد نسب بقول امام محمد (جسپر خدا کی رحمت ہو) وقت مباشرت سے شمار ہوگی۔ اور اس سے فتویٰ دیا گیا ہے۔ یہی رائے ابو اللیث نے کتاب اربعین میں اختیار کی ہے بطور نکاح فاسد کوئی قاعدہ نافذ اختیار نہیں کیا جاتا تاوقتیکہ مجامعت عمل میں نہ آئی ہو اگر کوئی شخص کوئی ناجائز نکاح کرے اور ہمراہ زوجہ خلوت کرے جسکے بطن سے طفل متولد ہو اور وہ مرد اس عورت کے ہمراہ مجامعت کرنے سے انکاری ہو تو اس امر پر امام ابو یوسف کی (انپر رحمت ہو) دو رائے ہیں۔ ایک رائے کے مطابق وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کے تولد شدہ طفل کا نسب قایم ہو جائیگا اور مہر واجب الادا ہو جائیگا اور عدت ضروری ہو جائیگی الا دوسری رائے میں وہ فرماتے ہیں کہ نسب قایم نہیں ہوتا ہے اور مہر اور عدت ضروری نہیں ہوتے ہیں بصورتیکہ مرد نے ہمراہ اس عورت کے خلوت نہ کی ہو تو طفل تولد شدہ اسکے نطفہ سے پیدا ہوا تصور نہیں کیا جائیگا۔ (دیکھو کتاب محیط)۔

ہم نے قبل ازیں در المختار اور رد المختار کا حوالہ دیا ہے کہ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے

کہ ان شرحوں کے مصنفان صاف طور پر نکاح فاسد اور نکاح باطل کے مابین فرق کو تسلیم کرتے ہیں۔ ذیل کے اقتباسات جوانکی شرحوں سے کئے گئے ہیں صریحاً اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ زوجہ پنجم کے ہمراہ نکاح کرنے سے کوئی مرد قصوروار مستوجب حد یعنے سزا کے بروئے شرع محمدی نہیں ہوتا ہے اور اسلئے پانچویں زوجہ کے ہمراہ مجامعت کرنا زنا نہیں ہوتا ہے۔ اور ایسے نکاح کی اولاد صحیح النسب ہوتی ہے۔ ہم ان اقتباسات کو اختیار کرتے ہیں جو فیصلہ عزیز النسا خاتون بنام کریم النسا خاتون میں فیصلہ کے اخیر پر صفحات ۱۶۹ لغایت ۱۷۱ پر مندرج ہیں۔

اگر وہ شخص جو مباشرت کرے نسب کا ادعا کرے تو نسب قسم اول میں قایم ہوگا یعنی بصورت شک بنسبت محل اور نسب صورت دوئم میں قائم نہ ہوگا۔ یعنی بصورت شک نسبت فعل۔ اور بصورت شبہ العقد بھی کوئی سزا نہیں ہے۔ بقول امام ابوحنیفہ مثلاً جب کوئی شخص کسی محرم کے ہمراہ مباشرت کرے جس سے کہ اس نے نکاح کیا ہو۔ الا ابویوسف اور محمد نے قرار دیا ہے کہ اگر وہ مرد ناجوازیت کے بارہ میں آگاہ تھا تو وہ مورد حد کا ہوگا۔ اور اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ (خلاصہ)

الّا جملہ شارحان رائے ابوحنیفہ کو فوقیت دیتے ہیں اور بنابریں رائے مذکور کے مطابق فتوے دے دینا قابل ترجیح ہے۔ اور ایسا ہی قاسم نے اپنی کتاب موسومہ تصحیح میں بیان لکھا ہے۔

الا کتاب کوہستانی میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ فتوے بموجب رائے ابویوسف و محمد دیا جاتا ہے۔ اور فتح القدیر میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ قسم شبہ العقد متعلق اس جماعت کے ہے جسکو شبہ المحل کہا جاتا ہے اور شبہ المحل میں نسب اسی طور پر قایم ہوتا ہے جیسے کہ قبل از یں بحث کی گئی ہے یا مثلاً مجامعت بصورت ایسے نکاح کے جو بغیر گواہان ہوا ہو اور اس صورت میں کوئی سزا بوجہ شبہ نکاح نہیں ہے۔

شرح رد المختار بنسبت فقرہ بالا حسب ذیل ہے۔

مثلاً جب کوئی شخص کسی محرم کے ہمراہ مجامعت کرے جس سے کہ اس نے شادی کی ہو کے معنے یہ ہیں کہ جسکے ہمراہ اس نے عقد ازدواج کیا ہو۔ اور مصنف تنویر الابصار نے لفظ محرم کو عام طور پر بلا کسی شرط کے استعمال کیا ہے اور بدیں وجہ لفظ محرم میں وہ عورات

شامل ہیں جو بوجہ نسب یا رضاع یا صہریت ممنوع ہیں۔ اور مصنف تنویر الابصار ایسا کرتا ہے یا مفہوماً بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کر لیوے یا ایک ہی عقد کے ذریعے پانچ عورات سے نکاح کرے اور مجامعت کرے تو ان صورتوں میں کوئی حد نہیں ہے۔ اور یہ امر (مطابق نہایت پسندیدہ تعبیر کے) باتفاق رائے ان سب اماموں کے ہے۔ وجہ عدم موجودگی حد بقول ابوحنیفہ صاف ہے۔ اور وجہ برائے عدم موجودگی حد بقول ابویوسف و محمدؒ ہے اور بقول انکے شک صرف اسوقت دور ہوتا ہے جبکہ محارم کے درمیان شادی ایک ایسی ہو جسکی ناجوازیت کے متعلق اجماع رائے ہو اور جو دائمی طور پر ناجائز ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ امر بالا فتح القدیر میں بیان کیا گیا ہے۔ جس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ قانون دان جن کی تواریخ اور جنکی تصنیفات معتبر ہیں مثلاً ابومنظر انہوں نے بیان کیا ہے کہ بقول ہر دو شاگردان موصوف مرد مورد حد کا صرف ان صورتوں میں ہوگا۔ جبکہ عورتیں محرمات سے ہوں ورنہ بصورت عورات دیگر کے مثلاً عورت مجوسی و زوجہ پنجم و زوجہ معتدہ و دیگر کس۔ یہ بھی بحوالہ دیگر سندات کے جتلایا گیا ہے کہ محرم کے معنے بقول ہر دو شاگردان موصوف دائمی ممنوع ہیں الا مصنفان موصوفہ صدر کی رایوں سے مزید انتخابات کرنا غیر ضروری ہے۔ کیونکہ انتخابات مندرجہ بالا بلا شک و شبہ اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ بصورت نکاح ہمراہ زوجہ پنجم حد قایم نہیں ہوتی ہے نہ اس صورت میں جبکہ پانچ عورات کا نکاح بذریعہ ایک عقد کے ہو جو بقول قاضی خان فاسد ہوتا ہے۔ مگر جسکی تعبیر فاضل مصنف لیکچر ہائے ٹیگور ۹۱ و ۹۲ میں یہ کی ہے کہ وہ بمعنے باطل یا کالعدم ہے۔

اس رائے کی تائید رد المختار کے صفحہ ۳۰۷ کے آخری دو سطور کے ملاحظہ سے ہوتی ہے۔ اسمیں بیان کیا گیا ہے کہ مباشرت کا اثر نکاح موقوف اور نکاح فاسد میں یکساں ہوتا ہے۔ یعنی کہ سزا چھوڑ دی جاتی ہے اور نسب قائم ہوتی ہے اور زوجہ اس امر کی مستحق ہوتی ہے کہ کم سے کم مقدار مہر کی وصول کرے۔ جو عبارت صفحہ ۳۸۰ پر پہلی دو سطور میں مندرج ہے اسمیں کوئی نظائر نکاح فاسد کی نہیں دیگئی ہیں۔ الّا صریحاً ایسی مثالیں دیگئی ہیں جنمیں شادی جائز کے ہمراہ کوئی باطل شرط شامل ہے اور منجملہ انکے یہ مثالیں دیگئی ہیں کہ جب دو ہمشیرگان کے ہمراہ بذریعہ ایک عقد کے نکاح کیا جائے یا ہمشیرہ زوجہ

(۱) انڈین لا رپورٹ کلکتہ جلد ۲۳ صفحہ ۱۳۰۔

سے اسکے عدت کے زمانہ میں نکاح کیا جائے۔ یا زوجہ مطلقہ سے نکاح کیا جائے یا زوجہ پنجم سے باثنائے خدمت زوجہ چہارم نکاح کیا جاوے۔ ان نظائر سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا جیسا کہ وکیل منجانب ریسپانڈنٹان نے نکالنے کی کوشش کی کہ نکاح ہمراہ زوجہ پنجم بالکل باطل ہوتا ہے۔

علمی طور پر کوئی بحث بابت امر متنازعہ کتاب اینگلو محمڈن لا مصنفہ ولسن صاحب یا ہدایہ میں نہیں کی گئی ہے اور بدیں وجہ جو حوالہ جات ان سندات کی تقریر میں دیئے گئے ہیں وہ کوئی کارآمد نہیں ہیں اور کوئی وقعت نہیں رکھتے ہیں۔ الا ایک مقدمہ کا حوالہ کتاب اصول وسابقہ نظائر شرع محمدی مصنفہ میکناٹن صاحب میں صفحہ ۲۶۰ پر دیا گیا ہے جو عین مطابق اس رائے کے ہے جسکا اوپر فتاوی قاضی خان سے اقتباس کیا گیا ہے مقدمہ جو بیان کیا گیا ہے حسب ذیل ہے:۔

اگر یہ ثابت ہوجائے کہ کسی مسلمان نے چار عورت سے نکاح کیا جو ٹھیک ٹھیک طور پر اسکی کنیزکان کبھی جاسکتی ہیں تو اسکا نکاح ہمراہ انکے کالعدم ہوگا۔ اور اسکا نکاح مابعد ایک عورت آزاد کے در اصل نکاح پنجم نہ ہوگا۔ اور وہ نکاح بحین حیات کنیزکان کے صحیح ہوگا۔ الا اگر وہ چار عورات ٹھیک طور پر اور قانوناً اسکی کنیزکان نہ ہوں تو انکے ہمراہ نکاح از روئے قانون جائز ہوتا ہے اور نکاح مابعد ہمراہ زوجہ پنجم نکاح پنجم ہوتا ہے اور بدیں وجہ فاسد ہوتا ہے۔ الا مہر بعد تکمیل نکاح فاسد واجب الادا ہوتا ہے۔ اسیطرح پر نکاح فاسد کا نسب شوہر سے قائم ہوتا ہے۔

اب ان دو موجودہ ذیل فیصلہ جات پر غور کرنا باقی ہے جنکا حوالہ وکیل ریسپانڈنٹان نے دیا ہے۔ یعنی محمد الہداد خان بنام محمد اسمعیل خان (۱) وعزیز النسا خاتون بنام کریم النسا خاتون (۲) فیصلہ اول میں سوال تسلیم بروئے شرع محمدی پر بحث کی گئی ہے اور وہ متعلق نہیں ہے۔ مگر فیصلہ موخر الذکر کسیقدر متعلق ہے۔

مقدمہ کلکتہ میں سوال متنازعہ یہ ہے کہ آیا نکاح ہمراہ ہمشیرہ زوجہ جو جائز طور پر منکوحہ تھی جائز تھا یا نہیں اور یہ قرار دیا تھا کہ نکاح قسم مذکور باطل تھا اور اولاد نکاح مذکور غیر صحیح النسب تھی یہ تجویز کیا گیا کہ نکاح قسم مذکور صاف طور پر قرآن شریف میں منع کیا گیا ہے اور کہ اسکو عام طور پر مصنفان وشارحان شرع محمدی نے نکاح باطل تصور کیا ہے اور کہ وہ در اصل

ان عورتوں کی قسم میں آتا ہے جو بوجہ قرابت ممنوع ہیں۔ اور کہ ایک نظیر سابق کا حوالہ اصول ونظائر شرع محمدی مصنفہ میکناٹن صاحب میں صفحہ ۲۶۷ پر دیا گیا تھا۔ جس سے یہ صاف طور پر ظاہر ہوتا تھا کہ نکاح باطل تھا اور اولاد غیر صحیح النسب تھی۔ اس امر کی تائید میں کہ نکاح باطل نہ تھا بلکہ صرف فاسد تھا سند صرف ایک فقرہ مندرجہ فتاوی عالمگیری تھا جو ایک دوسری کتاب کی سند پر مبنی تھا۔ جسکا پتہ نہ ملا۔ اور بحالات مذکورہ یہ قرار دیا گیا کہ وہ ایک ہی سند فتاوی عالمگیری میں ذکر کی گئی تھی اور جسکی نسبت یہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ گذشتہ آٹھ سو سالوں میں اسکو کسی دیگر شارح نے قبول کیا تھا۔ اور جو دیگر شروحات کی متعدد مختلف الرائے اور قرآن شریف کی واضح ممانعت کی برخلاف تھی اور جسکے رو سے نکاحہائے قسم مذکور بدرجہ مساوات نکاح ہمراہ زوجہ پسر وخویش واسن کے ہوجاتے تھے وہ ایسی مکتفی نہ تھی کہ اس تجویز کو بجا ٹھہراوے کہ اس قسم کا نکاح صرف فاسد تھا اور باطل نہ تھا۔ اگر یہی دلیل مقدمہ حال پر قابل اطلاق ہوتی تو یقیناً وہی نتیجہ نکلنا چاہئے تھا۔ الا حالات مقدمہ ہذا بالکل مختلف ہیں جیسا کہ شروع میں بتلایا گیا ہے۔ قرآن شریف میں نکاح ہمراہ زوجہ پنجم کو اس ذیل میں نہیں رکھا گیا ہے جیسا کہ ایسے نکاح کو جو بوجہ نسب یا قرابت یا رضاع کے ممنوع ہو۔ نکاح ہمراہ زوجہ پنجم کے مضمون پر بحث ایک مختلف مقام میں اور مختلف آیت میں کی گئی ہے اور جو عبارت استعمال کی گئی ہے وہ کم از کم بادی النظر میں ایسی مانع اور ایسی از قسم فرمان نہیں ہے جیسی کہ بصورت نکاح ہمراہ زوجہ کی ہمشیرہ کے بوقت پیشی مقدمہ کسی ایسی واحد سند کا بھی حوالہ نہ دیا گیا جس پر کسی شارح نے نکاح مذکور کو براہ راست باطل بیان کیا ہو یا ظاہر کیا ہو۔ برخلاف اسکے فتاوی قاضی خان میں جس میں کہ نکاح ہمراہ ہمشیرہ زوجہ صاف طور پر باطل بیان کیا گیا ہے نکاح زوجہ پنجم کو ناجائز بیان کیا گیا ہے اور لفظ فاسد تک بھی استعمال نہیں کیا گیا ہے اسطرح جب کہ کتاب مصنفہ میکناٹن صاحب میں صفحہ ۲۵۰ پر ایک نظیر پائی جاتی ہے جسکے رو سے نکاح ہمراہ ہمشیرہ زوجہ بالکل باطل تصور کیا گیا ہے۔ ایک نظیر صفحہ ۲۶۰ پر ایسی درج ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح ہمراہ زوجہ پنجم ناجائز ہے اور اولاد نکاح قسم مذکور جائز وارث ہوتی ہے۔ اس مضمون پر بحث کرنیکے بعد جلی صاحب وامیر علی صاحب بھی اسی رائے پر پہونچے ہیں درحالیکہ کتاب اینگلو محمڈن لا مصنفہ ولسن صاحب میں اور ہدایہ وکتب مصنفہ گریڈی وبیلی صاحب میں اس مضمون کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا بحالات موجودہ ہمکو معلوم ہوتا ہے

کہ جو سند براہ راست فتاویٰ قاضی خان میں دیگئی ہے اور جسکی تائید فتاویٰ عالمگیری سے اور ایک نظیر مندرجہ کتاب میکناٹن صاحب سے ہولی ہے۔ وہ ضرور اس صورت میں غالب آنی چاہیئے جبکہ کوئی رائے مخالف کسی دیگر شروحات میں نہیں ہے ایک مستند رائے فیصلہ عظیم النسا رخاتون میں صفحہ ۱۰۹ پر درج ہے جو مخالف رائے مذا ہے۔ مگر وہ مستند رائے صریحاً ضمناً بیان کی گئی تھی۔ کیونکہ اس مقدمہ میں کوئی سوال متنازعہ اسبارے میں نہ تھا کہ ایسے نکاح کا قانونی اثر اور اسکی قانونی ماہیت کیا ہوتی ہے جو ہمراہ زوجہ پنجم علاوہ چار زوجگان کے کیا جاوے اور اس امر کا حوالہ صرف بذریعہ مشابہت تفریق کردہ شدہ دیا گیا ہے لہذا ہماری رائے میں یہ قرار دیا جانا چاہیئے کہ نکاح خورشید جان ہمراہ سردار محمد ابراہیم خان فاسد تھا اور باطل نہ تھا اور کہ بدیں وجہ مدعا علیہ نمبر ۲ پسر صحیح النسب ہے اور وہ اپنے برادران کے ہمراہ یعنے مدعیان رسپانڈنٹان اپنے والد کی حقیت کا بطور وراثت حصہ پانیکا مستحق ہے۔ اس نتیجہ پر پہونچنے کے لئے ہم نے مدعی کے اس فعل کو غور میں نہیں لیا ہے۔ کہ اس نے مدعا علیہ نمبر ۲ کو بطور وارث جائز تسلیم کر لیا تھا۔ اور نہ اس امر کو کہ سردار محمد ابراہیم خان کا نسب سلطانی تھا نہ اس دلیل کو جسپر وکیل رسپانڈنٹ نے اصرار کیا ہے یعنے کہ اگر کوئی تجویز بحق مدعا علیہ نمبر ۲ کی گئی تو اس سے کثیر الازدواجی کو تقویت ہوگی۔ بلکہ ہم نے مدعی کے فعل کو بالکل خارج از حساب رکھا ہے کیونکہ یہ بیان کیا گیا تھا کہ تسلیم بوجہ غلط فہمی قانونی ہوئی تھی اگرچہ جس نتیجہ پر کہ ہم ابھی پہونچے ہیں اسکی یہ قوی تائید ازروئے قرائن ہے کہ خود مدعیان نے کارروائی سارٹیفکیٹ وراثت میں مدعا علیہ نمبر ۲ کی صحیح النسبی کو فی الحقیقت تسلیم کیا تھا۔ ہم نے اس دلیل کو کوئی وقعت نہیں دی ہے کہ اگر مدعا علیہ نمبر ۲ کامیاب ہوگا تو کثیر الازدواجی کو تقویت ہوگی۔ کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ بوجہ اس منظوری مذہبی کے جو قرآن شریف میں مندرج ہے جسکے رو سے تعداد نکاحہائے چار زوجگان تک محدود کی گئی ہے اور بلحاظ اقتصادی حالت لوگوں کے اس امر کا کافی اطمینان ہے کہ نکاح پنجم اگر کبھی ہوگا تو شاذ و نادر صورتوں میں ہوگا۔ بہر حال قانون کی تعبیر بہ نفس خود بربنائے ایسی سندات کے کرنی ہوتی ہے جنکی نسبت یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان میں اسلام کے اصلی فائدوں کا مناسب لحاظ رکھکر تعبیر کی گئی ہے۔ مگر ایک امر صاف ہے یعنے کہ منشائے اسلام بہ مثل منشائے دیگر قوانین اس امر کے برخلاف ہے کہ بچوں کو ولد الحرام قرار دیا جائے۔ بلکہ ازروئے اسلام بعض خاص صورتوں میں اور بپابندی

بعض خاص قیود و تحدیدات کے یہ اجازت دیگئی ہے کہ نسب بذریعہ تسلیم بھی قایم کیا جا سکے اسکا بار ثبوت ان اشخاص پر ہوگا جو یہ بیان کریں کہ کوئی طفل جو بطور اولاد ایک جائز عقد نکاح ہمراہ ایک عورت کے پیدا ہوا جو عورت کہ نکاح کرنے کے بالکل لائق ہے اور ناقابل ازدواج نہیں ہے جیسے کہ محرمات ہوتی ہیں وہ دراصل صحیح النسب اسوجہ پر نہیں ہے کہ اس تعداد سے جسکی واضح طور پر قرآن شریف میں اجازت دیگئی ہے تجاوز کیا گیا۔

ہماری رائے میں رسپانڈنٹان کسی صحیح سند کے حوالہ سے جو براہ راست متعلق ہو اس بار ثبوت سے سبکدوش ہونے میں ناکام رہے ہیں بلکہ جیسا قبل ازیں بیان کیا گیا ہے غلبہ وزن یقینی طور پر مخالف جانب میں ہے۔ لہذا اگر ہمارے فاضل برادر متفق ہوں تو بر دی تجاویز مندرجہ صدر ہماری رائے میں اپیل منجانب مدعا علیہ نمبر ۱ ڈسمس ہونا چاہیئے اور یہ ہدایت ہونی چاہیئے کہ فریقین اپنا اپنا خرچہ جملہ عدالتہا آپ برداشت کریں۔

جانسٹن صاحب بہادر حاکم۔ ہم عام طور پر طرز دلیل و نتائج اپنے ہم جلیس سے اتفاق کرتے ہیں۔ حکم اجلاس ڈویژن بنچ وہی ہے جو انھوں نے بیان کیا ہے + چودہویں صدی۔ اپیل منظور کیا گیا۔ ۳۔ اگست ۱۹۰۶ء۔

شریعت اسلام کا فیصلہ اس امر کے متعلق یہی ہے کہ جس عورت سے نکاح جائز نہیں ہے اسکی اولاد اگر اسی مرد سے پیدا ہو جائے جسپر وہ عورت حرام تھی تو وہ اولاد صحیح النسب نہ ہوگی۔ الولد للفراش و للعاھر الحجر۔ قانون انگریزی بھی اسی کے مطابق ہے۔ دفعہ ۱۰۱۔ اگر ایسی عورت سے نکاح کیا جائے جس سے جائز نہیں ہے تو اس سے جو اولاد پیدا ہو وہ صحیح النسب نہ ہوگی۔ فقط۔

کیا لونڈیاں جسقدر کوئی چاہے بے تعداد بغیر نکاح اپنی ہمبستری کے لئے رکھ سکتا ہے؟

سوال۔ اگر ہمبستری کے لئے جسقدر کوئی چاہے لونڈیاں بغیر نکاح رکھے تو اس میں اور کنجبازی میں کیا فرق ہے۔

جواب۔ واضح ہو کہ قرآن شریف و سنت مستعملہ و احادیث صحیحہ نبویہ میں لونڈی کے ساتھ

نکاح کے متعلق ہدایات آئی ہیں اگر بغیر نکاح اور بے تعداد وطی کے لیے لونڈیاں رکھنی جائز ہوتیں تو اسکی نظیر صحابہ کرام میں ملتی۔ ہاں اسلام سے پہلے منجملہ اور بد رسموں کے یہ بھی ایک بد رسم زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کے اندر مروج تھی اسلام نے آکر اس قبیح رسم کی بیخکنی کر دی اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص اس فعل کا مرتکب ہو تو اسکی ناواقفی کا اسلام ذمہ دار نہیں ہے اور نہ خدا اور رسول کے ذمہ یہ الزام آتا ہے۔

قرآن کریم سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آقا کو یہ اختیار تھا کہ جسقدر لونڈیاں چاہے اپنی صحبت کے لئے رکھ لے۔ اور جس وقت جس لونڈی سے چاہے صرف اسوجہ سے کہ وہ اسکی مملوکہ ہے وطی کرے۔ اگر یہ امر جائز ہوتا تو قرآن کریم میں اسکے برخلاف آیات نازل نہ ہوتیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۔ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ ترجمہ اور تم میں سے جسکو مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنیکا مقدور نہ ہو تو مسلمان لونڈی سے جو تمہارے قبضہ میں آچکی ہیں نکاح کر لے۔ اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے (آزاد اور غلام) تم ایک دوسرے کے ہمجنس ہی ہو۔ پس لونڈی کے اہل کے اذن سے انکے ساتھ نکاح کر لو اور دستور کے مطابق انکے مہر انکے حوالے کر دو۔ بشرطیکہ وہ نکاح کی قید میں ہو کر رہیں نہ کھلی بدکاری کرنیوالی ہوں۔ اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والی۔ پھر اگر وہ قید نکاح میں رہنے کے بعد ارتکاب زنا کا کریں تو انکی سزا آزاد بیاہی عورت کی سزا سے نصف ہے۔ یہ اجازت (لونڈیوں سے نکاح کرنیکی) تم میں سے انکے لیئے ہے جسکو اندیشہ ہو کہ (اگر وہ نکاح نکریگا تو) کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے گا۔ اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اللہ بڑا حفاظت کرنیوالا اور مہربان ہے۔ ان آیات سے کئی باتیں صاف ہوتی ہیں۔

اوّل یہ کہ لونڈی قید نکاح میں ہو کر رہے اور نہ کبھی بدکاری بازاری عورتوں کی طرح کرے۔ اور نہ چھپے آشنا رکھے۔ یعنے جیسے بعض عورتیں گھروں میں رہکر زنا کرتی ہیں

دوسرا ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس وقت اور کن شرائط کے ماتحت ایک آزاد مرد ایک لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ تیسرا یہ کہ لونڈی اگر خاوند کے سوا کسی دوسرے سے تعلق رکھے گی تو اسکو مرتکب زنا سمجھکر سزا دیجائیگی۔

اب قرآن کریم سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آقا کو اختیار تھا کہ جس وقت جس لونڈی سے چاہے صرف اسوجہ سے کہ وہ اسکی مملوکہ ہے وطی کرے۔ یہ ایک غلط نتیجہ ہے جو اس آیت سے نکالا گیا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ترجمہ یعنے وہ مومن نجات یافتہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے ہیں مگر انکو حفاظت اپنی شرمگاہوں کی اپنی ازواج اور ملک یمین سے شرط نہیں ہے اس سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ازواج کو مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ سے الگ بیان کرنیکا مطلب یہ ہے کہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کو بغیر زوجیت میں لانیکے آقا کو ان سے وطی کرنا جائز تھا۔ یہ ٹھیک نہیں۔ ازواج اور مملوک یمین کو الگ بیان کرنیکا منشا صرف اس امتیاز کو ظاہر کرنا تھا جو آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں رکھا گیا۔

اس امتیاز کی شہادت قرآن کریم سے بھی ملتی ہے کیونکہ عام طور پر یہ اجازت نہیں دیگئی کہ آزاد مرد لونڈیوں سے نکاح کریں۔ بلکہ سخت مجبوری کی حالت میں اسے جائز قرار دیا گیا ہے یعنے ایک شخص ضرورت نکاح کی بھی رکھتا ہو پھر اسے کوئی آزاد عورت خواہ وہ غریب ہی ہو نہ ملسکتی ہو پھر اسے ڈر بھی ہو کہ اگر نکاح نہ کیا تو بدکاری میں مبتلا ہو جائے گا تب وہ لونڈی سے نکاح کر لے۔ مگر پھر بھی ساتھ فرما دیا ہے کہ صبر کرو تو بہتر ہے۔ پس جب خود قرآن شریف نے آزاد عورتوں اور لونڈیوں کی حیثیت میں اسقدر فرق رکھا ہے اور لونڈی کے ساتھ نکاح کی صرف مجبوری کی حالت میں اجازت دی ہے تو پھر کیا ضروری نہ تھا کہ لونڈیوں کا ذکر ازواج یعنے آزاد عورتوں سے الگ کیا جاتا۔ لفظ زوج میں جہاں ایک طرف خاوند یا بیوی ہونیکا مفہوم موجود ہے ساتھ ہی ایک برابری کا مفہوم بھی موجود ہے کیونکہ زوج جوڑے کو کہتے ہیں۔ یعنے وہ دونوں چیزیں ایک سی اور ایک دوسرے کی ہم پلہ ہوں لیکن چونکہ لونڈی میں حیثیت کی مساوات خاوند کے ساتھ نہیں پائی جاتی تھی اسواسطے اسکو ازواج سے الگ کر کے بیان کیا۔

قرآن شریف نے آزاد مردوں کے لئے ازواج کے علاوہ لونڈیوں کو بھی جائز ٹھہرایا۔

تو اسکا منشا یہ نہ تھا کہ لونڈیاں بلا نکاح ہی گھروں میں ڈال لیجاویں یا جسکی ملک ہوں وہ بلا نکاح اُن سے وطی کرے بلکہ منشا اس حکم کا یہ تھا کہ آزاد مردوں کو یہ اجازت ہے کہ ضرورت کے وقت لونڈیوں میں سے بھی بیویاں بنالیں یعنے انکو اپنے نکاحوں میں لے آویں۔

اب امر دعوے کے دلائل بیان کیئے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف نے خود ہی تمام مومنوں کو صاف اور صریح الفاظ میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے عباد یعنے غلاموں اور اِمار یعنے لونڈیوں کے نکاح کردیویں۔ اب یہ دعویٰ کہ قرآن شریف لونڈیوں کے آقاؤں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ انکے ساتھ صرف انکے مملوکہ ہونیکی وجہ سے وطی کرلیا کریں۔ پہلے حکم کے خلاف ہے۔ اگر یہ اجازت تھی تو پھر انکے نکاحوں کے حکم دینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ دونوں باتیں خود ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں کہ ایکطرف آقا کو کہا جائے کہ تم اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے سے کردو اور دوسریطرف اُسے کہا جاوے کہ تم بلا نکاح خود اس سے وطی کرلیا کرو۔ اگر لونڈی کے محض مملوکہ ہونیکی وجہ سے آقا کو اسکے ساتھ وطی کا حق پیدا ہوجاتا تھا اور ملک ہی قائم مقام نکاح تھی تو پھر نکاح کا حکم کیوں دیا کیونکہ جب ایک ایسی صورت موجود ہے کہ ایک مرد اور عورت میں میاں بیوی کا تعلق موجود ہے تو پھر اسکے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ تم اس لونڈی کا نکاح کسی اَور سے کردو خلاف عقل ہے اسطرح پر کم از کم چار موقعہ قرآن کریم میں ایسے موجود ہیں جنمیں بڑی صفائی اور وضاحت سے لونڈیوں کے نکاح کا حکم یا بیان ہے۔ یعنے سورۂ بقر کی آیت ۲۲۲ جسمیں یہ ارشاد ہے کہ نکاح کرنیکے وقت آزاد مشرکہ پر مسلمان لونڈی کو ترجیح دیجاوے۔ سورۂ نور کی ۳۲ آیت جسمیں صاف حکم ہے کہ اپنے غلام اور لونڈیوں کے نکاح کردیا کرو۔ سورۂ نسار کی تیسری آیت جسمیں لونڈیوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اور اسی صورت کی اُنتیسویں اور تیسویں آتیں جنمیں وہ حالات بیان کیئے گئے ہیں جنکے ماتحت ایک آزاد مسلم مسلمہ لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔

اسکے علاوہ بخاری شریف کی معتبر حدیث ذیل اس امر کی مؤید ہے۔ وہ حدیث یہ ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا رَجُلٍ کَانَتْ عِنْدَہٗ وَلِیْدَۃٌ فَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَهَا وَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَادِیْبَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاَیُّمَا رَجُلٍ

مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِیِّهٖ وَاٰمَنَ بِیْ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاَیُّمَا مَمْلُوْکٍ اَدّٰی حَقَّ مَوَالِیْهِ وَحَقَّ رَبِّهٖ فَلَهٗ اَجْرَانِ۔ ترجمہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اُسے تعلیم دے اور نہایت عمدہ تعلیم دے اور اُسکو اخلاق سکھلائے اور نہایت عمدہ اخلاق سکھلائے پھر اسکو آزاد کرے اور پھر اس سے نکاح کرے تو اسکو دوہرا اجر ملیگا۔

اب ان الفاظ سے یہ مطلب نہیں کہ جو شخص اپنے نبی پر ایمان لاتا ہے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا وہ نافرمان ہے اور غلام جو اپنے آقا کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کے احکام کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ بھی بے فرمان ہے۔ اسطرح جو شخص لونڈی کو بغیر تعلیم دینے اور آزاد کرنیکے اور بغیر نکاح کرنیکے وطی کرتا ہے وہ بھی نافرمان ہے۔

باب الطلاق

حکمت طلاق زن

واضح ہو کہ۔ طلاق عربی لفظ ہے جسکے معنے اردو زبان میں کھول دینے و چھوڑ دینے کے ہیں اور اصطلاح شریعت اسلام میں مرد کا اپنی عورت کو اپنے نکاح سے خارج کردینا ہے۔ جسکا مطلب تفصیل ذیل سے بخوبی معلوم ہوگا۔

واضح ہو کہ مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جسمیں مرد کیطرف سے مہر اور تعہد نان و نفقہ اور اسلام اور حسن معاشرت شرط ہے اور عورت کیطرف سے عفت اور پاک دامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری شرائط ضروریہ میں سے ہے۔ اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے شرائط کے ٹوٹ جانے سے قابل فسخ ہوجاتے ہیں ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہوجاتا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کیطرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود نکاح کے توڑنے کی مجاز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے کی مجاز نہیں۔ بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح کو توڑ سکتی۔ ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ نکاح کرسکتی ہے اور یہ کمی اختیار اُسکی فطرتی شتابکاری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار سے معاہدہ نکاح کا باندھ سکتا ہے ایسا ہی عورت کیطرف سے شرائط ٹوٹنے کے وقت طلاق دینے میں بھی خود مختار ہے۔ سو قانون

فطرتی قانون سے مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے گویا کہ اسکی عکسی تصویر ہے کیونکہ فطرتی قانون نے اسبات کو تسلیم کرلیا ہے کہ ہر ایک معاہدہ شرائط قرار دادہ کے فوت ہونے سے قابل فسخ ہوجاتا ہے۔ اور اگر فریق ثانی فسخ سے مانع ہو تو وہ اُس فریق پر ظلم کررہا ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے فسخ عہد کا حق رکھتا ہے۔ جب ہم سوچیں کہ نکاح کیا چیز ہے تو بجز اسکے اور کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ ایک پاک معاہدہ کی شرائط کے نیچے دو انسانوں کا زندگی بسر کرنا ہے اور جو شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو وہ عدالت کے رو سے معاہدہ کے حقوق سے محروم رہنے کے لائق ہوجاتا ہے اور اسی محرومی کا نام دوسرے لفظوں میں طلاق ہے۔ لہذا ایک ایسی پوری پوری جدائی ہے جس سے مطلقہ کی حرکات سے شخص طلاق دہندہ پر کوئی بد اثر نہیں پہونچتا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت جبکہ منکوحہ ہوکر نکاح کے معاہدہ کو کسی اپنی بدچلنی سے توڑ دے تو وہ اُس عضو کیطرح ہے جو گندہ ہوگیا اور سڑگیا۔ یا اُس دانت کیطرح ہے جسکو کیڑے نے کھالیا اور وہ اپنے شدید درد سے ہر وقت تمام بدن کو ستاتا اور دُکھ دیتا ہے تو اب حقیقت میں وہ دانت دانت نہیں ہے اور نہ وہ متعفن عضو حقیقت میں عضو ہے اور سلامتی اسمیں ہے کہ اسکو اُکھیڑ دیا جائے۔ اور کاٹ دیا جائے اور پھینک دیا جائے۔ یہ سب کارروائی قانون قدرت کے موافق ہے۔ عورت کا مرد سے ایسا تعلق نہیں ہے جیسے اپنے ہاتھ اور پاؤں کا لیکن تاہم اگر کسیکا ہاتھ یا پاؤں کسی ایسی آفت میں مبتلا ہوجائے کہ طبار اور ڈاکٹروں کی رائے اسپر اتفاق کرے کہ زندگی اسکے کاٹ دینے میں ہے تو بھلا تم میں سے کوئی ہے کہ ایک جان کے بچانے کے لئے کاٹ دینے پر راضی نہ ہو۔ پس ایسا ہی اگر تیری منکوحہ اپنی بدچلنی اور کسی مہلک سے تجھپر وبال لاوے تو وہ ایسا عضو ہے کہ بگڑ گیا ہے اور سڑ گیا اور اب وہ تیرا عضو نہیں ہے اسکو کاٹ دے اور گھر سے باہر پھینکدے۔ ایسا نہو کہ اسکی زہر تیرے سارے بدن میں پہونچ جائے اور تجھے ہلاک کرے۔ پھر اگر اُس کاٹے ہوئے اور زہریلے جسم کو کوئی پرند یا درند کھاوے تو تجھے اس سے کیا کام۔ کیونکہ وہ جسم تو اُس وقت سے تیرا جسم نہیں رہا جبکہ تو نے اسکو کاٹ کے پھینک دیا۔

وہ بداچلنیاں جنکی پابندی کے بعد ہر ایک شخص طلاق دینے کا مجاز ہوسکتا ہے۔

قَالَ اللهُ تَعَالٰے۔ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ

وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا۔ اِنَّ اللهَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا۔ فَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللهَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا۔ ترجمہ۔ جن عورتوں کیطرف سے ناموافقت کے آثار ظاہر ہوجائیں پس تم انکو نصیحت کرو اور خوابگاہوں میں اُن سے جدا ہو اور انکو مارو۔ یعنے جیسی جیسی صورت اور مصلحت پیش آوے۔ پس اگر وہ تمہاری تابعدار ہوجائیں تو تم بھی طلاق وغیرہ کا نام نہ لو اور تکبر نہ کرو کہ کبریائی خدا کے لئے مسلم ہے یعنے دل میں یہ نہ کہو کہ اسکی مجھے کیا حاجت ہے۔ میں دوسری بیوی کرسکتا ہوں بلکہ تواضع سے پیش آؤ کہ تواضع خدا کو پیاری ہے۔ اور پھر فرماتا ہے۔ کہ اگر میاں بیوی کی مخالفت کا اندیشہ ہو تو ایک منصف خاوند کیطرف سے مقرر کرو اور ایک منصف بیوی کیطرف سے مقرر کرو۔ اگر منصف صلح کرانیکے لئے کوشش کرینگے تو خدا تعالے توفیق دیگا۔

ترتیب وطریقہ طلاق

جب عورت باوجود سمجھانے اور دھمکانے کے نہ سمجھے اور گستاخی اور غلطی سے باز نہ آئے تو طلاق بلحاظ عدت دینی شروع کرنی چاہئے۔ ہر طہر کے بعد ایک طلاق دینی چاہئے اگر کوئی شخص ایک ہی طہر میں تین بار طلاق عورت کو دیدے تو اہل حدیث کے نزدیک کامل نہیں ہوسکتی وہ شخص اُس عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔ اور جو تین طلاقیں بلحاظ عدت یعنے ہر طہر میں ایک طلاق دیجائے حتّٰی کہ تیسرے طہر کے بعد بھی طلاق دیدے وہ عورت پہلے خاوند سے نکاح نہیں کرسکتی اِلّا اس صورت میں کہ جب خود ہی دوسرا خاوند اسکو طلاق بحسب منشائے خود دیدے یا وہ مرجائے تو وہ عورت پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے اور کوئی صورت نہیں۔ حلالہ شریعت محمدیہ میں حرام ہے اور اس فعل کے مرتکبوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ملعون فرمایا ہے۔ حلالہ کی نیت و ارادہ سے نکاح ہی نہیں ہوسکتا بلکہ زنا ہوتا ہے اور احادیث ذیل جو فوری طلاق ثلاثہ کے جواز میں مروی ہیں وہ مجروح ہیں۔ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنِّیْ طَلَّقْتُ مِائَةَ تَطْلِیْقَةٍ فَمَاذَا تَرٰی عَلَیَّ فَقَالَ لَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ طُلِّقَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَسَبْعٌ وَتِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا اٰیَاتِ اللهِ هُزُوًا رواہ مالک

بلاغا۔ وفیہ عن محمد بن ایاس البکری انہ طلق رجل امرأتہ ثلاثا قبل
ان یدخل بہا ثم بدا لہ ان ینکحہا فجاء لیستفتی فذہبت معہ و سألہ
فسأل عبد اللہ ابن عباس رض و ابا ہریرۃ عن ذلک فقالا لا نری ان
ینکحہا حتی تنکح زوجا غیرک قال انما کان طلاقی واحدۃ قال ابن عباس رض
ارسلت من یدک ما کان لک من فضل وعن معاویۃ ابن عیاش الانصاری
انہ کان جالسا عند عبد اللہ ابن زبیر و عاصم ابن عمر رضی اللہ تعالی
عنہم قال فجاء ہما محمد ابن ایاس البکری فقال ان رجلا من اہل البادیۃ
طلق امرأتہ ثلاثا قبل ان یدخل بہا فماذا تریان فقال عبد اللہ ابن
زبیر ان ہذا الامر ما بلغ لنا فیہ قول فاذہب الی عبد اللہ ابن عباس و
ابی ہریرۃ فانی ترکتہما عند عائشۃ فاسألہما ثم ائتنا فاخبرنا فذہب
فسألہما فقال ابن عباس رض لابی ہریرۃ افت یا ابا ہریرۃ فقد جاءتک
معضلۃ فقال ابو ہریرۃ الواحدۃ تبینہا والثلاث تحرمہا حتی تنکح زوجا غیرہ
وقال ابن عباس مثل ذالک و قال مالک علی ذالک الامر عندنا۔ عن مجاہد
قال کنت عند ابن عباس رض فجاءہ رجل فقال انہ طلق امرأتہ ثلاثا قال فسکت
حتی ظننت انہ رادہا الیہ قال ینطلق احدکم فیرکب الحموقۃ ثم قال یا ابن
عباس یا ابن عباس وان اللہ قال وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وانک لم تتق
اللہ فلا اجد لک مخرجا عصیت ربک وبانت منک امرأتک رواہ ابوداؤد۔
قال النووی فی شرح المسلم واحتج الجمہور بقولہ تعالے وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ
فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔ الآیۃ۔ قالوا معناہ ان
المطلق قد یحدث لہ ندم فلا یمکنہ تدارکہ بوقوع البینونۃ فلو کانت الثلاث
لم یقع طلاقہ ہذا الا رجعیا فلا یندم۔ ترجمہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس
کو کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاق دیدی ہے۔ پس اس امر میں میرے لئے کیا
فتوے دیتے ہیں۔ پس حضرت ابن عباس نے اسکو فرمایا کہ تیری عورت تین طلاق تو تیرے
ساتھ تجھ سے جدا ہو گئی اور ستانوے طلاقوں کے بولنے سے تو نے خدا تعالے کی
آیات سے ٹھٹھا کیا۔ روایت کیا اسکو مالک نے اور محمد بن ایاس بکری سے روایت ہے

کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو دخول سے پہلے یعنے طہر میں تین طلاقیں دیدیں۔ پھر
اُس شخص نے چاہا کہ اُس عورت سے نکاح کرے پس وہ فتوے پوچھتا ہوا آیا۔ پس
میں اُسکے ساتھ چلا گیا۔ پس اُس نے عبد اللہ بن عباس اور ابی ہریرہ کے پاس آکر فتوے
پوچھا۔ حضرت ابن عباس اور ابی ہریرہ نے فرمایا ہم نہیں فتوے دیتے کہ تو اس عورت
سے نکاح کرے جب تک وہ عورت تیرے سوا کسی اور شخص سے نکاح نہ کرلے۔ اُس نے
کہا کہ میں نے ایک دفعہ تین طلاقیں دی ہیں اور اُن سے میری نیت ایک ہی کی تھی
حضرت ابن عباس نے اسکو فرمایا چھوڑ دیا تو نے اُس فضیلت کو اپنے ہاتھ سے جو
تیرے لئے تھی۔ اور معاویہ بن عیاش انصاری سے روایت ہے کہ میں عبد اللہ بن
زبیر اور عاصم بن عمر رض کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اُنکے پاس محمد بن ایاس بکری آیا اور
کہا کہ ایک دیہاتی گنوار شخص نے اپنی عورت کو دخول سے پہلے یعنے طہر میں تین طلاقیں
دے دی ہیں۔ پس اس امر میں آپ کی کیا رائے ہے پس عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا کہ اس
امر میں ہمارے پاس کوئی قول واجب التعمیل نہیں پہونچا۔ پس تو عبد اللہ بن عباس و
ابی ہریرہ کے پاس چلا جا۔ میں انکو حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں۔
اُنکے پاس جاکر اُنسے یہ مسئلہ دریافت کر۔ پھر ہم آئے اور ہم نے خبر کی اور اُس نے
یہ مسئلہ اُن سے پوچھا۔ پس ابن عباس نے ابی ہریرہ رض کو فرمایا اے ابا ہریرہ اسکو
فتوے دے کیونکہ تیرے پاس یہ مشکل مسئلہ پیش ہوا ہے۔ پس حضرت ابی ہریرہ رض
نے فرمایا کہ ایک طلاق عورت کو مرد سے جدا کر دیتی ہے۔ اور تین طلاقیں عورت کو
مرد پر حرام کر دیتی ہیں۔ جبتک کہ وہ عورت کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔ اور حضرت
ابن عباس نے بھی ایسا ہی فرمایا۔ اور مالک رح نے فرمایا کہ یہی امر ہمارے نزدیک ہے
مجاہد سے روایت ہے کہا کہ میں ابن عباس کے پاس تھا۔ پس اُسکے پاس ایک شخص
آیا اور کہا کہ میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیدی ہیں۔ کہا پس وہ چپ ہو گئے۔
حتی کہ میں نے گمان کیا کہ آپ اُس عورت کو میرے پاس لوٹانا چاہتے ہیں۔ پھر کہا
چلتا ہے ایک تمہارا اور حماقت پر سوار ہوتا ہے پھر آکر کہتا ہے اے ابن عباس
اے ابن عباس اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے
اُسکے لئے خلاصی کی راہ خدا ٹھہرا دیتا ہے اور تو نے خدا ترسی نہیں کی پس میں تیرے لئے

کوئی راہ خلاصی کی نہیں دیکھتا تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور تیری عورت تیرے سے
جدا ہو گئی۔ روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد نے۔ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ جمہور نے
اس قول سے حجت نکالی ہے کہ جو شخص خدا تعالے کی حدوں سے گذر جائے پس اُس نے
اپنی جان پر ظلم کیا۔ تو نہیں جانتا کہ شاید خدا تعالے اُسکے لئے کوئی راہ مخلصی کی یعنے مرد و
عورت کے ملاپ کی صورت پیدا کردے۔ کہتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے
والے کو بسا اوقات ندامت و پشیمانی لاحق ہوتی ہے اور جدا ہونیکے باعث ندامت سے
اسکا تدارک نہیں کرسکتا۔ اور اگر فوری طلاق ثلاثہ سے طلاق واقع نہ ہوتی اور فوری طلاق
بھی قابل رجوع رہتی تو طلاق دہندہ نادم نہ ہوتا۔

اہل حدیث کہتے ہیں احادیث مذکورہ بالا آیات قرآن کریم و احادیث نبویہ صحیحہ سے
معارض و متناقض ہیں جنکو ہم ابھی آئندہ اوراق میں درج کرینگے۔ اور متقی کے لئے تدارک
بالندامت سے سہولت کے پیدا ہونے کا طریق ثلاثہ قروء سے پہلے ہے جسکو خدا تعالے
نے مطلقہ و طلاق دہندہ کے لئے مدت انتظار میں رکھا ہے۔ اگر فوری طلاق ثلاثہ سے
عورت پہلے خاوند کیطرف رجوع نہ کرسکتی تو خدا تعالے وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ
ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ اور بُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ نہ فرماتا۔ بلکہ مطلقات و طلاق دہندوں کو
فوری طلاق ثلاثہ کو مستحسن فرماتا۔ اور ظاہر فرمایا جاتا کہ جن عورات کو تین طلاقیں یکدفعہ
ملجائیں انکو ثلاثہ قروء کے انتظار کی کچھ ضرورت نہیں وہ اپنے خاوند کیطرف رجوع نہیں کرسکتی
ہیں۔ مگر قرآن کریم میں تو یوں آیا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ
یعنے طلاق دو مرتبہ دیجاتی ہے جو قابل رجعت ہے پس اگر دو طلاقوں کے بعد جو غالباً دو ماہ میں
واقع ہونگی مرد و عورت میں صلاح ہوسکے تو اچھے دستور سے مرد عورت کو اپنے پاس آباد کرے
اور اگر صلاح نہ ہوسکے تو بھلائی سے اسکو رخصت کردے یہ تیسری طلاق ہے اب اسکے
بعد وہ عورت پہلے مرد طلاق دہندہ کو نہیں ملسکتی۔ اور ہر ایک طلاق ایک ماہ کے بعد یا ایک
طہر کے بعد ہوتی ہے جسمیں عورت سے جماع نہ کیا گیا ہو اور تجاوز من حدود اللہ کا یہ مطلب ہے
کہ عورت کو ناحق طلاق نہ دیجائے۔ جس شخص نے تین طہر تک دوراندیشی سے کام نہ لیا
اور عورت کو تیسری طلاق بھی تیسرے طہر کے بعد دیدی اب اسلئے بعد اسکے لئے کوئی
مخرج اور راہ ملاپ و موافقت نہیں وہ عورت اس مرد سے مدام کے لئے جدا ہوگئی۔ بہت سی

احادیث صحیحہ بھی آچکی ہیں کہ یکدفعہ تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے
اور ایسی طلاق میں نکاح پہلے خاوند سے ہوسکتا ہے۔ اب ہم بطور سوال و جواب طلاق
ثلاثہ کے متعلق کچھ مسائل لکھتے ہیں جنمیں اکثر علما حیرت زدہ ہوتے اور گرداب
میں پڑتے ہیں۔

کیا ایک وقت میں تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں

سوال۔ ایک وقت میں تین طلاق دینے سے طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں اور تین طلاق
فوری کے بعد پہلا خاوند اپنی ایسی مطلقہ ثلاثہ جورو سے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ اہل حدیث کے نزدیک ایک ہی وقت میں تین طلاق دینے سے طلاق
کامل نہیں ہوسکتی وہ کہتے ہیں بموجب سنت و احادیث نبویہ تین ماہ میں طلاق ہونی
چاہئے بعض فقہا نے ایک بار تین طلاق دینے کو جائز رکھا ہے لیکن انہیں یہ رعایت
رکھی ہے کہ تین طلاق کے بعد اگر پہلا خاوند رجوع کرنا چاہے تو وہ اس عورت سے نکاح
کرسکتا ہے۔ اور بعض فقہا کے نزدیک فوری تین طلاق کامل ہوجاتی ہے اور انکے
نزدیک ایسی عورت پہلے خاوند سے رجوع نہیں کرسکتی۔

م اور ف دو مولوی سمجھو جنکے درمیان درباب طلاق ثلاثہ فوری مباحثہ ذیل واقع ہوا
ہم انکے سوال و جواب کو ذیل میں درج کردیتے ہیں ناظرین حق کا خود موازنہ کرلیں۔

مباحثہ درباب طلاق ثلاثہ فوری درمیان م ف

م۔ آیات قرآن عظیم و احادیث رسول کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تین طلاقیں دفعۃً
واحدۃً دیجائیں تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور محققین کا اسی پر اتفاق ہے۔ قرآن
کریم و احادیث نبویہ و سنت مصطفویہ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

ف۔ نہیں بلکہ طلاق ثلاثہ دفعۃً دینے سے تین واقع ہوجاتی ہیں۔ جب آپ کسی سے
تین بولوگے تو وہ تین سمجھیگا اور ایک کہوگے تو ایک۔ ایسا ہی جب کوئی شخص اپنی عورت
کو خطاب کرکے ایک طلاق۔ دوسری طلاق۔ تیسری طلاق سنا دے اور وہ عورت سن لے
تو اسپر تین طلاقیں اسی وقت واقع ہوجاتی ہیں اور بجز حلالہ یہ عورت پہلے شوہر سے رجوع نہیں

کرسکتی جمہور علما وفقہا وائمہ کا اسی پر اتفاق واتحاد ہے کہ فوری تین طلاقیں دینے سے تین ہی
واقع ہوجاتی ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ ایک دو تین کو ایک کے حساب میں کس طرح لاتے ہو مثلاً
میں ابھی آپ اور حاضرین مجلس کے روبرو ایک دو تین بولا ہوں۔ اب ایسا کوئی ہے کہ ان
تین الفاظ کو جو جدا جدا بولے گئے ہیں ایک کرکے دکھائے۔ ایک بجائے ایک کے اور
تین بجائے تین کے ہوتے ہیں جبکہ دنیا میں بھی کوئی آدمی ایسا نہیں ہے کہ تین کو ایک
سمجھے تو خدا تعالے سمیع وعلیم۔ دانا بینا وشنوا ہے وہ تین کو تین کے حساب میں رکھیگا نہ کہ
تین کو ایک کردیگا۔ آپ یا کوئی شخص تین بولکر ہمارے آگے تو اصرار پر انکار کرے تو کرے
مگر خدا تعالے کے آگے کسطرح انکار کرسکتا ہے کہ میں ایک ہی لفظ بولا ہوں نہ تین۔ کیا
خدا تعالے بھی دہوکہ وفریب میں آسکتا ہے۔ قرآن واحادیث میں یہ سفید جھوٹ کہاں
سما سکتا ہے کہ تین کو ایک کے حساب میں لگالو۔ کیا یہ بھی عیسائیوں کی تثلیث کا گورکھ
دھندا ہے جو وہ کہتے ہیں کہ روح القدس۔ باپ۔ بیٹا تینوں خدا ہیں اور وہ تینوں
ایک ہے جب ان سے کوئی پوچھتا ہے کہ تین کا ایک کسطرح ہوسکتا ہے تو آخر وہ
لاچار ہوکر کہتے ہیں کہ یہ سِرّ الٰہی اور عقدہ لاینحل ہے جبکو مسیح نے سمجھا تھا اسپر ایمان لانا لازم ہے
اب بتاؤ کیا طلاق ثلاثہ فوری بھی سِرّ الٰہی وعقدہ لاینحل میں داخل ہوگیا ہے کہ تین کو
ایک سمجھا جاوے آخر بتاؤ تو سہی کہ آپ تین کو ایک کسطرح سمجھتے ہو۔

م۔ ایک دفعہ تین طلاقیں دینا خدا ورسول نے حرام ٹھرایا ہے۔ اور خدا ورسول نے طلاق میں
عدت کا رکھنا واجب ٹھرایا ہے۔ طلاق میں عدت نہ رکھنا ناقص ومخالف امر الٰہی ہے۔
پس جو بات ناقص ومخالف امر الٰہی ہو وہ پوری وکامل نہیں ہوسکتی جس کام کا کامل کرنا
خدا تعالے نے تین ماہ کے بعد موقوف رکھا ہو اور اس عرصہ سے پہلے اسکی تکمیل منع فرمائی ہو اسکو
یکدم کون پورا کرسکتا ہے اور کسطرح اسکی تکمیل ہوسکتی ہے جب کوئی شخص یکدفعہ اپنی عورت کو تین
طلاقیں دیگا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور دو لغو ٹھیرینگی جبکہ اللہ تعالے ورسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے صریحاً فرمادیا کہ ایک طہر میں ایک طلاق دینی چاہئے تو جو شخص خلاف حکم خدا ورسول کرے گا
اور ایک کی جگہ تین طلاقیں ایک ہی وقت میں دیدے اسکی ایک طلاق واقع ہوگی اور
دو لغو ٹھرینگی۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ کسی حاکم نے کسی اپنے محکوم کو حکم دیا ہو کہ میرے
سامنے فلاں شخص سے فلاں فلاں تاریخ میں ایک ایک بات کروا اور زیادہ مت بولو اگر

اُسکی خلاف ورزی کروگے تو تم مستوجب سزا ٹھروگے پس جب وہ تاریخ معین پر ساری باتیں
ایک ہی وقت میں برخلاف حکم حاکم بیان کردیگا تو اسکی ایک بات قبول ہوگی اور باقی لغو ٹھرینگی
اور اسکی باقی کلام جو بے وقت وبے موقعہ تھی وہ ناقابل قبول ہوگی اور وہ عدول حکمی کے جرم
میں ماخوذ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ طلاق ثلاثہ فوری دینے والا قرآن واحادیث نبویہ میں گنہگار
ٹھرایا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالے نے طلاق میں عدت کا مدنظر رکھنا واجب ولازم ٹھرایا ہے
اور بلحاظ عدت طلاق نہ دینا حدود الٰہی سے تجاوز کرنا ہے۔ کما قال اللہ تعالے یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ
اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ
مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ
اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ پ سورہ طلاق

ترجمہ۔ اے پیغمبر مسلمانوں سے کہو کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینی چاہو تو انکو انکی عدت
کے شروع ہی میں طلاق دو اور طلاق کے بعد ہی سے عدت گننے لگو اور اللہ تعالے سے
جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو عدت میں انکو انکے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں
مگر یہ کہ کھلم کھلا بے حیائی کا کام کر بیٹھیں تو انکے نکال دینے کا مضائقہ نہیں اور یہ اللہ تعالی
کی باندہی ہوئی حدیں ہیں اور جس شخص نے اللہ تعالے کی باندہی ہوئی حدوں سے قدم
باہر رکھا تو اس نے آپ ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ وہ شخص جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو نہیں
جانتا کہ شاید اللہ تعالے طلاق کے بعد ملاپ کی کوئی صورت پیدا کردے۔ پھر جب عورتیں اپنی
عدت پوری کرنے کو آئیں تو یا تو رجوع کرکے سیدہی طرح انکو اپنی زوجیت میں رکھے رہو یا سیدہی
طرح انکو رخصت کرو اور جو کچھ بھی کرو اپنے لوگوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ کرلو۔

اور نیز خدا تعالے فرماتا ہے وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا

ترجمہ۔ اور انکے شوہر اگر انکو اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ اثنائے عدت میں انکو اپنی زوجیت
میں واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ اَلطَّلَاقُ
مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ
زَوْجًا غَيْرَهٗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ پ سورہ بقر۔ ترجمہ اور چاہیے
کہ جن عورتوں کو طلاق دیگئی وہ رجوع کی امید کے لئے تین حیض تک انتظار کریں اور ان

تین حیضوں میں جو قریبًا تین مہینے ہیں جنہیں دو دفعہ طلاق واقع ہوگی یعنے ہر ایک حیض کے بعد خاوند عورت کو طلاق دے۔ اور جب تیسرا مہینہ آوے تو خاوند کو ہوشیار ہو جانا چاہئیے کہ اب یا تو تیسری طلاق دیکر احسان کے ساتھ دائمی جدائی اور قطع تعلق ہے یا تیسری طلاق سے رُک جاوے اور عورت کو حُسنِ معاشرت کے ساتھ اپنے گھر میں آباد کرے اور یہ جائز نہیں ہوگا کہ جو مال طلاق سے پہلے عورت کو دیا تھا وہ واپس لے لے اور اگر تیسری طلاق جو تیسرے حیض کے بعد ہوتی ہے دیدے تو اب وہ عورت اسکی عورت نہیں رہی اور جبتک وہ دوسرا خاوند نہ کرلے تب تک نیا نکاح پہلے شوہر سے نہیں ہوسکتا۔

اب ان آیات سے صریحًا معلوم ہوتا ہے کہ طلاق بلحاظ عدت ہونی چاہئیے اور مطلقہ کو بامید رجوع تین حیض یا تین ماہ تک انتظار کرنا چاہئیے۔ اگر عورت کو فوری طلاق ثلاثہ کے قبول دینے سے پہلے خاوند سے رجوع نہ ہوتا تو خدا تعالےٰ تین حیض تک عورت کو انتظار میں نہ رکھتا۔ اور حدیث نبوی میں عدت کے متعلق یوں حکم آیا ہے عن ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اَنَّہٗ طَلَّقَ اِمْرَأَتَہٗ وَھِیَ حَائِضٌ فِیْ عَھْدِ رسولِ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فَسَئَلَ عُمَرُ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ رسولَ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عَنْ ذٰلِکَ فقَالَ مُرْہُ فَلْیُرَاجِعْھَا ثُمَّ لِیَتْرُکْھَا حَتّٰی تَطْھُرَ ثُمَّ تَحِیْضَ ثُمَّ تَطْھُرَ ثُمَّ اِنْ شَاءَ اَمْسَکَ بَعْدُ وَاِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ اَنْ یَّمَسَّ فَتِلْکَ الْعِدَّۃُ الَّتِیْ اَمَرَ اللہُ اَنْ تُطَلَّقَ لَھَا النِّسَاءُ متفق علیہ وفی روایۃ لمسلم مرہ فلیراجعھا ثم لیطلقھا طاھرًا او حاملًا وفی روایۃ اخرٰی للبخاری وحسبت تطلیقۃ واحدۃ۔ وعن محمود ابن لبید رضی اللہ عنہ قال اخبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظہرکم حتی قام رجل فقال یا رسول اللہ الا اقتلہ۔ رواہ النسائی ورواتہ موثقون۔ **ترجمہ**۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ اُس نے اپنی عورت کو حیض کی حالت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں طلاق دیدی پس حضرت عمر رضہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس امر کے متعلق ذکر کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکو کہو کہ عورت سے رجوع کرلیوے پھر چھوڑ دیوے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو پھر اسکو حیض آوے پھر حیض سے پاک ہو پھر اگر چاہے تو عورت کو رکھ لے۔ اور اگر عورت اور مرد میں ملاپ نہ ہو تو چاہے تو اسکو یعنے عورت کو جماع سے پہلے طلاق دیدے۔

پس یہ وہ عدت ہے جسکا اللہ تعالےٰ نے حکم فرمایا ہے کہ طلاق میں عورتوں کے لئے عدت رکھی جائے یہ حدیث بخاری اور مسلم میں آئی ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسکو کہو کہ عورت سے رجوع کرے پھر اُسکو پاک ہونے کے بعد یا حمل میں طلاق دے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ یہ ایک طلاق شمار ہوگی۔

محمد بن لبید سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیں۔ آپ نہایت غضبناک ہو کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ آیا وہ شخص کتاب اللہ کے ساتھ تمسخر کرتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے کہا یا رسول اللہ کیا میں اس شخص کو قتل نہ کردوں۔ روایت کیا اس حدیث کو نسائی نے اور اسکے راوی ثقہ ہیں۔ الغرض قرآن کریم و احادیث نبویہ نے طلاق دینے کی ترتیب و عدت بتادی اور اسکا خلاف حرام قرار دیا۔

ف۔ تین طلاق کا ایک دفعہ دینا کہاں حرام لکھا ہے ؟۔

م۔ قرآن کریم کی آیات مذکورہ بالا میں جو ترتیب اللہ تعالےٰ نے طلاق کے متعلق بیان فرمائی ہے اسکا خلاف حرام ہے اور حدیث مذکور جسمیں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ تین طلاقیں دینے سے غصہ ظاہر فرمایا ہے۔ اس امر کی حرمت پر دال ہے۔ اور کُل فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یکدفعہ تین طلاقیں دینا حرام ہے۔

ف۔ آپ کسی ایک ہی کتاب فقہ کا نام لیں جسمیں لکھا ہو کہ یکدفعہ تین طلاقیں دینا حرام ہے۔

م۔ ایک کیا بیسیوں کتب فقہ کا حوالہ ابھی دیتا ہوں۔ مگر ایک تھوڑی اور مختصر سی بات کا آپ بیک مختصر جواب مجھے دیں۔

ف۔ بولو وہ کیا ہے۔

م۔ طلاق کتنی قسم ہے۔

ف۔ طلاق تین قسم ہے۔ احسن و سنت و بدعت۔ طلاق ثلاثہ ایک دفعہ دینا بدعت ہے مگر واقع ہوجاتی ہے۔ اور طہر و عدت سے دینا سنت ہے۔

م۔ آپ کسی کتاب کا حوالہ دیں۔

ف۔ قدوری میں لکھا ہے۔ الطلاق علی ثلاثۃ اوجہ احسن، وسنۃ وبدعۃ

اما احسن الطلاق فھو ان یطلق الرجل امرئتہٗ تطلیقۃً واحدۃً فی طھر لم یجامعھا فیہ ویترکھا حتی تنقضی عدتھا۔ وطلاق السنۃ وھو ان یطلق المدخول بھا ثلاثا فی ثلاثۃ اطھار۔ وطلاق البدعۃ وھو ان یطلق الرجل امراتہٗ ثلاثا بکلمۃ واحدۃٍ او فی طھر واحد فاذا فعل ذلک وقع الطلاق وبانت منہ وکان عاصیاً۔

ترجمہ۔ یعنے طلاق تین قسم ہے۔ احسنؔ۔ سنتؔ اور بدعتؔ۔ احسن یہ ہے کہ کوئی مرد عورت کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اُس نے عورت سے جماع نہ کیا ہو اور پھر اُسکو چھوڑ دے حتیٰ کہ عدت گذر جائے۔ اور طلاق مسنون یہ ہے کہ مرد عورت مدخولہ کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے۔ اور طلاق بدعت یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو ایک ہی کلمہ سے ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دیدے۔ جب کوئی ایسا کام کرے تو اسکی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اسکی عورت اس سے جدا ہو جاتی ہے اور وہ شخص خدا کا نافرمان ٹھرتا ہے۔ یہ مسئلہ قدوری۔ کنز۔ شرح وقایہ۔ ہدایہ۔ فتاوی قاضیخان۔ عالمگیری۔ درمختار ان سب کتابوں میں لکھا ہے۔

م۔ اچھا بولو بدعت آپ کے نزدیک حلال ہے یا حرام ہے وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھُدٰیِ ھُدٰی مُحَمَّدٍ وَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ"۔ ترجمہ جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب باتوں سے اچھی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے اور سب ہدایتوں میں سے اچھی ہدایت سنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور انہیں نئی باتوں کا نکالنا بُرا کام ہے اور ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔ اب غور کرو کہ حدیث مذکور میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہر ایک بدعت کو گمراہی قرار دیتے ہیں کیا جس بات کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم گمراہی قرار دیتے ہیں وہ آپ کے نزدیک حلال ہے یا حرام ہے۔ یقیناً سمجھ لو کہ فوری طلاق ثلاثہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور گمراہی حرام ہے۔ کتابوں کا آپ نے خود حوالہ دیدیا ہے جنمیں لکھا ہے کہ ایک دفعہ طلاق ثلاثہ دینا بدعت ہے۔ پس جان لو کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی حرام ہے۔ پس جو چیز حرام ہے وہ واجب العمل کیونکر ہو سکتی ہے۔

ف۔ حیران و سراسیمہ ہو کر سرنگوں ہو کر تھوڑی دیر دریائے خاموشی میں غرق ہو گئے۔ کوئی معقول جواب نہ بنا۔ مگر حاضرین مجلس کے روبرو خاموش رہنا انکو سخت اپنی رسوائی معلوم ہوئی

اور بالآخر بول پڑے۔ طلاق ثلاثہ یکدفعہ دینے کے متعلق آپ قرآن و حدیث سے لفظ حرام نکال کر دکھا دو۔

(بعض حاضرین مجلس) بس مولوی صاحب فیصلہ ہو گیا ہے کہ طلاق ثلاثہ یکدفعہ دینا بدعت ہے اور بدعت حرام ہے۔

م۔ ذرہ ٹھر جاؤ۔ مولویصاحب فرماتے ہیں ابھی کسر باقی ہے انکی کسر نکالنے دو۔ مولویصاحب آپ کے نزدیک خمر۔ زنا۔ چوری حلال ہے یا حرام۔ قرآن و حدیث سے جواب دو اور لکھدو کہ فلاں جگہ زنا و خمر و چوری کے بارے میں حرام کا لفظ لکھا ہے۔

ف۔ آپ پہلے میرا جواب دے لو۔

م۔ آپ گھبرائیں نہیں میں ابھی آپکا جواب عرض کئے دیتا ہوں۔ صرف آپ بالفعل میری معروض کا حوالہ قرآن و حدیث سے دیں۔

ف۔ خمر۔ زنا۔ و سرقہ حرام ہیں۔

م۔ قرآن و حدیث سے حرام کا لفظ بتلاؤ جہاں لکھا ہو کہ یہ امور حرام ہیں۔ یہ امور حرام تو ہیں مگر آپ کو لفظ پرستی کی اب سزا مل رہی ہے۔

ف۔ اب مولویصاحب عالم سکوت میں ہیں اور قرآن کریم و احادیث کی ورق گردانی کر رہے ہیں

م۔ جو لفظ پرست قوم قبل ازیں ہو گذری ہے وہ ناکام ہی رہی ہے۔ مولوی صاحب کہاں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

(**مؤلف**۔) آپکا ایسا کہنا سخت ناواجب اور بے موقعہ ہے۔ ظاہر ہو تو باطن کہاں سے پیدا ہو۔ ہر ظاہرے باطنی است۔

(**حاضرین**) مولوی صاحب چلو فیصلہ ہو گیا۔ یہ لفظ نہیں ملسکتا۔ تین چار گھنٹے گذر گئے ہیں۔

م۔ مولویصاحب آپ بتاؤ تو سہی کہ آپکے نزدیک یہ دو یعنی خمر زنا و سرقہ حرام بھی ہیں یا نہیں۔

ف۔ بے شک حرام ہیں۔

م۔ کیوں حرام ہیں۔

ف۔ ان اشیاء کے خصائص بد ہیں۔

م۔ اچھا بس اب یاد رکھو کہ خصائص کے لحاظ سے ہی یکدفعہ طلاق ثلاثہ حرام ہے

تو برائے وصل کردن آمدی یا برائے فصل کردن آمدی

م۔ مولویصاحب رخصت ہونے لگے تو مولوی م نے اہل مجلس سے کہا کہ مولویصاحب کو ذرہ اٹھکاؤ تاکہ میں مفصل طور پر چند باتیں انکو طلاق ثلاثہ فوری کے بارے میں گوشگذار کر دوں۔

ف۔ مولویصاحب بیٹھ گئے۔

م۔ خدا تعالےٰ کی پاک و مقدس کتاب قرآن مجید بآواز بلند پکار رہی ہے کہ طلاق عدت سے دیجائے۔ عدت کا شمار طلاق میں لازم و فرض ہے جیسا کہ قبل ازیں بھی قرآن و احادیث سے ظاہر کیا گیا ہے۔ حدیث میں جو ابن عمرؓ سے مروی ہے اُسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عدت کی تشریح بیان فرمادی کہ اسطرح طلاق دیجائے اور اسطرح عدت رکھی جائے۔ جس امر کی پابندی ضروری تھی اُسکے لئے خدا تعالےٰ نے تاکید فرمادی اور نبی علیہ السلام نے اُسکی صورت بیان فرماکر اور عملدرآمد کرکے دکھا دیا کہ اس صورت پر جب اسکا عملدرآمد ہوگا تو عمل کامل ہوگا۔ ورنہ ناقص ہوگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یکدفعہ طلاق ثلاثہ دینے والے کو رجوع کرایا ہے۔ دیکھو اس حدیث کو جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے اور ابو رکانہ والی حدیث کو دیکھو جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ طلاق ثلاثہ دینے والے نے اپنی عورت سے رجوع کیا ہے۔ پھر ابن عباس سے روایت ہے کان الطلاق علے عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وابی بکر و سنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ۔ ترجمہ۔ یعنے رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور دو سال حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں فوری تین طلاقیں ایک ہی شمار کیجاتی تھیں۔

ف۔ آپ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں۔

م۔ بے شک یہ حدیث صحیح ہے۔

ف۔ اس حدیث کے آخر لکھا ہے کہ آخر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی شتابکاری دیکھکر یک دفعہ طلاق ثلاثہ دینے والے کی طلاق کو طلاق ثلاثہ ٹھہرایا اور عورت کو پہلے خاوند سے رجوع منع فرمایا اور یہی امر نافذ و جاری رہا اور حدیث ماسبق کو منسوخ قرار دیا۔ چنانچہ یہاں پر ساری حدیث نقل کیجاتی ہے وعن ابن عباس قال کان الطلاق علے عہد رسول اللہ صلعم وابی بکر و سنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم اناۃ فلو امضیناہ علیہم فامضاہ۔ رواہ مسلم

ترجمہ۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت اور زمانہ خلافت اولیٰ یعنے حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اور دو برس تک حضرت عمر کی خلافت میں یہ معمول تھا کہ جب دفعۃً واحدۃً تین طلاقیں دیجائیں تو ایک طلاق واقع ہوتی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا لوگ ایسے کام میں عجلت و شتابی کرنے لگے ہیں جسمیں انکو آہستگی برتنی چاہیئے۔ پس اگر اسکو نافذ کردیں تو مناسب ہوگا اور آپنے اسکو نافذ قرار دیا۔ جمہور صحابہ اور تابعین اور انکے بعد ائمہ مجتہدین کی یہی رائے ہے کہ ایسی حالت میں تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔

م۔ میں ایک مختصر عرض کرتا ہوں آپ اسکا جواب دیں کہ شریعت اسلامی کا شارع کون تھا۔

ف۔ شریعت اسلام کے شارع حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔

م۔ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب بھی شریعت اسلامی کے شارع تھے!

ف۔ لاحول۔ حضرت عمر نبی تو نہ تھے جو شارع شریعت ہوتے۔ کسی شریعت کا لانا نبی کا کام ہوتا ہے۔ آپ تو حضرت عمر کو شارع کہنے سے کافر ہو گئے۔

م۔ میرا بھی یہی اعتقاد ہے کہ حضرت عمر نہ شارع تھے نہ نبی وہ تو ایک جلیل القدر صحابی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین دوم تھے۔ مگر آپ جیسے بے فکر و غافل انسان کہدیا کرتے ہیں کہ حضرت عمر بھی شارع تھے۔

ف۔ جو شخص حضرت عمر کو شارع کہے وہ کافر مرتد ہے۔ ایسا شخص حضرت عمر کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ٹھہراتا ہے حالانکہ نص قرآن و حدیث صریح سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔ اور نہ یہ امر کسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر شارع تھے۔ آپ حضرت عمر پر افترا کرتے ہو جو انکو شارع شریعت اسلامی ٹھہراتے ہو۔

م۔ جلدبازی کسی کام میں اچھی نہیں۔ ہر امر میں فکر اور غور سے کام لیا کرو۔ جلدی کرکے نادانی سے اپنے آپ کو مرتد و کافر ٹھہرانا آپ جیسے لوگوں کا کام ہے۔ دیکھو آپ نے خود اقرار کیا ہے کہ جو کام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود کرایا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسنے ہوا اور حضرت ابوبکر کے سارے عہد خلافت اور حضرت عمر کے دو سال عہد خلافت میں جاری و مروج رہا آخر اسکو حضرت عمر نے منسوخ کردیا۔ حالانکہ یہ مسلم عقیدہ ہے کہ کسی شریعت کا لانا و منسوخ کرنا نبی کا کام ہوتا ہے۔ پس آپ نے بغیر فکر و سوچ حضرت عمر کو قولاً اعتقاداً

نہی قرار دیدیا جو کہتے ہو کہ حضرت عمر نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو توڑ دیا۔ کیسی بے ادبی کا کام ہے جو تم حضرت عمر کیطرف منسوب کرتے ہو۔ اور کہتے ہو کہ حضرت عمر نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک کلام و فعل کو منسوخ کر دیا۔ خود اقرار کرتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین فوری طلاقوں کو ایک ہی طلاق ٹھہرایا۔ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں بھی فوری طلاق ثلاثہ دینے والے کی طلاق ایک ہی ٹھہرائی گئی اور حضرت عمر کے دو سال خلافت تک یہی عملدرآمد رہا مگر پھر حضرت عمر نے اس امر کو منسوخ و ناجائز ٹھہرایا۔ اور فوری تین طلاقیں دینے والے کو اسکی عورت سے ابدا رجوع منع کر دیا۔ حالانکہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو اپنی عورت سے رجوع کا حکم فرمایا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے روبروبہ عملدرآمد ہوا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت کا پاک وجود ایسی بے ادبی سے پاک تھا یہ آپ جیسے حضرات کا عقیدہ فاسدہ ہے جو قابل اصلاح ہے۔

م۔ حضرت عمر نے کوئی کام منسوخ نہیں کر دیا۔ بلکہ لوگوں سے یہ عمل کرایا ہے کہ انکی یکدفعہ طلاق ثلاثہ کو تین قرار دیا ہے۔

م۔ مولویصاحب ہوش کرو۔ سوچو کیا حضرت عمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برخلاف کچھ کر سکتے تھے و کیا وہ عملاً حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کو توڑ کر نبی بننا چاہتے تھے۔ حضرت عمر کیطرف کسی فعل کی نسبت کرنا کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برخلاف عملدرآمد کیا ہو یہ حضرت عمر کی سخت بے ادبی ہے۔ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسامہ کو ملک شام کیطرف جانے کے لئے امر فرمایا دیں اثنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سفر آخرت درپیش آگیا۔ وفات نبوی کے بعد ہزاروں اہل عرب و اعراب و اہل بادیہ مرتد ہو گئے صحابۂ کرام کو جان و مال کا خطرہ ہر وقت لاحق ہو گیا۔ چاروں طرف سے مخالفوں کے ساتھ ملکر مرتدوں نے بھی مدینہ پر حملے شروع کر دیئے۔ صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر خلیفۂ اول کو مشورۃً عرض کیا کہ چونکہ اکثر لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور مخالفوں کا جمگھٹا زیادہ ہو گیا ہے لشکر اسامہ کا شام کیطرف جانے سے آپکی پیٹھ خالی رہ جائیگی مبادا مخالفین کچھ گزند پہونچائیں اور مدینہ پر حملہ کریں۔ بالفعل جیش اسامہ کو شام سے روکا جاوے حضرت ابوبکر نے فرمایا میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نافذ شدہ امر کو رد نہیں کر سکتا اگر ایک آدمی بھی میرے ساتھ نہ رہے اور جبتک میرے تن میں جان ہے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کو ٹال نہیں سکتا لشکر اسامہ بنی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کے فرمودہ کے موجب شام کو چلا جاوے۔ میری کیا طاقت ہے کہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کو رد کروں۔ اب پھر دل میں غور کرو اور سوچو کہ سارے صحابۂ کرام اور حضرت عمر بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ایسے فنا تھے کہ وہ مدام قول و فعل نبوی کی اطاعت و اتباع میں ایک دوسرے سے سبقت چاہتے تھے اور خلفاء اربعہ اس اتباع نبوی میں سب سے اول درجہ پر تھے۔

ف۔ پھر کیا یہ حدیث غلط ہے یا موضوع ہے۔

م۔ نہ غلط ہے اور نہ موضوع ہے۔ صرف سمجھ کا پھیر ہے۔

ف۔ پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ حضرت عمر نے ایسا کام کیا۔ طلاق ثلاثہ فوری کو تین ہی ٹھہرایا اور یہی حکم نافذ فرمایا۔ اور کسی صحابی نے بھی اس امر کو رد نہ کیا۔ صحابہ کی حکومت و خلافت جمہوری تھی۔ اگر حضرت عمر غلطی پر ہوتے تو دوسرے صحابی اور اہل علم حضرت عمر کو اس امر سے مانع ہوتے اور انکو یہ امر کبھی نافذ نہ کرنے دیتے۔

م۔ پہلے یہ تو بتاؤ کہ حضرت عمر کو متمم الشریعۃ مانتے ہو یا ناسخ الشریعت۔

ف۔ حضرت عمر مقیم شریعت محمدیہ و قائم علے شریعت الاسلامیہ تھے۔

م۔ اچھا جب آپکا یہ اعتقاد ہو گیا ہے تو آپکو مبارک ہو اور جان لو کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کے غلط عملدرآمد و خلاف سنت نبوی و شریعت محمدیہ کے ایک جزو میں خلل دیکھا لہذا اس خلل کو حکمت و القاء الٰہی سے لوگوں کو تو بخاً سزا دینے کے لیے یہ امر نافذ فرمایا تا کہ لوگ عورتوں کی دائمی جدائی دیکھکر فوری طلاق ثلاثہ کے بول دینے سے رک جاویں۔ اور اصلی شریعت الٰہیہ پر قائم ہو جاویں اور طلاق سنت سے دیا کریں اور سنت نبوی پر عملدرآمد جاری ہو حضرت عمر ابن خطاب محی السنت النبویہ تھے قاطع السنت نہ تھے جو فعل نبوی کے برعکس کوئی کام کرتے۔

آپنے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات مریضوں کو حکیم و ڈاکٹر لوگ بیہوش و نیم جان کر کے انکے بدن کی اصلاح و معالجہ کیا کرتے ہیں بلکہ بعض خلل یافتہ اعضا کو الگ یا ملیں و پیش کر کے پھر اصلی حالت پر لاتے و قائم کرتے ہیں۔ مگر اس سے انکی یہ مراد نہیں ہوتی ہے کہ انسان کو بالکل ہلاک ہی کر دیں پس یہی طریقہ و عمل اگر خلیفہ دوم جانشین نبوی یعنے حضرت عمرؓ نے کیا ہو تو اس خلل یافتہ جزو کو درست کرنے کے لئے کیا ہوگا۔ نہ یہ کہ (نعوذ باللہ) اصلی سنت کو ہی

مفقود کر دیا ہو۔

اے حاضرین مجلس انصافاً بولو کہ یہ مکالمہ و مخاطبہ جو میرے درمیان اور مولویصاحب کے درمیان ہوا ہے اس سے آپ لوگوں نے کیا نتیجہ نکالا ہے اور آپ کی رائے کا میلان و رجحان کسطرف قایم ہوا ہے۔

(حاضرین) آپکا پاسا صحیح ہے۔

ف۔ آپ یہاں کے تیس چالیس آدمیوں کی گواہی کا اسناد اپنی تقریر کی صحت پر پیش کرتے ہو جنمیں اکثر آدمی بے علم ہیں اور تھوڑے ہیں جو کچھ قدر بھی علم رکھتے ہیں اور وہ بھی شریعت کے مسائل سے بالکل بے علم ہیں۔ مگر ائمہ اور صحابہ کرام اور بڑے بڑے علمائے متقدمین اور جمہور علمائے متاخرین کے اسناد کو آپ پس پشت ڈالتے ہو حالانکہ جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ یکدفعہ طلاق ثلاثہ دینے سے عورت قابل رجعت نہیں رہتی۔ بڑے بڑے عالموں و فاضلوں کے فیصلہ کی آپ تردید کرتے ہو کیا وہ جھوٹے فتوے دیتے رہے ہیں آپ جیسے ایک فرد کا فیصلہ و فتوے علماء و فضلا کے جم غفیر کے مقابلہ پر کیا وقعت رکھتا ہے۔

م۔ صحابہ و علماء و ائمہ کا فوری طلاق ثلاثہ کے وقوع پر کبھی اجماع نہیں ہوا۔ اگر اس امر میں انکا اجماع و اتحاد و اتفاق ہوتا تو پھر اسبارے میں انکا کوئی قول مخالف و متناقض نہ پایا جاتا۔ اور درحقیقت صحابہ کرام و ائمہ عظام کا اسی پر اتفاق و اتحاد تھا جو کچھ قرآن کریم و عملدرآمد نبوی سے ثابت ہو جیسا کہ قبل ازیں میں عرض کر چکا ہوں جو قابل رجعت ہے۔ قرون اولے ثلاثہ و قرون ثلاثہ کے بعد کے احوال جو لوگ بذریعہ تاریخ واقف ہوے ہیں وہ خوب سمجھ لیتے ہیں کہ قرون اولے ثلاثہ گذرنے کے بعد ایسے بہت لوگ گذرے ہیں جنہوں نے اپنے اقوال و اعمال کو رواج دینے کے لئے احادیث موضوعہ گھڑی ہیں اور ائمہ عظام کیطرف سے اقوال و اسناد خود بناکر کتابوں میں مندرج کر دیئے ہیں اور بزرگان دین پر افترا پردازیاں کرتے رہے۔ جمہور کی رائے کا کوئی چنداں اعتبار نہیں ہوا کرتا اور نہ انکی کثرت قابل اسناد ہے۔ بلکہ اولہٗ قویہ قابل اسناد ہوا کرتی ہیں۔

اگر کثرت کے اتفاق رائے کو قابل اسناد و لائق اعتبار ٹھراتے ہو تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کی کثرت تھی بلکہ بعض انمیں ایسے بھی تھے جنہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ جملہ انبیائے کرام و اولیائے عظام کے مخالفوں کی کثرت مسموع و مسلم ہوئی ہے اُنکے ایسے

کو وُکھ و ایذا پہونچانے والوں کی کثرت بیان کیجاتی ہے۔

سنو۔ حق پر چلنے والوں کی تعداد بظاہر ہمیشہ تھوڑی ہوا کرتی ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ یعنے میرے شکر گذار بندے تھوڑے ہیں۔ دراصل خاصان خدا کی ظاہری قلت خدا کے نزدیک کثرت گنی گئی ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ ابراہیم علیہ السلام کو قرآن کریم میں امت یعنے ایک بڑا گروہ بیان فرماتا ہے۔ بادشاہ ایک فرد ہے مگر اُسکے نام کی عظمت کثرت پر دال ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جمہور عوام کے اقوال متفاوتہ و متناقضہ و متخالفہ کو دیکھکر یا سنکر قابل اسناد و دستاویز ٹھرانا سخت غلطی ہے۔ جب کسی امر میں گروہ کثیر کا اجتہاد و آرا کا دخل شروع ہو جاوے تو وہ بات اپنی اصل حالت پر قایم نہیں رہ سکتی۔ توریت و انجیل اسی وجہ سے بگڑ گئی ہیں کہ ان میں یہود و نصاریٰ کا دخل ہو گیا۔ یہی حال آجکل بہت سے شرعی مسایل کا ہو گیا ہے مگر الحمد للہ کہ قرآن کریم کو اللہ تعالےٰ نے اس طوفان بے تمیزی سے محفوظ رکھا ہے۔ شرعی مسائل کی صحت کا معیار قرآن کریم اور پھر سنت پھر احادیث نبویہ ہیں۔ قرآن کریم حاکم اور احادیث محکوم ہیں۔

بعض مولفوں نے اپنی کتب کو رواج دینے کے لئے ایسا بھی کیا ہے کہ لکھدیا ہے کہ فلاں صحابی یا محدث یا امام کا فلاں مسئلہ پر ایسا اتفاق ہے مگر بالآخر محققین کی چھان بین سے صحابی و محدث و امام مشارٌ الیہ کا اتفاق اُس مسئلہ کے متعلق مولف کے لکھنے کے برخلاف معلوم ہوا اور مولف کا افترا ثابت ہوا۔ بخاری میں ایک شخص نے حقہ وغیرہ کے متعلق بہت سی احادیث وضع کر ڈالی تھیں جب اُسکو محدثین نے آپکڑا تو اس نے اقرار کیا کہ یہ حدیثیں مینے کسی کتاب سے نقل نہیں کی ہیں بلکہ خود وضع کی ہیں اور انکے وضع کرنے میں میری نیک نیتی ہے کہ لوگ حقہ چھوڑ دیں۔

ایک دفعہ ایک واعظ ایک بڑی بھاری مجلس میں ایک حدیث نبوی بیان کر رہا تھا۔ اور اسکا اتصال اُس زمانہ کے علامہ حضرت امام احمد بن حنبل رہ سے بیان کرتا تھا اتفاق سے حضرت امام احمد بن حنبل اُس مجلس میں آ گئے تھے۔ واعظ کی غلط بیانی کو سنکر آپ ضبط نہ کر سکے اور کھڑے ہو کر فرمایا اے واعظ صاحب اصل حدیث یوں ہے اور احمد بن حنبل میں ہی ہوں۔ راوی سے مجھے اصل حدیث یوں پہونچی ہے۔ واعظ نے بد لگامی سے حضرت امام احمد بن حنبل کو چند بے نقط سنا دیئے اور خاموش کر دیا۔ اور کہا امام احمد بن حنبل کا ہمنام ہونے سے تم وہی امام احمد بن حنبل نہیں بنگئے۔ وہ ایک بڑے پایہ کا آدمی اور جلیل القدر شخص ہے اور تم کوئی

مسافر اور کم مایہ آدمی ہو۔ بالآخر چونکہ حضرت امام احمد بن حنبل کا اس مقام پر کوئی تعارف نہ تھا اسلئے انکو خاموش ہی ہونا پڑا جسطرح حضرت امام احمد بن حنبل کی زندگی ہی میں انکیطرف سے غلط بیانی شروع ہوگئی تھی ایسا ہی دیگر ائمہ پر لوگوں نے بہت افترا پردازیاں کی ہیں۔ آئمہ تو در کنار نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف سے ہزارہا احادیث لوگوں نے ایسی گھڑی ہیں جنکو آنحضرت نے نہیں فرمایا اور جنکو احادیث موضوعہ کہا جاتا ہے۔ دیکھو کتاب موضوعات سیوطی وغیرہ۔ ہمارا دلی اعتقاد ہے کہ آئمہ عظام جو بڑے جلیل القدر اور اعلی درجہ کے عالم وفاضل وماہر قرآن و احادیث تھے۔ بہت سی غلط روائتیں لوگوں نے اُنکے نام پر انکیطرف سے چلائی ہیں۔ اگر آئمہ عظام وصحابہ کرام زندہ ہوتے تو ان مفتریوں کے مُنہ پر تھوکتے۔ جو افترا پردازیوں سے باز نہیں آتے اور قرآن واحادیث کے مقابل پر انکی فرضی باتوں کو نقل کئے جاتے ہیں۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قدیم سے اہل حدیث یعنے جو لوگ حدیث نبوی پر اپنے عملدرآمد کو منحصر سمجھتے ہیں وہ فوری طلاق ثلاثہ دینے سے عورت کا پہلے خاوند سے رجوع کرنا ثابت کرتے ہیں اور درحقیقت ایسے ہی لوگوں کا عملدرآمد زیادہ تر صحیح ہے۔ بہ نسبت اُن لوگوں کے جنہوں نے قرآن واحادیث کے عملدرآمد کی کوئی پرواہ نہیں رکھی ہوئی ہے۔ اور اقوال متضادہ وروایات متناقضہ اور علما کے اقوال مختلفہ کے ڈھیر جمع کر رکھے ہیں۔

ف۔ اگرچہ فوری طلاق ثلاثہ بدعت ہے اور بقول آپکے حرام ہے مگر اسکے وقوع کا کونسا امر مانع ہے۔

م۔ فوری طلاق ثلاثہ بدعت ہے۔ اور کوئی بدعت قائم مقام سنت نہیں ہوسکتی۔ ہر بدعت ضلالت ہے اور ضلالت قائم مقام ہدایت نہیں ہوتی۔ آپ خود ہی بتاؤ کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی بدعت کو بجائے سنت وضلالت کو بجائے ہدایت قائم مقام سمجھا ہے۔ جبکہ یہ امر دین اسلام میں نہیں ہے تو پھر بدعت کو بجائے سنت اور ضلالت کو قائم مقام ہدایت کیوں ٹھہراتے ہو۔ کوئی فعل حرام بجائے حلال نہیں ہوسکتا۔

ف۔ اگر کوئی شخص بجائے حلال کے حرام روٹی وغیرہ کھائے تو بھی سیر ہوسکتا ہے اور وہ حرام بھی رزق ہی کہلاتا ہے۔

م۔ مولویصاحب برائے خدا صریح نص قرآن کریم وسنت واحادیث نبویہ کے بالمقابل فلسفہ گوئی چھوڑ دو۔ توبہ کرو یہ روش خدا کو منظور نہیں۔ اسوقت آپکی حالت اس مسئلہ کے متعلق

اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ والی ہے۔ اگر حرام بجائے حلال مفید ہوتا تو مرتکب حرام کو مواخذہ ومعاتبہ وعذاب کیوں ہوتا۔ مواخذہ وعذاب الٰہی گوناگون اشکال میں ظاہر ہوکر مرتکب فعل حرام کی سیری وقوت کو زائل کر دیتا ہے اور اسکی سیری جو حرام سے ہوئی تھی وہ باعث گرسنگی ہوگی

شعر ایں جہاں کوہ است وفعل ماندا ٭ ایں ندا ہا باز سے گردد بما

شریعت محمدیہ کسی امر حرام کو قائم مقام حلال نہیں ٹھہراتی الا بعض اوقات مضطر کے لئے حرام مباح ہوا ہے مگر وہ کسی امر کی جا بجا نہیں کیونکہ مردار جب ہی مباح ہوتا ہے کہ حلال بالکل مفقود ہو۔ اگر ایسی مثالوں پر آگئے ہو تو زنا کو قائم مقام نکاح سمجھکر حلال کا نام ہی اُڑا دوگے۔

اسکے بعد مولویصاحب رخصت ہوگئے اور بعد ازاں مولویصاحب (م) نے ایک تقریر کی اور بعض مؤلفوں کا حوالہ دیا جو ذیل میں درج ہے اور کہا کہ جو شخص اسلامی شریعت کی کتابوں پر نظر ڈالیگا تو یقیناً بعض اس قسم کی رائیں بھی اسکی نظر سے گذرینگی کہ طلاق واقع نہیں ہوتی جبتک کہ اسکے ساتھ انفصال کی نسبت نہ ہو۔ شرح التعلیقین سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو غصے یا نزاع کی حالت میں ایک کلمہ یا چند کلمات کے ساتھ طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوتی اور اسبارہ میں اُنہوں نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں منجملہ انکے حضرت علی کا یہ قول ہے کہ جو شخص غصے یا جھگڑے کی وجہ سے شوہر اور اُسکی بیوی کے درمیان تفریق کریگا تو خدا قیامت کے دن اُسکے اور اُسکے دوستوں کے درمیان جدائی ڈالدیگا۔

ہم ایسے زمانہ میں ہیں جبکہ لوگ طلاق کے الفاظ کو بطور ہذیان اور یا وہ گوئی کے بولنے کی عادی ہو رہے ہیں۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ایک شخص دوسرے سے جھگڑتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میری بیوی پر طلاق ہے اور وہ اسکے خلاف کرتا ہے اسصورت میں علما کیطرف سے یہ فتوے ملتا ہے کہ طلاق واقع ہوگئی ہے اور زن وشوئی کا تعلق منقطع ہوگیا ہے حالانکہ اسکی بیوی غریب کو اس واقعہ کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ وہ نہ شوہر سے بغض ونفرت رکھتی ہے اور نہ وہ اس سے جدائی کی خواستگار ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات اسکے لئے یہ جدائی سخت ناقابل برداشت مصیبت ہوتی ہے۔ اسیطرح مرد بھی اکثر اوقات اپنی بیوی کے ساتھ محبت کرنے والا ہوتا ہے اور ایک ایسے لفظ کی وجہ سے جو انفصال کی نیت سے نہیں بولا گیا تھا بلکہ دوسرے شخص پر ایک کام لازم کر دینے کی نیت سے کہا گیا تھا وہ اس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ سخت رنج وعذاب میں مبتلا ہوتی ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بعض خانگی امور میں اپنی بیوی سے جھگڑتا ہے اور غصہ کے وقت حلف طلاق اسکی زبان سے نکل جاتا ہے جس سے صرف تہدید اور تخویف مقصود ہوتی ہے اور رشتہ زن وشوئی کا منقطع کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں بھی یہی فتوے ملتا ہے کہ طلاق واقع ہوگئی اور اسکے بعد ان دونوں پر وہ تمام بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں جنکا ذکر اوپر ہوچکا۔ اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ ایک گنوار کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور جب گانوں کا مقدم یا پولیس کا مہتمم اس سے دریافت کرتا ہے تو وہ انکار کرتا ہے اور طلاق کی قسم کھاتا ہے کہ مینے نہیں چرایا حالانکہ اس نے چرایا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کہا جاتا ہے کہ طلاق واقع ہوگئی۔ حالانکہ اس قسم سے وہ صرف اپنے آپکو بری کرنا چاہتا ہے اسکے سوا اور کوئی نیت اسکی نہیں ہوتی۔ اور اس حلف کے وقت اسکے دل میں خطرہ بھی نہیں گذرتا کہ وہ اپنی بیوی سے ناراض ہے اور اسکے ساتھ معاشرت کو ناپسند کرتا ہے۔ پس ایسی حالت میں جبکہ عام طور پر اخلاق فاسد ہوگئے ہیں اور عقلوں میں ضعف اور فتور پیدا ہوگیا ہے کیونکر مناسب نہ ہوگا کہ بعض ائمہ کے اس قول پر عملدرآمد کیا جاوے کہ طلاق کے واسطے بھی دو آدمیوں کی گواہی شرط ہے جسطرح کہ وہ نکاح کے لئے شرط ہے جیسا کہ طبری نے بیان کیا ہے۔ اور جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے جو سورۂ طلاق میں آئی ہے جسکے آخر میں یہ الفاظ ہیں وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ ترجمہ۔ یعنے دو عادل گواہ مقرر کرلو۔

کیا یہ شہادت کا صریح حکم نہیں ہے جو ان تمام امور کو مثلاً طلاق و رجعت امساک اور فراق کو شامل ہے جو اس سے پہلے مذکور ہوئے ہیں۔ کیا شارع کا یہ منشا نہیں کہ طلاق کا وقوع عام لوگوں میں مشہور ہونا چاہیئے تاکہ اسکا ثابت کرنا آسان ہو۔ ہم کس لئے یہ بات قرار نہ دیں کہ طلاق کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے جسکے بغیر طلاق صحیح نہ ہوگی اسطریقہ سے اُن تمام طلاقوں کا سدِباب ہوجائیگا جو بلا قصد و بلا ارادہ محض غصہ کے وقت ایک کلمہ کے زبان سے نکلنے کے باعث واقع ہوجاتی ہیں۔ اس حکم پر عملدرآمد کرنا درحقیقت قرآن کے حکم کی موافقت اور قوم کی مصلحت کی رعایت ہے۔ بے شک خداوند تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس زمانہ میں امت اس نوبت کو پہونچ جائیگی اس نے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ ضرورت کے وقت کام آوے اور بے شک ہماری حالت ایسی ہے کہ ہمکو اس آیت سے کام لینا چاہئے بلکہ اگر گورنمنٹ یہ چاہتی ہے کہ قوم کے لئے کوئی بہتری کا سامان مہیا کرے تو اسکا فرض ہے

کہ وہ طلاق کے لئے حسب ذیل قانون نافذ کردے۔ اور جہانتک ممکن ہوسکے ہماری اس کتاب کو نکاح خوان علما و نمبرداروں کے اندر رواج دلادے۔

دفعہ اول

جو شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہو اُسکا فرض ہے کہ وہ قاضی یا اُسکے ایجنٹ کے حضور میں حاضر ہو اور وہ جھگڑا بیان کرے جو اُسکے اور اُسکی بیوی کے درمیان واقع ہوا ہو۔

دفعہ ۲

قاضی یا اسکے ایجنٹ کو لازم ہے کہ وہ شوہر کو ان امور کی ہدایت کرے جو قرآن اور حدیث میں وارد ہوئے ہیں کہ طلاق خدا کے نزدیک سخت ناپسند ہے اور طلاق کے ناگوار نتائج کو بیان کرکے جو آئیندہ پیش آنے والے ہیں اُنکو نصیحت کرے اور اُسکو حکم دے کہ وہ اسبارہ میں ایک ہفتہ غور و فکر کرے۔

دفعہ ۳

اگر شوہر ایک ہفتہ گذرنے کے بعد بھی طلاق دینے کے ارادہ پر قائم رہے تو قاضی یا اسکے ایجنٹ کو لازم ہے کہ وہ ایک پنچ بیوی کے کنبے سے اور ایک شوہر کے کنبے سے یا دو معتبر اجنبی شخص اگر انکے عزیز و قریب نہ ہوں اس غرض سے بھیجے تاکہ وہ بیوی اور شوہر کے مابین صلح کرادیں۔

دفعہ ۴

اگر پنچوں کو بھی صلح کرادینے میں کامیابی نہ ہو تو ان کو لازم ہے کہ وہ اپنا بیان قاضی یا اسکے ایجنٹ کے روبرو پیش کریں اور اُسوقت شوہر کو قاضی طلاق دینے کی اجازت دے۔

دفعہ ۵

کوئی طلاق صحیح نہ ہوگی جبتک کہ وہ قاضی یا اُسکے ایجنٹ کے روبرو اور دو گواہوں کی موجودگی میں نہ دیجائے اور معمولی دستاویز کے بغیر اسکا ثبوت قبول نہیں کیا جائیگا۔

دفعہ ۶

پہلی طلاق جو بلحاظ عدت شروع ہو اور تیسری طلاق جو تین ماہ کے بعد دینی چاہیئے قاضی یا اُسکے ایجنٹ کے روبرو ہونی چاہیئے۔ اگر تیسری طلاق سے پہلے بیوی و خاوند آپسمیں

رضامند ہو جاویں تو قاضی کو اطلاع دیکر آپسمیں رجوع کر لیں۔

دفعہ

جب تیسری طلاق تین ماہ یا تین طہر کے بعد قاضی یا اُسکے ایجنٹ کے روبرو واقع ہو جائے تو قاضی اُس مرد و عورت کی طلاق کی اطلاع تحصیل میں کر دے اور اپنی کتاب میں بھی درج کرلے۔
جو شخص ان آیتوں پر جو شاہد اور پنچ مقرر کرنے کی نسبت وارد ہوئی ہیں غور کرے گا اسکو معلوم ہو جائیگا کہ ایسا قانون جیسا کہ یہ ہے شریعت کی مصلحتوں پر پوری طرح منطبق ہے اور کسی طرح اُسکے خلاف نہیں ہے۔ اس قانون پر کوئی شخص یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ ایسا قانون شوہر کے اس حق میں دست اندازی کرتا ہے جو اسکو طلاق دینے کا حاصل ہے کیونکہ شوہر کے لئے اب بھی طلاق کا حق بدستور باقی ہے اور نکاح کے تعلق کا باقی رکھنا یا اسکو توڑ دینا صرف اسکی مرضی پر منحصر ہے زیادہ سے زیادہ یہ امر ہے کہ طلاق سے پیشتر تحکیم اور نصیحت کی شرط لگادی ہے جس سے شوہر کے حقوق پر کسی قسم کی دست اندازی نہیں ہوتی بلکہ وہ غور و فکر کا ایک ذریعہ ہے جو بیوی اور اُسکے بچوں بلکہ خود شوہر کی مصلحت کے لئے قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہم نے اکثر شوہروں کو دیکھا ہے کہ وہ بلا سمجھے بوجھے طلاق دیدیتے ہیں اور پھر پچھتاتے اور نہایت کمینہ اور دنی حیلوں کے استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔
ہمارے علماء اور فقہاء خیال فرما سکتے ہیں کہ اس سیدھے سادے طریقہ سے قوم کو جو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوگا وہ یہ ہے کہ طلاق کی تعداد کم ہو جائیگی۔ اسکے علاوہ حکم الٰہی کا اتباع اور تحکیم کے نہایت اہم حکم کا عملدرآمد ہوگا جو اسوقت تک معطل رہا ہے اور جسکا نافذ ہونا کبھی نہیں سنا گیا۔ خصوصاً ہماری قوم میں جسکے افراد کے اخلاق یہانتک فاسد ہو گئے ہیں کہ مرد طلاق کی قسم کھا لیتا ہے حالانکہ وہ کھاتا پیتا چلتا پھرتا ہنستا بولتا اور جھگڑا کرتا ہے اور حالانکہ اسکی بیوی غریب گھر کی چار دیواری میں بیٹھی ہوتی ہے۔ اُس بے خبر کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ اسکے شوہر کو دوسرے شخص کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا۔ سب سے پہلے جس امر پر غور کرنا لازمی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری شرع شریف نے مسئلہ طلاق میں ایک عام اصول قرار دیا ہے جسکیطرف احکام طلاق کے تمام فروعات کو راجع ہونا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ طلاق فی نفسہ حرام ہے اور ضرورت کے لئے مباح ہے۔ قرآن مجید کی آیتوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں اور ائمہ کے اقوال میں اس امر کے بے شمار شواہد موجود ہیں جنمیں سے ہم بعض اس

مقام پر نقل کرتے ہیں۔ خداوند تعالے فرماتا ہے۔ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ ترجمہ۔ اور اگر تمکو اپنی بیوی کسی وجہ سے ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالےٰ اُس میں بہت خیر و برکت دے۔
اور نیز فرماتا ہے وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا۔ ترجمہ۔ اور اگر تمکو میاں بیوی میں کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبے سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبے میں سے۔ اگر پنچوں کا دلی ارادہ میاں بیوی میں اصلاح کرا دینے کا ہو تو اللہ تعالےٰ اُن کے سمجھانے بجھانے سے دونوں میں موافقت کر دیگا۔
اور نیز فرماتا ہے وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۚ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ ترجمہ۔ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی دونوں میں کسی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپسمیں صلح کر لیں۔ اور اگر ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرو اور سخت گیری سے بچے رہو تو خدا تعالےٰ تمہارے اُن نیک کاموں سے باخبر ہے وہ تمکو اسکا اجر دیگا۔
حدیث شریف میں آیا ہے۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ وصححہ الحاکم۔ ترجمہ۔ خداوند تعالےٰ کے نزدیک طلاق مبغوض ترین مباحات میں سے ہے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ نکاح کرو اور طلاق مت دو کیونکہ طلاق سے خدا کا عرش بھی ہل جاتا ہے۔
ابن عابدین کے حواشی میں وارد ہوا ہے کہ اصل طلاق میں حرمت ہے یعنے طلاق فی نفسہ حرام ہے مگر کسی عارض کی وجہ سے مباح ہو جاتی ہے۔ یہی معنے ہیں فقہاء کے اس قول کے کہ اصل طلاق میں حرمت ہے اور اباحت صرف خلاص کی ضرورت سے ہے پس اگر وہ بلا سبب دیجاوے جسمیں خلاص کی ضرورت نہ ہو تو وہ بالکل حماقت اور نادانی اور سراسر گدھاپن اور کفران نعمت اور عورت اور اسکی اولاد اور عزیزوں کو تکلیف دینا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ط

ترجمہ۔ یعنے اگر وہ تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری کریں تو طلاق دینے کا ارادہ نہ کرو۔

جن لوگوں نے فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اُنھوں نے یہ بات دیکھی ہوگی کہ بالعموم تمام آئمہ کی ہر عظیم الشان اصول پر نظر گئی ہے جو حتی الامکان طلاق کے دائرہ کو تنگ کرنیوالا ہے۔ مسئلہ وقوع طلاق میں جبکہ اُسکے ساتھ نیت نہ کی گئی ہو فقہاء نے اُس عام اصول کو نظرانداز کردیا ہے جسپر اکثر شرعی احکام کی بنیاد رکھی گئی ہے اور جسکی کتاب اور سنت نے تصریح کی ہے اور جسکی بنیاد پر مجبور اور غافل اور مخطی کو غیر مکلف قرار دیا ہے مگر فقہاء نے طلاق کو اس عام اصول کے دائرہ سے خارج رکھا ہے اور مجبور اور غلطی کرنے والے اور ہنسی کرنے والے اور مدہوش کی طلاق واقع ہونے کا حکم لگایا ہے حالانکہ مدہوش کی یہ تعریف کرتے ہیں جو آسمان سے زمین کو تمیز نہ کرسکے۔ ظاہر ہے کہ ایسی رائے دینے والوں نے نیت کا اعتبار نہیں کیا جو مذہب اسلام کے احکام کی اصل اصول ہے جیسا کہ حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح ان فقہا نے شارع کی اس غرض کیطرف التفات نہیں کیا ہے کہ طلاق فی نفسہ حرام ہے اور وہ خدا کے نزدیک مبغوض ترین مباحات میں سے ہے ایسے حالات میں طلاق کے نافذ ہونے کے لئے اُنہوں نے کچھ اسباب بیان کئے ہیں جنکو اس مقام پر نقل کرتا ہوں۔ انکی نسبت فیصلہ کرنا ناظرین کی رائے پر چھوڑا جاتا ہے۔

کتاب ذیلعی میں لکھا ہے کہ ہنسی کرنے والے اور غلطی کرنے والے کی طلاق واقع ہوجاتی ہے کیونکہ اس صورت میں طلاق کا لفظ شوہر کی زبان پر جاری ہوا ہے اور جو شخص طلاق پر مجبور کیا جائے اسکی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس نے دو برائیوں میں سے ایک کو دانستہ اختیار کرلیا ہے۔ مگر مدہوش کی طلاق واقع ہونے کا یہ سبب بتایا جاتا ہے کہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا اور وقوع طلاق اسکے لئے بطور زجر و توبیخ کے ہے مگر ہم نے نہایت کا فیصلہ کردیا ہے کہ یکدفعہ ایک ہی مجلس میں طلاق کامل واقع ہی نہیں ہوتی پھر مخطی اور ہنسی کرنیوالے اور مدہوش کی طلاق کسطرح واقع ہوسکتی ہے کیونکہ ایسی فوری طلاق اصول شریعت اور مصلحت عامہ کے بالکل برخلاف ہے۔

جو لوگ اصلاح کے خواستگار ہیں انکو مناسب ہے کہ وہ ان احکام پر عملدرآمد کریں اور یہ قرار دیں کہ جو طلاق ایسے حالات میں دیجاوے وہ نافذ نہ ہوگی۔

بعض علمائے کبار نے اس امر پر بڑے زبردست دلائل پیش کئے ہیں کہ جب تین طلاق

دفعۃً واحدۃً دیجائیں تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ علامہ شوکانی نے اس مسئلہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ مدلل طور پر ثابت کیا ہے اور اسپر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن قیم اغاثۃ اللہفان اور اعلام الموقعین میں اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے۔

ابن عابدین میں وارد ہوا ہے کہ امامیہ سے منقول ہے کہ تین لفظوں سے اور حیض کیحالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہ بدعت محرّمہ ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ایسی حالت میں صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہی قول ابن اسحاق اور طاؤس اور عکرمہ کا ہے کیونکہ مسلم میں وارد ہے کہ ابن عباس نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت اور زمانہ خلافت اولی اور دو برس تک حضرت عمر کی خلافت میں یہ معمول تھا کہ جب دفعۃً واحدۃً تین طلاقیں دیجائیں تو ایک واقع ہوتی تھی۔ عمرؓ نے فرمایا لوگ ایسے کام میں جلدی کرنے لگے ہیں جسمیں انکو آہستگی برتنی چاہئے پس اگر ہم اسکو نافذ کردیں تو مناسب ہوگا اور آپ نے اسکو نافذ فرمادیا۔ اس مسئلہ میں اسقدر احادیث وارد ہوئی ہیں جنکو دیکھنے کے بعد کچھ بھی شک باقی نہیں رہتا کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

ایک جم غفیر اہل ظاہر اور علماء کی ایک جماعت کثیرہ جسمیں اہل تشیعہ بھی داخل ہیں اسطرف گئے ہیں کہ جب ایک وقت تین طلاقیں دیجائیں تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

وعن ابن عباس رضؓ قال طلق ابو رکانۃ ام رکانۃ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَرْجِعْ امْرَأَتَکَ فقال انی طَلَّقْتُهَا ثلاثا قال قد علمت راجعہا رواہ ابوداؤد وفی لفظ لِاَحْمَدَ طَلَّقَ ابو رکانۃ امراتہ فی مجلس واحد ثلاثا فحزن علیہا فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فانہا واحدۃ۔ ترجمہ۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ ابو رکانہ نے رکانہ کی ماں کو طلاق دیدی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو فرمایا کہ اپنی عورت سے رجوع کرلے۔ ابو رکانہ نے کہا میں نے اپنی عورت کو ایک دفعہ تین طلاقیں دی ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو فرمایا کہ میں نے جان لیا ہے کہ تو نے اپنی عورت کو ایک دفعہ تین طلاقیں دی ہیں۔ اپنی عورت سے رجوع کرلے۔ روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد نے اور احمد سے یوں روایت ہے کہ ابو رکانہ نے اپنی عورت کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں اور پھر غمگین ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو فرمایا کہ یہ ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

مندرجہ ذیل آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ تین طہر کامل گذرنے سے پہلے طلاق کامل واقع ہی نہیں ہوسکتی۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ + وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ترجمہ مطلقہ عورتیں بامید رجوع تین طہر تک انتظار کریں۔ کیونکہ تین طہروں کے اندر یعنے دو طلاق دینے کے بعد بھی جو دو طلاقیں واقع ہوتی ہیں اگر مرد و عورت میں صلح ہوجاوے تو پہلے ہی خاوند اپنی عورت سے رجوع کرنیکے زیادہ حقدار ہیں۔

اب اسجگہ ان آیتوں سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یکدفعہ تین طلاقیں بول دینے سے اگر تینوں واقع ہوجائیں اور عورت پہلے خاوند کیطرف رجوع نہ کرسکتی تو پھر خداوند تعالے تین حیض تک کا انتظار کرانا فوری مطلقہ ثلاثہ سے اُٹھا دیتا حالانکہ اللہ تعالے نے قرآن کریم میں کسی جگہ ایسا نہیں فرمایا بلکہ آیت بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ اور وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ میں صاف ظاہر فرمادیا کہ تین حیض کامل گذرنے تک مطلقہ پہلے خاوند سے رجوع کرسکتی ہے۔ چنانچہ شارح کنز و بحرالرائق وغیرہ نے بھی اسطرف تھوڑا سا اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے والمطلقات لا یکون الا بالصریح ثم قال عزوجل وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ۔ ای ازواجہن اولی برجعتہن فی ذلک ای فی التربص کذا فی التیسیر۔ فدلت الاٰیۃ علی ان طلاق الرجعی لا یرفع النکاح فان اللہ تعالی سماہ بعلا بعد الطلاق۔ شرح کنز ص۱۱۳۔ ترجمہ۔ یعنے یہ جو اللہ تعالے نے فرمایا کہ والمطلقات۔ پس واضح ہو کہ مطلقہ عورتیں وہی ہیں جنکو ظاہراً خاوند کیطرف سے طلاق ملی ہو۔ پھر خدا تعالے نے اُن مطلقہ عورتوں کے حق میں فرمایا کہ اُنکے خاوندوں سے رجوع کرنیکے زیادہ حقدار ہیں۔ مدت انتظار میں جو تین طہر تک ہے۔ پس یہ آیت دلالت کرتی ہے اسبات پر کہ طلاق رجعی نکاح کو نہیں اُٹھاتی۔ کیونکہ اللہ تعالے نے خاوند کو طلاق کے بعد بھی خاوند کہا ہے اور طلاق رجعی تین طہر کے اندر تک محدود ہے۔ اگر کسی شخص نے عورت کو دو طہروں میں دو طلاقیں دیدیں اور تیسری طلاق تیسرے طہر کے بعد نہ دے تو وہ طلاق رجعی ہے اگرچہ مدت تین چار ماہ یا زیادہ گذر جائے۔

اُن لوگونکا جواب جو فوری طلاق ثلاثہ کے واقع ہونیکے قائل ہیں

اب ہم اُن اقوال و احادیث کو درج کرتے ہیں جنسے بعض لوگ فوری طلاق ثلاثہ کے

واقع ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

امام طحاوی کہتا ہے کہ جب حضرت عمر ابن خطاب نے فوری طلاق ثلاثہ کے واقع ہونیکا امر نافذ فرمایا تو سب لوگوں کو اس امر سے مطلع کیا۔ چنانچہ طحاوی کی عبارت ذیل میں مع ترجمہ لکھی جاتی ہے۔

فخاطب عمر رضی اللہ عنہ بذلک الناس جمیعا وفیہم اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم ینکر منہم منکر واحد ولم یدفعہ دافع فکان ذلک اکبر الحجۃ فی نسخ ما تقدم من ذلک لانہ لما کان کذلک ایضا اجماعہم علی القول اجماعا یجب بہ الحجۃ وکان اجماعہم بریأ من الوہم والزلل۔ ترجمہ۔ یعنی پس حضرت عمر بن خطاب نے سب لوگوں کو خطاب کیا اور اُن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی موجود تھے۔ پس اُن میں سے کسی انکار کرنیوالے نے انکار اس امر سے نہ کیا اور کسی نے جھگڑا کیا۔ پس یہ ایک بڑی دلیل ہے اسبات پر کہ طلاق ثلاثہ کے ایک ہی مجلس میں نہ واقع ہونے والی حدیث منسوخ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے جو ایک فعل اتفاق سے کیا وہ قابل حجت ہے ایسا ہی اس قول پر انکا اتفاق و ایکا بھی اجماع ہے یہ بھی قابل حجت ہے اور جیسا کہ انکا اجماع نقل ہر وہم و لغزش سے بری و پاک ہے ایسا ہی رائے پر اُنکا اجماع وہم و لغزش سے پاک ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جو فعل رسول اللہ کے زمانہ و حضرت ابوبکر کے سارے عہد خلافت و حضرت عمر کی خلافت کے دو سال میں جاری رہا وہ فعل اب کسطرح منسوخ ہوسکتا تھا۔ کیا کوئی ایسی حدیث بھی مل سکتی ہے۔ جسمیں لکھا ہو یعنے آنحضرت نے فرمایا کہ یہ فعل فلاں زمانہ تک یوں ہی جاری رہے اور دو سال خلافت عمر کے بعد منسوخ سمجھا جائے اور آئیندہ فوری طلاق ثلاثہ کے واقع ہونے کا امر نافذ ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ جس فعل پر صحابہ نے آنحضرت کے ساتھ اتفاق و اتحاد کیا اُس کو حضرت عمر نے توڑا نہیں اور فوری طلاق ثلاثہ کے واقع ہونیکا امر جو حضرت عمر نے نافذ فرمایا اسکا سبب حضرت عمر نے سب کے آگے کھولکر بیان فرمادیا کہ اصل بات وہی ہے جو خدا و رسول نے بیان فرمائی۔ اور اُس فرمودہ خدا و عملدرآمد نبوی پر لوگوں کو قائم کرنیکے لئے یہ حکم بطور تنبیہہ و سزا جاری فرمایا تاکہ جب لوگ دیکھیں گے کہ فوری طلاق ثلاثہ کے بول دینے سے

عورت بالکل ہاتھ سے جاتی ہے تو وہ اس فعل شنیع سے رک جاوینگے اور اگر کوئی شخص طلاق دینا چاہیگا تو بموجب فرمودہ خدا و رسول عدت سے عورت کو طلاق دیگا۔ چنانچہ حدیث مندرجہ ذیل سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے۔

عن عبد اللہ ابن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و سنتین من خلافۃ عمر رض طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر رض ان الناس استعجلوا فی امر کانت لہم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیہم رواہ مسلم و فیہ عن طاؤس ان ابا الصہباء قال لابن عباس رض اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و ثلاثا من امارۃ عمر رض فقال ابن عباس رض نعم و فیہ ایضاً عن طاؤس ان ابا الصہباء قال لابن عباس رض ہات من ہنالک الم یکن الطلاق الثلاث علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر واحدۃ فقال قد کان ذالک فلما کان فی عہد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازہ علیہم۔ **ترجمہ**۔ عبد اللہ بن طاؤس اپنے باپ سے اور وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور دو سال حضرت عمر کی خلافت میں تین طلاقیں ایک ہی شمار کیجاتی تھیں۔ پس حضرت عمر رض نے فرمایا کہ لوگ اُس کام میں جلدی کرنے لگے ہیں جس کام میں انکو مہلت کرنی چاہیئے تھی (یعنے لوگوں پر لازم ہے کہ طلاق عدت سے دیں) پس اس غلطی کو روکنے کے لیئے اگر ہم طلاق ثلاثہ کا حکم نافذ ہی کردیں تو لوگ طلاق ثلاثہ فوری سے رک جاوینگے۔ پس بدیں لحاظ حضرت عمر نے وقوع فوری طلاق ثلاثہ کا حکم نافذ فرمایا۔ روایت کی یہ حدیث مسلم نے۔ اور مسلم میں یہ بھی لکھا ہے طاؤس سے روایت ہے کہ صہباء کے باپ نے ابن عباس کو کہا کیا تو جانتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابی بکر کے عہد خلافت میں اور تین سال حضرت عمر کی خلافت میں فوری طلاق ثلاثہ کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ پس ابن عباس نے کہا ہاں یہ بات واقعی درست ہے کہ ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ اور مسلم میں یہی یہ روایت ہے۔ طاؤس کہتا ہے کہ صہبا کے باپ نے ابن عباس کو کہا کہ صدر اول و دوم وسوم کی باتیں بیان کر۔ کیا آپکو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابی بکر کے عہد میں تین طلاقیں ایک ہی شمار کیجاتی تھیں۔ ابن عباس نے کہا ہاں یہی بات تھی پس

جب حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ طلاق ثلاثہ یک دفعہ بول دینے کے عادی ہوگئے تو حضرت عمر نے اُنپر طلاق ثلاثہ کے واقع ہونے کا امر نافذ فرمادیا۔

اب ناظرین احادیث مذکورہ بالا کو خوب غور سے پڑہکر معلوم کرسکتے ہیں کہ اُن سے وہی بات معلوم ہوتی ہے جسکا ذکر ہم نے پہلے لکھدیا۔ کیونکہ حضرت عمر نے اپنے فیصلہ کا سبب بیان کردیا ہے کہ لوگ ایسے کام میں جلدی کرنے لگے ہیں جسمیں انکو آہستگی برتنی چاہیئے تھی۔ پس گویا کہ حضرت عمر نے انکو روکنے کی غرض سے بطور تنبیہہ و سزا کے اس طلاق کو نافذ قرار دیا ہے۔ اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت عمر کے اجتہاد کا یہی منشا ہے کہ عام لوگ تین طلاقوں کے بک بیٹھنے کے عادی ہورہے ہیں اور اُسکو اپنی قسموں اور حلفوں اور عام بول چال میں استعمال کرنے لگے ہیں لہذا حضرت عمر نے لوگوں کو سنت نبوی پر قائم کرنے کی غرض سے یہ کام کیا ورنہ یہ بات تو بالکل ناممکن ہے کہ حضرت عمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے برخلاف کریں کیونکہ آنحضرت نے فوری طلاق ثلاثہ کو ایک ہی ٹھہرایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن حنبل جیسے عظیم الشان مذہب کے علمانے حضرت عمر کے فیصلہ پر عمل نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے قرآن مجید کی آیتوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو اپنا دلیل راہ اور رہنما ٹھہرایا ہے اور جو احادیث حضرت ابن عباس سے وقوع طلاق ثلاثہ کے بارے میں روایت کیجاتی ہیں وہ مجروح ہیں۔ کیونکہ مسلم کی حدیث میں صاف لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس اقرار کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و حضرت ابی بکر و عمر کے دو سال خلافت میں طلاق ثلاثہ فوری ایک ہی طلاق شمار کیجاتی تھی اور یہ حدیث قرآن کریم کی آیت سے ملتی ہے۔ پس اس حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔

بعض لوگوں نے حضرت ابن عباس کی صحیح حدیث کی یوں تاویل کی ہے۔ چنانچہ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے واختلف العلماء فی جوابہ و تأویلہ فالاصح ان معناہ انہ کان فی الاول اذا قال لہا انت طالق انت طالق انت طالق ولم ینو تاکید ولا استینافا یحکم بوقوع طلقۃ لقلۃ الاستیناف بذالک فیحمل علی الغالب الذی ہو ارادۃ التاکید فلما کان فی زمن عمر رضی اللہ عنہ و کثر استعمال الناس بہذہ الصیغۃ و غلب منہم الاستیناف بہا حملت عند الاطلاق علی الثلاث عملا بالغالب السابق الی الفہم منہا فی ذالک العصر و قیل المراد ان المعتاد فی الزمن الاول کان طلقۃ واحدۃ و صار الناس فی زمن عمر رض یوقعون الثلاث دفعۃ فنفذہ عمر رض

فعلے ھذا یکون اخبارا عن اختلاف عادۃ الناس لا من تغیر حکم فی مسئلۃ واحدۃ۔ ترجمہ۔ اور اختلاف کیا ہے فوری طلاق ثلاثہ کے واقع ہونے پر فتوے دینے والے علما نے اس حدیث کے جواب و تاویل میں۔ اور صحیح تر یہ بات ہے کہ پہلے لوگوں کا یہ طریق تھا کہ جب کوئی اپنی عورت کو کہتا کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے۔ تجھے طلاق ہے اور اس لفظ سے تاکید اور نئی طلاق کی نیت نہ کرتا تو نئی نیت کی کمی کے باعث ایک طلاق کے واقع ہونے کا حکم کیا جاتا تھا اور اکثر اس طلاق ثلاثہ کو ارادہ تاکید پر گمان کیا جاتا تھا۔ پس جب حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کا یہ فعل بہت ہو گیا تھا اور نئی نئی طلاق کے دینے کا رواج عام ہو گیا تو اس زمانہ میں دفعۃً تین طلاق بولنے سے طلاق ثلاثہ کا گمان کیا جاتا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و حضرت ابوبکر کے زمانہ میں لوگوں کی عادت ایک ہی طلاق بولنے کی تھی اور حضرت عمر کے زمانہ میں تین طلاقوں کے بولنے پر امر وقوع طلاق کا نافذ فرمایا۔ پس بدیں لحاظ ایک ہی مسئلہ میں اختلاف حکم کا باعث لوگوں کی عادات مختلفہ کو ظاہر کر رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں ان تاویلوں کو یہی حدیث اور دوسری احادیث و آیات قرآن کریم رد کر رہی ہیں۔ اگر پہلے زمانہ اور دوسرے زمانہ کے لوگوں کے الفاظ میں تغیر ہوتا تو وہ الفاظ بھی احادیث میں مذکور ہوتے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں فوری کو ایک ہی طلاق ٹھہرایا تو یہ الفاظ تھے یا کہ طلاق اسطرح سے دیجاتی تھی اور حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کے الفاظ میں یہ طریق تھا۔

اصل بات وہی ہے جسکا سبب حضرت عمر نے اس حدیث کے اخیر بیان فرما دیا کہ لوگ اس بدعت کے عادی ہو گئے اور ایسے فعل پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غصہ ظاہر فرمایا ہے۔ لہذا حضرت عمر نے لوگوں کو فعل نبوی پر قائم کرنیکے لئے یہ کام کیا کہ جب لوگ عورت کو بالکل ہاتھ سے جاتی دیکھیں گے تو طلاق ثلاثہ سے رک جائیں گے۔ حضرت عمر نے اسلئے دیگر اصحاب نبوی سے اس امر میں مشورہ کر کے یہ امر نافذ فرمایا۔ چونکہ سارے صحابہ کو یہ فعل پسند آیا اسلئے کسی نے انکار نہ کیا کیونکہ اسکی اصل نیت بخیر تھی ورنہ اگر کسیکو یہ معلوم ہوتا کہ حضرت عمر فعل نبوی کی مخالفت کرتے ہیں تو انکی رائے سے ایک بھی متفق نہ ہوتا۔ مگر حضرت عمر نے صحابہ کو بتا دیا تھا کہ یہ کام سنت نبوی پر قائم کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے۔ اب واضح رہے کہ جو احادیث عبد اللہ بن عمر اور ابن عباس سے دفعۃً طلاق ثلاثہ

واقع ہونے پر روایت کی جاتی ہیں وہ اُن احادیث سے متناقض و مخالف ہیں جو عبد اللہ بن عمر و ابن عباس سے مروی ہیں جنمیں لکھا ہے کہ دفعۃً طلاق ثلاثہ سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ جبکہ ایک ہی شخص سے دو معارض و مخالف اقوال و احادیث روایت کئے گئے ہوں تو انہیں سے صحیح تر وہ ہوگا جو قرآن کریم سے موافق ہو۔ پس جبکہ قرآن کریم نے طلاق میں شمار عدت کو فرض و لازم ٹھہرایا ہے و عملدرآمد نبوی سے بھی یہی امر ثابت ہوا ہے تو وہی حدیث صحیح ٹھہر سکتی ہے جسمیں عدت کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ قرآن کریم بہر حال حاکم و احادیث محکوم ہیں۔ جو احادیث تاویل سے بھی قرآن کریم سے موافق نہ ہو سکیں وہ احادیث نبوی میں شمار نہ کیجاویں وہ موضوع ہیں۔

کیونکہ قرآن و احادیث ایک ہی چشمہ صافی سے نکلے ہیں اور ہر دو کلام الہی ہیں۔ قرآن وحی جلی اور احادیث وحی خفی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام خدا کا کلام تھا اور اسمیں تناقض و اختلاف کو راہ نہیں ؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

طلاق ثلاثہ فوری کے ایک ہی ہونے پر ایک اور زبردست دلیل ذیل ہے کہ :- مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے صفحہ ۸ ۹ میں حدیث ذیل لکھی ہے اَلْمُطَلَّقَةُ ثَلَاثًا لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ۔ ترجمہ یعنے مطلقہ ثلاثہ فوری کے لئے خاوند طالق پر مکان رہائشی اور خرچ دینا لازم ہے۔ شارح ملا علی قاری لکھتا ہے کہ خواہ وہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو مکان و نفقہ طالق پر لازم ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ فوری قابل رجعت نہ ہوتی تو طالق پر مکان و نفقہ لازم نہیں ہے چنانچہ اعلام الموقعین جلد دوم صفحہ ۱۵۸ میں ابن قیم رح لکھتے ہیں۔ اَلْمُطَلَّقَةُ الْبَائِنَةُ لَا نَفَقَةَ لَهَا وَلَا سُكْنٰى بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ترجمہ۔ یعنے مطلقہ بائنہ کے لئے طالق پر خرچ اور مکان رہائش بموجب سنت نبوی لازم نہیں ہے پس اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ چونکہ مطلقہ ثلاثہ فوری کے ملنے حق رجوع ہے اسلئے اسکا نفقہ و سکونت طالق کے ذمہ ہے اور مطلقہ ثلاثہ متفرق کے لئے حق رجوع نہیں رہتا اسلئے اسکا نفقہ و سکونت طالق کے ذمہ نہ پڑا۔

آجکل کی عدالتہائے دیوانی و جان چیف کورٹ نے فیصلہ مقدمات کے لئے فوری طلاق ثلاثہ کو ایک ہی طلاق تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ولیم میکناٹن صاحب اصول نظائر شرع محمدی کے باب ۷ صفحہ ۲۳۰ پر لکھتے ہیں کہ بموجب اُس مسئلہ کے جو زیادہ تر تسلیم کیا گیا ہے۔ طلاق بائن

اُس صورت میں صادق آتا ہے جب تکرار اُسکی تین مرتبہ ہو اور یہ ضرور ہے کہ بعد طلاق ہر مرتبہ کے ایک مہینے کا فصل ہو اور شوہر کو اختیار ہے کہ اس عرصہ میں اُسکو صراحتاً یا کنایتاً زوجگی دالنے یعنے جبتک مطلقہ پر تین ماہ کا عرصہ نہ گذر جائے تب تک اسکا رجوع اپنے شوہر سے ہو سکتا ہے۔

شخص مفقود الخبر کی زوجہ کی عدت چار سال چار ماہ

و دس دن مقرر ہونیکی حکمت

جو عورت کسی شخص کے نکاح میں مقید ہو اُسکے تمام حوائج اور نفقات کی تکمیل خاوند کے متعلق ہوتی ہے پس جب کسی عورت کا خاوند گم ہو جاوے اور وہ کئی سال تک مفقود الخبر رہے تو اُس عورت کی ذات پر بوجہ گم ہو جانے خاوند کے سخت نقصانات عائد ہوتے ہیں اور بسا اوقات اُسکی حالت اضطرار تک پہونچ جاتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ وہ عورت صبر کرے جبتک کہ اُسکے خاوند کی خبر آجاوے تو اس حالت میں اس عورت کو نہ بیوہ اور نہ خاوند والی کہا جاتا ہے۔ اور یہ بات بالکل خلاف قیاس و عقل و نقیض شرع اسلام ہے کہ عورت کو ایسی حالت پر مجبور کیا جاوے کہ وہ ساری زندگی اسی طرح گذار دے۔ یہ مسئلہ یوں حل ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ سوال کرنا چاہئے کہ آیا ایسی عورت جسکا خاوند مفقود الخبر ہو جاوے اور اُسکی مفقود الخبری کی مدت ابتدائی حد و جمع قلت سے متجاوز ہو جائے وہ مصیبت زدہ و مبتلائے بلا ہے یا نہیں؟ اور جو مبتلائے بلا و مصیبت زدہ ہو اسکی ہمدردی و امداد از روئے ہمدردی بنی نوع و تقاضائے اصلاح تمدن لازم و واجب ہے یا نہیں؟ پس جواب یہ ہو گا کہ بے شک ایسی عورت سخت مصیبت زدہ و مبتلائے بلا ہے اور اسکی ہمدردی و امداد واجب و لازم ہے۔

جبکہ امداد کرنی لازم ہے تو اسکی ہمدردی و امداد اُس طریق سے کرنی چاہئے جو خدا تعالے نے بتایا ہے وہ یہ ہے کہ چار سال تک اُس عورت کے خاوند کی جستجو کیجاوے اور وہ عورت اتنی مدت اپنے زوج مفقود الخبر کا انتظار کرے۔ پس اگر وہ چار سال تک متواتر مفقود الخبر رہے تو وہ عورت چار سال کے بعد اگر چاہے تو چار ماہ دس دن عدت میں رہکر حسب فتوی

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالے عنہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کا یہ فتوے مطابق حکم و رضائے الٰہی ہے جو واجب التعمیل ہے اور اس سے تجاوز منشاء الٰہی کے برخلاف ہے۔ چنانچہ خداوند تعالے فرماتا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ پ ترجمہ یعنے سبقت کرنیوالے اسلام لانے میں پہلے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جنھوں نے انکی اچھی طرح پیروی کی خدا تعالے اُن سے راضی ہے اور وہ خدا تعالے سے راضی ہیں۔

اس آیت میں خدا تعالے نے مہاجرین و انصار کی پیروی کرنے والوں پر اپنی رضا ظاہر کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ مہاجرین میں سے تھے۔ پس انکے اس فتوے میں انکی پیروی کرنی رضائے الٰہی کے موافق ہے اور اس سے تجاوز خدا تعالے کی ناراضگی کا باعث ہے۔

مؤلف کے نزدیک اہل ضرورت کو لازم ہے کہ اگر کسی کو ایسا واقع پیش آجاوے تو فسخ نکاح اول و اجازت نکاح ثانی کی منظوری حاکم وقت سے بھی حاصل کرلیں تاکہ آئندہ فساد نہ ہو۔

۱۔ قانون تشریعی و قانون قدرت اس امر کے مقتضی ہیں کہ مفقود الخبر شخص کی زوجہ پر نکاح ثانی کرنے کے لئے بالضرور کوئی ایسی مدت مقرر ہونی چاہئے جس سے زوج اول کے حقوق ضائع نہ ہو جاویں اور نہ ایسی دراز مدت ہو جسکو سنکر بیچاری مصیبت زدہ عورت کی مصیبت اور بھی زیادہ ہو اور وہ زندہ در گور کیطرح ہو جاوے۔ بلکہ ایسی مدت ہو جسمیں حتی الامکان حقوق جانبین محفوظ رہنے کا قوی مظنہ ہو اور جسکی امید پر مفقود الخبر کی زوجہ اپنے آپکو سہارا دے سکے اور اسکی مصیبت کم ہو سو اس امر کے لئے چار سال کا عدد قلت و کثرت دونوں طرفوں کے بیچ میں ہے اس سے زیادہ میعاد کا مقرر کرنا گویا اس عورت کی مصیبت کو زیادہ کرنا اور اسکو ناامید بنانا ہے وَاِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ؛

۲۔ اس سے زیادہ میعاد کے مقرر کرنے میں یہ نقص شرعی و فطرتی لازم آتا ہے کہ جس امر کیلئے خداوند کریم نے عورت کی فطرت و سرشت بنائی ہے اسکو بیکار و معطل ٹھہرانا ہے۔ اور یہ امر خداوند تعالے کو ہرگز منظور نہیں ہے۔ اور شریعت اسلامیہ انسانی نسل کے لئے ہرگز مجوز نہیں ہے کہ کسی انسانی نسل کو کسی جائز بلکہ اُسکے واجب التعمیل امر سے تا دم زیست کسی ایک ایسے انسان کی خاطر روک دیا جاوے جسکی زندگی و موت کی کوئی خبر نہیں ہے۔ کیا خدا تعالے نے عورت کو عبث پیدا کیا ہے۔ بلکہ وہ فرماتا ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔

اب ہم اس امر کے متعلق محققین سلف کی تحقیقات اور علمائے زمانہ موجودہ کے فتوے درج کرتے ہیں۔

علامہ ابن قیم لکھتا ہے کہ خلفائے راشدین نے مفقود الخبر کی زوجہ کے متعلق جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہی ٹھیک ہے۔ قد ثبت عن عمر ابن الخطاب انه اجّل امراته اربع سنین وامرھا ان تتزوج فقدام المفقود بعد ذلك فخیرہ عمر بین امراته وبین مھرھا ترجمہ۔ حضرت عمر بن خطاب سے ثابت ہوچکا ہے کہ آپ نے مفقود الخبر کی زوجہ کو چار سال کی مہلت دی بعد ازاں اسکو امر کیا کہ دوسرے شخص سے نکاح کرلے۔ پس مفقود الخبر آیا تو اسکو اختیار دیدیا کہ خواہ وہ اپنی عورت واپس لے لیوے خواہ وہ اُس عورت کا مہر زوج ثانی سے وصول کرلے۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں من خالف عمر لم یھتد بما اھتدی الیه عمر ولم یکن له من الخبرۃ بالقیاس الصّحیح مثل خبرۃ عمر۔ ترجمہ۔ یعنے جس نے حضرت عمر کی مخالفت کی وہ حضرت عمر کیطرح صحیح رائے پر قائم نہ ہوسکیگا اور اسکو حضرت عمر کے صحیح قیاس کی مثل اور کوئی صحیح علم نہ ملیگا۔

مؤلف اعلام الموقعین لکھتا ہے المفقود المنقطع خبرہ ان قیل امرأته تبقی الی ان یعلم خبرہ بیقین لا ایماً ولا ذات زوج الی ان تبقی من القواعد او تموت والشریعة لا تاتی بمثل ھذہ فلما اجّل اربع سنین ولم یکشف خبرہ حکم بموته ظاھراً۔ مسئلة المفقود ھی مما یقف فیھا تفریق الامام علی اذن الزوج اذا جاء کما یقف تصرف الملتقط علی اذن المالك اذا جاء من قال انھا تعاد الی الاول بکل حال او تکون مع الثانی بکل حال فکلا القولین خطاء اذ کیف تعاد الی الاول وھو لا یختارھا ولا یریدھا وقد فرق بینه وبینھا تفریقا سائغا فی الشرع واجاز ھو ذلك التفریق فانه وان تبین للامام بخلاف ما اعتقدہ فالحق فی ذلك للزوج فاذا جاز ما فعله الامام زال المحذور واما کونھا زوجة الثانی بکل حال مع ظھور زوجھا وتبین ان الامر بخلاف ما فعل الامام فھو خطاء ایضا فانه مسلم لم یفارق امراته وانما فرق بینھما بسبب ظھر انه لم یکن کذالك وھو یطلب امرأته فکیف یحال بینه وبینھا وھو لو طلب ماله او بدله رُدّ الیه فکیف لا ترد الیه امرأته واھله اعز علیه من ماله

ترجمہ۔ گم شدہ شخص جسکی خبر منقطع ہو اگر کہا جاوے کہ اسکی عورت خبر آنے تک بیٹھی رہے تو حال میں وہ عورت نہ بیوہ اور نہ خاوندوالی قرار دیجاسکتی ہے حتی کہ وہ آئیسہ ہوجاوے یا مرجاوے اور شریعت اسلامیہ ایسی بات کے لئے مجوز نہیں ہے۔ پس جب چار سال کی مہلت دیجاوے اور مفقود الخبر کا حال چار سال تک معلوم نہ ہو تو بظاہر اُس شخص کو وفات یافتہ سمجھا جاوے۔ مفقود الخبر کا مسئلہ ایسا ہے جسمیں حاکم کا اسکی زوجہ کو اُسکے خاوند سے جدا کرنا اُس عورت کے خاوند مفقود الخبر کے اذن واجازت پر موقوف ہے جبکہ وہ واپس آوے جیسا کہ کسی ملی ہوئی چیز کا تصرف اُسکے مالک کے اذن پر موقوف ہے جبکہ وہ آجاوے۔

جو شخص کہتا ہے کہ مفقود الخبر کی زوجہ کو بہر حال پہلے خاوند کیطرف بعد نکاح ثانی لوٹایا جاوے یا کہ وہ بہر حال دوسرے خاوند کے ساتھ رہے۔ یہ دونوں قول درست نہیں ہیں عورت کو پہلے خاوند کیطرف کسطرح لوٹایا جاوے جبکہ وہ اسکو اختیار ہی نہ کرے اور نہ اسکو چاہتی ہو اور شرعی جدائی اُن دونوں میں ہوچکی اور خاوند نے اس جدائی کو جائز قرار دیا۔ پس اگر حاکم کو اُسکے برخلاف حالت معلوم ہو تو خاوند کا حق ہے اور اگر خاوند نے جائز ٹھہرایا تو خطرہ جاتا رہا۔ اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ ہر حالت میں دوسرے شخص کی زوجہ قرار دیجاوے باوجودیکہ اسکا پہلا خاوند ظاہر ہوچکا ہو۔ اور یہ امر بھی ظاہر ہوچکا ہو کہ اس نے حاکم کی تفریق کو جائز قرار نہیں دیا لہذا وہ عورت دوسرے شخص کی کسطرح زوجہ ہوسکتی ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور اس نے اپنی عورت کی تفریق نہیں کی اور جو جدائی اُن دونوں میں ہوئی وہ اُس سبب سے ہوئی جو اُسکے برخلاف ہے۔ اور وہ اپنی عورت کا طالب ہے۔ پس کسطرح اُسکی عورت کو اُس سے روکا جاسکتا ہے حالانکہ اگر وہ اپنا گم شدہ مال یا اُسکا بدلہ مانگے تو اسکو دیا جاسکتا ہے پس اسکی عورت کیونکر نہ واپس دیجاوے جبکہ عورت مال سے بھی زیادہ عزیز و محبوب ہوتی ہے

مفقود الخبر کے متعلق انجمن استشار العلما لاہور کا فتوے

اب ہم اس امر میں اپنے استفتا پر مختلف اذواق کے علما کے فتوے درج کرتے ہیں۔

سوال۔ یا علماء الاسلام وفضلائے امة خیر الانام ما تفتون فی عقد امرأة فقدت زوجھا۔ بینوا بالبینات توجروا بالحسنات واثبتوا بالادلة القویة والبراھین القطعیة۔

الجواب ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ایسی عورت کو اپنے نکاح کرنے میں اسوقت تک انتظار کرنا ضروری ہے جبتک کہ اسکے اس مفقود شوہر کے ہم عمر اشخاص عموماً وفات پاجائیں علمائے احناف نے امام ممدوح کے اس قول کی تشریح میں مختلف اقوال فرمائے ۔ بعضوں نے فرمایا ہے کہ اس مفقود کی نوّے برس کی عمر ہوجانے تک اسکا انتظار کرنا ضروری ہے ۔ بعضوں نے اسکی ایک سو بیس ۔ اور بعضوں نے ایک سو بیس برس کی عمر ہوجانے تک انتظار کرنیکا حکم دیا ہے ۔ احناف متاخرین نے فرمایا ہے کہ کم سے کم اس مفقود کی ساٹھ برس کی عمر ہوجانے تک انتظار کرے ۔ شیخ ابن ہمام نے ستر برس کی عمر ہوجانے تک انتظار کرنا تجویز فرمایا ہے ۔

امام مالک نے فرمایا ہے شوہر کے مفقود الخبر ہونیکے بعد سے چار برس گذر جانے پر قاضی یا مجسٹریٹ کو چاہئے کہ درخواست گذرنے پر اس مفقود شوہر سے اسکی عورت کو علیحدہ ہوجانیکا حکم دیدے اور اس حکم سے چار ماہ دس دن گذر جانے کے بعد شرعاً جہاں چاہئے وہ عورت اپنا نکاح کرسکتی ہے ۔ اور اُسکے بعد اگر پہلا شوہر آ بھی جائے تو پھر وہ عورت اُسکو نہیں ملسکتی ولا یفرق بینہ وبین عرسہ ۔ قال مالک رحمۃ اللہ علیہ اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینہما ان طلبت ثم تعتد عدۃ الوفاۃ فلہا التزوج بزوج آخر فان عاد الزوج لاسبیل لہ علیہا وھکذا روی قضاء عمر رضی اللہ عنہ فی من استہوتہ الجن فی المدینۃ ۔ ابوالمکارم شرح مختصر الوقایۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴ ۔ وھو ای المفقود حی فی حق نفسہ بالاستصحاب حتی لاتنکح امرأتہ وقال مالک والشافعی رح فی قول اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینہما ان طلبت ثم تعتد بعدۃ الوفاۃ فلہا التزوج بزوج اٰخر فان الزوج لاسبیل لہ علیہا وھکذا روی قضاءً عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فی الذی استہواہ الجن ۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر جلد اول صفحہ ۷۲۰ ۔ علمائے احناف نے ضرورت کے موقعوں پر خلاف اپنے مذہب کے امام مالک وغیرہ ائمہ اہلسنت کے مذہب پر فتوے دیدینا درست فرمایا ہے ۔ علامہ شامی فرماتے ہیں قال القہستانی وفیہ ایماء الی ان لہ ان یاخذ من خلاف جنسہ عند المجانسۃ فی المالیۃ وھذا اوسع فیجوز الاخذ بہ وان لم یکن مذہبنا فان الانسان یعذر فی العمل بہ عند الضرورۃ کما فی الزاہدی ۔ رد المختار جلد ۳ صفحہ ۳۰۱ ۔ قلت وھذا

اقل ماقیل فیہ عندنا فیما رأیت ۔ نعم مذہب مالک و القدیم من مذہب الشافعی تقدیرہ باربع سنین لاکن فی حق عرسہ لاغیر فتنکح بعدہا کما فی النظم فلو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لاباس بہ علی ما اظن کما فی القہستانی ۔ الدر المنتقی شرح الملتقی ۔ جلد اول صفحہ ۷۲۱ ۔

پس عورت مندرجہ سوال کی حالت اگر فی الواقع قابل رحم ہے تو ہماری رائے میں شرعاً حسب مذہب امام مالک جو امام شافعی رح سے بھی منقول ہے حاکم وقت کی اجازت کے بعد چار ماہ دس دن گذر جانے کے پیچھے شرعاً جہاں چاہے وہ عورت اپنا نکاح کرسکتی ہے اور ایسا کرنے میں اُسپر کوئی شرعی مواخذہ نہیں ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

کتبہ العبد المذنب المفتی محمد عبد اللہ ٹونکی

الجواب صحیح ۔ فضل حق عفی عنہ

ھذا الجواب للضرورۃ المذکورۃ انسب ۔ محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور

المجیب مصیب ۔ احمد علی عفی عنہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور ۔

صح الجواب ۔ محمد حسن عفی عنہ ۔

الجواب صحیح ۔ خاکسار اصغر علی روحی پروفیسر عربی اسلامیہ کالج لاہور ۔

مفقود الخبر کے متعلق علامہ نور الدین صاحب کا فتویٰ

میں مفقود الخبر کے لیے وہی فتویٰ دیتا ہوں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا فتویٰ موطا میں موجود ہے ۔ اور اگر وہ گذارہ سے تنگ ہو تو چار برس کے انتظار کی بھی ضرورت نہیں ۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں صاف لکھا ہے لَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا ۔ اور فرمایا کہ لَا تُضَارُّوهُنَّ ۔ میرے نزدیک جو شخص ان آیات کی خلاف ورزی کرتا ہے اسکی بی بی کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے مگر یہ کام حکام کے متعلق ہیں ہم ہرگز مجاز نہیں ۔ یہ کام حکومت کے ذمہ ہیں اُسی کے ذریعہ ہونے چاہئیں ۔ والسلام ۔ (نور الدین)

مفقود الخبر کی زوجہ و وراثت کے متعلق گورنمنٹ کا قانون

مینے مفقود الخبر کے متعلق قانونی کتب حکومت موجودہ کو بھی ملاحظہ کیا جنسے معلوم ہوا کہ مسلمان

مفقود کی زوجہ اور اسکی وراثت کے متعلق اس گورنمنٹ موجودہ کا فتویٰ بھی قریباً وہی ہے جسپر شریعت اسلام کا فیصلہ ہو۔ دیکھو مجموعہ نظائر شرع محمدی الہ آباد۔ مدراس کلکتہ۔ بمبئی۔

دفعہ ۱۳۸ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی وارث گم ہوا ہو اور قبل انقضائے مدت مفقود الخبری کے ترکہ تقسیم کیا جائے تو اسکا حصہ محفوظ رکھا جائیگا۔ اگر قبل انقضائے مدت مذکورہ وہ آجائے تو وہ حصہ اسکو دیدیا جائیگا۔ اگر نہ آیا نہ خبر معلوم ہوئی تو دیگر ورثا پر تقسیم ہو جائیگا۔ اگر بعد تقسیم وہ آجاوے تو دیگر ورثا سے اپنا حصہ لے لیگا بشرطیکہ انکے کسی قبضہ میں ہو۔ اور جو کہ انکے قبضہ میں باقی نہ رہا ہو اسکی بابت مواخذہ نہ ہوگا۔

دفعہ ۱۳۹۔ شرعاً مفقود الخبری اُسوقت متصور ہوگی کہ گم شدہ کی مدت زندگی کی خبر نہ معلوم ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ وہ کہاں ہے۔ اور اسکی پورے نوّے برس کی عمر ہوگئی ہو۔ مگر قانون انگریزی میں مدت مفقود الخبری تاریخ گم گشتگی سے سات برس ہے۔ ایکٹ نمبر ۱ سنہ ۱۸۷۲ء۔ دفعہ ۱۰۸۔

دفعہ ۱۴۰۔ مفقود الخبر کا حصہ اُسوقت تک تقسیم وراثت میں محفوظ رہیگا کہ جبتک میعاد شرعی کے بموجب اسکی مفقود الخبری پوری نہ ہو جائے۔

(راقم) میعاد شرعی وہی ہے جسپر علمائے اسلام کا فتوے ہے۔

دیکھو انڈین لارپورٹ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ و ویکلی نوٹ الہ آباد سنہ ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۰۵۔

دفعہ ۱۴۱۔ ایک مقدمہ میں ہائیکورٹ الہ آباد نے تجویز کیا ہے کہ مقدمات متعلقہ شرع محمدی محکومہ دفعہ ۲۴ ایکٹ ۶ سنہ ۱۸۷۱ء سے قاعدہ مفقود الخبری مندرجہ دفعہ ۱۰۸ قانون شہادت میعادی ہفت سالہ متعلق ہے۔ دیکھو انڈین لارپورٹ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ مظہر علی وغیرہ۔

مفقود الخبر کے متعلق علامہ مولوی عبد الحی مرحوم لکھنوی کا فتوے

ماقول اهل التحقيق ابقاهم الله تعالى فى امرأة المفقود هل لها التزوج باخر بعد انتظار اربع سنين و تربص اربعة اشهر و عشرة ايام على ما قضى به الناطق بالحق والصواب امير المؤمنين عمر ابن الخطاب و افتى به علماء المدينة الطيبة عليهم الرضوان ام لا بينوا الحق والصواب۔ توجروا يوم الحساب۔ ترجمہ کیا فرماتے ہیں اہل تحقیق مفقود الخبر شخص کی عورت کے حق میں آیا اس عورت کو انتظار چار سال مہلت چار ماہ و دس دن کے بعد جائز ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے جیسا کہ اس امر کا فیصلہ حضرت امیر المومنین عمر ابن الخطاب نے کیا اور اسی پر علمائے مدینہ منورہ نے فتوے دیا۔ اظہار حق کر کے یوم الجزا کو ثواب پاؤ۔

الجواب۔ هو المصوب۔ قد اختلف فيه فى عهد الصحابة فجمع من الصحابة والتابعين الى ان زوجة المفقود تنتظر حتى يأتيها خبر موت او طلاق كما فى فتح القدير ذهب على رض الى انها امرأته حتى يأتيها البيان۔ و روى عبد الرزاق عن ابن جريج قال بلغنا ان ابن مسعود وافق عليًّا على ان امرأة المفقود تنتظر ابدا۔ واخرج ابن ابى شيبة عن ابى قلابة و جابر ابن سعيد والشعبى والنخعى كلهم قالوا ليس لها ان تتزوج حتى يستبين موته انتهى۔ هذا هو مذهب الحنفية۔ وقد اختلفوا فى تقدير المدة اختلافا فاحشا على ما يعلم من مطالعة كتبهم واوردوا التائيد مذهبهم كما فى الهداية وغيره حديثا مرفوعا ان امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها البيان۔ انتهى۔ لكنه حديث لا يصح الاحتجاج بسنده فقد ذكر الزيلعى و ابن حجر فى تخريج احاديثها والعينى فى شرح الهداية انه خبر اخرجه الدارقطنى فى سننه عن سوار ابن مصعب حدثنا محمد ابن شرحبيل عن المغيرة ابن شعبة قال ابن ابى حاتم فى العلل سألت ابى عن حديث رواه سوار عن محمد عن المغيرة فقال ابى هذا حديث منكر و محمد متروك والحديث يروى عن المغيرة مناكير و اباطيل وذكره عبد الحق فى احكامه من طريق الدارقطنى و علله محمد بن شرحبيل وقال انه متروك وقال ابن القطان فى كتابه سوار اشهر فى المتروكين انتهى۔ وذهب جمع منهم الى جواز التزوج بعد اربع سنين و تربص اربعة اشهر و عشرا اخرجه ابن ابى شيبة و عبد الرزاق والدارقطنى و مالك فى المؤطا بطرق متعددة عن عمر ابن الخطاب۔ وروى عبد الرزاق عن ابن عمر و ابن عباس مثله على ما بسطه ابن حجر والزيلعى وغيرهما وبه قالت المالكية و غيرهم و هو قوى من حيث الدليل واصول الحنفية ايضا تقتضى الافتاء به فان قول الصحابى فيما لا يعقل بالرأى فى حكم المرفوع عندهم فلا جرم جوز الحنفية ايضا الافتاء به فى موضع الضرورة كما فى جامع الرموز بعد ذكر مذهب مالك فلو افتى به فى موضع الضرورة ينبغى ان لا بأس به على ما اظن انتهى۔ وذكر ابن وهبان فى منظوماته انه لو افتى به فى موضع الضرورة يجوز انتهى۔ ومثله فى رد المحتار و غيره۔ والله اعلم۔ هذا مختصر الكلام و للتفصيل يقتضى بسطا بسيطا فى المرام

وخیر الکلام ماقل ودل۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی

اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۴ میں مولوی عبد الحی صاحب لکھتے ہیں مسئلہ مفقود الخبر میں حنفیہ کے نزدیک عند الضرورت بتقلید مالک وشافعیہ بعد چار برس کے نکاح ثانی کر دینا درست ہے جامع الرموز میں ہے قال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسہ بعدہا کما فی النظم فلو افتی فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا بأس بہ علی ما اظن۔ انتھے۔

اور رد المحتار میں ہے ذکر ابن وھبان فی منظومہ انہ لو افتی بقول مالک فی موضع الضرورۃ یجوز انتھے۔ اور امام مالک کے نزدیک بعد گذر جانے چار برس کے عدت وفات لازم ہے اسکے بعد نکاح جائز ہے۔ بعد اسکے اگر زوج اول آجاوے اسکو کچھ حق نہ ہوگا اگر ثانی نے صحبت کی ہو موطا وشرح زرقانی میں ہے مالک عن یحیی ابن سعید ان عمر ابن الخطاب قال ایما امرأۃ فقدت زوجھا فلم یدر این ھو فانھا تنتظر ثم تعتد اربعۃ اشھر وعشرا ثم تحل للازواج۔ وروی نحوہ عن علی عثمان مالک وان تزوجت بعد انقضاء عدتھا فدخل بھا زوجھا اولم یدخل بھا فلا سبیل لزوجھا الاول الیھا اذا جاء او شک انہ حی لان الحاکم اباح للمرأۃ التزوج مع امکان حیاتہ قال مالک وذالک الامر عندنا فالعقد بمجردہ یفیتھا ثم رجع مالک من ھذا قبل موتہ بعام وقال لا یفیتھا علی الاول الا بدخول الثانی غیر عالم بحیاتہ واخرجہ ابن القاسم واشھب وقال فی الکافی ھو الاصح من طریق الاثر لانفاہ مسئلۃ قلدنا فیھا عمر رض۔ انتھے:

پس حنفیہ بھی اسی کے موافق فتوے دیسکتے ہیں کوئی ضرورت تفریق قاضی وحاکم کی نہیں اور ایک روایت حضرت عمر رض سے عبد الرزاق وبیہقی وغیرہ نے یہ بھی کی ہے کہ انہوں نے بعد آنے زوج اول کے اسکو اختیار دیا درمیان اسکے کہ اپنی زوجہ لے لیوے یا مہر واپس کرالے اور زوجہ کو نہ لے۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبد الحی لکھنوی۔ مفقود الخبر کیلئے علی حائری اثنا عشری لاہوری کا فتوی بھی چار سال کا ہے۔

عورت کے لئے تقرری عدت کی وجہ

تقرری عدت کی سب سے بڑی وجہ رحم کا احوال معلوم کرنا ہے۔ چنانچہ جس عورت کو قبل از

جماع طلاق ملے اسکے لیے کوئی عدت مقرر نہیں ہے خدا تعالے فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا فَمَتِّعُوْھُنَّ وَسَرِّحُوْھُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۲۲پ ترجمہ یعنے اے ایماندارو جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرلو پھر انکو جماع کرنے سے پہلے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ایسی عورتوں پر کوئی عدت کا حق نہیں ہے کہ گنتی پوری کرو اور پس انکو کچھ مال دیکر اچھی طرح سے رخصت کرو۔

وہ عورت جسکو خاوند نہ آباد کرے نہ طلاق دے

اسکیلئے قرآن کریم نے کیا علاج کیا اور گورنمنٹ کا کیا قانون ہے

عنوان الصدر امر کے لئے آیات ذیل قرآن کریم میں آئی ہیں فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا ۲پ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَۃِ ۵پ

ترجمہ۔ یعنے اپنی عورتوں کو اچھے دستور سے رکھو یا اچھے دستور سے رخصت کردو اور انکو ضرر دینے کی غرض سے نہ روک رکھو۔ اور جس نے ایسا کیا پس وہ اپنی جان کا ظالم ہے۔ اور خدا تعالے کی آیات کو کھیل نہ سمجھو۔

اس آیت سے صاف ہویدا ہورہا ہے کہ جو شخص اپنی عورت کو نہ آباد کرے نہ طلاق دے وہ ظالم ہے اور ظالم اگر مظلوم پر کوئی نالش کرے تو وہ قابل سماعت نہیں۔ بلکہ وہی قابل ملامت وہی شخص ہے جو فعل ظلم کا مرتکب ہے۔

(ترجمہ آیت دوم) سارے کے سارے ایک ہی عورت کیطرف مت جھک پڑو اور دوسری عورت کو لٹکن کیطرح مت چھوڑ دو۔

قرآن کریم کا ایسی عورت کے لئے حکم ہے کہ وہ بذریعہ عدالت اپنے حقوق کا مطالبہ کر کے حاصل کرے۔ اور اگر وہ حق بجانب ہوئی تو عدالت موجودہ بھی اسکو ڈگری دیدیگی یا رخصت یا حفاظت حقوق۔ افسوس کہ مسلمانوں نے آیات مذکورہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور کسبیوں کے گروہ کو ترقی ہوئی۔

عرصہ دراز تک دانستہ چھوڑ دینے کے بعد خاوند کا بیوی کے قبضے کے واسطے دعوے کرنیکا حق

قرآن کریم نے تو ایسے شخص کو جسکا بیان عنوان الصدر میں ہے ظالم کہکر اسکا دعوی خارج کر دیا ہے۔ مگر یہ کام حکومت وقت کے متعلق ہیں۔ افسوس کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے فیصلجات دیوانی چیفکورٹ پنجاب میں دائر ہوتے ہیں اور اسکی وجہ یہی ہے کہ بیچاری عورتوں پر ظلم ہوتا رہتا ہے اور انکے متعلقین کئی وجوہات سے درگذر کر دیتے ہیں۔

البتہ اہل ہنود میں سنہ ۱۹۰۶ء میں پنجاب چیفکورٹ میں اس قسم کا ایک دعوی دائر ہوا تھا تو ایسے ظالم مدعی کو عدالت سے صاف جواب ملا۔ اور عدالت میں یہ قرار پایا کہ اہل ہنود میں سے جو خاوند سالہا سال اپنی بیوی کو دانستہ چھوڑ دے اور اسکو مکان اور گذارہ دینے کا فرض ادا کرنے سے انکار کرے تو وہ اُس بیوی کی نسبت حقوق ازدواج نافذ کرنے اور اسکے بازو کی بابت دعوے کرنیکے قابل نہیں رہتا۔ ۲ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء دیکھو ایکٹ ۹۲ سنہ ۱۹۰۶ء۔

قرآن کریم کی آیت مذکورہ بالا فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ سے صاف ہویدا ہوتا ہے کہ مسلمان شخص بھی جو اپنی بیوی کو عرصہ دراز تک دانستہ چھوڑنے کے بعد اُس بیوی کے قبضہ کے واسطے دعوے کرے اسکو لئے بھی حقوق زوجیت نافذ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ قرآن کریم نے ایسے شخص کو ظالم قرار دیا ہے۔

دنیا بھر میں مکہ ایک ایسا شہر ہے جہاں عورت کو ذرا بھی تکلیف ہو تو وہ قاضی کی عدالت میں چلی جاتی ہے اسوقت شوہر کو بلایا جاتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ یا تو ابھی طلاق دو یا آئندہ نیک سلوک کی ضمانت دو۔

سوال۔ اگر عورت ہی بوجہ افعال شنیعہ ظالم ہو تو پھر مرد کو کیوں ظالم قرار دیا جاوے۔

جواب۔ مرد کو اسلئے ظالم قرار دیا جاتا ہے کہ وہ ایسی عورت کو کیوں طلاق نہیں دیتا ہاں طلاق سے پہلے سمجھانا چاہئے کہ وہ افعال بد سے باز آوے۔ ورنہ رخصت۔

عورت کو خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ

اس حکمت کی تشریح وتفصیل فرق عدت موت وعدت طلاق میں عنقریب آئیگی اور بقدر ضرورت

یہاں بھی کچھ قدر لکھی جاتی ہے۔ اعلموا ان الاحداد على الزوج تابع للعدة وهو من مقتضيا تها ومكملا تها فان المرأة انما تحتاج الى التزين والتجمل والتعطر لتتحبب الى زوجها وتردلها نفسه ويحسن ما بينهما من العشرة فاذا فات الزوج واعتدت منه وهي لم تصل الى زوج اخر فاقتضى تمام حق الاول وتاكيد المنع من الثاني قبل بلوغ الكتاب اجله ان تمنع مما تصنعه النساء لازواجهن مع ما في ذالك من سد الذريعة الى طمعها في الرجال وطمعهم فيها بالزينة والخضاب والتطيب فاذا بلغ الكتاب اجله صارت محتاجة الى ما يرغب في نكاحها فابيح لها من ذالك ما يباح لذات الزوج فلا شئ ابلغ في الحسن من هذا المنع والاباحة ولو اقترحت عقول العالمين لم تقترح شيئا احسن منه۔ **ترجمہ۔** واضح ہو کہ خاوند کا سوگ تابع عدت کے ہے اور یہ سوگ عدت کے مقتضا اور اسکے تکملات میں سے ہے کیونکہ عورت کو اپنے خاوند کی زندگی میں اسلئے زینت وتجمل وتعطر کی ضرورت پڑتی ہے کہ اپنے خاوند کی محبوب ومرغوب رہے اور اُن دونوں میں حسن معاشرت ہو پس جب خاوند مرجاوے تو وہ اسکی جانب سے عدت میں رہے اور دوسرے شخص سے نکاح نہ کرنے پس خاوند کے سارے حقوق کی حفاظت اور میعاد عدت کامل ہونے سے پہلے ممانعت نکاح کا مقتضی ہے کہ عورت کو اُن امور سے منع کیا جاوے جو عورتیں اپنے خاوندوں کے لئے کیا کرتی ہیں کیونکہ یہ امر اس باب کا مسدود کرنیوالا ہے جس سے عورت کو مردوں کا طمع ہو اور انکی زینت وخضاب وعطر کے ملاحظہ سے اسکی طرف مردوں کی چشم طمع دراز ہو سکے۔ پس جب عدت ختم ہو جاوے تو وہ ان امور کی محتاج ہوتی جو محرک وراغب فی النکاح ہیں پس اُس عورت کو وہ امور مباح ہوئے جو خاوند والی عورت کے لئے مباح ہوا کرتے ہیں۔ یہ ممانعت اور اباحت نہایت حسن ومناسبت پر واقع ہوئی ہے۔

عدت موت وعدت طلاق میں اختلاف کیوجہ

سوال۔ جبکہ رحم کے خالی یا حامل ہونیکا علم ایک ہی عدت مقرر کرنے سے معلوم ہو سکتا تھا تو پھر مختلف عدتوں کے مقرر ہونیکی وجہ کیا ہے۔

جواب۔ مختلف عدتوں کی وجہ اُن مصالح الٰہی سے معلوم ہو سکتی ہے جنکے لئے یہ مشروع کیگئی ہیں عدت کے مشروع ہونے میں چند مصلحتیں ہیں جنکی تفصیل ذیل میں ہے۔

۱۔ خالی ہونے رحم کا علم حاصل کرنا تاکہ دو شخصوں کا نطفہ ملجانے سے اختلاط نسب ہو کر باعث فساد نہ ہو۔ عدم تقرری عدت کیوجہ سے ایسے فساد اور بگاڑ ہوتے جنکو شریعت و حکمت الٰہی مانع ہے۔

۲۔ امر تقرری عدت کی وجہ عقد نکاح کی بزرگی و رفع قدر و اظہار شرافت ہے۔

۳۔ طلاق دینے والے کے لئے لمبا زمانہ مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مرد طلاق دینے کے امر سے نادم ہو کر عورت کیطرف رجوع کر سکے۔

۴۔ تقرری عدت کی وجہ حق خاوند کے ادا کرنے اور خاوند کے فوت ہونیکی تاثیر کا اظہار ہے اور یہ امر زینت اور آراستگی کے ترک کرنے سے ہوتا ہے اسلئے عورت پر خاوند کا سوگ اپنے بیٹے اور والدین سے زیادہ رکھنا مشروع ہوا۔

۵۔ تقرری عدت کی وجہ۔ احتیاجِ حق خاوند اور مصلحتِ زوجہ اور حقِ پسر اور واجب حق الٰہی پر قائم ہونیکے لئے ہے۔

شارع علیہ السلام نے عقد نکاح کے پیدا ہوئے یعنے موت کو قائم مقام دخول ٹھرایا ہے کیونکہ نکاح ساری عمر کے لئے ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ عدت محض برأت رحم کا علم حاصل کرنیکے لئے نہیں ہوتی بلکہ یہ امر عدت کے بعض مصالح و حکمتوں میں سے ہے۔

اقسام عدت

(۱) عدت حاملہ وضع حمل تک (۲) عدت بیوہ چار ماہ دس دن (۳) عدت مطلقہ تین طہر (۴) عدت آئیسہ یعنے جسکو حیض نہ آتا ہو اسکی عدت تین ماہ ہے۔

عدت بیوہ کی دوسری عدتوں سے مختلف ہونیکی وجہ

عدت بیوہ چار ماہ اور دس دن مقرر ہے۔ خواہ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو جیسا کہ قرآن کریم اور سنت صحیحہ کی اسپر دلالت ہے اور لوگوں کا بھی اسپر اتفاق ہے کیونکہ موت عقد نکاح کی حد کا انتہا اور انقضا و اختتام کا زمانہ ہے جس سے احکام وراثت و استحقاق مہر قائم ہوتے ہیں۔ اسجگہ محض حصول علم رحم مقصود نہیں ہے جیسا کہ بعض فقہا کا گمان ہے کہ قبل دخول کی

مہر واجب ہوجاتا ہے اور برأت رحم کا علم ایک ہی حیض سے حاصل ہوجاتا ہے اور چھوٹی اور آئیسہ اور طہر والی کو عدت میں برابر ٹھراتے ہیں۔ جبکہ یہ امر ہے تو ایک گروہ فقہا کا خیال ہے کہ عدت کا حکم محض اطاعت الٰہی کے لئے ہے اسمیں عقل کو دخل نہیں ہے۔ یہ بات چند وجوہات سے باطل ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے جسکی وجہ و مطلب و حکمت معقول نہ ہو۔ ہاں جو سمجھتے ہیں وہ سمجھ لیتے ہیں۔ اور بعض پر یہ بھید پوشیدہ رہتا ہے۔

۱۔ عدت محض عبادات میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ عدت چھوٹی اور بڑی اور عاقلہ اور دیوانی اور مسلمہ و ذمیہ کے حق میں لازمی ہے اور اسمیں نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ رعایت حقوق زوجین و پسر و رعایت حق خاوند ثانی اسمیں ظاہر ہے۔

۳۔ خاوند کی وفات میں اس قسم کے لحاظات معتبر کئے گئے تاکہ دونوں میں نکاح کا ادب اور وقعت باقی رہے اور دوامی حقوق اور معاہدہ مصاحبت کی کیفدر وفاداری ادا ہو سکے۔ اور نسب میں اشتباہ بھی نہ ہو جاوے۔

سب سے باصواب یہ بات ہے کہ اسمیں عدت نکاح کے ختم ہونیکی حرمت و عزت ملحوظ ہے یہی وجہ ہے کہ اس امر میں رعایت حق خاوند اور اسکی حرمت کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے۔

حق خاوند کی حرمت و عزت کا لحاظ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کے حقوق کی وجہ سے آپ کی وفات کے بعد آپکی عورتوں سے اور لوگوں کو مدام کے لئے نکاح کرنا حرام ہو گیا۔ کیونکہ آپ کی دنیا والی عورتیں ہی آخرت میں بھی آپ کی ازواج مطہرات ہونگی اسلئے آپ کے بعد کسیکو بھی اُن سے نکاح کرنا حلال نہیں ٹھرا۔

مگر یہ امر دوسروں کے لئے نہیں ہے کیونکہ یہ امر انکے حق میں معلوم نہیں ہے۔ اگر بعد خاوند کے مرنے سے عورت کو دوسرا نکاح کرنا حرام ہوتا تو بغیر نفع معلوم اسکو سخت تکلیف لاحق ہوتی۔ زمانہ جاہلیت میں احترام حق خاوند اور عزت عقد نکاح میں بہت مبالغہ کرتے تھے ایک سال تک عورت دوسرا نکاح نہ کرتی۔ اور نہ گھر سے باہر نکلنے کی مجاز ہوتی تھی۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے اُن سے یہ بوجھ اپنی شریعت حقہ کے ذریعہ جو محض نعمت و رحمت و مصلحت و حکمت الٰہی پر مبنی ہے تخفیف کر دیا۔

چار مہینے اور دس دن کی عدت حکمت و مصلحت الٰہی پر مبنی ہے۔ ایسی مدت کا تقرر ضروری تھا جب سے رحم میں بچہ کا ہونا یا نہ ہونا معلوم ہو سکے۔ کیونکہ چالیس دن تک رحم میں

نطفہ ہوتا ہے پھر چالیس دن تک لہو (خون) کی پھٹکی ہوتی ہے۔ پھر اسکے بعد چالیس
دن میں بچہ تیار ہوتا ہے اور یہ پورے چار مہینے ہوتے ہیں پھر اس مدت کے بعد چوتھے طور میں
روح پھونکی جاتی ہے جسکا اندازہ دس دن ہے تاکہ اگر حمل ہو تو حرکت سے ظاہر ہو سکے۔
الغرض شارع نے بیوہ کی عدت چار مہینے اور دس دن اسلئے مقرر کی کہ چار مہینے
کے تین چلے ہوتے ہیں اور اس مدت کے اندر جنین میں جان پڑتی ہے۔ اور حرکت کرنے
لگتا ہے اور دس روز اسپر اور زیادہ کئے گئے تاکہ وہ حرکت پورے طور پر ظاہر ہو جاوے۔
اور نیز یہ مدت [illegible] معتاد کی نصف ہے جسمیں حمل پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ ہر شخص
دیکھ کر بیان کر سکتا ہے۔ اور مطلقہ کی عدت طہر یا حیض کے ساتھ اور بیوہ کی چار مہینے دس
روز اسلئے مقرر کی گئی کہ مطلقہ میں حقدار یعنی خاوند اپنے اختیار پر قائم ہوتا ہے جو نسب
کی مصلحت اور قرائن کو جانتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ عورت کو اس چیز کا حکم دیا جائے جو
اسکے لئے خاص ہے اور خاوند پر وہ امین سمجھی جائے اور لوگ اس عورت کا معلوم
نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ خود بیان نہ کرے۔ اور بیوہ کے اندر خاوند موجود نہیں ہوتا اور
دوسرا شخص اسکا باطنی حال اور رغبت معلوم نہیں کر سکتا جسطرح خاوند پہچان سکتا ہے
پس ضروری ہوا کہ اسکی عدت ایسی مقرر کیجاوے جسکے معلوم کرنے میں قریب و بعید سب
برابر ہوں اور حیض کو بھی وہ ثابت کردے کیونکہ غالباً یا دائماً اسقدر طہر بڑا نہیں ہوتا۔
عدت مطلقہ۔ عدت مطلقہ میں یہ تعلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ عدت بالاتفاق جماع
کے بعد واجب ہوتی ہے نہ محض برات رحم کے علم سے۔ کیونکہ برات رحم ایک حیض سے
ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ اگرچہ برات رحم علم عدت کے بعض ضروری مقاصد میں سے ہے
اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عدت محض اطاعت الٰہی کے لئے ہے۔ عدت کی حکمتیں جب
معلوم ہو سکتی ہیں کہ جب وہ حقوق معلوم ہوں جو اسمیں ہیں۔ عدت میں ایک تو خدا تعالیٰ کا
حق ہے اور وہ اسکے حکم کی اطاعت اور اسکی طلب رضا کا حق ہے اور دوسرا طلاق دینے والے
خاوند کا حق ہے۔ اور یہ حق اسکے رجوع کرنے کے لئے لمبا زمانہ ٹھہرنے کا ہے۔ تیسرا
حق زوجہ کا ہے اور یہ حق اسکا استحقاق نفقہ و سکونت کا حق خاوند پر ہے جبتک کہ
عورت عدت میں ہو۔
اور چوتھا حق بچہ کا ہے یہ حق بچہ کے ثبوت نسب کی احتیاط کے لئے ہے تاکہ

اسکا نسب دوسرے کے ساتھ مل نہ جائے۔
پانچواں حق دوسرے خاوند کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو نہ دے۔ اور
شارع علیہ السلام نے ہر ایک میں سے مناسب احکام مرتب فرمائے ہیں رعایت حق خاوند میں یہ امر قرار پایا ہے
کہ زوجہ گھر سے باہر نہ جاوے اور نہ خاوند اسکو باہر نکالے اور طلاق دینے والے کا یہ حق ٹھہرایا ہے
کہ عدت کے اندر زوجہ سے طلاق دینے والا رجوع کرے تو زوجہ مانع نہ ہو۔ اور زوجہ کا حق خاوند پر
نفقہ و سکونت کا مہیا کرنا ہے۔ اور حق بچہ کا یہ ہے کہ اسکے نسب کا ثبوت ہو جاوے اور وہ اپنے
باپ سے ملحق ہو اور دوسرے سے ملحق نہ ہو۔ اور دوسرے خاوند کا یہ حق ہے کہ وہ تا بصیرت و برات
رحم کا علم ہونے کے بعد عورت سے دخول کرے۔ مبادا رحم میں پہلے شخص کا بچہ ہو اور اسطرح سے
اختلاط نسب ہو جاوے۔ پس مطلقہ کے لئے تین طہر کا مقرر کرنا ان حقوق کی رعایت و تکمیل کے لئے
ہے اور قرآن کریم کی اسبات پر صریح دلالت ہے کہ تقرری عدت زیادہ تر مصلحت خاوند کے لئے ہے

عورت کو ہر ماہ میں حیض آنے کی وجہ

۱۔ واضح ہو کہ اس عالم کے اجزائے خورد و بزرگ کی رطوبتیں تغیر احوال ماہتاب کے ساتھ ساتھ
بحساب کمی و بیشی نور کے متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ سمندر کا پانی نور ماہتاب کے
زیادہ ہونے کے ایام میں بڑھتا رہتا ہے اور نور ماہتاب کے کم ہونے کے ایام میں کم ہوتا رہتا ہے
اور علی ہذا القیاس حیوانات کے دماغ بھی بحسب کمی و بیشی نور ماہتاب گھٹتے و بڑھتے رہتے ہیں
پس جبکہ یہ بات معلوم ہو چکی تو اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ عورت کو خون حیض ہر ماہ میں آنا
و بند ہونا اسی قانون قدرت الٰہی کے موافق ہے۔ وجہ یہ کہ عالم کے تمام اجزائے صغار و کبار
میں یہ امر دائر و سائر ہے۔ اور انسان بھی عالم کے اجزا میں سے ہے اسلئے انکے خونوں
میں ہر ماہ میں بحسب قانون مذکور کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ چونکہ عورت کے رحم کی بعض رگیں
بحسب مصلحت صحت عورت کھلی رہتی ہیں لہٰذا بحالت خلو رحم عورت کو اسی قانون مذکور کے
موافق خون آتا ہے مگر مردوں کی ایسی رگیں کشادہ نہیں ہوتی ہیں اسلئے انکو خون نہیں آتا۔
۲۔ مؤلف فرح القلوب کا قول ہے کہ بعضے گفتہ اند خون با دست زیرا کہ در نساء بیشتر پیدا شد از آن است
کہ در ماہ حیض مے آید و تنگ نیست کہ مزاج انوثیت بر دست خون در بدن زنان بکثرت تحلیل
مے شود۔

ختنہ عورت کے لئے ہے یا مرد کیلئے

مخالفین کا اعتراض ہے کہ حدیث میں آیا ہے ختنہ عورت کے لئے زینت ہے۔ اور یہ امر ستر عورت کے خلاف و ہتک ہے۔

جواب۔ اس حدیث میں تخصیص ہے۔ یعنے اس ختنہ میں بعض عورات کی اس بیماری کے علاج و ازالہ کیطرف ایماء ہے جسکو علم طب میں بظر کہتے ہیں جو بعض عورات کو ہو جاتی ہے۔ یعنے گوشت زائد بڑھ جاتا ہے اور اسکا علاج سوائے قطع کے اور کوئی نہیں ورنہ خطرہ ہلاکت ہے۔

۲۔ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ احکام شرعیت کے تحت میں بہت سے اسرار ہوتے ہیں۔ ذوالمعارف ہونا انکا خاصہ ہے اور اسی امر کیطرف ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں اُوتِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ۔ **ترجمہ**۔ یعنے مجھے تمام حقائق و اسرار و معارف کو جمع کرنے والے کلمات عطا کیئے گئے ہیں۔ لہذا اس حدیث میں اس امر کیطرف بھی اشارہ ہے کہ صرف مردوں کا ختنہ کرنا عورتوں کے لیئے باعث زینت ہے اور اسی امر کی تصدیق قرآن کریم کی آیت ذیل سے بھی ہوتی ہے جو مردوں و عورتوں کے متعلق آئی ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ **ترجمہ**۔ یعنے عورتیں تمہارے لئے لباس یعنے باعث زینت و پردہ ہیں اور تم عورتوں کے لیئے لباس یعنے باعث زینت و پردہ ہو۔

ہمارے مہربان دوست مولوی نور حسن صاحب محرر تحصیل گوجرخان کے آگے کسی مخالف نے یہی اعتراض کیا تھا تو انہوں نے اسکو یہی جواب پیش کیا جو مناسب اور بہت لطیف ہے۔ اور اس مسئلہ کے اندراج کے لئے بھی مولوی صاحب موصوف ہی محرک ہوئے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

حرمت حلالہ حوالہ کی وجہ

قرآن کریم میں اس حلالہ حلال کا ذکر ہے جو مطلقہ ثلاثہ عورت بعد انقضائے عدت بغیر حیلہ حوالہ پہلے خاوند کے بسبب رضائے خود کسی دوسرے شخص کے ساتھ مدام مدت العمر آباد رہنے کی غرض سے نکاح کرے اور پہلے خاوند کے ساتھ پھر نکاح کرنے کی غرض سے دوسرے خاوند سے طلاق نہ چاہے۔ اور طرفین میں تمام حقوق زوجیت کے شرائط عقد نکاح کے وقت طے ہو جاویں۔ جیسے ایجاب و قبول طرفین اور عورت کا مہر و نان نفقہ و لباس و سکونت۔

مندرجۂ ذیل اون مقامات کے نام ہیں جہاں کے لوگوں کی درخواستیں آنے پر کتاب اسرار شریعت جلد اول بھیجی جاچکی ہے

مکہ معظمہ ملک عرب۔ قاہرہ ملک مصر۔ عدن ملک عرب۔ سمالی لینڈ ملک افریقہ۔ مشہد مقدس ملک ایران مسقط ملک عرب۔ جمرود ضلع پشاور۔ تنڈی نوابصاحب ضلع پشاور۔ مالاکنڈ ضلع پشاور۔ چھاونی پشاور۔ شہر نوشہرہ ضلع پشاور۔ چارسدہ ،، صوابی ،، کھنڈہ ،، مردان ،، ڈھیری زرداد خان ،، جھنڈہ ،، قازو ،، چکدرہ ،، پشو ،، بدرشی ،، تاروجبہ ،، باندہ داود شاہ ضلع کوہاٹ۔ یاغستان علاقہ آزدیان کوہاٹ۔ ہری پور ضلع ہزارہ۔ گیدڑپور ضلع ہزارہ۔ ایبٹ آباد ضلع ہزارہ۔ داتا ضلع ہزارہ۔ کنڈل تحصیل ٹانک ضلع ڈیرہ غازیخان۔ پہاڑپور ضلع ڈیرہ غازیخان۔ چوٹی ضلع ڈیرہ غازیخان۔ کامل پور ضلع اٹک۔ شہر راولپنڈی۔ سیدپور ضلع راولپنڈی۔ بسالی ضلع راولپنڈی۔ گوجرخان ضلع راولپنڈی۔ دبیرن ضلع راولپنڈی شہر جہلم۔ چھاونی جہلم۔ ڈنگہ ضلع گجرات۔ شہر گجرات۔ رسولنگر ضلع گجرات۔ شہر گوجرانوالہ۔ وزیرآباد۔ سیالکوٹ شہر۔ پنجیڑی ریاست جموں۔ بندہ لا ریاست کشمیر۔ اونتی پورہ ریاست کشمیر۔ شہر لاہور۔ چھاونی لاہور۔ مزنگ لاہور۔ گورداسپور۔ قادیان۔ امرتسر۔ جالندھر شہر۔ آدم پور ضلع جالندھر۔ بنگہ ضلع جالندھر۔ شہر فیروزپور۔ چھاونی فیروزپور۔ چکری نارہ ضلع جہلم۔ ہوشیارپور۔ انبالہ شہر۔ دہلی شہر۔ کانپور۔ لکھنؤ۔ حیدرآباد سندھ۔ حیدرآباد دکن۔ قلعہ گولکنڈہ ریاست نظام۔ گڈنگ گلی احاطہ مدراس۔ چاندور۔ جگدیس پور راجپوری علاقہ علی باغ۔ علیگڈہ۔ خیرپور ریاست بہاولپور۔ ہانگی پور۔ سامارہ۔ لائل پور۔ خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ راینجی۔ چھوٹا ناگپور۔ کاپیٹی ریاست رامپور۔ کلکتہ شہر۔ تورانہ ضلع جھنگ۔ داؤدنگر ضلع گیا۔ ڈوگی ضلع بلوچستان۔ چامراج نگر ریاست میسور۔ لورالائی ضلع بلوچستان۔ گموی ملک برما۔ شیموگہ ریاست میسور۔ منگیلی ضلع بلاسپور کرانکنگرہ۔ کالج میرٹھ۔ شہر میرٹھ۔ جبیقس کالج الہٰ آباد۔ باندا صوبہ آگرہ۔ ملاں والہ ضلع فیروزپور۔ فتح پور ریاست بہاولپور بریلی شہر۔ بلندشہر۔ چھاونی جبلپور۔ چک عباسی ریاست بہاولپور۔ بنگلور۔ خانقاہ ڈوگراں۔ جلالپور ضلع ملتان۔ فیاض منزل آگرہ۔ بمبئی۔ للت پور ضلع جھانسی۔ برہج بازار ضلع گورکھپور۔ میٹھر ضلع لاڑکانہ سندھ۔ اورنگ آباد علاقہ نظام۔ یاول آئی پی ریلوے۔ کسم گرام بنگال۔ ریاست بھوپال۔ راج ناندگاؤں سی پی۔ گنجہ کلاں ضلع لاہور۔ اگردبار۔ من ضلع جھنگ۔ مچھوا بازار کلکتہ۔ فتح گڈہ ضلع حیدرآباد سندھ۔ حسینی باغ۔ بالارام اسٹریٹ بمبئی۔ فورٹ سنڈمین۔ برتوالی۔ عادل آباد صوبہ برار۔ دمتری

حسن معاشرت خاوند کے ذمہ عام وخاص میں مشتہر ہو مگر حلالہ نکالنے والے عاریتی ساہن کے ذمہ ان شرائط میں سے کوئی بھی نہیں ہوتی۔

یہ وہ حرام حلالہ ہے جو نبی علیہ السلام کی بعثت سے پہلے عرب کے زمانہ جاہلیت میں مروج تھا اور اب بھی اُس جاہلانہ رسم ورواج کے بعض کوتہ اندیش مرتکب ہوتے ہیں چونکہ ایسا حلالہ جسکی بنا حیلہ حوالہ پر ہوتی ہے نکاح نہیں بلکہ زنا ہوتا ہے اسلیئے اسکے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ ترجمہ۔ یعنے خدا تعالےٰ لعنت کرتا ہے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر۔ یہ حدیث ترمذی ابن ماجہ نسائی ابی داؤد مسند امام احمد حنبل میں لکھی ہے۔

۱۔ اگر کوئی موخر الذکر حلالہ کو حلال جانتا ہے تو اس سے پوچھو کہ کیا خدا تعالےٰ اور اُسکے رسول نے کسی شخص پر فعل مستحب یا امر جائز یا مکروہ یا چھوٹے گناہ پر کہیں لعنت بھی فرمائی ہے بالکہ لعنت اُس شخص کے لیے مخصوص ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو حضرت ابن عباس فرماتے ہیں كُلُّ ذَنْبٍ خُتِمَ بِلَعْنَةٍ اَوْ غَضَبٍ اَوْ عَذَابٍ اَوْ نَارٍ فَهُوَ كَبِيْرَةٌ ترجمہ۔ یعنے ہر ایک گناہ جسکا خاتمہ لعنت یا غضب الٰہی یا عذاب یا دوزخ کے وعدہ پر ہو وہ کبیرہ ہے۔

۲۔ اُس سے پوچھو کہ کیا صحابہ کرام میں سے کوئی ایک شخص بھی کبھی محلل ہوا ہے یا صحابہ میں سے کسی نے ایسے حلالہ کا اقرار کیا ہے۔

۳۔ اُس سے پوچھو کہ حضرت عمر بن خطاب نے کیوں کہا تھا کہ میرے پاس جو شخص حلالہ کرنے اور کروالینے والا لایا جاویگا میں اسکو سنگسار کرونگا سنگساری زنا کی حد ہے۔

۴۔ اُس سے پوچھو کہ اگر حلالہ حلال ہوتا تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں سے کسی ایسے شخص کو کیونکر ملعون فرماتے جس نے صحیح شرعی نکاح کرلیا ہو اور وہ اس میں کسی گناہ کبیرہ وفعل قبیح کا مرتکب بھی نہ ہوا ہو۔

۵۔ اگر محلل ومحلل لہ نیکوں کے زمرہ میں شمار ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکو ملعون اور عاریتی ساہن کیوں فرماتے۔

۶۔ عاریتی ساہن سے پوچھو کہ کیا یہ کلمہ بھی کبھی اسکو اس عقد کے وقت کہا گیا ہے۔ جیسا کہ عقد نکاح کے وقت کہا کرتے ہیں بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمَا وَعَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ وَّعَافِيَةٍ۔ ترجمہ۔ یعنے تم دونوں میاں بیوی کو خدا تعالےٰ برکت دے اور تم دونوں میں

بخیر و عافیت ملاپ رکھے۔

۷۔ عاریتی ساہن سے پوچھو کہ نکاح کی علت غائی خدا تعالیٰ نے عفت اولاد آرام وسکونت بیان فرمائی ہے تم ان میں سے کس چیز کا حصہ ملا۔

۸۔ اگر ایسا امر نکاح ہوتا اور زنا نہ ہوتا تو عورت کا پہلا خاوند اور اُسکے والی کیوں عاریتی ساہن کے ساتھ عورت کو نہیں رہنے دیتے بلکہ انکی مرضی نہیں ہوتی ہے اُنکے دل بلکہ انکی زبانیں کہتی ہیں۔ یہ طعام تیرے پاس اسلئے نہیں پیش کیا گیا کہ تو اسکو سیر ہو کر کھالیوے

۹۔ اہل عقول سے پوچھو کہ کیا ایسے فعل سے فلاں عورت کا فلاں مرد کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے۔ کیا اس نکاح کو شریعت الٰہی اور عقل و فطرت انسانی قبول کر سکتی ہے۔

۱۰۔ پھر اُس عورت سے پوچھو کہ کیا وہ ساہن کو اپنا دائمی خاوند اختیار کرنے پر رضامند ہو گئی ہے جو اسکی مدت العمر کے دُکھوں و سُکھوں صحت و مرض عسر و یسر میں ساتھ ہو گا۔

۱۱۔ الغرض چونکہ حلالہ مؤخر الذکر میں نکاح حلال کی کوئی علت غائی و غرض نہیں ہوتی اسلئے وہ زنا ہے۔ اور زنا کے بارے میں آیا ہے لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَآءَ سَبِيْلًا ترجمہ۔ یعنے زنا کے نزدیک مت جاؤ زنا بیحیائی اور بُرا راہ ہے۔

ہم نے محلل کو ساہن لکھا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت عرب میں یہ رسم مروج ہوئی تھی اور اُسوقت محلل کا یہی نام پڑ گیا تھا۔ علامہ ابن قیم رح لکھتے ہیں کان یسمی فی الجاھلیۃ التیس المستعار یعنے عاریتی ساہن

حرمت نکاح متعہ کی وجہ

۱۔ متعہ کی رسم جاری ہونے سے نسب کا خلط ملط ہونا اور اسکی تباہی و بربادی لازم آتی ہے کیونکہ اس مدت متعہ کے گذرتے ہی وہ عورت خاوند کے قبضہ سے خارج ہو جاتی ہے اور عورت کو اپنا اختیار ہوتا ہے اب معلوم نہیں کہ وہ جب حاملہ ہو گی تو کیا کرے گی اور عدت کا انضباط نکاح صحیح میں بھی جسکی بنا ہمیشگی پر ہوتی ہے نہایت دشواری سے ہوتا ہے۔ تو پھر متعہ کا ذکر ہی کیا ہے۔

۲۔ اس رسم میں یہ قبح بھی ہے کہ اس رسم کے جاری ہونے سے نکاح صحیح جو شریعت میں معتبر ہے اسمیں اہمال لازم آتا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنیوالوں کی خواہش غالباً شہوت شرمگاہ

کا پورا کرنا ہوتا ہے۔

۳۔ صرف جماع کی اُجرت دینا طبیعت انسانی سے بالکل انسان باہر ہو جاتا ہے اور بیحیائی ہے اسکو قلب سلیم بالکل پسند نہیں کرتا۔

۴۔ ابتدائے زمانہ نبوت اور اس سے پہلے متعۃ النساء کے رواج کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام والبرکات کے حالات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی طرف سے کوئی امر اور نہی پسند نہیں فرماتے۔ لوگ کفر کرتے۔ شرک کرتے شراب پیتے لوٹتے۔ کسیکو تا زمانہ بعثت اوامر و نواہی کے تنگ میں مکلف نہیں فرماتے جبتک کہ کوئی حکم تبلیغ اُنکے نام بخصوصیت ثابت و باعث نہ ہو۔ مکہ میں شرک ہوتا تھا مگر جبتک یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ نازل نہ ہوا آپ نے کسیکو نہ روکا۔ یعنے اے جبہ پوش کھڑا ہو اور لوگوں کو آنے والے عذاب کی خبر سنادے۔

پھر وہ لوگ شراب پیتے تھے۔ جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور جناب الٰہی سے حکم آیا منع فرمایا۔ حجاب ازواج و پردہ کے لئے بعض اصحاب نے بار بار عرض کیا مگر تا صدور حکم الٰہی حجاب کا حکم نہ دیا۔ بلکہ یہ مقدس جماعت بلا اجازت دعا بھی کرے تو انکو مشکلات پیش آجاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا پر جو ارشاد الٰہی ہوا اس کلام پاک سے ظاہر ہے لَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ۔ ترجمہ یعنے اے نوح سوال نہ کر اُس بات کا جسکا تجھکو علم نہیں ہے۔ میں تجھکو ڈانٹتا ہوں کہ مبادا آیندہ بے خبری سے تو یہ سوال کرے۔

یہ مقام غور ہے۔ انکے زمانہ میں کسی نے متعہ کیا تو کیا۔ اگر کسی نے عرض کیا کہ کیا مجھے اجازت ہے تو جبتک حکم الٰہی نہ آیا اجازت و رخصت فرمادی تو کیا۔ مرد آخر بین مبارک بندہ ایست اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ترجمہ یعنے ہر انسان کا چاہئے فکر کرے اُس چیز کے لئے جو اُس نے کل کے لئے آگے بھیجی ہے۔

جب کوئی چیز ثابت و موجود ہوتی ہے تو اسکے لوازم بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتے ہیں۔ سورج طلوع ہوا تو نہار کا وجود ضروری ہوا۔ کوئی عقلمند آدمی غور کرے یہ کنجیاں محب اہلبیت اور انکے کنجر دنیا میں کسطرح پیدا ہوئے۔ متعہ کے مثبت جب بولتے اور لکھتے ہیں غلطی اور ناعاقبت اندیشی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ متعہ کی اجازت غزوہ بدر میں ہوئی یہ سراسر غلط ہے

متعۃ النساء کی تردید قرآن کریم سے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ
اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ترجمہ۔ یعنے وہ لوگ جو حفاظت کرتے ہیں اپنی شرمگاہوں
کی مگر اپنی بیویوں اصیلوں یا ملک یمین بیویوں سے نہیں کہ جنسے انکو مباشرت کرنیسے
کوئی ملامت نہیں ہے پس جو کوئی ان بیویوں کے سوا کسی اور جگہ شہوت رانی کریں وہ حد سے
گذرنے والے اور مجرم ہیں۔

دیکھو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ازواج اور ما ملکت ایمان کے سوا جو
اپنی شرمگاہونکی حفاظت نہیں کرتے وہ حد سے آگے بڑھنے والے ہیں اور جو اس حد بندی
کے اندر رہتے ہیں وہی مظفر و منصور ہونگے۔ دیکھو سورۃ المؤمنون پارہ ۱۸ کا ابتدا اور
سورۃ معارج میں اسی بات کو مکرر بیان کرکے شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے والے وہی جنتوں
میں معزز و مکرم ہونگے۔

جناب الٰہی کے حضور مظفر و منصور ہونے اور معزز و مکرم بننے کے قواعد میں ایک قاعدہ
یہ بھی ہے کہ زوجہ اور ملک یمین کے سوا اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنا ضروری ہے اور اسکی
حد بندی سے جو بڑھا اُس نے خلاف ورزی کی اور الٰہی حد توڑی۔

اب متعہ والی عورت کو دیکھنا چاہیئے کہ زوجہ ہے بی بی ہے یا ملک یمین سے ہو۔
اگر یہ متعہ والی عورت زوجہ ہے تو چاہیئے کہ زوجیت کے لوازم اسکے ساتھ ہوں۔
متعہ والی اگر زوجہ ہے تو ورثہ و طلاق و عدت و نفقہ و لباس وغیرہ لوازم زوجیت
اسکے لئے ثابت ہوتے۔ اور اگر ملک یمین کے نیچے ہو تو چاہیئے کہ اس متعہ والی کو لوازم
ملکیت بیع۔ ہبہ۔ عتق۔ کتابت اور تدبیر ثابت ہوں خدا تعالےٰ فرماتا ہے فَاِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ترجمہ۔ یعنے اگر منکوحہ بیویوں میں
عدل و انصاف نہ کرسکو تو ایک ہی بیوی نکاح میں رکھو یا مملوکہ پر کفایت کرو۔ یہاں حق سبحانہ
و تعالےٰ نے بیوی اور ملک یمین دو چیزوں کو رکھا اور ممنوعہ کا ذکر ترک فرمایا اور فرماتا ہے
وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ
مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ
بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ
مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ ترجمہ۔ اور جو کوئی طاقت نہ رکھتا ہو تم میں سے کہ نکاح میں لاوے بیویاں مسلمان
تو اُن بیویوں سے نکاح کرلو جو ہاتھ کا مال ہے آپکے تمہاری لونڈیاں مسلمان۔ اور خدا
تعالےٰ کو بہتر معلوم ہے تمہاری مسلمانی۔ تم آپس میں ایک ہو سو انکو نکاح کرلو ان کے لوگوں کے
اذن سے اور دیدو انکے مہر موافق دستور کے قید نکاح میں آتیاں نہ مستی نکالتیاں اور نہ وہ
یار کرتیاں ہوں چھپکر۔ پھر جب وہ قید نکاح میں آچکیں تو اگر کر بیٹھیں بیحیائی کا کام
تو انپر آدھی وہ مار ہے جو بیبیوں پر مقرر ہے۔ یہ اُسکے واسطے ہے جو کوئی تم میں سے ڈرے
تکلیف میں پڑنے سے۔ اور صبر کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور خدا تعالےٰ بخشنے
والا مہربان ہے۔

دیکھو کیسے صاف صاف ارشاد ہیں کہ اگر تمکو منکوحہ بی بی کا موقعہ نہ ملے اور تمکو استطاعت
نکاح نہ ہو تو مملوکہ کو اسکے اہل کے اذن سے لو۔ اگر تمتع بالنساء جائز ہوتا تو ارشاد فرماتا کہ متعۃ
النساء سے کام لو۔ ان تمام آیات کریمہ میں دو ہی طریق بیان فرمائے ہیں۔ ایک منکوحہ بی بی
زوجہ اور دوسری مملوکہ۔

احادیث سے متعۃ النساء کی حرمت

حدثنا محمد بن عبد اللہ ابن نمیر حدثنا ابی حدثنا عبد العزیز بن عمر حدثنا
الربیع ابن سبرۃ الجہنی ان اباہ حدثہ انہ کان مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
فقال یا ایہا الناس انی کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ قد حرم
ذالک الی یوم القیمۃ فمن کان عندہ منہن شئی فلیخل سبیلہ فی سبیلہا ولا تاخذوا
مما اتیتموہن شیئا صحیح مسلم مع النووی ص ۴۵۱ ترجمہ۔ یعنے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ
اے لوگو میں نے تمکو متعۃ النساء کی پہلے اجازت دی تھی اب خدا تعالےٰ نے متعۃ النساء کو قیامت
تک حرام کردیا ہے پس جسکے پاس اُن عورتوں میں سے کوئی چیز ہو تو اسکی راہ کو اُسکی
خالی کرے۔ اور جو کچھ تم نے انکو دیا وہ مت لو۔ صحیح مسلم ص ۴۵۱

حدثنا مالک ابن اسمعیل قال حدثنا ابن عیینۃ انہ سمع الزہری یقول اخبرنی

الحسن بن محمد بن علی واخوہ عبد اللہ عن ابیہ ان علیا قال لابن عباس ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نھی عن المتعۃ وعن لحوم الحمر الاھلیۃ زمن خیبر۔ بخاری۔ وعن سفیان نھی عن النکاح المتعۃ ۔ فتح الباری۔ ترجمہ یعنے حضرت علی رضہ نے ابن عباس کو فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعۃ النساء اور خر اہلی کے گوشت سے خیبر کے ایام میں منع فرمایا۔ اور سفیان سے روایت ہے کہ نکاح متعہ ممنوع ہوچکا ہے۔

متعۃ النساء کی تردید بروجدانی دلیل

ہر ایک شریف طبع بھلامانس شریف قوم کا امیر آدمی اپنی جگہ سوچے کہ متعۃ النساء آخر عورتوں کو ساتھ ہوگا۔ اگر شرعاً متعۃ النساء جائز بلکہ کار ثواب ہے تو آخر بدوں عورت کے نہ ہوگا پھر ایک آدمی کسیکی بہو بیٹی یا بہن سے نکاح میعادی کرسکتا ہے اور کرتا ہے تو اسکی اپنی بہن بیٹی بہو اماں بھی کرسکتی ہے اور کرتی ہے اور نکاح میں تو اظہار ہوتا ہے اخفا نہیں ہوتا۔ پھر بڑے شریف کیا مجالس میں کہہ سکتے ہیں کہ ہماری اماں اور بیٹیوں اور بہوؤں نے اپنے متعے کئے ہیں۔ وجدانی رنگ میں یہ لاجواب دلیل ہے اور یقین ہے مجالس میں جیسے ازدواج تزویج صریح مبارکباد یقین کی گئی ہے ایسے متعہ کے متعلق عورتیں اس مبارکباد کو برداشت نہ کرسکیں۔

احادیث صحیحہ وروایات کریمہ کے سمجھنے میں جو قائلین متعہ کو غلطیاں لگی ہیں۔ اول بعض احادیث میں متعۃ الحج کا ذکر آیا ہے اور جو صحابہ کرام عمرہ اور حج کرتے دونوں مناسک کی جمع کو متعہ کہتے تھے جیسے جابر بن عبد اللہ اپنے حالات میں لکھتا ہے کہ جب میں عمرہ کرنے لگا تو کسی نے مجھے روکا تو میں نے کہا استمتعنا علے عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر سنایا۔ یعنے ہم نے عمرہ وحج ملا کر کئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اور حضرت ابی بکر وعمر کے زمانہ میں لفظ استمتعنا کو سنکر خوش پرستوں کو غور کا موقعہ نہ ملا۔ جھٹ متعۃ النساء اسکے معنے کردیئے۔ شہوت پرستی میں حبک الشئ یعمی ویصم کی مثل انپر صادق آئی۔

عبد اللہ بن مسعود اور سلمہ بن الاکوع سے احادیث میں چند روایات ہیں جنکے الفاظ ذیل میں درج ہیں۔ کنا ننکح بالثوب الی رجل۔ ترجمہ۔ یعنے ہم ایک کپڑا دیکر میعادی نکاح

یا جماع کرلیتے تھے۔ اسمیں صحابی اپنے ایک فعل کا ذکر کرتا ہے۔ جیسے وہ کہدیا کرتے ہیں کہ ہم شراب پی لیا کرتے تھے یا بت پرستی کرلیا کرتے تھے یا نبی کریم کا مقابلہ ہم نے کیا۔ یہ سب ایسی باتیں زمانہ جاہلیت کا وہ ذکر کیا کرتے تھے۔ پھر یہ فعل بمقابلہ ان اللہ قد حرم ذالک کے کیا ہستی رکھتا ہے۔

سلمۃ ابن الاکوع کہتا ہے ایک منادی نے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف سے آیا اس نے کہا اذن لکم ان تستمتعوا اس روایت میں رخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عام اوطاس فی المتعۃ ثلاثا ثم نھی عنھا۔ ہم کہتے ہیں کہ عام اوطاس مکہ معظمہ میں ہی آپ نے اجازت دی اور یہ فتح مکہ بعد غزوہ اوطاس کے ہے مگر انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام جبتک کوئی حکم الہی نہ آوے کسیکو کسی فعل سے نہیں روک سکتے۔ یہ سب رخصتیں اور اذن اور خاموشیاں ان اللہ قد حرم ذالک الی یوم القیامۃ سے ہبا منثورہ ہول کے ذرات کی طرح اڑ گئیں۔ اذا جاء نھر اللہ ابطل نھر معقل۔ یعنے کسی معقل نام آدمی نے ایک نہر بنائی تھی اسپر ایک قدرتی نہر آگئی تو عرب میں یہ مثل بنگئی کہ معقل کی نہر الہی نہر کے آنے سے تباہ ہوگئی۔

الغرض متعۃ النساء اور حلالہ جو الہ دونوں میعادی نکاح ہیں اور میعادی نکاحونکو خدا تعالےٰ نے حرام فرمایا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ یعنے نکاح کرو عورتوں سے قید میں لانے کو مستی مٹانے کو۔ محصنین غیر مسافحین کا کلمہ حلالہ ومتعۃ النساء کو حرام کرتا ہے پس حسب قران کریم واحادیث صحیحہ یہ دونوں فعل اور دونوں میعاد معینہ کے نکاح حرام ہیں۔ نکاح میں تعیین مدت کا حکم کسی صریح آیت اور صحیح حدیث میں سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ حلالہ کی نسبت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں عن علی قال لعن رسول اللہ المحلل والمحلل لہ ترجمہ یعنے روایت ہے علی مرتضی رضہ سے کہ لعنت کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حلالہ نکال لینے والے اور نکلوانے والے پر۔ یہ حدیث مسند امام احمد میں ہے۔ ترمذی اور ابن قطان اور ابن دقیق العید اور ابن السکن نے اسکی تصحیح کی ہے۔ اور یہ حدیث علی مرتضے سے امام احمد اور ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ اور حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ میں وہ نکاح مراد ہے جسکو شرع اسلام نے جائز رکھا اور شرعی نکاح پر لعنت کا حکم نہیں لگ سکتا معلوم ہوا کہ حلالہ شرعی نکاح نہیں۔

اور متعۃ النساء کی نسبت ارشاد نبوی ذیل میں ملاحظہ ہو۔

عن علی ابن ابی طالب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھیٰ عن متعۃ النساء۔ ترجمہ یعنے علی مرتضےٰ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا عورتوں سے متعہ کرنا۔ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کی تصحیح کی اور حرمت متعہ پر صحابہ کرام کا یقین تھا۔ حضرت ابن عباس قدیم غلطی روایات اور عادت کے باعث چندروز مجوز رہے۔ جب انکو شرعی حکم کی اطلاع پہونچی تو تجویز متعہ سے رجوع کیا۔ متعہ کی حرمت تمام حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ اور اہل حدیث اور صوفیہ کرام میں متفق ہے۔ متعہ کی ابدی تحریم اگر دیکھنی ہو تو دیکھو مسلم اور بخاری اور ترمذی۔

مستورات ومردوں کے لئے اسلامی پردہ کی وجوہات

پردہ کے متعلق اسلام نے مرد وعورت کے لئے ایسے ایسے اصول بتائے ہیں جنکی پابندی سے انکی عفت وعزت پر حرف نہ آئے اور وہ بدی کے ارتکاب سے محفوظ اور معصوم رہیں۔ چنانچہ خداتعالےٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا + وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ ترجمہ یعنے ایمانداروں کو جو مرد ہیں کہدے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں۔ اور ایسی عورتوں کو کھلے طور پر نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہوسکتی ہوں۔ اور ایسے موقع پر خوابیدہ نگاہ کی عادت پکڑیں اور اپنے ستر کی جگہ کو جسطرح ممکن ہو بچاویں۔ ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچاویں۔ یعنے بیگانہ کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں انکے حسن کے قصے نہ سنیں یہ طریق پاک نظر اور پاک دل رہنے کے لئے عمدہ طریق ہے۔ ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہدے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں یعنے انکی پر شہوات آوازیں نہ سنیں اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنی زینت کے اعضا کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اسطرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہوکر سر پر آجائے۔ یعنے گریبان اور دونوں کان

اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں۔ اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔ یہ وہ تدبیر ہے کہ جسکی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے۔ اور دوسرا طریق بچنے کے لئے یہ ہے کہ خداتعالےٰ کیطرف رجوع کریں اور اُس سے دعا کریں تا ٹھوکر سے بچاوے اور لغزشوں سے نجات دے۔ زنا کے قریب مت جاؤ یعنے ایسی تقریبوں سے دور رہو جنسے یہ خیال بھی دل میں پیدا ہوسکتا ہے۔ اور اُن راہوں کو اختیار نہ کرو جنسے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو جو زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہونچا دیتا ہے۔ زنا کی راہ بہت بُری راہ ہے۔ یعنے منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمہاری اُخروی منزل کے لئے سخت خطرناک ہے۔ اور جسکو نکاح نہ میسر آوے چاہئے کہ وہ اپنے تئیں یعنے اپنی عفت کو دوسرے طریقوں سے بچاوے۔ مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں سے تن آزار کام لیے اور اور لوگوں نے یہ بھی طریق نکالے ہیں کہ وہ ہمیشہ عمداً نکاح سے دست بردار رہیں۔ یا خوجے (مخنث) بنیں۔ اور کسی طریق سے رہبانیت اختیار کریں۔ مگر ہم نے انسان پر یہ حکم فرض نہیں کئے اسلئے وہ ان بدعتوں کو پورے طور پر نباہ نہ سکے۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ خوجے بنیں یہ اسبات کیطرف اشارہ ہے کہ یہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو سب لوگ اس حکم پر عمل کرنیکے مجاز ہوتے تو اسصورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہوکر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہوجاتا۔ اور نیز اگر اسطرح عفت حاصل کرنی ہو کہ عضو مردی کو کاٹ دیں تو یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا۔ اور نیز جبکہ ثواب کا تمام مدار اسبات پر ہے کہ ایک قوت موجود ہو اور پھر انسان خداتعالےٰ کا خوف کرکے اس قوت کے جذبات کا مقابلہ کرتا رہے اور اُسکے منافع سے فائدہ اُٹھاکر دو طور کا ثواب حاصل کرے۔ ثواب تو جذبہ مخالفانہ کے وجود اور پھر اسکے مقابلہ سے ملتا ہے مگر جسمیں بچہ کیطرح وہ قوت ہی نہیں رہی اسکو ثواب کیا ملیگا کیا بچہ کو اپنی عفت کا ثواب ملسکتا ہے۔ اِن آیات میں خداتعالےٰ نے خلق احصان یعنے عفت حاصل کرنیکے لئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاک دامن رہنے کیلئے پانچ علاج بھی بتلا دئے۔ یعنے یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا۔ دوسرا کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا۔ نامحرموں کے قصے سننا اور ایسی تمام تقریبوں سے جن میں اس فعل بد کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ۔

یہ اعلیٰ تعلیم اِن سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف

اسلام ہی سے خاص ہے۔ اور اسجگہ ایک نکتہ یاد رکھنے لایق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اسکے جذبات شہوت محل اور موقع پاکر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے۔ یا یوں کہو سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اسلئے خدا تعالے نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلف تو دیکھ لیا کریں اور انکی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں اور انکے تمام انداز ناچنا وغیرہ مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں۔ اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور انکے حسن کے قصے بھی سنا کریں لیکن پاک خیال سے سنیں۔ بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور انکی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے اور انکی خوش الحانی کی آوازیں اور انکے حسن کے قصے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے۔ بلکہ ہمیں چاہئے کہ انکے سننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تاکہ ٹھوکر نہ کھائیں کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آئیں۔ سو چونکہ خدا تعالے چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں اسلئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔ اسمیں کیا شک ہے کہ بے قیدی گناہ کا موجب ہو جاتی ہے۔ اگر ہم بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھدیں اور پھر امید رکھیں کہ اس کتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو خدا نے چاہا کہ نفسانی قوٰی کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی تقریب پیش نہ آوے جس سے یہ خطرات جنبش کر سکیں۔

اسلامی پردہ کا یہی راز اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ فقط عورتوں کو قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے۔ یہ ان نادانوں کا خیال ہے جنکو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد دونوں کو آزادانہ نظر اندازی اور اپنی زینتوں سے روکا جائے کیونکہ اسمیں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے۔

بالآخر یاد رہے کہ خوابیدہ نگاہ سے غیر محل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں بچا لینا اور دوسری جائز النظر چیزوں کو دیکھنا۔ اس طریق کو عربی میں غض بصر کہتے ہیں اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اسکو نہیں چاہئے کہ حیوانوں کی طرح جسطرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اسکے لئے اس تمدنی زندگی میں غض بصر کی عادت

ڈالنا ضروری ہے۔ اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اسکی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائیگی اور اسکی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑیگا۔ یہی وہ خلق ہے جسکو احصان اور عفت کہتے ہیں۔

خلع کرنیوالی و ہاجرہ عورت کی عدت ایک حیض مقرر ہونیکی وجہ

جو عورت اپنے خاوند سے جدا ہو جاوے اور خاوند کا حق عورت کے اسیر ہونے یا ہجرت کرنے یا خلع کرنے سے منقطع ہو جاوے تو اُس عورت کی عدت برأت رحم کے لئے صرف ایک حیض مقرر ہوئی اور تین حیض عدت نہ ہوئی کیونکہ اسکا خاوند تو اب رجوع نہیں کر سکتا اور ایک حیض میں برأت رحم کا علم ہو جاتا ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خلع کرنے والی عورت کو کبھی بھی تین حیض کی عدت کا امر نہیں فرمایا۔ ابو داؤد و نسائی وغیرہ لکھتے ہیں کہ ثابت بن قیس نے اپنی عورت کو ایسا مارا کہ اسکا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ عورت کا نام جمیلہ تھا۔ اور وہ عبد اللہ بن ابی کی بیٹی تھی۔ جمیلہ کا بھائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور ثابت بن قیس کے تشدد کا ذکر کیا۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو بلوا کر فرمایا کہ جو کچھ تیرا مال جمیلہ کے پاس ہے وہ لے لو اور اسکو چھوڑ دو۔ ثابت بن قیس نے اس امر کو منظور کیا لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ کو ایک حیض کے انتظار کا حکم فرمایا اور بعد ازاں فرمایا اپنے اقربا کے پاس چلی جا۔ ذکرہ ابو داؤد والنسائی من حدیث ابن عباس ان امرأة ثابت ابن قیس اختلعت من زوجها فامرها النبی صلی الله علیه وسلم ان تعتد بحیضة وقال الترمذی الصحیح انها تعتد بحیضة

ترجمہ۔ یعنے ثابت بن قیس کی زوجہ نے اپنے خاوند سے خلع کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو ایک حیض عدت میں رہنے کا امر فرمایا۔ ترمذی کی رائے ہے کہ یہی امر صحیح ہے کہ خلع کرنے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔

زانیہ و موطوٗہ بالشبہ کی عدت ایک حیض تک کی وجہ

اسی دلیل مذکورہ پر جس عورت سے شبہ میں کسی نے جماع کر لیا ہو اور زانیہ کی عدت برأت رحم کا علم حاصل کرنیکے لئے ایک حیض ٹھرائی گئی ہے شیخ ابن تیمیہ و حضرت احمد ابن حنبل و ابن قیم

کی یہی رائے ہے۔

حیض میں عورت سے حرمت جماع کی وجہ

خدا تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ترجمہ۔ پوچھتے ہیں تجھ سے حکم حیض کا تو کہو وہ ناپاکی ہے سو تم حیض میں عورتوں سے کنارہ کرو اور صحبت نہ کرو اُن سے جب تک وہ پاک نہ ہو لیں۔

جبکہ خدا تعالےٰ نے حیض کو ناپاکی و ایذا بیان فرماتا ہے تو ایسی حالت میں صحبت کرنے سو عورت کو ازدیاد ایذا اور مرد کو بھی ضرر پہونچنے کا قوی مظنہ ہے لہذا خدا نے حیض میں جماع منع فرمایا۔

طبی رو سے جو شخص حالت حیض میں عورت سے جماع کرے اُسکو مندرجہ ذیل امراض لاحق ہونے کا احتمال ہے۔ جرب یعنے خارش۔ نامردی۔ سوزش یعنے جلن۔ جریان۔ جذام یعنے کوڑھ۔ ولد۔ یعنے جو بچہ پیدا ہوتا ہے اُسکو جذام ہو جاتا ہے۔ اور عورت کو مندرجہ ذیل بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ عورت کو اکثر ہمیشہ کے لئے خون جاری ہو جاتا ہے اور بچہ دان یعنے رحم باہر کو لٹک آتا ہے۔ بعض عورات کے لئے اکثر اوقات کچا حمل گرجانیکا باعث منجملہ دیگر امور کے بڑا سبب یہی ہوتا ہے۔ چونکہ حالت حیض میں جماع کرنے سے مذکورہ بالا امراض اور دیگر کئی نقصانات و عوارض پیدا ہو جاتے ہیں جنکو خدا تعالےٰ بہتر جانتا ہے۔ اسلئے خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں پر رحم کر کے حالت حیض میں جماع کرنے سے منع فرما دیا۔

دنیا میں جس عورت نے کئی خاوند کئے وہ قیامت میں کس کے ساتھ ہوگی

سئل صلے اللہ علیہ وسلم عن المرأۃ تزوج الرجلین والثلاثۃ مع من یکون منھم یوم القیٰمۃ فقال تخیر فتکون مع احسنھم خلقا۔ ترجمہ۔ یعنے نبی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جس عورت نے دنیا میں دو یا تین تک خاوند کئے ہوں وہ قیامت میں کس کے ساتھ ہوگی۔ فرمایا اُسکو اختیار دیا جائیگا۔ پس وہ اُسکے ساتھ ہوگی جسکے اخلاق (عادتیں) اچھی ہونگی۔

وجہ حرمت جماع حائض و حکمت اباحت وطی مستحاضہ

حائض سے جماع حرام ہونا و مستحاضہ سے جائز ہونا باوجودیکہ دونوں نجاست کی قسم سے ہیں۔ اسمیں وجہ یہ ہے کہ یہ امر شارع کی کمال حکمت میں سے ہے کہ اُس نے دونوں خونوں میں فرق ظاہر کر دیا کیونکہ حیض کی نجاست بہ نسبت استحاضہ کے زیادہ مغلظ و قوی و دوامی ہے استحاضہ کا خون شرمگاہ کی ایک رگ سے جاری ہوتا ہے۔ اور شرمگاہ سے جریان خون استحاضہ کا ایسا ہے جیسا کہ ناک سے نکسیر جاری ہوتی ہے۔ اس خون کا نکلنا مضر ہے اور اسکا بند ہونا دلیل صحت ہے بخلاف حیض کے کہ اگر حیض کا خون بند ہو جاوے تو وہ موجب بیماری ہے اور اسکا جاری رہنا موجب صحت ہے۔ خون حیض و استحاضہ دونوں از روئے حقیقت و عرف و حکم و سبب برابر نہیں ہیں۔ پس یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں و محاسن میں سے ہے۔ کہ دونوں خونوں میں فرق ظاہر کر دیا جیسا کہ وہ حقیقت میں بھی الگ الگ ہی ہیں۔ مستحاضہ کے متعلق نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ ھل تدع الصلوۃ زمن استحاضتھا فقال لا انما ذالک عرق ولیس بالحیضۃ فامرھا ان تصلے مع ھذا الدم و علل بانہ دم عرق ولیس بدم حیض۔

طلاق کا تین تک محدود ہونیکی وجہ

طلاق کو صرف تین کے اندر محدود کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شروع حد ہے اور نیز اسمیں فکر کرنا اور سوچنا اور سمجھنا ضروری ہے۔ بہت لوگوں کو اسکی مصلحت معلوم نہیں ہوتی جبتک وہ عورت کے ملک سے نکلنے کا مزہ نہیں چکھ لیتے اور تجربہ کے لئے اصل ایک مرتبہ ایک چیز کا عمل میں لانا ہوتا ہے اور دو سے تجربہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تیسری طلاق کے بعد نکاح شرط کرنا تحدید اور انتہا کے معنے ثابت کرنیکے لئے ہے اسلئے کہ اگر بغیر دوسرے نکاح کے اُس سے رجوع درست ہوتا تو اسکا حال رجعت کا سا تھا۔ اسلئے کہ مطلقہ سے نکاح کرنا بھی ایک قسم کی رجعت ہے۔ اور عورت جبتک خاوند کے گھر میں اور اُسکے قبضہ میں اور اسکے اقارب کے سامنے ہے تب ہو سکتا ہے کہ خاوند اُسکی رائے پر غالب رہے۔ اور خواہ مخواہ وہ اس چیز کو پسند کرے جسکی خوبی اُس عورت کے سامنے وہ لوگ بیان کریں اور پھر

اُن سے بالکل جدا ہو گئی اور زمانہ کی سردی و گرمی کا مزہ چکھ لیا اور اسکے بعد اس شخص سے راضی ہو گئی تو وہ رضامندی فی الواقع رضامندی ہے۔ اور نیز اسمیں مفارقت کا مزہ چکھانا اور بلا کسی ضروری مصلحت کے معلوم کئے خواہش نفسانی کے تابع ہونیکا عذاب دینا ہے۔ اور نیز اسمیں مطلقہ ثلاثہ کا انکی آنکھوں میں عزت دینا ہے اور اسبات کا جتانا ہے کہ تین طلاقوں پر وہی شخص دلیری کر سکتا ہے جو بغیر وقت اور حد سے زیادہ بے عزتی کے بعد اپنے نفس کو اُسکی جانب سے امید کے قطع کرنے پر قائم کرے۔

طلاق رجعی کا دو تک محدود ہونے کی وجہ

اہل جاہلیت جسقدر چاہتے تھے طلاقیں دیکر رجوع کر لیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اسمیں عورت پر کسقدر ظلم تھا۔ لہذا آیت کریمہ نازل ہوئی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ یعنے طلاق دو بار ہے جسکے بعد رجوع ہو سکتا ہے پھر اگر تیسری طلاق دے تو اسکے بعد جبتک وہ عورت برضائے خود کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرلے پہلے کے لئے وہ حلال نہیں ہو سکتی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے ساتھ صحبت کرنے کو بھی زیادہ کیا ہے۔ اور اسجگہ ہماری یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ وہ عورت حلالہ کی غرض سے دوسرے سے نکاح کرے گی بلکہ آبادی کی غرض سے۔

تین طلاق دینے اور پھر نکاح ثانی کے بعد پہلے مرد پر اُس عورت کے حلال ہونے کی وجہ

یہ سوال حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ پر وارد ہوا تھا اسپر جو جواب اُنہوں نے اپنی کتاب اعلام الموقعین عن رب العلمین میں درج فرمایا ہے۔ ہم اُسکا ترجمہ یہاں لکھدیتے ہیں۔ وھو ھذا تین طلاق کے بعد مرد پر عورت کے حرام ہونے اور دوسرے نکاح کے بعد پہلے مرد کو جائز ہونیکی حکمت کو وہی جانتا ہے جسکو اسرار شریعت اور مصالح کلیہ الٰہیہ سے واقفیت ہو لہذا واضح ہو کہ عورت کا حلال ہونا مرد سے روکنے و منع کے بعد خدا تعالےٰ کی عظیم الشان نعمتوں اور بڑے احسانات میں سے ہے تو اس نعمت کا شکر اور اُسکے حقوق کی رعایت اور اسکو نائل کرنا

اُسپر واجب ہوا۔ اور اس امر میں شریعتیں بحسب مصالح ہر زمانہ و امت کے لئے مختلف رہی ہیں۔ شریعت توریت نے طلاق کے بعد جب تک عورت دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پہلے مرد کا رجوع اسکے ساتھ جائز رکھا تھا۔ اور جب وہ دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی تو پہلے شخص کو اُس عورت سے کسی صورت میں رجوع جائز نہ تھا۔ اس امر میں جو حکمت و مصلحت الٰہی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ جب مرد جانتا تھا کہ جب عورت کو طلاق دیدی تو اسکا اختیار اپنا ہو جائیگا اور اسکے لئے دوسرا نکاح کرنا بھی جائز ہے اور یہ کہ جب اُس نے دوسرا نکاح کر لیا تو ہمیشہ کے لئے یہ عورت حرام ہو جائیگی۔ تو ان امور خاصہ کے تصور سے مرد کا عورت سے تعلق و تمسک پختہ ہوتا تھا اور عورت کی جدائی کو ناگوار جانتا تھا۔ شریعت توریت بحسب حال مزاج امت موسوی نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ تشدد اور غصہ اور اسپر اصرار کرنا ان میں بہت تھا پھر شریعت انجیل آئی تو اس نے نکاح کے بعد طلاق کا دروازہ بالکل بند کر دیا جب مرد کسی عورت سے نکاح کر لیتا تو اُسکے لئے عورت کو طلاق دینا ہرگز جائز نہ تھا۔

پھر شریعت محمدیہ آسمان سے نازل ہوئی جو کہ سب شریعتوں سے اکمل و افضل و اعلیٰ اور پختہ تر ہے اور انسانوں کے مصالح معاش و معاد کے مناسب اور عقل کے موافق ہے۔ خدا تعالےٰ نے اس امت کا دین کامل اور انپر اپنی نعمت پوری کی اور طیبات میں سے اس امت کے لئے وہ چیزیں حلال ٹھرائی ہیں جو کسی امت کے لئے حلال نہیں ہوئی تھیں اور مرد کے لئے جائز ہوا کہ بجب ضرورت چار عورات تک نکاح کر سکے۔ پھر اگر مرد و بیوی میں نہ بن سکے تو مرد کو اجازت دے کہ اسکو طلاق دے کر اور عورت سے نکاح کر لے کیونکہ جبکہ پہلی عورت موافق طبع نہ ہو یا کوئی اس سے فساد واقع ہو اور وہ اس سے باز نہ آئے تو شریعت اسلامیہ نے ایسی عورت کو مرد کے ہاتھ و پاؤں و گردن کے زنجیر بنا کر جکڑنا اور اُسکی پیٹھ توڑنے کا بوجھ بنانا نہیں ٹھرایا اور نہ اس دنیا میں مرد کے ساتھ ایسی عورت کو رکھکر اُسکا دوزخ بنانا چاہا ہے

زن بد در سرائے مرد نکو ؎ دوزخ او ست ہم دریں سرائے او

لہذا خدا نے ایسی عورت کی جدائی مشروع فرمائی ہے اور وہ جدائی بھی اسطرح مشروع فرمائی کہ مرد عورت کو ایک طلاق دے پھر عورت تین طہر یا تین ماہ تک اُس مرد کے رجوع کا انتظار کرے تاکہ اگر عورت سدھر جائے و شرارت سے باز آجائے اور مرد کو اُس عورت کی خواہش ہو یعنے خدائے مصرف القلوب عورت کیطرف مرد کے دل کو راغب کر دے

تو مرد کو عورت کیطرف رجوع ممکن ہو سکے اور مرد کے لئے رجوع کرنیکا دروازہ مفتوح رہے تاکہ مرد عورت سے رجوع کر سکے اور جس امر کو غصہ و شیطانی جوش نے اُسکے ہاتھ سے نکال دیا تھا اُسکو بدل سکے۔ پھر بھی جانبین کے طبعی غلبات و شیطانی چھیڑ چھاڑ کا اعادہ ممکن تھا اسلئے دوسری طلاق مدت مذکورہ کے اندر مشروع ہوئی۔ تاکہ عورت بار بار کی طلاق کی تلخی کا ذائقہ چکھکر اور خرابی خانہ کو دیکھکر امورات قبیحہ کا اعادہ نہ کرے جنسے اُسکے خاوند کو غصہ آوے اور اُسکے لئے جدائی کا باعث ہو اور مرد بھی عورت کی جدائی محسوس کرکے عورت کو طلاق نہ دیوے۔

اور جب تیسری طلاق کی نوبت آپہونچے تو اب یہ وہ طلاق ہے کہ جسکے بعد خدا کا یہ حکم ہے کہ اس مرد کا رجوع اُس عورت مطلقہ ثلاثہ سے نہیں ہو سکتا اسلئے جانبین کو کہا جاتا ہے کہ پہلی دوسری طلاق تک تمہارا رجوع آپسمیں ممکن تھا اب تیسری طلاق کے بعد رجوع نہ ہو سکیگا تو ان سے وہ سد بر جاوینگے۔ جب مرد کو یہ تصور ہوگا کہ تیسری طلاق اُسکے درمیان اور اُسکی بیوی کے درمیان بالکل جدائی ڈالنے والی ہے تو وہ طلاق دینے سے باز رہیگا۔ کیونکہ جب اُسکو اسبات کا علم ہوگا کہ اب تیسری طلاق کے بعد یہ عورت بجز شخص ثانی کے شرعی معروف و مشہور نکاح اور اسکی طلاق کی عدت کے سوا حلال نہ ہو سکیگی۔ اور پھر دوسرے شخص کے نکاح سے عورت کا لوٹنا بھی نامعلوم ہوگا اور یہ کہ جبتک دوسرا خاوند اسکو ساتھ کامل دخول نہ کر چکے اور پھر دوسرا خاوند مر جاوے یا اسکو برضائے خود طلاق دیوے اور وہ عورت عدت میں رہے تبتک وہ اسکے ساتھ رجوع نہ کر سکیگا۔ تو اُسوقت مرد کو امر رجوع عورت کی ناامیدی کا خیال اور ان امورات کے محسوس کرنے سے ایک دور اندیشی پیدا ہو جائیگی اور وہ خدا تعالےٰ کے ناپسند ترین امر حلال یعنے طلاق دینے سے باز رہیگا اور مرد و عورت کو عدم رجوع کی واقفیت ہوگی تو آپسمیں انکی اصلاح ہو سکیگی۔

اور نکاح ثانی کے متعلق نبی علیہ السلام نے اسطرح کی تاکید فرمائی کہ وہ نکاح مدام کیلئے ہو۔ اگر دوسرا شخص اُس عورت سے اپنے پاس مدامی طور پر رکھنے کے ارادہ سے نکاح نہ کرے بلکہ حلالہ کے لئے نکاح کرے تو آنحضرت نے اس شخص پر لعنت فرمائی اور جب پہلا شخص اس قسم کے حلالہ سے اُس عورت کو اپنی طرف لوٹائے تو اسپر بھی لعنت فرمائی۔ عن ابن عباس لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ۔ ترجمہ۔ یعنے رسول خدا

صلے اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت فرمائی۔ شرعی حلالہ وہ ہے جو خود ایسے اسباب پیدا ہو جائیں کہ جسطرح پہلے خاوند نے عورت کو طلاق دی تھی اُسیطرح دوسرا بھی طلاق دے یا مر جاوے تو عورت کا رجوع بعد عدت پہلے خاوند کیطرف ممکن ہے۔

اتنی سخت رکاوٹوں کے بعد عورت کا پہلے خاوند کیطرف رجوع مشروع ہونیکی وجہ بیان مذکورہ سے ظاہر و باہر ہے کہ اسمیں عزت و عظمت امر نکاح۔ و شکر نعمت الٰہی۔ اور اسکی دوام و عدم جدائی ملحوظ ہے۔ کیونکہ جب خاوند کو عورت کی جدائی سے اُسکے وصل ثانی تک اتنی رکاوٹیں درمیان میں حائل ہونیوالی متصور ہونگی تو وہ تیسری طلاق تک نوبت نہیں پہونچائیگا۔

ان الشارع حرمها عليه حتى تنكح زوجاً غيره عقوبة له ولعن المحلل والمحلل له لمناقضتهما ما قصده الله سبحانه من عقوبته وكان من تمام هذه العقوبة ان طول مدة تحريمها عليه فكان ذلك ابلغ فيما قصده الشارع من العقوبة فانه اذا علم انها لا تحل له حتى تعتد بثلاثة قروء ثم يتزوجها آخر بنكاح رغبة مقصود لا تحليل موجب للعنة ويفارقها وتعتد من فراقه ثلاثة قروء آخر طال عليه الانتظار وعيل صبره فامسك عن الطلاق الثلاث وهذا واقع على وفق الحكمة والمصلحة والزجر فكان التربص بثلاثة قروء في الرجعة نظراً للزوج ومراعاة لمصلحته لما لم يوقع الثالثة المحرمة لها عليه وههنا كان تربصها عقوبة له وزجراً لما اوقع الطلاق المحرم لما احل الله له واكدت هذه العقوبة بتحريمها عليه الا بعد زوج واصابة وتربص ثان۔

ایلاء کی مدت چار ماہ مقرر ہونیکی وجہ

خدا تعالےٰ فرماتا ہے لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ ترجمہ۔ جو لوگ اپنی جورؤں سے جدا ہونے کے لئے قسم کھا لیتے ہیں وہ طلاق دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ چار مہینے انتظار کریں۔ سو اگر وہ اس عرصہ میں اپنے ارادے سے باز آجاویں تو خدا تعالےٰ کو غفور و رحیم پاوینگے۔ اور اگر طلاق دینے پر پختہ ارادہ کرلیں تو یاد رکھیں کہ خدا سننے اور جاننے والا ہے۔ ایلاء کے معنے قسم و سوگند

کھالئے گئے ہیں۔

اہل جاہلیت اس بات کا حلف یعنے قسم کیا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں سے کبھی یا ایک مدت دراز تک جدا رہینگے۔ اس میں عورتوں پر نہایت ظلم اور ضرر تھا۔ لہذا خدا تعالےٰ نے چار مہینہ سے زیادہ مدت ایلار منع فرمائی۔ ایلار کی مدت چار ماہ مقرر ہونے میں بہت راز ہیں۔ ازانجملہ چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ اس مدت کے معین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اتنی مدت میں خواہ مخواہ نفس کو جماع کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر انسان ماؤف نہ ہو تو اسکے چھوڑنے سے ضرر پہونچتا ہے۔

۲۔ یہ مدت سال کا ایک ثلث حصہ ہے اور نصف سے کم کا انضباط ثلث کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور نصف مدت کثیرہ شمار کیا جاتا ہے۔

۳۔ اگر ایلار کی مدت زیادہ ہوتی تو مرد لاپرواہ ہوکر عورت کے نان و نفقہ کو ٹال دیتا اور یہ امر عورت کے لئے سخت مضر ہے کہ وہ کہاں سے کھاتی اور کہاں سے پہنتی اور کہاں رہتی۔

۴۔ اغلب ہے کہ ابتدائے ایلار یعنے اس سے پہلے مرد نے عورت سے جماع کیا ہو جس سے احتمال حمل ہو سکتا ہے۔ اندریں صورت برأت رحم چار ماہ میں بکمل وجوہ معلوم ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی ہے۔ کیونکہ چار ماہ شناخت حمل کے لئے اور دس دن سوگ خاوند کے لئے ہیں۔ چونکہ ان دو صورتوں میں عورت کو مرد سے جدائی رہتی ہے تو اس مدت میں بالکل وجہ اور پورے طور سے ہرگیسو شناخت حمل ہو سکتا ہے اگر حمل معلوم ہوا اندریں صورت بھی مرد کو طلاق دینے کا ارادہ مصمم ہو تو عدت وضع حمل تک ہے۔

۵۔ خدا نہیں چاہتا کہ عورت کو اپنے خاوند سے چار ماہ سے زیادہ جدا رکھا جاوے وجہ یہ ہے کہ اگر ایلار سے پہلے مرد نے عورت سے جماع کیا ہو اور رجوع کے بعد حمل محسوس ہو تو مرد عورت کی غور و پرداخت کرے اور اسکو دلاسا و دیگر راضی کرلے کیونکہ چار ماہ کے اختتام کا زمانہ جنین میں نفخ روح کا زمانہ ہے پس اگر عورت پر اس زمانہ میں کوئی غم و ہم نہ ہو اور خوش ہو تو بچہ خوش خلق ہوگا اور صحیح و تندرست پیدا ہوگا ورنہ بدخلقی و بد اطواری اور انکی عوارض کا نفخ بھی اسکے ساتھ ہی بچہ میں ہوگا جو بعد پیدائش اس میں نمایاں ہونگے۔

۶۔ چار ماہ کے رجوع کے بعد اگر حمل محسوس ہو تو جماع سے کنارہ اور عورت سے مدارا

چاہئے اور اسکو خوش رکھنا لازم ہے ورنہ صحبت جائز ہے تاکہ آئندہ صورت قرار حمل ہو اور تعطل لازم نہ آوے کیونکہ خدا تعالےٰ کو یہی امر منظور ہے اور اسکے پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی کثرت اولاد سے فخر ہے۔ تَزَوَّجُوا الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ۔

۷۔ خدا تعالےٰ نے جو دانائے راز نہاں و آشکارا ہے۔ ایلار کی مدت چار ماہ مقرر کرنے میں اس نے بغرض رعایت عورت یہ راز رکھا ہے کہ بالعموم فطرتی طور پر تندرست جوان عورت کو چار ماہ سے زیادہ اپنے مرد کی جدائی گراں و ناگوار گذرتی ہے اور وہ غالباً اس مدت تک پھر اپنے مرد کا وصال چاہتی ہے۔ چنانچہ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں۔ اخرج ابن جریج قال اخبرنی من اصدق ان عمر رض بینما ھو یطوف سمع امرأۃ تقول شعرا ؎

تطاول ھذا اللیل واسود جانبہ	وارقنی ان لا خلیل الاعبہ
فلولا حذار اللہ لا شئ مثلہ	لزعزع من ھذا السریر جوانبہ

فقال عمر وما لک قالت اغربت زوجی منذ اشھر وقد اشتقت الیہ قال اردت سوأ قالت معاذ اللہ قال فاملکی علیک نفسک فانما ھو البرید الیہ فبعث الیہ ثم دخل علی حفصۃ فقال انی سائلک عن امر قد اھمنی فافرجیہ عنی۔ کم تشتاق المرأۃ الی زوجھا فخفضت رأسھا واستحیت قال فان اللہ لا یستحیی من الحق فاشارت بیدھا ثلاثۃ اشھر والا فاربعۃ اشھر فکتب عمر ان لا تحبس الجیوش فوق اربعۃ اشھر۔ ترجمہ۔ یعنے ابن جریج کہتا ہے مجھے خبر دی اس شخص نے جسکی بات کو میں سچ جانتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ نے ایک رات مدینہ منورہ کی گلیوں میں اپنی خلافت کے زمانہ میں بپاس خاطر رعیت گشت کر رہے تھے۔ کہ سنا ایک عورت شعر ذیل پڑھتی ہے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے۔ یہ ظالم رات دراز ہوگئی اور اسکے اطراف سخت تاریک و سیاہ ہوگئے ہیں اور مجھے اس خیال نے بیدار کر دیا ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے کہ جسکے ساتھ ملاعبت کروں یعنے کھیلوں و جماع کروں۔ اگر مجھے خدائے بے مثل و بے مانند کا ڈر نہ ہوتا تو میری اس چارپائی کی طرفیں ہلائی جاتیں۔ پس حضرت عمر نے اس عورت کو آواز دے کر کہا کہ تو کیا چاہتی ہے اس عورت نے کہا کہ اپنے

میرے خاوند کو کئی ماہ سے غزا پر بھیجا ہے اور اب مجھے اپنے خاوند کے ملنے کا اشتیاق ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تو بدخیال رکھتی ہے۔ اُس عورت نے کہا خدا کی پناہ میرا خیال بد نہیں ہے۔ پس حضرت عمر نے اسکو فرمایا کہ تو اپنے آپ کو ضبط میں رکھ ابھی تیرے خاوند کو بلانے کیلئے قاصد روانہ کیا جائیگا۔ پس حضرت عمر نے اُسکے خاوند کو بلانے کے لئے قاصد روانہ کر دیا کہ گھر آجاوے۔ پھر حضرت عمر بی بی حفصہ کے پاس گئے اور حفصہ کو کہا کہ میں تجھسے ایک بات پوچھنی چاہتا ہوں جسکا مجھے بڑا غم و اندیشہ ہے۔ وہ سوال بوجہ پیچیدگی کے قابل حل ہے۔ اسکا جواب دیکر میرے غم کا بوجھ مجھسے ہلکا کر دے وہ یہ ہے کہ کتنی مدت کے بعد عورت کو اپنے خاوند کے وصال کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ حفصہ نے اپنا سر نیچے کر لیا اور شرما گئی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ خدا تعالے سچی بات سے نہیں شرماتا۔ پس حفصہ نے اپنے ہاتھ سے تین مہینے اور پھر زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی مدت تک کا اشارہ کیا۔ یعنے مرد کو چاہئے کہ تین ورنہ چار ماہ تک ضرور اپنی عورت سے ملے۔ پس حضرت عمر نے لشکروں کے افسروں کے نام خط لکھکر روانہ کئے اور تاکید کی کہ کسی سپاہی کو چار ماہ سے زیادہ لشکر میں بند نہ رکھا جائے۔ یعنے ہر سپاہی کو ہر چار ماہ کے بعد گھر کے لئے رخصت کا عام حکم نافذ فرمایا۔ اور ایک روایت میں بالفاظ ذیل یہ تذکرہ لکھا ہے۔ ان عمر ابن الخطاب خرج ذات ليلة يطوف بالمدينة وكان يفعل ذلك كثيرا اذ مر بامرأة من نساء العرب مغلقا عليها بابها وهو تقول۔ شعر۔

تطاول هذا الليل تسري كواكبه	وارقني ان لاضجيع الاعبه
فوالله لولا الله تخشى عواقبه	لزعزع من هذا السرير جوانبه
ولكني اخشى رقيبا موكلا	بانفسنا لايفتر الدهر كاتبه
مخافة ربي والحياء يصدني	واكرم بعلي ان تناول مراكبه

فكتب الى عماله بالغزو ان لايغيب احد اكثر من اربعة اشهر۔ ترجمہ۔ حضرت ابن خطاب ایک رات مدینہ منورہ کے کوچوں میں گشت کرتے اور رعیت کا احوال دریافت کرتے تھے اور اکثر آپ اسطرح رات کو گشت کیا کرتے تھے جب ایک کوچہ سے گذرنے لگے ایک عربی عورت کا آواز حویلی کے اندر سے آپ کو سنائی دیا جس نے حویلی کا دروازہ بند کیا ہوا مندرجہ ذیل شعر گا رہی تھی۔ یہ رات لمبی ہو گئی اور ستارے آسمان میں چکر لگا رہے ہیں اور اس رات میں مجھے اس خیال نے بیدار کر دیا کہ میرے ساتھ کوئی سونے والا نہیں جسکے ساتھ میں ملاعبت کروں۔ خدا کی قسم اگر مجھے خدا کا خوف نہ ہوتا اور بدی کے

بد انجام کا خطرہ نہ ہوتا تو میری اس چارپائی کی طرفیں ہلائی جاتیں لیکن میں اپنے رقیب موکل یعنے خدائے حافظ و نگہبان و حاضر ناظر سے ڈرتی ہوں کیونکہ وہ ہماری جانوں پر ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ خدا کا خوف و شرم مجھے بدی سے روکتے ہیں۔ میرا خاوند بہت با عزت آدمی ہے میں نہیں چاہتی کہ اسکی سواری پر کوئی اور شخص سوار ہو۔ پس حضرت عمر نے غزا میں گئے ہوئے سرداروں وافسروں کو لکھا کہ کسی سپاہی کو لشکر میں چار ماہ سے زیادہ نہ رکھا جائے۔

وفات انبیاء کے بعد انکی عورتوں سے اور انکو حرمت نکاح کی وجہ

انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو بعد مرگ بھی وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل مرگ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انکے اجساد مثل اجسام احیاء پھولتے پھٹتے نہیں۔ چنانچہ احادیث میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی ازواج مثل ازواج احیاء اوروں سے نکاح کرنیکا اختیار نہیں رکھتے اور یہی وجہ ہے کہ انکے اموال کو مثل احیاء انکے وارث تقسیم نہیں کر سکتے۔ اور اسی وجہ سے حدیث لَانُوْرِثُ کو معارض آیۃ يُوصِيكُمُ اللَّهُ اور آیت لَا تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا کو معارض آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا نہیں کہہ سکتے کیونکہ آیت يُوصِيكُمُ اللَّهُ اور آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ کے مصداق وہ ہیں جنکی ارواح کو انکے ابدان کے ساتھ وہ تعلق نہ رہا ہو جو حالت حیات میں تھا۔ چنانچہ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ میں لفظ ترک اور آیت الَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ میں توفی شاہد ہے۔ علی ہذا القیاس آیت وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا میں لفظ ترکوا قرینہ مضمون معروض ہے۔ کیونکہ جیسے مضمون توفی جبھی چسپان ہوتا ہو جبکہ کوئی چیز نکال لی جائے۔ اور یہ بات یہاں اسیوقت صحیح ہو سکتی ہے کہ جب روح کو بدن سے نکالکر باہر کیا جائے کیونکہ الَّذِينَ کا مصداق آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ میں وہی ہے اور نیز وہ نہ ہو تو جسم ہو اور ظاہر ہے کہ جسم مورد توفی وقت مرگ نہیں ہوتا اسلئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ روح کو ایسے لوگوں کے اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقت حیات تھا۔ ایسے ہی مضمون ترک بھی گرفتار ان مجتہ الاولاد و اموال کے حق میں جبھی صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس خاکدان سفلی کو چھوڑ کر عالم علوی کو چلے جاویں سو یہ بھی جبھی متصور ہے جبکہ روح کو وہ تعلق اول نہ رہے ورنہ وہ ترک نہیں بلکہ مثل بندیوان دست و پابستہ ملاقات اولاد و تصرفات اموال سے مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیدیوں کے ازواج و اموال انکے ملک سے خارج نہیں ہوتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سکتہ والے کی ازواج و اموال بدستور اُسکے ملک میں

باقی رہتے ہیں۔ اُن دونوں میں فرق ہے کہ قیدیوں کے اجسام مقید ہو جاتے ہیں مگر انکا قیدخانہ یہی جسم خاکی ہوتا ہے اسلئے وہ پھیلاؤ جو بذریعہ ظہور افعال اختیار ہوا کرتا ہے اور نور آفتاب و قمر کے پھیلاؤ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اُسی طرح بند ہو جاتا ہے جیسے چراغ پر کسی ظرف کے رکھدینے کے وقت اُسکے نور کا پھیلاؤ بند ہو جاتا ہے۔ سو یہی صورت بعینہ انبیاء علیہم السلام کی موت کی سمجھ لو۔ اتنا فرق ہے کہ سکتہ میں سوائے بعض مواقع تمام اعضا میں سے روح کھینچ لی جاتی ہے اور تمام قوائے روحانی مثل قوت سامعہ و قوت باصرہ اپنے اپنے مواقع سے کھینچ لیتے ہیں اور اسوجہ سے اگر تدبیر مناسب نہ بن پڑے تو رفتہ رفتہ بالکل کھینچکر باہر کر دیتے ہیں اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے مگر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اسلئے حیات جسمانی کو نسبت سابق اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے رکھدینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسے فرض کرو کہ چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو۔ بہرحال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات بوجہ اجتماع مدت اور بھی قوت آجاتی ہے اور مثل چراغ و ظلمت ظرف محیط حیات و موت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔

الغرض بقائے اجساد انبیاء کا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں اور اسی وجہ سے انکے اموال میں میراث کا جاری ہونا مقرر نہیں ہوا۔ اس میں عظمت انبیاء منظور ہے۔

عورت کیلئے ایک سے زیادہ خاوند کرنیسے ممانعت کی وجہ

۱ عورت اولاد کے حق میں ایسی ہے جیسے زمین پیداوار کے حق میں مگر پیداوار کو تو بوجہ تشابہ اجزا برابر بانٹ سکتے ہیں اسلئے اسکی شرکت میں کچھ حرج نہیں ہر ایک عورت اگر چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح اول تو ہر دم ہر کسی کو استحقاق تقاضائے حاجت اس صورت میں اول تو اسی وجہ سے اندیشہ فساد و عناد ہے۔ شاید ایک ہی وقت سب کو ضرورت ہو۔ دوسرے بعد نکاح اگر بوجہ استحقاق مذکور سب اس سے اپنا مطلب نکالتے ہیں تو در صورت تولد فرزند واحد تو فرزند کو پارہ پارہ نہیں کر سکتے جو اسطرح تقسیم کر کے اپنے پارہ ہر کوئی لے جائے اور متعدد فرزند ہوں تو بوجہ اختلاف ذکورت و انوثت و تفاوت شکل و صورت و تباین خلق و سیرت و فرق قوت و ہمت موازنہ ممکن نہیں

جو ایک کو ایک لیکر اپنے دل کو سمجھالیں پھر بوجہ تساوی محبت جملہ اولاد یہ دوسرے وقت رہی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑیگا۔ پھر اسوجہ سے خدا جانے کیا فتنہ برپا ہو۔ غرض ہر طور اس انتظام میں خرابی نظام عالم تھی۔ ہاں اگر ایک مرد ہو اور متعدد عورتیں ہوں تو جیسے ایک کسان متعدد کھیتوں اور زمینوں میں تخم ریزی کر سکتا ہے ایسے ہی ایک مرد بھی متعدد عورتوں سے بچے جنوا سکتا ہے اور پھر اسکے ساتھ اور کوئی خرابی نہیں عورتوں کے رنج سے چنداں اندیشہ نہیں۔ قتل و قتال کا کچھ خوف نہیں۔

۲۔ عورت بموافق قواعد اہل اسلام محکوم اور مرد حاکم ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو وہ مالک ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسکو مالک کہا کرتے ہیں اور کیونکر نہ کہیں باندیاں تو مملوک ہوتی ہی ہیں بیبیاں بھی بدلے مہر انکی خریدی ہوئی ہوتی ہیں وہاں اگر اعتاق تو یہاں طلاق یعنی جیسے باندی غلام باختیار خود قید غلامی سے نہیں چھوٹ سکتی۔ ہاں مالک کو اختیار ہے وہ چاہے تو آزاد کر دے ایسی ہی عورت باختیار خود قید خاوند سے رہا نہیں ہو سکتی البتہ خاوند کو اختیار ہے چاہے تو طلاق دیدے جیسے باندی غلام کا نان و نفقہ مالک کے ذمہ ہوتا ہے ایسی ہی عورت کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ ہے جیسے مالک ایک اور غلام باندی کئی کئی ہوتے ہیں ایسے ہی خاوند ایک اور عورتیں کئی کئی ہوتی ہیں۔ بالجملہ عورتیں بموافق قواعد اہل اسلام مملوک اور محکوم اور خاوند مالک اور حاکم ہوتا ہے اور خاوند کیطرف سے بیع و ہبہ کا نہ ہو سکنا دلیل عدم الملک نہیں اگر یہ بات دلیل عدم الملک ہوا کرے تو خدا کا مالک ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ بیع و ہبہ سے ملک کا منتقل نہ ہونا بعد ثبوت ملک جسکا بیان ہو چکا ایسی طرح قوت ملک پر دلالت کرتا ہے جیسے خدا کی ملک کا منتقل نہ ہونا اسکی ملک کی قوت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسوجہ سے شوہر کو در بارہ مالکیت خدا سے مشابہت تام ہے۔ ہر چند خدا کی ملک کے سامنے شوہر کی ملک برائے نام ہے اور پھر اسکے ساتھ خدا کی ملک ممتنع الانفکاک اور شوہر کی ملک بوجہ ثبوت طلاق ممکن الزوال۔ مگر پھر بھی جسقدر خدا کی ملک سے شوہر کی ملک مشابہ ہے اسقدر اور کسی کی ملک مشابہ نہیں۔ الحاصل شوہر کے ملک میں کچھ کلام نہیں بلکہ اسکی ملک اوروں کی ملک سے قوی ہے وہ حاکم ہے اور عورت محکوم۔ اور ظاہر ہے کہ محکوموں کا تعدد اور انکی کثرت موجب عزت ہے۔ وہ بادشاہ زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے جسکی رعیت زیادہ ہو اور حکام کی کثرت موجب ذلت ہے اور طریقہ تو حکام کی کثرت کا نہیں۔ ہاں یہ صورت ہوتی ہے کہ نیچے سے اوپر تک جتنے حکام ہوں اُن سب کا یا اکثر کا

یا بعض کا محکوم ہو۔ عوام رعیت کو دیکھئے وہ سب کے محکوم ہوتے ہیں اور کسیکے حاکم نہیں ہوتے اُن سے بڑھکر کوئی ذلیل نہیں۔ اور حکام ماتحت حکام بالادست کے تو محکوم ہوتے ہیں اور رعیت کے حاکم۔ وہ رعیت سے معزز اور حکام بالادست سے ذلیل ہوتے ہیں۔ اسطرح اوپر تک چلے چلو بادشاہ سب کا حاکم ہوتا ہے اور کسیکا محکوم نہیں ہوتا اُس سے بڑھکر کوئی معزز بھی نہیں ہوتا اس صورت میں اگر کسی عورت کے متعدد خاوند ہوں تو اول تو یہ ایسی صورت ہوگی جیسے فرض کرو ایک شخص تو رعیت ہو اور بادشاہ اور حاکم نیز سب جانتے ہیں کہ یوں نہیں ہوا کرتا۔

۳۔ مرد کے لیئے بہت سی عورتیں ہونا کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ مرد مخدوم ہے اور عورت خادم۔ ایک مخدوم کے لیئے بہت خادم ہوسکتے ہیں مگر ایک خادم بہت سے مخدوموں کیلئے نہیں ہوسکتا۔

۴۔ عورت کے اندر خدا تعالیٰ نے فطرتاً ایک شرم و حیا کا وصف ایسا پیدا کیا ہے کہ وہ غیر مرد کی سامنے آنے سے جھجکتی ہے۔ عورت جب مرد سے کوئی بات کرنے لگتی ہے تو شرم کے مارے باربار اپنی آنکھیں جھکا لیتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فاحشہ عورتوں کے سوائے جنکی فطری قوت حیا بالکل ضائع اور معدوم ہوجاتی ہے باقی سب عورتیں اپنی نیچرل حالت میں مردوں سے حیا اور حجاب کرتی ہیں۔ مادہ حیا جو خدا تعالیٰ نے انکی فطرت میں پیدا کر رکھا ہے ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک ہی خاوند کے لیئے ہیں۔

۵۔ تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ ایک مرد عند الضرورت کئی جوروان کرلے تو بھی سب کے ساتھ نبھا سکتا ہے مگر ایک عورت دو خاوندوں کی بی بی ہوکر کبھی نبھا نہیں سکتی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرد کے لیئے کئی جوروان ہوسکتی ہیں مگر ایک عورت کے لیئے کئی خاوند نہیں ہوسکتے۔

۶۔ دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے اکثر زیادہ رہتی ہے اور یہ امر صریح دلیل ہے اس بات کی کہ ایک مرد کے لیئے کئی جوروان ہوسکتی ہیں مگر اسکے برعکس منشاء قدرت نہیں ہے۔

۷۔ مرد کو پروردگار نے عورت کی نسبت قوی اور زبردست پیدا کیا ہے اور عورت کو نازک اور ضعیف الاعضاء لہذا اس سے ظاہر ہے کہ قوی کئی زیردستوں کو اپنے ماتحت رکھ سکتا ہے نہ برعکس۔

۸۔ قدرتی تعلق کیطرف غور کریں تو ایک عورت کے اگر سو خاوند بھی ہوں تاہم ایک حمل میں وہ ایک دو بچے سے زیادہ جن نہیں سکتی مگر ایک مرد کی چاہے جسقدر جوروان ہوں وہ سب منشاء قدرت کو پورا کرنے کا واسطہ ہیں۔

۹۔ عقلاء کے نزدیک عورت کو اس نیچرل تعلق کی جہت سے جو مرد و عورت میں ہے

جوتی سے تشبیہہ دیگئی ہے۔ پس ایک پاؤں کے لیئے کئی جوتیاں ہوسکتی ہیں مگر ایک جوتی کئی پاؤں کے لیئے کہیں بھی دستور نہیں ہے۔

بہشت میں مردوں کے لیئے زیادہ عورتیں ملنے کا راز اور عورتوں کے لیئے ایک سے زیادہ خاوند نہ ہونیکی وجہ

۱۔ انعام میں راحت کے سامان اور اعزاز و اکرام کے اسباب تو دیئے جاتے ہیں پر رنج و کلفت کے سامان اور تحقیر و توہین کے اسباب انعام میں نہیں دیئے جاتے۔ یہ چیزیں سزا کے لیئے ہوتی ہیں۔ بہشت میں جو کچھ ہوگا بطور انعام و جزا ہوگا۔ اگر وہاں ایک مرد کو متعدد عورتیں ملیں تو اعزاز و اکرام بھی ہے اور راحت و آرام بھی ہے۔ اور ایک عورت کو متعدد خاوند ملیں تو راحت و آرام تو کچھ زیادہ نہ ہوگا۔ خاصکر اس صورت میں جبکہ مرد کی قوت سب عورتوں کی خواہش کے برابر یا کم زیادہ بڑھا ہی جاوے جیسے اہل سلام کی روایات اسپر شاہد ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں آرام و راحت و عزاز و اکرام نہ ہوگا پر بجائے اعزاز و اکرام الٹی تحقیر و تذلیل و توہین ہوگی۔ اگر ایک عورت کے لیئے کئی خاوند قرار دیئے جاتے تو یوں کہو کہ حاکم متعدد ہوگئے اور حاکم متعدد ہوئے تو جتنے حاکم زیادہ ہونگے اتنی ہی محکوم میں ذلت زیادہ ہوگی سو یہ تحقیر اور تذلیل اور توہین عورت کے حق میں اگر جائز ہوتی تو دنیا میں کسی مذہب میں شاید اسکی اجازت ہوتی۔ بہشت میں جو جائے عزت و آرام ہے۔ یہ صورت تحقیر ہرگز ممکن الوقوع نہیں۔ ہاں اگر کئی خاوند سے رفع ضرورت متصور نہ ہوتی یا لذت میں کمی رہتی تو اسوقت شاید بہ لاچاری یہ امر کسکے لیئے تجویز کیا جاتا مگر روایات صحیحہ اہل اسلام اسپر شاہد ہیں کہ ایک مرد کو بہشت میں اتنی قوت دیگی کہ علی الاتصال تیس تیس عورتوں کے پاس جاسکے۔ بالجملہ ایک مرد کو تو بغرض رفع ضرورت ضروری ہے۔ اس سے زیادہ میں ضرورت تو کچھ نہیں البتہ تحقیر و تذلیل زیادہ ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ جنت جائے اعزاز و اکرام ہے موقع تحقیر و تذلیل نہیں۔

۲۔ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ جسطرح رب العالمین نے دنیا کے اندر مرد و عورت کی حالت

اور فطرت میں اختلاف کیا ہے۔ یعنے مرد حاکم ہے اور عورت محکوم۔ مرد مخدوم ہے اور عورت خادم۔ مرد کا پاسا اوپر ہے اور عورت کا زیر۔ اسی طرح جنت میں بھی ان کی حالتوں میں اختلاف ہوگا۔

عورت کے لئے کیوں ایک ہی خاوند ٹھرایا گیا

سوال جبکہ مرد کے لئے چار عورتیں منکوحہ جائز ہیں تو عورت کے لئے کیوں جائز نہ ہوا کہ ایک سے زیادہ مردوں کے ساتھ نکاح کرے۔

جواب۔ یہ امر خدا تعالیٰ کی کمال حکمت اور اوسکے احسان و رحمت و رعایت مصلحت عامہ میں سے ہے کہ جیسا اوسکی ذات پاک ہے ایسا ہی اوسکے کام اور اوسکی شریعت کی بنا بھی پاکی و مصلحت پر ہے۔ اگر عورت کے لئے مباح کیا جاوے کہ وہ دو یا دو سے زیادہ خاوند کرے تو نسب ضائع ہو جائیں اور اوس عورت کے خاوندوں میں آپسمیں جنگ و جدال و قتل کی نوبت پہنچے اور خطرناک بلائیں اور فتنے برپا ہوں۔ پھر اوس عورت کا حال کیا ہو جسمیں کئی شریک ہوں۔

سوال مرد کی اتنی طرفداری کیوں کی جاتی ہے اور اوسکو کیوں اجازت دیگئی ہے کہ وہ اپنی تقضائے شہوت و حاجت کرے اور ایک عورت سے ہوکر دوسری عورت کے پاس بحسب جوش شہوت و حاجت جاوے حالانکہ جیسا کہ مرد کو شہوت ہے ایسا ہی عورت کو بھی ہے۔ عورت کو کیوں اسی طرح اجازت نہیں دی گئی۔

جواب۔ عورت کی فطرت میں یہ امر رکھا ہے کہ وہ درپردہ و محجوب و مستور رہے اور عورت کے مزاج میں بہ نسبت مرد کے برودت و سردی زیادہ ہوتی ہے اور عورت کی ظاہری حرکت بہ نسبت مرد کے بہت کم ہوتی ہے اور مرد کو قوت و حرارت بہ نسبت عورت کے زیادہ دیگئی ہے۔ اسلئے مرد کو ایسے امور میں مبتلا کیا گیا جنمیں عورت کو مبتلا نہیں کیا گیا۔ مرد کیلئے چار منکوحہ عورتیں جائز رکھی گئیں۔ یہ امور مردوں کی خصوصیتوں میں سے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مردوں کو رسالت و نبوت و خلافت و بادشاہی و امارت میں عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا تاکہ وہ عورتوں کے بہبودی میں کوشاں رہیں اور اونکے امور معاش کے لئے چلتے پھرتے رہیں اور خطرناک مقامات میں وارد ہوں اور

جنگلوں بیابانوں کو طے کریں اور اپنی جانوں کو عورات کے لئے محنت و مشقت میں ڈالیں۔ پس خدا تعالیٰ نے مردونکی قدردانی کی ہے اور اونکو وہ اختیارات دیئے ہیں جو عورتوں کو نہیں دیئے۔ اور مردوں کو وہ طاقتیں دی ہیں جو عورتوں کو نہیں دیں۔ جب تم مردوں کی محنت و مشقت میں غور کروگے جو کہ عورتوں کے مصالح و بہتری میں ساعی رہتے ہیں تو تمپر صاف عیاں ہو جائیگا کہ عورات کی محنت و ابتلا و غیرت مردوں کی بہ نسبت بہت کم ہے۔ اور مردوں کا حصہ محنت و مشقت و تحمل و غیرت میں زیادہ تر ہے اور یہ امر خدا تعالےٰ کے کمال حکمت اور اوسکی رحمت پر مبنی ہے جبکہ مرد پر اسقدر بوجھ ڈالے گئے ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ان بوجھوں کے برداشت کی طاقت بھی زیادہ رکھی گئی ہے اور وہ کئی عورتوں کو بھی رکھ سکتا ہے اور جبکہ عورت پر اسقدر بوجھ نہیں ڈالے گئے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان بوجھوں کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتی۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے عورت کی فطرت و سرشت کے مطابق ہر ایک عورت کے لئے ایک ہی خاوند تجویز فرمایا۔

عورت کی شہوت مرد سے کم ہونے کا باعث

یہ جو کہا جاتا ہے کہ عورت کی شہوت مرد سے زیادہ ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے جبکہ شہوت کا منبع ہی حرارت ہے تو عورتوں کی حرارت کو مردوں کی حرارت سے کیا نسبت ہے۔ اگر ایسا امر ہوتا تو خدا تعالیٰ مناکحت کا معاملہ اسکے برعکس مقرر کرتا اور عورت کو حرارت و قوت و طاقت زیادہ دی جاتی۔ اور محنت و مشقت و اکتساب امور معاش کا کام عورت پر زیادہ ڈالا جاتا حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔

عورت کو جوش شہوت کیوں زیادہ ہوتا ہے

سوال جبکہ مرد کی نسبت عورت کو شہوت کم ہے تو عورت کو کیوں جوش شہوت زیادہ ہوتا ہے

جواب۔ عورت کا باعث فراغت و نکمّا رہنے اور اون محنتوں و مشقتوں میں نہ پڑنے سے ہے جو اوسکو شہوت و تقضائے حاجت سے روکیں ہوتی ہیں اوس پر شہوت غالب آجاتی ہے اور اوسکے پاس کوئی روک نہیں ہوتی جو اوسکے دل کو خیال فاسد سے فارغ اور نفس کو تقضائے شہوت سے

خالی کر دے۔ اور عورت کو بالکل جوش شہوت سے ٹھنڈا کر دے۔ جب عورت کو ایسی آزنہ ملے تو بباعث کمی طاقت وقوت و اندک عقل قلت حوصلہ کے وفور شہوت کو روکنے سے عاجز آجاتی ہے۔ ایسے موقعہ پر گمان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ عورت کی شہوت مرد کی شہوت سے کئی حصے زیادہ ہے۔ حالانکہ ایسا معاملہ نہیں۔ کیونکہ جب مرد عورت سے مباشرت کر چکتا ہے تو عورت کی شہوت سست و کمزور ہو جاتی ہے اور مرد اسی وقت دوسری عورت سے بھی مباشرت کر سکتا ہے

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہی رات میں اپنی ساری عورتوں کے پاس جا سکتے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی نوّے عورتوں کے پاس ایک ہی رات میں جایا کرتے تھے۔ اور یہ امر اس بات پر شاہد ہے کہ انکو ہر عورت کے پاس جانے کے وقت ایک قوت و حرارت موجود ہوتی تھی جو باعث وطی و جماع کی تھی۔ اور عورت میں یہ امر نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ عورت سے جب مرد جماع کر چکتا ہے تو وہ اسی وقت دوبارہ قضائے شہوت نہیں چاہتی۔ اسکا جوش شہوت سست ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مرد کا معاملہ اسکے برعکس ہے۔ اور یہ امر قانون قدرت و شرع و فطرت کے ساتھ مطابق و موافق ہے ؁

کتاب النکاح ختم ہوئی اور اسکے بعد کتاب الرق شروع ہوتی ہے۔

کتاب الرق
غلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی غلامی کی فلاسفی۔ اور اسلام سے پہلے غلامی کی حالت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ النَّاسَ نَوْعَیْنِ الْاَدَانِیْ وَالْاَعَالِیْ لِیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهٖ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَاَحْمَدَنِ الْمُجْتَبٰی الَّذِیْ جَعَلَهٗ اَعْدَلَ النَّاسِ لِیَکُوْنَ لَهُمْ اُسْوَةً حَسَنَةً وَّشَفِیْعًا وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ هُدَاةِ طَرِیْقِ الْحَقِّ وَحُمَاةِ الْاِسْلَامِ ؕ

امّا بعد۔ واضح ہو کہ جن لوگوں نے غلامی کے خلاف لکھا ہے انہوں نے اسکی ایسی تقبیح کی ہے اور اسے سرتاپا ایسا خوبیوں سے خالی اور مضرات سے پُر ثابت کرکے دکھانیکی کوشش کی ہے کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہو کر اس مضمون پر قلم اٹھا دے اور جسکا مقصد یہ ہو کہ ہر شے کی تہ تک پہونچے اور بدی پر اُسوقت بھی لعنت بھیجنے کیلئے تیار ہو جب وہ نیکی کا لباس پہنکر نکلے اور نیکی کی اُسوقت بھی تعریف کرنیکے لئے آمادہ ہو جب دنیا اس نیکی کو بُرا سمجھ رہی ہو۔ اسکا یہ فرض ہے کہ ابتداہی میں اس غلط فہمی کو دور کرے کہ غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا جس سے فائدہ کوئی نہ تھا بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا۔ میں اس رائے کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا۔ حق یہ ہے کہ انسانی سوسائیٹی اپنی تدریجی ترقی میں ایسی حالتوں سے ہو گذری ہے کہ ان حالات کے ماتحت غلام بنانے میں نہ صرف وہ حق پر ہی تھی بلکہ ضروری تھا کہ ایسے حالات میں غلامی کا رواج ہوتا۔ دنیا میں بہت سے رواج اب تک چلے آتے ہیں جن پر غور کرو تو دل پر ایک دہشت سی پیدا کرتے ہیں۔ مگر تاہم بہت سی اغراض ترقی کے لیے انکا جاری رہنا ضروری ہے جس وقت ایک فتحیاب جرنیل بڑے بڑے جہازوں کو جن پر ہزارہا انسان ملک کے چیدہ اور بہادر نوجوان موجود ہوتے ہیں ایک دم میں غرق کرکے سمندر کی تہ میں

پہونچا دیتا ہے یا ایک بڑے شہر پر گولہ باری کرکے بیشمار بیگناہ عورتوں اور بچوں کو تباہ کر دیتا ہے تو کبھی اسکی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں آتا۔ مگر ہر حالت میں یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ وہ ایک سخت دل ظالم اور بیرحم انسان ہے۔ وہ لوگ جو اپنی رحمدلی کے سبب ایک انسان کے قتل کو برداشت نہیں کر سکتے اور اسکے واقعات کو سنکر کانپ اُٹھتے ہیں وہی دوسرے موقعہ پر ہزارہا انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر سکے یا اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھکر کبھی لرزہ نہیں کھاتے بلکہ بسا اوقات خوش ہوتے ہیں۔ جنگوں کا ہونا انسانی زندگی کی ضروریات ہیں سے رہا ہے اور ابتک یہی حال ہے۔

جوں جوں انسانی گذشتہ تاریخ کو مطالعہ کیا جاوے۔ یہ معلوم ہوگا کہ لڑائیاں انسان کی ابتدائی ترقی میں اسکی موجودہ حالت سے بڑھکر ضروری رہی ہیں اور انہی جنگوں کے لوازمات میں سے ہی غلامی بھی ہے یا تھی۔ بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی میں ایک عظیم حلقہ تھا۔ کیونکہ اس رواج کے ساتھ وہ بیرحمی جاتی رہی جسکے روسے کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگتے ہوں قتل کیئے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے اور مگر اسباب کو ابھی تک لوگوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا کہ پچھلی تمدنی تدریجی ترقی میں جنگ ایک ضروری فرض کو ادا کرنے والی تھی۔ اول اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ متفرق قومیں ایک ہو جائیں اور اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ مخالفین میں سے جو لوگ پکڑے جائیں وہ ایک ماتحتی کی حالت میں رکھے جائیں تا دوبارہ اس قوم کو سر اُٹھانے کی طاقت نہ ہو اور یوں جنگ کا اصل مقصد حاصل ہو۔ دوم اس لحاظ سے کہ یہ مسلم امر ہے کہ ابتدا میں انسانی سوسائٹی میں محنت و مشقت کے کاموں سے گریز کیا جاتا ہے اور عموماً آرام طلبی زیادہ ہوتی ہے پس جب ایک قوم کے لوگ اپنے مخالف لوگوں کے درمیان آکر رہیں گے تو وہ سوائے مجبوری کے کبھی کام نہ کرینگے اسلئے ضروری ہوا کہ انکو غلام بناکر ان سے کام لیا جاوے۔ اس دوسرے امر کے متعلق اسقدر کہدینا کافی ہے کہ دنیا کی کسی قوم میں بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہیں کیا گیا بلکہ ہر ایک ملک میں جسکا ہمیں علم ہے یہی نظر آتا ہے کہ زبردستوں نے مجبور کرکے زیردستوں کو کام پر لگایا ہے اور ان سے محنت شاقہ کے کام لئے ہیں اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر اس قوم کی عادت میں وہ امر داخل ہو گیا۔ امر اول کے لحاظ سے آزاد آدمی لازماً جنگ پیشہ تھے اور غلام محنت کا کام کرنے والے لوگ تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے لئے بطور

معاون تھے۔ اور ایک کا وجود دوسرے کے سہارے اور آسائش کے لئے اور اسکے کام پر لگا رہنے کے لئے ضروری تھا۔ اور یوں بغیر مقابلے اور جھگڑے کے وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہوکر انسانی سوسائٹی کو ترقی بخش ثابت ہوئے۔“

اسیران جنگ کے قتل کی بجائے انکے غلام بنا لینے کے رواج کی تدریجی ترقی امر ایکی شریعت میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اسیران جنگ کو ایک چھوڑکر اولاً یہی حکم ہے کہ ”جو کوئی فقط خداوند کے سوا کسی معبود کے لئے قربانی کرے وہ عذاب سے مار ڈالا جائے۔“ (خروج ۲۲/۲۰) ایسا ہی استثنا ر ۱۳ آیت ۱۲-۱۸ میں یہ حکم ہے کہ جس شہر کے لوگ غیر معبودوں کی پرستش کرنیوالے ہوں ”تو تو اُس شہر کے باشندوں کو تلوار کی دھار سے ضرور قتل کریگا اور اُسے اور سب کچھ جو اس شہر میں ہے اور وہاں کے مواشی کو تلوار کی دھار ہی سے نیست و نابود کریگا۔ اور اسکی ساری لوٹ کو وہاں کے کوچے کے بیچوں بیچ اکٹھا کریگا اور اس شہر کو اور وہیں کی لوٹ کو خداوند اپنے خدا کے لئے آگ سے جلا دیگا۔ اور وہ ہمیشہ کو ایک ٹیلا ہوگا پھر بنایا نہ جائیگا۔“ پھر استثنا ۲۰/۱۶ میں یہ لکھا ہے ”لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرم کیجیو۔ حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے۔“ یہ احکام عمل میں بھی آتے رہے۔ چنانچہ گنتی ۲۱/۳ میں لکھا ہے ”چنانچہ خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کر دیا اور انہوں نے انہیں اور انکی بستیوں کو حرم کر دیا۔“ (حرم کر دینے سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک جاندار شے کو ہلاک کرکے تباہ کر دیا) پھر قاضیون ۱/۱۷ میں لکھا ہے ”اور اُنہوں نے ان کنعانیوں کو جو صفت میں رہتے تھے جا مارا اور شہر کو حرم کر دیا۔“ ایسا ہی دیکھو قاضیون ۲۱/۱۰-۱۲ جہاں لکھا ہے۔ ”اور اُنہیں حکم دیا کہ یبیس جلعاد کے باشندوں کو جاکے عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو۔“ یشوع ۶/۲۴ ”پھر اُنہوں نے اس شہر کو اس سمیت جو اس میں تھا پھونک دیا۔“ اسموئیل ۱۵/۳ ”سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب جو کچھ کہ انکا ہے یک لخت حرم کر اور انپر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت ننھے بچے اور شیر خوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔“ التواریخ ۴/۴۳ ”اور معونیم کو جو وہاں ملے قتل کیا ایسا کہ وے آجکے دن تک نابود ہیں۔“

معلوم نہیں کہ ان پادری صاحبان کو اپنے ایسے واقعات پڑھکر کچھ شرم آتی ہے یا نہیں جو اسلام پر اسلئے اعتراض کرتے ہیں کہ اپنی حفاظت کے لئے بھی تلوار کیوں اٹھائی گئی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ ہے

اسرائیلی شریعت کو غور کی نگاہ سے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ اسیران جنگ کو بجائے قتل کرنے کے غلامی میں لینے کا نرم قانون بھی مروج ہونا شروع ہو گیا تھا اور یوں انکی زندگی بچ کر وہ اپنے آقا کی خدمت میں زندگی بسر کرتے۔ اسی لئے غلامی کا قانون بھی حضرت موسٰی کی شریعت میں پایا جاتا ہے مگر عام سے اس زمانہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ مردوں کو قتل کرتے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتا۔ دیکھو استثنا باب ۲۰۔ آیت ۱۰۔ ۱۴۔ مگر اسرائیلیوں کے درمیان صرف جنگ ہی غلام بنانے کا ذریعہ نہ تھی بلکہ وہ دوسری قوموں کے ساتھ غلاموں کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے اور بعض ایسی اقوام انکے قریب قریب آباد تھیں جو غلامی کی تجارت میں بہت مشہور تھیں اس ذریعہ سے غلامی کی کثرت ہو گئی۔

مگر اسرائیلی شریعت میں غلام کی حالت ایسی خراب نہ تھی جیسا دوسری بعض قدیم اقوام کے اندر۔ کل شامی قوموں کے درمیان غلام کو خاندان کا ایک ممبر سمجھا گیا ہے اور اسی لئے ان اقوام کے اندر آقا کا سلوک غلام کے ساتھ عموماً نرم رہا ہے۔ اگرچہ مالک کو مملوک پر ہر طرح اختیار حاصل تھا مگر وہ اسکو جان سے نہیں مار سکتا تھا۔ صرف ایک استثنا تھی جو خروج باب ۲۱۔ آیت ۲۰۔ ۲۱۔ میں مذکور ہے۔ ”اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیاں مارے اور وہ لاٹھیاں کھاتی ہوئی مر جائے تو اُسے سزا دیجائے لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیوے تو اسے سزا نہ دیجائے اسلئے کہ وہ اسکا مال ہے۔“ اگر آزاد آدمی کسی دوسرے کے غلام یا لونڈی کو مار دیتا تو صرف خونبہا مالک کو دینا ہوتا تھا (خروج باب ۲۱۔ آیت ۳۲) جو غلام قوم اسرائیل کے تھے اُن سے غیر اسرائیلیوں کی نسبت عمدہ سلوک ہوتا تھا چھ سال غلام رہنے کے بعد وہ بغیر فدیہ دینے کے آزاد سمجھے جاتے تھے۔ (خروج باب ۱۔ آیت ۲) مگر عبرانی لونڈی کے ساتھ غیر اسرائیلی غلام شادی نہ کر سکتا تھا اور مالک یا مالک کا بیٹا ہی اس پر تصرف کر سکتا تھا۔ اسرائیلی غلام جب چھ سال بعد آزاد ہوتا تو مالک کو یہ بھی حکم تھا کہ اسے جاتے وقت کچھ سامان بھی دے (استثنا باب ۱۵۔ آیت ۱۳ و ۱۴) مگر دوسرے غلاموں کو ان حقوق میں سے کوئی حق حاصل نہ تھا۔ ہاں اسکو عبادت میں شریک کر لیا جاتا سو اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ کسی اور طرح پر پرستش کرنیکا مجاز ہی نہ تھا۔ بہرحال یوں خاندان میں شامل ہو جانے سے غلام کو فائدہ ضرور پہونچتا تھا۔

یونانیوں اور رومیوں میں غلامی کے متعلق چند لفظ بے موقعہ نہ ہونگے۔ یونان میں اسیران جنگ کے علاوہ کسی طرح سے لوگ غلام بنائے جاتے تھے۔ آزاد وہاں باپ اپنے بچے کو بیچکر غلام بنا دیتے

اسکے علاوہ اور غلام بھی بازار میں بکنے کے لئے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ چرا کر یا زبردستی چھین کر بھی غلام بنا لئے جاتے تھے۔ یونانی تہذیب کے بڑے بڑے مرکزوں میں غلاموں کی تعداد بہت بڑی ہوئی تھی۔ ایتھنز میں ۲۱۰۰۰۔ اصل باشندوں کی آبادی میں چار لاکھ غلاموں کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ کارنتھ میں چار لاکھ ساٹھ ہزار۔ ایجانیا میں چار لاکھ ستر ہزار غلاموں کی تعداد بتائی جاتی ہے بعض مورخوں نے ان اعداد میں کسیقدر مبالغہ بیان کیا ہے مگر کم سے کم اندازہ جو غلاموں کی آبادی کا کیا گیا ہے اسکے رو سے بھی غلاموں کی آبادی آزاد آبادی سے تگنی بیان کیجاتی ہے۔

رومیوں کے درمیان غلامی کا اصل منبع جنگ ہی تھی۔ مگر جوں جوں دولت بڑھتی گئی غلاموں سے خدمت لینے کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی گئی اور یہ ضرورت دو طرح سے پوری ہوتی رہی۔ یعنے ایک حد تک اسیران جنگ کی تعداد میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی اور دوسری طرف غلامی کی تجارت شروع ہو کر خرید کے ذریعہ سے غلام آنے لگے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ:۔ ”اپیرس ایمل ایمیلیس پالس کے فتوحات کے بعد ایک لاکھ پچاس ہزار قیدی بیچے گئے۔ دوا اور متقاموئیر بھی جنگ کے قیدیوں کی تعداد اسیقدر بیان کی گئی ہے۔ سیزر نے ایک ہی موقعہ پر ترسیٹھ ہزار قیدی فروخت کیئے۔ آگسٹس نے سلاسی کے ملک میں ۴۴ ہزار قیدی گرفتار کیئے قحط اور تکلیفوں اور اکھاڑوں کی ہلاکت کے بعد بھی یہودی جنگ میں ستانوے ہزار غلام بنائے گئے۔“

۱۴۱ قبل مسیح اور ۲۳۵ء کے درمیان کے زمانے میں بحساب اوسط ہر ایک آزاد کے لئے تین غلام تھے۔ یعنے کل آزاد آبادی اٹھتر لاکھ چالیس ہزار اور غلاموں کی آبادی دو کروڑ آٹھ لاکھ بتیس ہزار تھی۔ امرا کے پاس غلاموں کی ایک خاصی فوج جمع ہوتی تھی۔ آگسٹس کے زمانے میں ایک شخص چار ہزار ایک سو سولہ غلام چھوڑ مرا۔ معلوم ہوتا ہے یونان اور اٹلی میں اس زمانے میں وسیع پیمانے پر غلامی کی تجارت ہوتی تھی۔

رومی سلطنت کی نسبت یونان میں غلاموں کی حالت اچھی تھی۔ مگر یونان میں بھی ان غلاموں کے علاوہ جنسے گھر کے کام لئے جاتے تھے دوسرے غلاموں سے سخت محنت لیجاتی تھی۔ جو غلام زراعت کے کام میں لگائے جاتے تھے انکو اکثر زنجیریں ڈالکر کام پر لگایا جاتا تھا اور ان سے محض چارپایوں کا سا سلوک ہوتا تھا۔ غلاموں اور عورتوں کی شہادت انکو سخت اذیت پہونچا کر لیجاتی تھی۔ اگر غلام کا کوئی عضو کاٹ دیا جاتا یا اُسے کوئی ضرب شدید پہونچائی جاتی تو غلام کو کوئی حق نہ پہونچتا بلکہ اسکا

معاوضہ مالک کو دلایا جاتا تھا۔ رومی قانون کے بموجب مالک کو مملوک پر پورا حق حاصل تھا یعنے جو چاہے اسے کرے۔ یہانتک کہ اسے جان سے مار ڈالنے کا بھی اسے حق حاصل تھا جب غلاموں کی تعداد ترقی کر گئی تو چونکہ انکے کام کی نگرانی کا انتظام عمدہ نہ ہو سکتا تھا اسلیئے یہ تجویز کی گئی کہ کام کے وقت غلام کو زنجیریں ڈالدی جاویں۔ اور یہ قاعدہ یہانتک وسیع ہوا کہ دروازہ پر جو غلام محافظ ہوتا اسکو بھی زنجیریں ڈالدی جاتی تھیں۔ اسمیں شک نہیں کہ بعض اوقات غلاموں سے نیک سلوک بھی کیا جاتا تھا۔ مگر غلاموں کی عام حالت نہایت ہی ذلیل اور بُری تھی۔ ہلکی سزا جو غلاموں کو دیجاتی تھی وہ یہ تھی کہ شہر سے نکالکر انکو دیہات میں مزدوری پر لگایا جاتا تھا۔ اور سخت سزا یہ تھی کہ انکو کارخانوں یا کانوں وغیرہ میں کام کرنیکے لیئے بھیجدیا جاتا۔ جہاں مرد اور عورتیں ملے جلے قریباً ننگے زنجیروں سے بندھے ہوئے سپاہیوں کی حفاظت اور کوڑوں کے نیچے کام کرتے تھے۔ اگسٹس کے زمانے میں ویڈیس پالیو کا ذکر ہے کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے قصوروں پر بلکہ اتفاقی غلطی کی وجہ سے بھی اپنے غلاموں کو بحری اژدہاؤں کے آگے ڈالتا تھا۔

رومی سلطنت کے اندر ہی عیسائی مذہب بھی پیدا ہوا۔ اور اگر اسکا منشا غلاموں سے حسن سلوک کا ہوتا تو سب سے اول یہی ملک تھا جو اسکی ایسی تعلیم کا محتاج تھا کیونکہ جسقدر غلاموں کی رومی سلطنت میں ابتر ہو رہی تھی ایسی اور کہیں نہ تھی۔ انکے ساتھ سخت سے سخت اور ظالمانہ سلوک ہوتا تھا ایسی ایک مصلح کا پہلا فرض ایسی حالت میں یہ تھا کہ اگر انکی آزادی پر نہیں تو کم سے کم انکے ساتھ حسن سلوک پر ہی زور دیتا اور ان مظالم کو جو غلاموں پر ہو رہے تھے کھول کھول کر بیان کرتا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کے اقوال میں جو اسی زمانہ میں وعظ کر رہے تھے ایک لفظ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس سے غلاموں پر ظلم کے متعلق انکا اظہار ناپسندیدگی کا پایا جاتا ہو۔ کم سے کم جو اقوال آپکے اناجیل میں درج ہیں ان میں ایک لفظ بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں نہیں۔ اور نہ ہی مالکوں کو ان بیرحمیوں و ظلموں سے روکا گیا جو وہ غلاموں پر کرتے تھے۔

تعجب ہے کہ سر ولیم میور جیسا مورخ اسلام پر یہ الزام دے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو دور نہیں کیا۔ درآنحالیکہ اسے علم ہے کہ بانی عیسائیت نے اپنے سارے وعظوں میں ایک دفعہ بھی ان مظالم سے لوگوں کو نہیں روکا جو اسکی آنکھوں کے سامنے غلاموں پر ہوتے تھے۔ حضرت مسیح کی اس خاموشی کا عیسائی مذہب پر یہ اثر ہوا کہ بحیثیت مذہب غلاموں پر ظلم اور انکی

گری ہوئی اور ذلیل حالت سے اس نے کبھی نفرت ظاہر نہیں کی۔ عیسائی صاحبان کا یہ دعویٰ ہے کہ چونکہ عیسائی مذہب نے بڑی بھاری تبدیلی جو دنیا میں کی وہ یہ تھی کہ سب انسان آپس میں بھائی ہیں اسلیئے اسی تعلیم کا بالواسطہ اثر غلاموں کی حالت پر بھی پڑا۔ اور اسکے ثبوت میں یہ امر پیش کیا جاتا ہے کہ عیسائیت کے زور پکڑنے کے ساتھ رومی سلطنت میں غلاموں کے ساتھ نرمی کا سلوک دن بدن بڑھتا گیا۔ مگر اول تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے۔ یہ بات کہ سب انسان بھائی ہیں تمام انبیاء کی تعلیم مشترک ہے اور مسیح سے پہلے سب نبیوں نے یہی تعلیم دی اور جب سے خدا نے شریعت دنیا میں نازل فرمائی ہے اسکے دو حصے ہی قرار دیئے ہیں۔ یعنے اللہ تعالے کے ساتھ پاک تعلق اور اسکی مخلوق سے نیک سلوک۔ عیسائیت نے ہرگز اس بارے میں کوئی نئی تعلیم نہیں دی۔ باقی رہا رومی سلطنت میں غلاموں کی حالت کا تدریجاً بہتر ہوتے جانا سو اسکا عیسائیت سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ اصلاح تو عیسائی مذہب کے زور پکڑنے سے مدت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ دوسری صدی عیسائی میں جب ابھی عیسائی مذہب کو اپنی زندگی کا فکر ہی پڑا ہوا تھا قانون کا میلان آزادی کیطرف ہو گیا تھا۔ لڑکوں کے بیچنے وغیرہ کے رواج بند ہو چکے تھے۔ کسی انسان کو غلامی کیلیئے بیچنا ایک سنگین جرم قرار دیا جا چکا تھا جسکی سزا موت تھی۔ مالک سے غلام کو جان سے مار ڈالنے کا اختیار چھین لیا گیا تھا۔ اور یہ ہیڈرین کے زمانے کا ذکر ہے جو ۱۱۷ء میں تخت پر بیٹھا اس سے بہت مدت پہلے شہنشاہ نیرو نے جو ۵۴ء میں تخت نشین ہوا عدالتوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ غلاموں پر جو ظلم کیئے جاتے ہیں انکے متعلق استغاثوں کی سماعت کیجائے۔ اب یہ سب تبدیلیاں جو قانون غلامی میں واقع ہو رہی تھیں یہ زمانہ کی اپنی رفتار کا نتیجہ تھیں اور عیسائی مذہب کو ان سے کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ عیسائی مذہب کی اپنی بنیاد ابھی متزلزل تھی اور اسکا اثر پڑنا شروع نہ ہوا تھا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ عیسائی مذہب بجائے اپنے گرد و پیش کے خیالات پر اثر ڈالنے کے ہمیشہ دوسروں کے خیالات سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ اسکے بنیادی اصول ہی اکثر ان کفار قوم سے لیئے گئے ہیں جنکے درمیان یہ مذہب پیدا ہوا پھر اسکا اثر دوسرے رواجوں پر کیا ہونا تھا خصوصاً اس حالت میں جب اسکے بانی کے موہنہ سے ایک لفظ بھی غلامی کے دور کرنے یا غلاموں سے حسن سلوک کرنیکے متعلق نہ نکلا ہو۔ نیک اثر تو ایکطرف رہا یہاں تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تغیر خود رفتار زمانہ سے غلاموں کی بہتری کا پیدا ہو رہا تھا اسکو عیسائی مذہب نے ترقی دینے کی بجائے بہت کچھ روکا۔ چنانچہ رومی عیسائی بادشاہوں نے بعض قوانین

یہ ترقی معکوس صاف معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً بچوں کی فروخت کو روکنے کا قانون پہلے پاس ہو چکا تھا مگر قسطنطین نے اس قانون کو منسوخ کر کے پھر اسبات کو مروج کر دیا کہ آزاد والدین اپنے بچوں کو بیچکر غلام بنا سکیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ بہت سی غلامی کی سختیاں عیسائیت کی ترقی سے دور ہو گئیں۔ اسکی اصل حقیقت میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اصلاح تو پہلے ہی شروع ہو چکی تھی اور اسی رفتار سے تدریجاً ہوتی چلی گئی اور عیسائیت نے اسمیں کوئی خاص حصہ نہیں لیا۔ نہ ہی کوئی خدمت قابل تعریف کی ہے۔ باقی رہی عیسائیت کی یہ تعلیم کہ تمام انسان بھائی ہیں جس سے بڑے لمبے چوڑے نتیجے نکالے جاتے ہیں۔ سو یہ محض خشک الفاظ ہی رہے ہیں۔ اسکے ثبوت کے لئے ایک عیسائی کی شہادت کو پیش کرتا ہوں۔

"مذہبی اخوت جیسی آج کل اسلام میں ایک واقعی طاقت ہے ایسی ہی یہودیوں میں بھی ایک روحانی طاقت تھی اور عیسائیت کی مذہبی اخوت کے ادعا کی طرح خالی دعوی ہی دعوی اور خشک لفظ ہی نہیں تھے" (دیکھو انسائیکلو پیڈیا ببلیکا کالم نمبر ۴۶۵۸)۔

اور پھر جب غلاموں کے بارے میں اس سنگدلی اور بیرحمی کو دیکھتے ہیں جسکا اظہار اکھاڑوں میں ہوتا تھا۔ اور جو پورے زور شور کے ساتھ جیٹسنین کے وقت تک جاری رہی تو اور بھی اس دعوی کی حماقت کی شہادت ملتی ہے۔

ایک طرف قدیم زمانہ کی دو بڑی مہذب اقوام یعنے رومیوں اور یونانیوں میں اور دوسری طرف قدیم زمانے کے دو بڑے مذہبوں یعنے یہودیت اور عیسائیت میں غلاموں کی حالت پر غور کرنیکے بعد ہم اس قابل ہیں کہ ان مضرات کو سمجھ سکیں جو رواج غلامی سے پیدا ہوتے تھے۔ کیونکہ یہاں ایکطرف قدیم سوسائیٹی میں غلامی کے رواج کے جاری رہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جیساکہ تمام اقوام کی متفقہ شہادت سے ثابت ہے۔ دوسریطرف اسکی بعض قباحتیں بھی صاف نظر آتی ہیں جنکے دور کرنیکے بغیر غلامی انسانوں کے لئے واقعی لعنت کہی جاسکتی ہے۔ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کو اول تو جاہل اور تمام علوم سے محض نابلد رکھا جاتا تھا۔ پھر انکے ساتھ سخت ظلم کا برتاؤ کیا جاتا تھا پھر یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو صرف حقیر کام کرنے کے لئے اور ذلت میں زندگی بسر کرنیکے لئے پیدا ہوئی ہے۔ اور انکو محض حیوانوں کیطرح سمجھا جاتا تھا۔ دوسریطرف مالک کو مملوک پر کلی اختیار حاصل ہونیکی وجہ سے مالک ایک چھوٹے سے ظالم بادشاہ کیطرح ہوتا تھا پس اخلاقی لحاظ سے اور ایک حد تک تمدنی پہلو میں غلامی کے رواج کا اثر بہت ہی برا تھا اور سب سے بڑی اور ضروری

اصلاح جسکا یہ رواج محتاج تھا وہ مالک اور مملوک کے متعلق تھی۔ اسمیں شک نہیں کہ نسبتاً اسرائیلی شریعت میں بہت کچھ نرمی غلاموں کے ساتھ کی گئی تھی مگر عام اثر غلامی کا یہ ہو گیا تھا کہ مالک کے ساتھ سخت دلی اور مملوک کے ساتھ ذلت لگی ہوئی تھی۔ عیسائی مذہب نے باوجود ان بڑے بڑے دعووں کے جو آج پادری صاحبان منبروں پر چڑھ کر رہے ہیں ان مضرات کے روکنے یا انکی اصلاح کی کوئی تدبیر نہ بتائی۔ اسلئے میں ان دوسری اصلاحوں کو بیان کرنے سے پہلے جو غلامی میں اسلامی قانون اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیں۔ یہ بیان کرونگا کہ غلاموں کے ساتھ کیسا حسن سلوک اس پاک شریعت نے چاہا ہے۔ آقا اور غلام کے باہمی تعلق میں عظیم الشان اصلاح اسلام نے کی ہے۔ اور اسی ایک اصلاح نے غلامی کی تمام بدیوں اور مضرات کو جڑھ سے کاٹ دیا اور خاص اغراض کے لئے ایک نہایت ہی محدود دائرے میں غلامی کی برداشت کر کے حسن سلوک کے متعلق ایسی شرائط لگا دیں جنھوں نے غلامی کی تمام اخلاقی اور تمدنی مضرات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔

اسلام میں غلاموں سے سلوک

یہ ایک امر واقع ہے جسکی تصدیق روزمرہ واقعات سے بخوبی ہے کہ مسلمانوں میں مالک اور مملوک کا تعلق مغرب میں آقا اور نوکر کے تعلق سے بدرجہا بہتر ہے۔ جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہیں وہ غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ یہ حقارت ان مغربی اقوام میں سب سے بڑھی ہوئی ہے جنکو اسبات پر فخر ہے کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ غلامی کے نام کو تو انہوں نے دور کر دیا ہے مگر اسکی حقیقت اب بھی نوکر اور آقا کے تعلقات میں ویسے ہی پائی جاتی ہے اور نام کی تبدیلی سے حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ ایک مہذب یوروپین جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھکر سلوک کرتا ہے خصوصاً اس حالت میں جب ملازم کا کام ادنی درجہ کا ہو۔ اور جہاں تک سختی اور سلوک کا سوال ہے کوئی شخص امتیاز نہیں کر سکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانے میں ایک رومی مالک کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا۔ شاید ہی کوئی موسم گرما ایسا گذرتا ہوگا جب یہ آواز ہمارے کانوں میں نہ پڑتی ہو کہ ایک غریب پنکھا قلی کو صاحب بہادر نے مار مار کر صرف اسلئے ہلاک کر دیا کہ اس بدقسمت کو تھک کر

ذرا اونچا آگئی تھی۔ اس حالت میں میں نہیں سمجھتا کہ رومی مالک کو وہ کونسا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا جو اب ایک مہذب عیسائی کو اپنے نوکر پر حاصل نہیں یا کونسی بدسلوکی وہ کرتا تھا جو اب نہیں کیجاتی۔ اور گالیاں دینا یا معمولی طور پر مار لینا تو کوئی بات ہی نہیں۔ مہذب یوروپین اقوام کو غلامی کے موقوف کرنے پر اسوقت تک فخر نہیں کرنا چاہیئے جب تک کہ حقیقت غلامی یعنی نوکروں پر ظلم اور انکے ساتھ بدسلوکی سے وہ نجات حاصل نہ کرلیں۔ اگر غلامی کے موقوف کرنے میں بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے میں کرسکتا ہے انکو روکا جائے اور ان لوگوں کو جو غلام کہلاتے ہیں انکی ذلیل حالت سے نکالکر دوسرے انسانوں کی طرح انکو سمجھا جائے تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یوروپ میں سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہیں ہوا اور ابھی تک یوروپ نے وہ مقصد حاصل نہیں کیا جو اسلام اس سے تیرہ سو سال پہلے حاصل کرچکا ہے کیا یہ سچ نہیں کہ یوروپین لوگ دیسی ملازموں کو جنسے وہ خدمت کا کام لیتے ہیں وحشیوں سے اچھا نہیں سمجھتے؟ پھر اتنی بات سے کیا فرق ہوجائیگا کہ وہ انکا نام غلام نہیں بلکہ خادم رکھتے ہیں۔

آقا اور خادم کے سچے تعلقات کو سمجھنے میں یوروپ ابھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیاں گذر جانے کے بہت پیچھے ہے۔ جو ذلت قدیم اقوام میں غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی اور پھر عیسائی نو آبادیوں کی غلامی میں لگی رہی اور جو ذلت آج بھی غریب و کم حیثیت آدمیوں کی کیجاتی ہے اسلام نے اسکو غلامی کے نام سے قطعاً دور کردیا؛ ورنہ صرف لفظوں میں ہی بلکہ عملی طور پر اسے جڑھ سے کاٹ دیا۔ اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کاموں میں شریک ہونے لگا۔ اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت میں شریک ہوگیا۔ یہ صرف انہی آقاؤں کی حالت نہ تھی جو سوسائیٹی کے درمیانی یا نچلے درجہ میں تھے۔ بلکہ معزز سے معزز اور دولتمند سے دولتمند آقاؤں کا بھی یہی حال تھا۔

سب سے پہلے ہمیں قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیئے کہ وہ غلاموں کے ساتھ کیا سلوک چاہتا ہے۔ اسبارے میں مندرجہ ذیل آیت قرآن کریم میں وارد ہوئی ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (النساء ع ۶ - آیۃ ۳۶) یعنے اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی

چیز کو شریک مت ٹھراؤ اور احسان کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قبضے میں ہیں۔ اللہ تعالے ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اتراتے ہیں (یعنے دوسرونکے حقوق کی پرواہ نہ کریں) اور بڑائی مارتے پھریں (یعنے دوسرونکو حقیر سمجھیں) اس آیت شریف میں دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کرکے بیان کئے گئے ہیں یعنی اللہ تعالے کی عبادت اور اسکی مخلوق سے نیکی۔ اور اس دوسرے حصے میں بعض وہ لوگ جنکے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہیئے مخصوص کرکے بیان کئے گئے ہیں تا انکی طرف زیادہ توجہ ہو۔ ان دونوں احکام کو ایک ہی جگہ بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اسکا کوئی شریک نہ ٹھرانا اسلام لانیکے لئے ضروری ہے ویسا ہی مخلوق کے ساتھ بھی نیکی کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزا ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اسکی مخلوق سے نیکی کرنا۔

پس جہاں انجیل غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہتی قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے جیسا والدین سے نیکی کرنا۔ کیونکہ ایک سے ہی الفاظ میں دونوں احکام بیان کئے گئے ہیں۔ یہ اسقدر صاف حکم غلاموں سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں غلاموں کے ساتھ نیکی کرنے کی بڑے زور کے ساتھ تاکید کی گئی ہے"۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ غلام کو قرآن کریم الفاظ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے ہی عموماً بیان فرماتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جو کفار کے ساتھ لڑائیوں میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے اور کوئی غلام نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ مگر اس حصہ پر ہم بعد میں بحث کرینگے۔ اس آیت کے آخری الفاظ میں اسی حسن سلوک کو پھر مؤکد کیا ہے۔ یہ فرماکر کہ تمہارے تمام افعال کی غرض تو یہ ہونی چاہیئے کہ تم اپنے حقیقی آقا کے پیارے بنجاؤ لیکن یاد رکھو کہ تم خدا کے پیارے کبھی نہیں بن سکتے جب تک تم دوسرے لوگوں کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کروگے اور دوسرے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا نہ چھوڑو گے۔

اسکے علاوہ دینی اخوت کا سلسلہ جو اسلام نے قائم کیا وہ بجائے خود ایک زبردست محرک

نیک سلوک کا تھا۔ آزاد عورتوں اور غلاموں کے درمیان اور آزاد مردوں اور لونڈیوں کے درمیان نکاح جائز قرار دیئے گئے۔ ایک مشرکہ آزاد عورت اور مسلمان لونڈی میں نکاح کیوقت ترجیح لونڈی کو دیگئی اور ایک مشرک مرد اور مسلمان غلام میں ترجیح غلام کو دیگئی۔ بات بات پر غلاموں کو آزاد کرنیکا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیکر یہ سمجھایا گیا کہ غلاموں کے ساتھ نیکی کرنا اور انکو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی محبوب فعل ہے۔ لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اسکی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی۔ غلاموں کے نکاح کرنیکا خاص طور پر حکم دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط (النور۔ ع ۴۔ آیۃ ۳۲)۔ اور تم میں سے جنکے ازواج نہیں انکے نکاح کرو۔ اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں انکے بھی نکاح کرو۔ اگر یہ لوگ محتاج ہونگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔"

قبل از اسلام جو بدیاں عرب میں لونڈی غلاموں کے معاملے میں تھیں ان سب کو دور کیا گیا منجملہ انکے ایک یہ بدرسم بھی تھی کہ لونڈیوں سے بدکاری کراکے اس مال سے فائدہ اُٹھاتے جسکی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف میں کیگئی ہے۔

یہ ہیں قرآن شریف کے احکام۔ ان میں سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہئیے کہ ان احکام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے متبعین نے کیا سمجھا اور انپر کیونکر عمل کیا۔ اس غرض کیلئے احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپکے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہئیے احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا ہے اور جو خود اس حسن سلوک کا نمونہ دکھایا ہے اس سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑیگا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپکے بالمقابل کچھ بھی نہیں کیا۔ سب سے پہلے میں صحیح بخاری کی احادیث کو بیان کرتا ہوں اور پھر دوسری متفرق احادیث کو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان اخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم ما یغلبھم فاعینوھم۔ یعنے تمہارے بھائی ہی تمہارے خدمتگار ہیں اللہ نے انہیں تمہارے نیچے رکھا ہے۔ پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اُسے چاہئے کہ جو چیز آپ کھاتا ہے اسی میں سے اُسے بھی کھلاوے اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے اسی میں سے اُسے بھی پہناوے

اور انپر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر انکی طاقت سے زیادہ کام انکو دو تو پھر انکو مدد بھی دو۔"

بتاؤ کہ کونسا ایسا اور انسانوں کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کونسا مصلح ہے جس نے ایسی کامل اخوت آقا اور غلام میں پیدا کی ہو جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی رنگ میں ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک سا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو۔ یہی نہیں بلکہ غلاموں کی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے جب ہم آپکے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہیں والذی نفسی بیدہ لو لا الجہاد فی سبیل اللہ والحج وبر امی لاحببت ان اموت وانا مملوک "قسم ہے اس ذات پاک کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد اور حج اور ماں کے ساتھ نیکی نہ ہوتی تو میں پیار کرتا کہ غلامی کی حالت میں ہی مروں"۔ پھر غلام محض حیوان کی طرح ایک گونگا کارکن نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کا سچا مشیر قرار دیا گیا ہے۔ قال اذا نصح العبد سیدہ واحسن عبادۃ ربہ کان لہ اجرہ مرتین۔ یعنے جو غلام اپنے آقا کو نیک صلاح دیتا ہے اور اپنے پروردگار کی عبادت عمدہ کرتا ہے اسکو دوہرا اجر ملتا ہے"۔ غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہیں رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور انکے ساتھ نیکی کیجائے بلکہ انکی عمدہ پرورش کے لئے بھی جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ لونڈیوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی۔ قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ایما رجل کانت لہ جاریۃ ادبھا فاحسن تعلیمھا فاعتقھا وتزوجھا فلہ اجران۔ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اسکی تادیب کرے یعنے اسے اعلیٰ درجے کے نیک اخلاق کی زینت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اسکے بعد اسکو آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے اسکے لئے دوہرا اجر ہے"۔

اس حدیث کیطرف میں خصوصیت سے اُن کوتاہ نظروں کو توجہ دلاتا ہوں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے وہ غور کریں کہ آزاد عورتیں تو ایک طرف رہیں اسلام تو لونڈیوں کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دیجائے اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا منشا غلاموں اور لونڈیوں کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔

بہت سی اور حدیثیں ہیں جن میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں تاکید کیگئی ہے

ان میں سے مشکوٰۃ کی بعض حدیثوں کا ترجمہ لین صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ کے نوٹوں میں دیا ہے اور انہی کو ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام میں نقل کیا ہے ان میں سے بعض کا اردو ترجمہ میں یہاں دیتا ہوں۔

"اپنے غلاموں کو اس کھانے میں سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور انکو ایسا کام کرنے کو نہ دو جو انکی طاقت سے بڑھکر ہو۔" "جو شخص اپنے غلام کو بلاوجہ مارتا ہے یا اسکے منہ پر مارتا ہے اسکا کفارہ یہ ہے کہ وہ اُسے آزاد کرے۔" "جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔" "جو شخص ماں اور بیٹے میں جدائی پیدا کرتا ہے (یعنے لونڈی کو بیچکر) اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اُسے اپنے دوستوں سے جدا کریگا۔"

ان تمام احادیث سے نہایت صاف اور یقینی شہادت اسبات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام میں غلام کو غلام سمجھا ہی نہیں گیا۔ بلکہ اُسکے کام کو الگ چھوڑ کر جو اسکے سپرد کیا گیا ہے وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے۔ تیرہ سو سال گذر چکے ہیں جب پہلے ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتیں جاری کیں اور نہ صرف جاری کیں بلکہ انپر عمل کیا اور کرایا مگر آج باوجود تیرہ سو سال کے گذر جانے کے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعووں کے کسی شخص میں اسقدر اخلاقی جرأت بھی نہیں جو ان ہدایتوں پر عمل کرنا تو درکنار رہا نوکروں کے متعلق اسی قسم کی ہدایتیں دینے کی جرأت کرے۔ اب میں چند اور حدیثیں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسقدر تاکید اکید غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق کی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مرض الموت میں آپکے منہ میں یہ الفاظ تھے اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي الصَّلٰوةِ وَفِيمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ جسکا مطلب یہ ہے کہ ان دو چیزوں کا خاص طور پر خیال رکھو یعنے قیام نماز اور غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک۔ اس حدیث سے کیسی صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں انسانوں کے ساتھ اور خصوصاً اس جماعت کے ساتھ جسکو دنیا کی سب قوموں نے ذلیل سمجھا اور اب تک ذلیل سمجھ رہی ہیں (یعنے غلام اور خادم) کیسا سچی ہمدردی کا جوش تھا اور کسقدر انکی بہتری کا فکر آپکو تھا کہ اخیر وقت میں بھی یہی لفظ آپکے منہ سے نکلے۔ آپ کیا چاہتے تھے۔ ایک اثر سے پتہ لگتا ہے۔ فرمایا لقد اوصانی حبیبی جبرائیل بالرفق بالرقیق حتی ظننت ان الناس لاتستعبد ولا تستخدم میرے دوست جبرائیل نے غلاموں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنیکے لئے مجھے اسقدر وصیت کی کہ مینے گمان کیا کہ آیندہ کوئی غلام نہیں

بنایا جانا چاہئے۔ جو لوگ ان صاف شہادتوں کے ہوتے ہوئے بلا سوچے سمجھے اسلام پر یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ غلامی شریعت اسلامی کا ایسا ضروری جزو ہے کہ اسکو جدا کرنے سے شریعت درہم برہم ہو جاتی ہے انکو کم سے کم یہ حدیث پڑھکر ضرور شرم کرنی چاہئے کیونکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلاموں کے ساتھ نرمی کا اصل مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کو آزاد کر دیا جائے اور آئندہ غلام بنانے سے لوگوں کو روکا جاوے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپ کے پاس آیا اور آپ سے پوچھا کہ میں کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کروں آپنے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب اسکے سوال کا نہ دیا وہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ سامنے آیا اور یہی سوال دوہرایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیطرح بغیر جواب دینے کے منہ پھیر لیا۔ چوتھی مرتبہ جب اس نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اُعْفُ عَنْ عَبْدِكَ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فِي كُلِّ يَوْمٍ اِذَا اَرَدْتَ نَوَالَ الْاَجْرِ وَالثَّوَابِ "اگر تو اجر اور ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہر روز ستر دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔"

میں پوچھتا ہوں کہ کیا آج ان اقوام میں جو مہذب کہلاتی ہیں ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اپنے خدمتگار کو باوجود اسکے قصوروں کے ستر دفعہ معاف کر سکے مگر اسلام میں غلاموں کے متعلق واقعی ایسا عملدرآمد ہوا۔ آپکا دل یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا جائے کیونکہ اس نام میں حقارت پائی جاتی تھی۔ اور آپ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی تحقیر انکی کیجاوے۔ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ اَمَتِيْ وَلْيَقُلْ فَتَايَ وَفَتَاتِيْ وَغُلَامِيْ "چاہیئے کہ تم یہ نہ کہو کہ اے میرے غلام یا اے میری لونڈی بلکہ یوں کہو کہ اے میرے فتا یا اے میری فتاۃ یا اے میرے غلام (یہ لفظ ہر ایک جوان مرد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہیں غلام کا لفظ بھی اسیطرح بولا جاتا ہے۔ عربی میں غلام کا مفہوم عبد سے ادا ہوتا ہے عبد اور امۃ کہنے سے اسلئے روکا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیوں اور غلاموں پر ہی بولے جاتے تھے اور وہ الفاظ جنکے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہیں۔ آزاد مردوں اور عورتوں پر بھی بولے جاتے ہیں۔

اسکے بعد میں یہ بیان کرونگا کہ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہیں اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک۔ مگر قبل اسکے کہ میں عمل کی نظیریں پیش کروں ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر غلاموں کو اسقدر حقوق دیئے گئے تھے اور انکی اسقدر رعایت ضروری تھی خیال

حدیثوں سے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور مملوک میں فرق ہی کیا تھا اسکا جواب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں موجود ہے۔ اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری میں مذکور ہے چنانچہ فرمایا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ یعنے تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جائیگا بس امیر لوگوں پر حاکم ہے اور اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جائیگا اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اسکی اولاد پر حاکم ہے اور اس سے انکے متعلق پوچھا جائیگا۔ اور غلام اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے اور اس سے اسکے متعلق پوچھا جائیگا" اس حدیث کے رو سے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام ہے اور ایک رنگ میں ایک شخص حاکم ہے اور دوسرے رنگ میں وہی محکوم ہے۔ اسلام ایسی مساوات کی تعلیم نہیں دیتا جس سے چھوٹوں بڑوں کا امتیاز ہی اُٹھ جائے اور دنیا کے کاروبار بند ہو جائیں بلکہ ایک ایسی اخوت قایم کرتا ہے کہ کام بھی سب کے الگ الگ رہیں اور سوسائٹی میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی مگر اسکے ساتھ ہی ان میں انسان اور پھر بھائی ہونے کی حیثیت سے ایک مساوات بھی ہو۔ نہ ہی کام مقرر کرنے سے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشا ہے کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھکر اسے ہاتھ نہ لگاوے۔ اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھکر سمجھا جاوے بلکہ یہی حکم ہے کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام میں اسکی مدد کرے۔ اور جو فوائد آقا اُٹھاتا ہے غلام کو اُن سے محروم نہ رکھا جاوے۔ ہاں آقا کو یہ چاہئے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی کرے اور احسان برتے۔ اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی سچے دل سے فرمانبرداری کرے۔ وہ اپنے مفوضہ کاموں کو بجا لاویں۔ باقی امور میں وہ مساوی ہیں

اب میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف معلم ہی تھے بلکہ ہر بات میں خود ایک پاک نمونہ بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی تعلیم کا وہ زبردست اثر آپ کے صحابہ اور مسلمانوں پر ہوا۔ یہ جو آپنے فرمایا تھا کہ میرے دوست جبرائیل نے یہانتک غلاموں کے ساتھ مجھے حسن سلوک کی تاکید کی ہے کہ میرا گمان ہوا کہ غلام بنانا ہی نہ چاہئے یہ واقعی آپ کے دل کی سچی خواہش اور تڑپ تھی اور یہی آپکی غلاموں کے ساتھ نیکی کی تعلیم کا اصل مقصد تھا۔ اور آپ تدریجاً دنیا کو اسیطرف مائل کر رہے تھے۔ چنانچہ ان سب باتوں کا

ثبوت آپ کے اپنے عمل سے ملتا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی غلام نہیں رکھا۔ بلکہ جونہی کبھی کوئی غلام آپ کے ملک میں آیا تو آپ نے اُسے فوراً آزاد کر دیا۔ اس سے زیادہ واضح ثبوت آپکی دلی خواہش کا اور کیا ملسکتا ہے۔ مگر اس مضمون پر یہ بحث کا موقعہ نہیں۔ غلام تو آپ سب آزاد کرتے رہے۔ ہاں آپ کے خادم تھے اور چودہ یا پندرہ آدمیوں کے نام لئے گئے ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں آپ کے صحابہ اور متبعین میں سے ہر ایک شخص اسے اپنے لئے باعث فخر و عزت سمجھتا کہ کوئی کام آپ اسے فرمائیں۔ پھر آپ کی پوزیشن دنیاوی لحاظ سے بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ مدینہ میں آپ گویا ایک چھوٹی سی جمہوری سلطنت کے اعلیٰ افسر تھے اور پھر بعد میں آپ کل عرب کے شہنشاہ ہو گئے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے آپ خود اپنے کپڑے درست کر لیتے۔ بکریوں کو دوہ لیتے اور اپنی بیویوں کو گھر کے کام کاج میں مدد دیتے تھے۔ جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آپ ایک خادم کیطرح بیٹھتے۔ اور دوسروں کا کام کرنیکے لئے ہمیشہ اُٹھنے کو تیار رہتے سوار ہوتے تو کسی اور کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے حضرت انس نے آپکے خادموں کے ساتھ نیکی کے کئی واقعات بیان کئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہا۔ اس عرصہ میں کبھی آپ نے مجھکو اُف تک نہیں کہا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا۔ اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں نہیں کیا اور آپکا سلوک تمام دنیا سے بڑھکر اچھا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم کو یا کسی عورت کو نہیں مارا۔

آپ کے صادق محب اور مخلص بھی آپ کے نقش قدم پر ہی چلتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے اسیران جنگ میں سے ایک اسیر ایک صحابی ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور غلام کے دیا اور اُسے نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرے۔ ابو الہیثم اس غلام کو لیکر گھر گیا اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا عمل کیونکر کر سکتے ہو سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کر دو۔ چنانچہ ابو الہیثم نے وہ غلام اسیوقت آزاد کر دیا۔

زنباع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اسکا ناک کاٹ ڈالا۔ غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ نے پوچھا کہ کس نے تیرا یہ حال کیا ہے۔ غلام نے کہا زنباع نے۔ چنانچہ اسیوقت زنباع کو طلب کیا گیا۔ اس نے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے۔ پھر غلام نے کہا یا رسول اللہ میں کس کا مولی کہلاؤنگا (یعنے میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپ نے فرمایا خدا اور اُسکے رسول کا مولی۔ چنانچہ اسی وعدے کے مطابق آپ جب تک جیتے رہے اسکی مدد کرتے رہے۔ آپکی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور وہ واقعہ آپ کو یاد دلایا۔ پس حضرت ابوبکر رضہ نے اسکے اور اسکے عیال کے لئے گذارہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضہ کی وفات کے بعد وہ حضرت عمر رضہ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا تو کہاں جانا چاہتا ہے۔ عرض کیا مصر میں۔ اسپر حضرت عمر رضہ نے حاکم مصر کے نام حکم لکھدیا کہ اسکو اسکے گذارہ کے لئے زمین دیدو۔ سبحان اللہ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک ایفا اسکا ہوا۔

ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ ناگہاں میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابو مسعود یاد رکھو کہ جسقدر طاقتور حاکم تم اسپر ہو اس سے زیادہ طاقتور حاکم خدا تم پر ہے۔ ابو مسعود فرماتے ہیں جب میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اسیوقت اسکو خدا کے لئے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو تم آگ میں پڑتے۔

حضرت ابوہریرہ رضہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اسکا غلام اسکے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھا لو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اسکی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

معرور کہتے ہیں میں نے ابو ذر رضہ کو دیکھا کہ ایک نیا عمدہ لباس پہنا ہوا ہے اور آپکے غلام نے بھی ویسا ہی نیا اور عمدہ لباس پہنا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ایک آدمی (اس سے مراد آپکا غلام ہے) کو گالیاں نکالیں اس نے میری شکایت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کی۔ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے اسکی ماں پر عیب لگایا اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہیں۔ پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیئے کہ اپنے کھانے سے اُسے کھلاوے اور اپنے لباس سے کپڑا پہناوے۔ تم اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اسکے کرنے میں خود مدد دو۔

حضرت علی رضہ کا یہ پیارا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں شرمندہ ہوتا ہوں جب میں ایسے آدمی کو غلام بنا کر رکھتا ہوں کہ جو کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک غلام کی

نافرمانی کی وجہ سے اسکا کان مروڑا اور پھر اپنے فعل سے توبہ کی اور اسی غلام کو کہا کہ تو بھی اسیطرح میرا کان مروڑ۔ مگر اس نے انکار کیا۔ آپنے اصرار کیا تو اس نے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا۔ آپ نے کہا زور سے مروڑ کیونکہ میں قیامت کے دن کی سزا برداشت نہیں کرسکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے تو ڈرتا ہے اسی دن سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

حضرت زین العابدین کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ انکے ایک غلام نے بھیڑ کو پکڑتے ہوئے اسکی ایک ٹانگ توڑ دی انھوں نے کہا کہ تو نے کیوں ایسا کیا کہا آپ کو غصہ دلانے کیلئے۔ آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی میں اُسے غصہ دلاؤنگا۔ یعنے شیطان کو۔ جا تو خدا کے لئے آزاد ہے۔

غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے اسامہ کو جو حضرت زید کے بیٹے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا۔ قبل اسکے کہ یہ فوج روانہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو لوگوں نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنا دیں۔ مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے میں اُسے منسوخ کروں۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور وہ سوار تھے۔ اُنھوں نے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ یا آپ بھی سوار ہو جاویں اور یا مجھے اجازت دیں کہ میں بھی پیدل چلوں مگر آپ نے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسیطرح ساتھ گئے۔ جب حضرت عمرو نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دے کر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جسکا سردار عبادہ رضہ کو قرار دیا جو حبشی تھے اور حبشی اس زمانے میں بطور غلاموں کے فروخت ہوتے تھے جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکالدو۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو ہمارا سردار ہے۔ اور جو کچھ یہ کہیگا یا کریگا اسی کے ہم پابند ہیں۔ مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تم نے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنا لیا۔ انھوں نے کہا سرداری ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر نہیں بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب میں سے افضل الرائے ہے۔

حضرت عمر رضہ جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جو سلوک اپنے غلاموں سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے کہ غلاموں کی ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کسطرح پر اپنے پیارے نبی کے لفظوں پر عمل کرتے تھے جب حضرت ابوعبیدہ رضہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور شہر کے لوگ

تنگ آگئے تو انہوں نے اس شرط پر شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود حضرت عمرؓ آکر شرائط صلح طے کریں۔ ابو عبیدہؓ نے امیر المؤمنین کو لکھا تو آپ فی الفور روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام بھی تھا مگر سواری کے لئے اونٹ صرف ایک ہی تھا اسلئے خلیفہ اور غلام باری باری اسپر چڑھتے اور جسکی باری نہ ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا۔ جب آپ ابو عبیدہ کے ڈیرے کے قریب پہونچے تو اتفاقاً غلام کی باری سواری کی آگئی۔ آپ اُتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل ہمراہ بھاگتے تھے اور تمام نظریں آپکی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ابو عبیدہؓ نے ابیات سے ڈر کر امیر المؤمنین کو اسطرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھکر یروشلم کے اہالی پر بُرا اثر نہ ہو اور مبادا جنگ رخ پلٹ دے عرض کیا تمام نظریں آپ کیطرف لگی ہوئی ہیں اس صورت میں یہ مناسب نہیں کہ آپکا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکروں کی طرح ساتھ ساتھ بھاگیں۔ حضرت عمرؓ ابیات کو سنکر غضب میں آئے اور فرمایا کہ "تجھسے پہلے مجھے ایسا کسی نے نہیں کہا اور یہ تیری بات مسلمانوں پر لعنت لانیوالی ہے۔ ہم سب لوگوں سے ذلیل اور زیادہ حقیر اور سب سے تھوڑے تھے خدا نے اسلام کے ذریعے ہمیں بڑائی اور عزت دی اور اگر ہم ان راہوں سے الگ چلکر عزت تلاش کرینگے جو راہیں اسلام نے ہمیں سکھائی ہیں تو پھر خدا ہمیں ذلیل کریگا۔" جس سے آپکا یہ مطلب تھا کہ اسلام نے تو تعلیم دی ہے کہ تم اپنی عزت اسی میں سمجھو کہ اپنے غلاموں کو اپنے برابر رکھو۔ اگر ہم اس مساوات میں اپنی ذلت سمجھنے لگیں گے تو پھر خدا ہمیں ذلیل کریگا کیونکہ اسکی بتائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑ دینگے۔

میں پوچھتا ہوں کہ آیا آج بھی دنیا میں کوئی ایسا فاتح موجود ہے یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہو ایسا ہے کہ وہ اخلاقی جرأت دکھا سکے جو حضرت عمرؓ نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے شہنشاہ نے دکھایا۔ کیا حضرت عمرؓ اس امر سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب کا قائم رکھنا کسقدر ضروری ہے۔ نہیں وہ خوب سمجھتے تھے بلکہ جیسا وہ ان معاملات کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا۔ مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت انکے دل میں تھی وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہیں راہوں پر چلنے سے ملے گی اور اگر پچھلے زمانے میں مسلمانوں نے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اس طریق برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمرؓ نے کہی تھی۔ اُنھوں نے اسلامی راہوں کو چھوڑ کر اور راہوں سے عزت

تلاش کی پس وہ عزت کو کھو بیٹھے۔ اب بھی جو مسلمان غیر مسلمان اقوام کے نقش قدم پر چلکر دنیا میں معزز بننا چاہتے ہیں اور اسلام کی راہوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں انہیں یہی بات یاد رکھنی چاہئے۔

مگر باوجود ان غلطیوں کے جن میں مسلمان پڑ گئے ہیں اور مرور زمانہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور جا پڑے ہیں یہ امر قابل غور ہے کہ آپکی نیک تعلیم ایسی انکے خون میں اندر رچ گئی یا یوں کہو کہ آپ کی قوت قدسی ایسی اپنر غالب آئی کہ اب بھی مسلمانوں کا سلوک اپنے نوکروں اور غلاموں سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر ہے اور یہ تشکر کا مقام ہے کہ ہمیں اسکا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خود عیسائیوں نے اسکو تسلیم کر لیا ہے۔ لین الف لیلہ کے انگریزی ترجمے کے نوٹوں میں لکھتا ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جو مدتوں مصر میں رہا اور مسلمانوں کے حالات کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا وہ کہتا ہے کہ مسلمانوں میں غلاموں کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے۔ دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ جن سیاحوں نے وہ ملک جو اسلامی ممالک میں سفر کیا ہے انکی شہادت مسلمانوں کی اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل اطمینان ہے۔ اور پھر لکھتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں جو ہدایتیں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہیں عموماً ان سب پر یا انکے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم غلاموں سے حسن سلوک کے متعلق عیسائیوں کے گال کے طمانچہ کی تعلیم کیطرح نہیں کہ سراہتے سراہتے ہزار ہا کاغذ سیاہ کریں اور جب عمل دیکھیں تو ایک بھی عامل دنیا میں نظر نہ آئے۔ یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہیو کو بھی یہ امر تسلیم کرنا پڑا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ "مسلمان ممالک میں غلاموں کیساتھ سلوک بہت اچھا ہے بمقابلہ اس سلوک کے جو امریکہ میں کیا جاتا ہے جہاں غلامی کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا۔" مگر پادری صاحب پیروؤں کو کیوں ملزم کرتے ہیں جب انکے مرشد کی تعلیم میں ایک لفظ بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق نہیں پایا جاتا۔

ایسا ہی انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانوں کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہوا کہتا ہے "مشرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت میں مزدور کیطرح کام کرنے کی غلامی نہیں بلکہ گھر کے کاروبار سے متعلق ہے۔ غلام کو خاندان کے ایک

ممبر کیطرح سمجھا جاتا ہے اور اُسکے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف غلاموں کے ساتھ گرمی اور مہربانی سے سلوک کرنیکی روح پھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنیکی ترغیب دیتا ہے۔"

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات یقینی کو پیش کرنیکے بعد میں اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہوں کہ نہ غلامی جسکے رواج کو ایک حد تک اسلام نے یک لخت روک نہیں دیا کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کے رو سے جو دنیا میں سمجھا جاتا ہے اسکو غلامی کہہ سکیں۔ نہیں بلکہ جہانتک آجکل کے نوکروں کے ساتھ سلوک دیکھا جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اسوقت دنیا میں جسقدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہیں وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کرینگے اور اس خادمی کی حالت سے اُس غلامی کی حالت کو بدرجہا بہتر سمجھیں گے غلامی کے عام مفہوم کے رو سے تو یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ایک حد تک اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا جو اپنے آقا کے برابر ہے اسکو غلام کیوں کہا جائیگا۔ اور یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کیطرح ہونا صرف لفظی ہی لفظ نا تھے بلکہ عمل سے ہی یہ دونوں باتیں ظاہر ہوتی تھیں۔ جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے جو لباس مالک پہنے وہی مملوک پہنے جہاں وہ رہے اسی جگہ غلام رہے۔ طاقت سے زیادہ کام نہ دینا۔ کبھی سختی سے اُسے مخاطب نہ کرنا اور نہ ہی مارنا۔ اس سے بڑھکر کونسی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہو سکتی تھی۔ یہ زمانہ لفظ پرست ہے اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہو جاتا ہے نام کو تو غلامی موقوف کردیگی مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک میں اسیطرح موجود ہے عنقریب دنیا دیکھ لیگی کہ جب تک خادموں کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جسکی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانوں کے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدوں میں سے سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تب تک غلاموں کی موقوفی لفظی موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہیں ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے اور جس پر انسان انسانوں کے لئے مفید اور خدا تعالےٰ کا سچا بندہ بن سکتا ہے۔

غلاموں کی تدریجی آزادی کے احکام

جیسا کہ بار بار ثابت کیا جا چکا ہے قرآن کریم نے عرب کے تمدنی اور اخلاقی قوانین میں ایک کامل اور بے نظیر تبدیلی پیدا کی مدتوں کی بدیاں جو گویا جزو خون ہو چکی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طاقتور الفاظ کے سامنے یوں نیست و نابود ہو گئیں جیسے ایک زبردست آندھی کے سامنے چھوٹے چھوٹے تنکے اڑ جاتے ہیں۔ مگر غلامی ایک ایسی چیز تھی کہ جہاں بعض پہلوؤں کے لحاظ سے اسے برا کہہ سکتے ہیں بعض وجوہات سے ابتدائی سوسائٹی میں اس رواج کا موجود ہونا ضروریات میں سے تھا اور یہ میں پہلے حصہ مضمون میں ثابت کر چکا ہوں۔ علاوہ ازیں یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ اسیران جنگ یا مغلوب دشمن کو غلام بنا لینا خود اس قدیم رواج پر ایک عظیم الشان ترقی تھی جسکے رو سے ایسے لوگ کل کے کل ہلاک کر دیئے جاتے تھے جسکا ذکر توریت میں بھی ہے۔ ان باتوں کو چھوڑ کر غلاموں کو یکدفعہ ہی آزاد کر دینے میں اور بڑے بڑے مضرات تھے اور ایسی کارروائی میں نہ صرف آقاؤں کا ہی بہت بڑا نقصان تھا بلکہ اسکا اثر خود غلاموں کی حالت پر بھی بہت برا ہوتا۔ اور سوسائٹی کے تمدن اور اخلاق کا تباہ کرنیوالا ہوتا۔ وہ لوگ جو پشتوں سے غلام چلے آتے تھے اُن میں سے نہ صرف آزادی کی روح ہی نکل چکی تھی بلکہ کام اور محنت میں بھی وہ سست ہو گئے تھے۔ ایسے لوگوں کو خالی ہاتھ کھلا چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ تھا کہ یا تو وہ آوارگی اور گدائی میں زندگیاں بسر کرتے اور یا چوری ڈاکہ اور بد معاشی کے پیشے اختیار کرتے اور مالکوں کا لاکھوں روپیوں کا الگ نقصان تھا۔ کوئی عقلمند انسان ان حالات کے ماتحت غلاموں کو یکمرتبہ آزاد کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔

بلحاظ وجوہات بالا اور دیگر وجوہات کے لحاظ سے جو اسوقت پیش نہیں اسلام نے اپنے مدنظر پہلا مقصد یہ رکھا کہ غلاموں کی حالت بہتر کیجائے۔ فطرت انسانی کی پستی کا خیال انکے دلوں سے دور کیا جائے اور سب سے بڑھکر یہ کہ انکو کام اور محنت کرنیکے قابل بنایا جائے اور پھر اسکے ساتھ ساتھ ہی انکو آہستہ آہستہ آزاد بھی کیا جاوے۔ یہی وجہ تھی کہ سب سے پہلے اسلام نے آقا اور غلام کے درمیان ایک کامل اخوت قائم کی تا کہ جو ذلت غلام کیطرف منسوب کیجاتی ہے وہ دور ہو جائے اور اس ایک ہی دروازے کے بند کرنے سے بہت سی بدیاں رک جائیں۔ اس اخوت کا عملی طور پر ابتدائی مسلمانوں نے کیا ثبوت دیا۔ صحابہ کی تاریخ کے

حوالے سے سابقاً لکھا جا چکا ہے۔ اسبات کی تائید میں کہ واقعی اسلام کا یہ منشا تھا کہ پہلے غلاموں کی حالت سنوار کر پھر انکو آزاد کیا جاوے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف دونوں سے ثبوت ملتا ہے چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (النور۔ ع ۴۔ آیۃ ۳۳) اور ان لوگوں میں سے جنکے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہو چکے ہیں یعنے تمہارے غلاموں لونڈیوں میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں کہ تم انکو آزادی کی لکھت دیدو تو تم انکے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان میں بھلائی کے آثار پاؤ۔ اور آزاد کرتے وقت مال خدا میں سے جو اس نے تمکو دے رکھا ہے کچھ انکو بھی دیدیا کرو۔"

اس آیت شریف میں مکاتبت کے لئے اللہ تعالےٰ نے دو باتیں ضروری قرار دی ہیں۔ اول یہ کہ غلام میں کچھ بھلائی نظر آتی ہو یعنے اسکی آزادی اسکی اپنی اور سوسائیٹی کی بہتری کا موجب ہو۔ ان الفاظ کی تشریح میں تفسیر کبیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا سے مراد یہ ہے کہ ان علمتم لهم حرفة فلا تدعوهم كلا على الناس۔ یعنے اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ کوئی حرفہ جانتے ہیں جس سے وہ اپنا معاش پیدا کر سکتے ہیں۔ اور فرمایا کہ تم انکو ایسی حالت میں مت چھوڑو کہ وہ لوگوں (یعنے سوسائٹی) پر بوجھ ہوں مطلب اسکا یہ ہے کہ غلام لونڈی سے مکاتبت کرتے وقت یہ دیکھ لیا کرو کہ وہ اپنے لئے روزی کمانیکے بھی قابل ہے۔ اگر وہ اس لائق ہی نہیں تو تمہارے اسکو آزاد کرنیکا یہ نتیجہ ہوگا کہ بجائے سوسائٹی کا مفید ممبر ہونیکے وہ سوسائٹی پر ایک بوجھ ہوگا۔ اور اصل غرض آزادی کی مفقود ہو جائیگی دوسری بات جسکو مکاتبت کے ساتھ ضروری قرار دیا ہے یہ ہے کہ اسکو مفلس کرکے دنیا میں مت چھوڑو بلکہ کچھ مال بھی اسکو دیدو تا وہ کسی کام کے شروع کرنیکے قابل ہو جاوے۔ ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھکر بڑی صفائی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کی اصل غرض کیا تھی۔ ایسا ہی صحیح بخاری کی ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو لونڈی یا غلام آزاد کیا جاوے ایسا ہونا چاہئے جو خوب کام کرتا ہے اور اپنے آقا کو خوش رکھتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ای الرقاب افضل یعنے آزاد کرنیکے لئے کونسا بردہ سب سے افضل ہے۔ فرمایا اغلاها ثمنا وانفسها عند اهلها یعنے جو سب سے زیادہ گراں قیمت ہو اور مالک کے نزدیک سب سے زیادہ قابلقدر ہو۔ ان الفاظ میں آپ نے

غلاموں کو بھی یہ سمجھا دیا کہ انکے لیے آزادی حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت مفید اور قیمتی آدمی بنانے کی کوشش کریں کیونکہ جس غلام کی مالک کو زیادہ قدر ہوگی وہی سب سے پہلے آزادی کا مستحق بھی ہوگا۔ میں جب اسلام کی تعلیم کو دیکھتا ہوں تو حیران ہو جاتا ہوں کہ اسکے کل کے کل احکام کسقدر باریک اصول حکمت پر مبنی ہیں۔ غلاموں کی آزادی کا فتویٰ الفاظ میں دیدینا چنداں مشکل نہیں مگر اسلام صرف یہی نہ چاہتا تھا بلکہ اسکی اصل غرض غلاموں کی حالت کو سنوارنا تھا کیونکہ مدتوں کی غلامی سے انکی حالت بہت گر چکی ہوئی تھی اور پھر جوں جوں انکی حالت سنورتی جائے اور وہ اپنے آپ کو مفید بناتے جائیں ساتھ ساتھ انکی آزادی کا انتظام بھی فرما دیا۔ یہی بڑی وجہ تھی کہ اسلام نے یکمرتبہ ہی غلاموں کی آزادی کا حکم نہیں دیدیا۔ بلکہ تدریجی آزادی کے قاعدہ کو جاری فرمایا۔ ورنہ وہ مذہب جس نے شراب جیسی بدی کو جس کی بیخ کنی کا آج دنیا میں کوئی علاج نہیں ملتا ایک ہی لفظ میں ایسا بیخ و بن سے کاٹ دیا کہ اسکا نام و نشان بھی نہ رہا۔ اسکے آگے غلاموں کو یکدم آزاد کر دینا کیا مشکل تھا۔ اور اب آخر کار انیسویں صدی میں آکر جب عیسائیوں کو غلامی کے دور کرنے کا خیال پیدا ہوا تو تدریجی آزادی کے اصول کو ہی اختیار کیا گیا پس یہ کسقدر حماقت ہے کہ اسلام پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس نے غلامی کو کیوں یکقلم موقوف نہیں کر دیا۔

قبل اسکے جو میں اسلام کے ان احکام کو بیان کروں جن سے غلاموں کی تدریجی آزادی ثابت ہوتی ہے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اسبات سے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ قائم کرکے اپنی اصل غرض اور منشا کو ظاہر کر دیا ہے اور یہ فخر اور بزرگی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے کہ آپ نے ہر ایک امر میں پہلے خود عمل کرکے دکھا یا تا کہ آپ کے عمل سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپکا منشا کیا تھا۔ اور اسی لئے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فرما کر یہ سمجھا دیا کہ جو نمونہ تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قائم کرتے ہیں اسی نمونہ پر تم سب کو چلنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو حفاظت سے آنیوالی نسلوں تک پہونچا دیا۔ اب جب غلاموں کے بارے میں ہم آپکے نمونہ کو تلاش کرتے ہیں تو صحیح حدیثوں سے اور آپ کی سیرۃ کی معتبر تاریخوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا کرتے تھے چنانچہ مواہب اللدنیہ میں بہت سارے غلاموں اور لونڈیوں کے نام لکھکر جنکو آپنے آزاد کیا تھا ابن جوزی کی سند پر یہ لکھا ہے کہ آپنے ۶۳ غلام اور گیارہ لونڈیوں کو آزاد کیا۔ بعض مورخوں نے آپ کے آزاد کردہ بردوں کی تعداد کو

اس سے بہت زیادہ لکھا ہے مگر ہماری غرض کے لئے صرف اسقدر بات کافی ہے کہ جو غلام آپ کے قبضے میں آتا تھا آپ جلد ہی اسکو آزاد کر دیتے تھے۔ آپ کے اس نمونہ کو ہی دیکھکر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غلاموں کے آزاد کرنے میں بڑی بڑی ہمتیں دکھائیں اور جہانتک اسوقت کی تمدنی حالت برداشت کر سکتی تھی غلاموں کو آزاد کرتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گہری دلی ہمدردی جو غلاموں کے ساتھ تھی۔ اور جو سچی تڑپ آپ کے دل میں انکے آزاد کرنیکے لئے تھی اسکا صحابہ پر اسقدر اثر تھا کہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بہت ہی خوش کرنیوالی بات ہے کہ غلام آزاد کیا جائے۔ جب حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے اسلام قبول کیا اور بیعت میں داخل ہونے تو آپکے ساتھ آپکا ایک غلام بھی آیا تھا جو اتفاقاً راستہ میں آپ سے جدا ہو گیا۔ آپ بیعت سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ غلام بھی آموجود ہوا۔ آپ نے اسیوقت فرمایا کہ جا میں نے خدا کے لئے تجھے آزاد کیا۔ گویا اپنے اس فعل سے اسوقت آپ نے یہ ظاہر کیا کہ کسطرح آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک قول اور فعل کی پیروی کرنے کے لئے تیار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام اپنے آقاؤں کی شکایتوں کو اسطرح لیکر آتے تھے کہ گویا انکا دل اس یقین سے بھرا ہوا تھا کہ آپ ہر حال میں ہمارے حامی ہونگے۔ اور ایسی شکایتوں کا نتیجہ اکثر آقاؤں کے خلاف ہی ہوتا تھا کیونکہ آپ اکثر غلام کو آزاد کر دیتے۔ ابو مسعود رضؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے جب اپنے غلام کو کسی قصور پر مارا تو اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا جب حضرت ابو مسعود رضؓ کو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے دیکھ لیا ہے تو پہلے لفظ جو آپکے منہ سے نکلے یہ تھے کہ اے رسول خدا میں نے اس غلام کو خدا کے لئے آزاد کر دیا۔ آپنے فرمایا اور اگر تم آزاد نہ کرتے تو آگ میں ڈالے جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو کسقدر یقین تھا کہ آپ انسانوں کے سچے ہمدرد اور غلاموں کے سچے خیر خواہ ہیں۔ آپ ہی کے نقش قدم پر قرون اولے کے مسلمان چلتے رہے کیونکہ انکے دلوں میں ایسی آپ کی محبت اور عشق کی آگ روشن تھی کہ وہ کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے کہ جو فعل رسول خدا کو پیارا تھا وہ اُسے نہ کریں۔ چنانچہ پہلے خلفا کے زمانہ میں غلاموں کی تدریجی آزادی جاری رہی۔ باقی رہا یکمرتبہ ان سب کو آزاد کر دینا۔ سو ہر ایک دانشمند دیکھ سکتا ہے کہ اسمیں نہ آقاؤں کی نہ غلاموں کی اور نہ ہی سوسائٹی کی بھلائی تھی۔ بلکہ سب کا نقصان تھا۔

اب میں ان احکام کو بیان کرونگا جو قرآن کریم میں اور حدیث نبوی میں غلاموں کی تدریجی آزادی کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف میں

جو حکم غلاموں لونڈیوں کے ساتھ احسان کرنیکا مذکور ہوا ہے اسکی اصلی غرض اور غایت بھی یہی تھی کہ رفتہ رفتہ غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔ یہ بات نہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل سے ہی ثابت ہے کہ آپ ہر ایک غلام کو جو آپ کے قبضہ میں آتا تھا آزاد کر دیتے تھے۔ بلکہ آپکے اقوال سے بھی یہی بات واضح اور روشن ہے۔ مثلاً آپکا وہ قول جو پہلے بھی نقل کیا جا چکا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل نے غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی مجھے یہانتک تاکید کی کہ میں نے خیال کیا کہ کسی کو غلام ہی نہ بنایا یا رکھا جائے۔ ایک بیّن دلیل ہے اس بات پر کہ سب سے عمدہ سلوک غلاموں کے ساتھ انکو آزاد کرنا ہی تھا۔ ایسا ہی وہ حدیث بھی نقل کی جا چکی ہے کہ جب ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپنے ایک غلام دیا اور ساتھ تاکید کی کہ اسکے ساتھ حسن سلوک کرنا تو اسکی بیوی نے کہا کہ اسکے ساتھ حسن سلوک تو ہم یہی کر سکتے ہیں کہ اسکو آزاد کر دیں۔ چنانچہ آزاد کر بھی دیا۔ ان تمام باتوں سے وہ مدعا حاصل ہے جس کو ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

جب ہم قرآن شریف کو پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی پیارا فعل ہے۔ چنانچہ سورۃ البلد میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ (البلد ۸-۱۱) کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے اور اسکو (نیکی اور بدی کے) دونوں رستے بھی دکھا دئے پھر بھی وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور تم کیا سمجھے ہو کہ وہ دشوار گذار گھاٹی کیا ہے۔ وہ ہے کسی گردن کا غلامی یا قرض کے پھندے سے چھڑا دینا"۔

اس آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے غلاموں کے آزاد کرنے کو کسقدر ضروری قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی اسکی مشکلات کو سمجھکر یہ بھی فرما دیا۔ کہ غلاموں کا آزاد کرنا کوئی آسان امر نہیں بلکہ یہ ایک نہایت مشکل امر ہے اور ایک دشوار گذار پہاڑی راہ پر چڑھنے کے برابر ہے۔ البقرہ آیت ۱۷۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ...... وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى ...... وَفِي الرِّقَابِ کہ حقیقی پاکیزگی یہ ہے کہ انسان ایمان لائے اور پھر سات اسکے اپنا مال خالص اللہ کی محبت کے لئے فلاں فلاں موقعہ پر خرچ کرے جنمیں غلاموں کا آزاد کرنا بھی شامل فرمایا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسی آیتیں محض نصیحت کے پیرایہ میں نہیں بلکہ

ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا ایک سچا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے بہت بہت غلام آزاد کئے۔ نہ صرف اپنی ملکیت کے بلکہ خرید خرید کر بھی بہتوں کو آزاد کیا۔ چنانچہ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ اس نے ایک سو غلام اسلام لانے کے بعد آزاد کیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے مکہ میں چالیس ہزار درہم غلاموں کے خرید کر آزاد کرنے میں خرچ کئے ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ غلاموں کا آزاد کرنا اسلام نے مذہبی فرض قرار دیا ہے۔

نہ صرف افراد کو ہی یہ حکم تھا کہ وہ حسب طاقت اور بمقتضائے وقت غلام آزاد کریں بلکہ صدقات کے روپے کا جو بیت المال میں جمع ہوتا تھا ایک ضروری خرچ غلاموں کا آزاد کرنا بھی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (التوبۃ۔ ع ۸۔ آیت ۶۰) یعنے صدقات کا روپیہ فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو اسکے وصول کرنے یا تقسیم کرنے پر مقرر ہیں۔ اور مولفۃ القلوب کا۔ اور نیز یہ روپیہ غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرضے ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے خرچ کیا جائے۔ یہ اللہ کے ٹھرائے ہوئے حقوق ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے"۔

اس آیت میں صدقات یعنی زکوٰۃ کے روپے کے مصارف میں سے ایک ضروری خرچ غلاموں کے آزاد کرنیکا ٹھرایا گیا ہے۔ گویا حکومت اسلامیہ کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی ایک حصہ روپے کا غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کرے۔ یہ حکم انسانی نہیں بلکہ اللہ تعالے کی طرف سے ہے۔

علاوہ ان عام احکام کے بعض حالتوں میں صاحب مقدور مسلمان کے لئے غلام کا آزاد کرنا جہاں غلام ملسکے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ تمام موقعے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہیں پہلا موقعہ وہ ہے جب ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے اسوقت بردہ آزاد کرنیکا حکم ہے۔ (النساء۔ ۹۲)۔

دوسرا وہ موقعہ ہے جہاں کوئی اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے۔ یعنی اپنی بیوی کو ماں کہدے اسے جھوٹ اور بیہودہ قرار دیا ہے۔ اور ظہار کے بعد اگر پھر رجوع کرے تو اسکا کفارہ غلام کا آزاد کرنا رکھا ہے (المجادلہ۔ ۳ و ۴)۔

ان دونوں صورتوں میں غلام کا آزاد کرنا لازمی ہے لیکن اگر غلام نہ ملے تو پھر اور صورتیں کفارہ کی بتائی گئی ہیں۔ تیسرا موقعہ وہ ہے جب کوئی قسم کھا بیٹھے اور پھر اسکو پورا نہ کرے اسکا کفارہ یہ فرمایا کہ یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے۔ اور یا بردہ آزاد کرے۔ حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص روزہ رکھکر اسکو توڑ دے اسکا کفارہ بھی غلام کا آزاد کرنا ہے۔ یہ سب ایسے حکم ہیں جن میں غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے۔

احادیث میں بھی غلاموں کے آزاد کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ اَيُّمَا رَجُلٍ اَعْتَقَ امْرَءً مُسْلِمًا اِسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنْهُ مِنَ النَّارِ۔ یعنی جو شخص ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے گا۔ اللہ تعالے اس غلام کے ہر ایک عضو کے بدلے آزاد کنندہ کے ہر ایک عضو کو آگ سے بچائیگا۔ اس سے بڑھکر غلاموں کی آزادی کے لئے اور کیا ترغیب ہو سکتی ہے۔

ایک اور حدیث کا مضمون یہ ہے۔ عن البراء ابن عازب قال جاء رجل الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال دلنی علی عمل یقربنی من الجنة ویبعدنی من النار فقال اعتق النسمة وفك الرقبة۔ یعنی براء ابن عازب رضی اللہ عنہ روایت کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے وہ عمل بتائیے جو مجھے جنت سے نزدیک کرے اور دوزخ سے دور کرے۔ فرمایا غلام کو آزاد کر اور گردن کو چھڑا۔ ایسا ہی ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے پیارا عمل خدا کے نزدیک غلام کا آزاد کرنا ہے۔ خاص خاص موقعوں پر بھی غلام کے آزاد کرنیکا حکم تھا۔ چنانچہ بخاری میں ہے عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما قالت امر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالعتاقة فی کسوف الشمس۔ اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے موقعہ پر غلاموں کے آزاد کرنیکا حکم دیا۔

یہ تمام احکام جو قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے دکھائے گئے ہیں صرف ترغیب و تحریص کے رنگ میں ہیں اور اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان احکام کی ایسی پیروی کرتے تھے جیسے فرائض کی۔ مگر اسلام نے غلاموں کے آزاد کرنیکا صرف یہی طریق نہیں رکھا۔ بلکہ ایک اور صورت بھی بتائی ہے جو ان تمام صورتوں سے الگ ہے کیونکہ ان تمام صورتوں میں غلام کا آزاد کرنا صرف آقا کی مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن اسلام نے

غلاموں کو آزادی حاصل کرنیکا حق بھی دیا ہے۔ اسپر سورۂ نور کی وہ آیت شاہد ہے جو پہلے بھی ایک موقعہ پر نقل کی جا چکی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ (النور۔ ۴-۳۳) **ترجمہ**۔ اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تم انکے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان میں بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا میں سے جو اس نے تمکو دے رکھا ہے کچھ انکو بھی دیدیا کرو"۔

مکاتبت یوں ہوتی تھی کہ آقا غلام کو کچھ روپے کی ادائیگی کے وعدے پر یہ لکھدیا کرتا تھا کہ جب اسقدر روپیہ ادا ہو جائیگا تو غلام آزاد سمجھا جائیگا۔ اور اس اثنا میں غلام بجائے خود کام کر کے روپیہ کماتا اور وہی روپیہ مالک کو آزادی حاصل کرنیکے لئے دیتا۔ اس آیت شریف میں یہ حکم ہے کہ جب تمہارا غلام مکاتبت کا خواہاں ہو تو ضروری ہے کہ تم اس سے مکاتبت کرو۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ کچھ مفید کام کرنیکے قابل ہو۔ اور اس شرط کا ہونا اس لئے ضروری تھا تاکہ غلام آزاد ہو کر سوسائٹی کو بجائے فائدہ کے نقصان پہونچانے والے نہ نبیں۔ بلکہ صرف وہی آزاد ہوں جو کچھ کمانے کے قابل ہیں۔

یہ سوال اُٹھایا گیا ہے کہ جب غلام مکاتبہ چاہے تو آیا آقا پر واجب ہے کہ وہ مکاتبت لکھدے یا نہیں۔ اول تو قرآن کریم کے الفاظ سے ہی اسکا وجوب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسمیں یہ حکم ہے کہ جب غلام مکاتبت کا خواہاں ہو تو مکاتبت کر لیا کرو۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں باب المکاتب کے نیچے آیت مذکورہ بالا کو لکھنے کے بعد لکھا ہے۔ وقال روح عن ابن جریج قلت لعطاء اواجب علی اذا علمت له مالا ان اکاتبه قال ما اراه الا واجبًا وقال عمرو بن دینار قلت لعطاء تاثره عن احد قال لا ثم اخبرنی ان موسی بن انس اخبرہ ان سیرین سال انسا المکاتبة وکان کثیر المال فابی فانطلق الی عمر فقال کاتبه فابی فضربه بالدرة ویتلو عمر فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا فکاتبه۔ یعنے روح سے روایت ہے کہ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطار کو پوچھا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ غلام مال دے سکتا ہے تو مکاتبہ کرنا مجھپر واجب ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ میں تو اسے واجب ہی سمجھتا ہوں۔ اور عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے عطار کو کہا کہ آپ کسی دوسرے سے یہ روایت کرتے ہیں۔ کہا نہیں۔ پھر مجھے اُنہوں نے خبر دی کہ موسیٰ بن انس نے انکو خبر دی کہ

سیرین نے انس سے مکاتبہ کی خواہش کی۔ اور وہ بہت مال والا تھا۔ انس نے انکار کیا تو سیرین حضرت عمرؓ کے پاس چلے گئے آپنے انس کو بلا کر کہا کہ مکاتبہ کر لو۔ اُنھوں نے پھر انکار کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے انکو درہ کے ساتھ مارنا شروع کیا۔ اور آپ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھتے تھے۔ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا پھر انس نے مکاتبہ لکھدیا۔ مکاتبہ کا روپیہ عموماً باقساط ادا کیا جاتا تھا۔ اور بظاہر اس میں غلام کی ہی رعایت تھی لیکن اگر اقساط مقرر کرنے کے بعد غلام کل روپیہ ایک ہی وقت میں دیسکنے کے قابل ہوتا تو آقا مجبور تھا کہ اُسے اسیوقت روپیہ لیکر آزاد کر دے چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایسا ہی ایک فیصلہ ہوا تھا کہ ایک عورت نے یکمشت مکاتبہ کا روپیہ لینے سے انکار کیا تو آپ نے روپیہ بیت المال میں داخل کر کے غلام کو آزاد کر دیا۔ اور عورت کو کہا تو اب اپنا روپیہ خواہ باقساط لے اور خواہ یکمشت۔ ان مقدمات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں غلام آقا کو آزادی کے لئے مجبور کر سکتا تھا۔

مکاتبہ کی صورت میں سارا روپیہ غلام کو محنت سے ہی ادا نہ کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات دوسرے لوگ روپیہ دیکر اسکی مدد کرتے اور بعض وقت قومی چندے بھی اس غرض کے لئے کئے جاتے اور صدقات کے روپے میں سے بھی کچھ روپیہ دیدیا جاتا تھا۔ قرآن شریف کے اس حکم میں کہ وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ صرف غلام کا آقا ہی مخاطب نہیں بلکہ عام طور پر بھی مسلمانوں کو ترغیب دیگئی ہے کہ جب غلام روپیہ دے کر آزادی حاصل کرنی چاہتا ہو تو تم بھی اُسے کچھ دیدیا کرو۔ احادیث سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے غلاموں کے چھوڑنے میں مدد کیا کریں۔ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر کے نیچے یہ روایت لکھی ہے۔ ان رجلا قال للنبی صلے اللہ علیہ وسلم علمنی عملا یدخلنی الجنة قال لئن کنت اقصرت الخطبة لقد اعظمت المسئلة اعتق النسمة وفك الرقبة فقال الیسا واحدا فقال لا عتق النسمة ان تنفرد بعتقها وفك الرقبة ان تعین فی ثمنها۔ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے وہ عمل سکھائے جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ فرمایا اگرچہ تیری بات مختصر ہے مگر تیرا سوال بہت بڑا ہے۔ غلام کو آزاد کر اور گردن کو چھڑا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان دونوں باتوں کا ایک ہی مطلب نہیں۔ فرمایا نہیں۔ غلام کے آزاد کرنے سے یہ مراد ہے کہ تو اکیلا ہی اسکو آزاد کرے۔ اور گردن کے چھڑانے سے یہ مراد ہے کہ تو اسکی قیمت کے ادا کرنے میں مدد کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں خود آپنے اور آپکی ازواج مطہرات اور صحابہ کرام نے غلاموں کو آزادی حاصل کرنے میں مالی مدد دی۔ چنانچہ سلمانؓ فارسی کے مکاتبہ کی شرائط کو پورا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے تین سو درخت کھجور کا لگایا اور روپیہ کی ادائگی یوں ہوئی کہ آپنے صحابہ کو اسکا چندہ کرنیکے لئے حکم دیا۔ چنانچہ چندہ کرکے وہ رقم ادا کی گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہؓ کے مکاتبہ کا کل روپیہ ادا کیا۔ اور یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ فک رقبہ پر قرآن شریف نے خود بہت زور دیا ہے۔ اور یوں ہر پیرائے میں مسلمانوں کو غلاموں کی آزادی حاصل کرنے میں مدد دینے کی ترغیب دی ہے۔ کہ خود غلام آزاد کرو۔ چندہ کرکے انکی قیمت ادا کرو۔ اور بالآخر یہ کہ صدقات کے روپئے کا ایک حصہ اسی نیک کام میں صرف کرو۔ اگر پچھلے زمانے کے مسلمان ان ہدایتوں پر اسی طرح عمل کرتے جیسے صحابہ کرام نے عمل کرکے دکھایا تو اسلامی ممالک میں سے کبھی کا غلامی کا نام ونشان مٹ گیا ہوتا۔

بعض اور حالتیں بھی تھیں جنمیں غلاموں کا آزاد کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ اگر آقا غلام کو مارے تو اسکا کفارہ اسکا آزاد کرنا قرار دیا گیا۔ جب کبھی مار کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچی تو آپ نے فی الفور غلام کو آزاد کردیا۔ خلفائے راشدین کا بھی اسی پر عمل رہا۔ چنانچہ امام مالکؒ نے مؤطا میں یہ روایت لکھی ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک لونڈی کی شکایت آئی جسکو اسکے آقا نے مارا تھا۔ تو آپ نے فی الفور اُسے آزاد کردیا۔ ایسا ہی آزادی کا استحقاق اس صورت میں پیدا ہوجاتا تھا جب لونڈی اور آقا کا تعلق خاوند بیوی کیطرح ہوکر اس سے اولاد پیدا ہو۔ خاوند کی زندگی میں اس سے لونڈی کیطرح سلوک نہ ہوتا تھا۔ اور اُسکے مرنیکے بعد وہ آزاد سمجھی جاتی تھی۔ اگر ایک غلام کئی مالکوں کی مشترکہ ملک ہو اور اُن میں سے ایک بقدر اپنے حصے کے اُسے آزاد کردے تو حکم تھا کہ اگر اُسے توفیق ہو تو وہ باقی مالکوں کے حصہ کی پوری قیمت ادا کرکے غلام کو بکلی آزاد کردے۔ ایسا ہی اگر آقا وصیت میں لکھدے کہ فلاں غلام آزاد ہے تو ورثاء اسکو آزاد کرنیکے لئے مجبور ہوتے۔

علاوہ ان غلاموں کے جو اسلام سے پہلے مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے اور جنکی بہت بڑی تعداد ان احکام کے مطابق آزاد کردیگئی تھی۔ اسیران جنگ تھے جو اسوقت کے قوانین جنگ کے لحاظ سے فاتحین کی غلامی میں آجاتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اکثر انکو بھی آزاد کردیا۔ اتنی آدمی جنہوں نے فتح مکہ کے وقت مقابلہ کیا تھا اور جو گرفتار کرلئے گئے تھے سب کے سب آزاد کردئے گئے۔ قوم ہوازن کے چھ ہزار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے اور وہ کل کے کل بغیر فدیہ لینے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کردئے۔ اور یہ تعلیم قرآن شریف کی ہے کہ حتی الوسع اسیران جنگ کو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر چھوڑدیا جائے۔ جیسا کہ سورۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آیت اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً سے ظاہر ہے۔ یعنی جب تم دشمن کو قیدی بنالو تو پھر یا انہیں احسان رکھکر چھوڑدو اور یا فدیہ لیکر چھوڑدو۔ قرآن کریم کی بات بات میں خدا سے ہونیکا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں بھی مقدم اُسی بات کو رکھا ہے کہ احسان رکھکر چھوڑدو۔ ہاں اگر احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت نہ ہو اور اس سے دشمن کو ایسی تقویت پہونچتی ہو کہ اس سے پھر جنگ کا خطرہ ہو تو سوسائٹی کے امن کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا اور ہر ایک دانشمند اسے ضروری سمجھیگا کہ یا تو قیدیوں کا فدیہ لیکر انکو چھوڑا جائے تا دشمن کو مالی کمزوری پہونچکر پھر وہ امن میں خلل نہ ڈال سکے۔ اور اگر وہ فدیہ نہ دیں تو ایسی صورت میں گویا وہ خود غلامی کو اختیار کرنے والے ٹھہرینگے۔ چنانچہ جب ہوازن کے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ بخاری شریف کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کئی دن تک انکا انتظار کرتے رہے کہ وہ آکر اپنے قیدی مانگیں تو چھوڑدئے جائیں۔ چنانچہ جب آخر وہ چند دن دیر کرکے آئے اور اسوقت غلام تقسیم ہوچکے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھکر مسلمانوں کو یوں خطاب فرمایا: اما بعد فان اخوانکم جاؤنا تائبین وانی رایت ان ارد الیھم سبیھم فمن احب منکم ان یطیب ذلک فلیفعل ومن احب ان یکون علی حظہ حتی نعطیہ ایاہ من اول ما یفیئ اللہ علینا فلیفعل۔ فقال الناس طیبنا ذلک۔ تمہارے بھائی تائب ہوکر ہمارے پاس آئے ہیں کہ پھر جنگ نہ کرینگے اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ انکو قیدی انکو واپس کردوں پس تم میں سے جو کوئی بخوشی ان کو احسان رکھکر واپس کرنا چاہے تو کردے اور جو یہ چاہے کہ اسکے معاوضہ میں کچھ لے کر چھوڑے تو وہ منتظر رہے جبتک خدا ہمکو کچھ دے جس میں سے ہم اُسے دیدیں۔ اسپر سب مسلمانوں نے عرض کیا کہ ہم بخوشی انکو مفت چھوڑتے ہیں۔

اس تمام بحث سے ناظرین پر یہ عیاں ہوچکا ہے کہ دو قسم کے غلام تھے جنکے ساتھ اسلام کو واسطہ پڑا۔ اور ان میں سے ہر ایک قسم کے لئے انکے مناسب حال آزادی کی راہیں بھی الگ الگ تجویز کی گئیں۔ قسم اول میں وہ غلام شامل تھے جو اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ اور جو ماؤں سے بلکہ پشت در پشت غلامی میں چلے آتے تھے۔ دوسری قسم میں اسیران جنگ تھے

جو لڑائیوں میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے اور جو مروجہ قوانین جنگ کے رو سے غلام تھے انکی غلامی صرف اسیوقت سے شروع ہوتی تھی جب وہ قید کر لیئے جاتے تھے قسم ثانی کے غلام چونکہ تمدنی رنگ میں آزاد لوگوں کی طرح ہی تھے اسلیئے انکے یکدفعہ ہی آزاد کر دینے سے سوسائٹی کے تمدن پر کوئی بد اثر نہ پڑ سکتا تھا۔ انکی اپنی جائدادیں اپنے گھر اور مکان۔ اپنی تجارتیں اور حرفے سب ایسے ہی موجود تھے جیسے آزاد لوگوں کے۔ اور انکو آزاد کرنا صرف انکو اپنی اصلی حالت پر بحال کر دینا تھا۔ ان لوگوں سے اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف اسقدر کہ آزاد ہونیکے بعد وہ پھر ملک کے امن میں فساد نہ ڈالیں۔ پس انکے لیئے قرآن کریم نے یہ تجویز کی کہ اگر ان سے کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ اطاعت اختیار کریں تو انکے قیدی احسان رکھکر چھوڑ دیئے جائیں جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں سے سلوک کیا کہ جب وہ تائب ہوکر آئے تو آپنے انکے کل کے کل قیدی یکدفعہ ہی آزاد کر دیئے۔ لیکن اگر ان سے خطرہ ہو تو پھر دو صورتیں تھیں یا تو وہ فدیہ دیکر آزادی حاصل کریں جیسا کہ دنیا کی کل اقوام میں اب بھی یہی دستور پایا جاتا ہے اور اگر وہ فدیہ نہ دیں تو پھر غلامی میں رہیں۔

مگر ان غلاموں کو جو مدتوں سے غلامی میں چلے آتے تھے۔ قرآن کریم نے یکمرتبہ ہی آزادی دیدینا مناسب نہیں سمجھا۔ ان لوگوں کے نہ کوئی گھر بار تھے نہ جائدادیں تھیں نہ کوئی تجارتیں تھیں۔ اور نہ ہی عموماً کوئی ہنر انکو آتا تھا۔ پس ان سب کے یکدفعہ آزاد کرنے میں نہ صرف مالکوں کو ہی ناقابل برداشت نقصان اُٹھانا پڑتا بلکہ انکی اپنی حالت بھی اور پستی کیطرف چلی جاتی اور انکو ذلیل پیشے اختیار کرنے پڑتے اور سوسائٹی کے تمدن پر اسکا بہت برا اثر پڑتا۔ نہ انکے رہنے کے لیئے مکان ہوتے اور نہ روزی کمانیکا کوئی عمدہ ذریعہ انکے ہاتھ میں ہوتا۔ انکی اس گری ہوئی حالت کی اصلاح انکو فوری آزادی دینے سے نہیں ہو سکتی تھی۔ پس انکے لیئے اسلام نے عجیب دور اندیشی سے ایسا طریق سوچا جس سے انکی حالت بھی سنورنے لگی۔ اور تدریجی طور پر انکو آزادی ملنی بھی شروع ہو گئی۔ وہ ذلت جو غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی اور جو سب بدیوں کی جڑھ تھی وہ اخوت کو قائم کرکے نابود کر دیگئی۔ اور پھر انکو تعلیم دینے اور ہنر سکھانیکا اہتمام کیا گیا اور ساتھ ساتھ انکی آزادی کا انتظام بھی کیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عجیب نمونہ اپنے کل غلاموں کو آزاد کرنیکا دکھایا اسکا اور بھی اثر نیک ہوا۔ غلاموں کی آزادی کی ضرورت مختلف طریقوں سے سمجھائی گئی۔ اور بہت سی صورتوں میں انکا آزاد کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اور صدقات کے روپے کا ایک حصہ اس مصرف میں لگنا شروع ہوا۔ اور غلام کے آزاد کرنے کو گناہ کا کفارہ قرار دیکر ہر ایک مسلمان کو یہ سمجھایا گیا کہ غلام کے آزاد کرنے میں ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے مگر نہ صرف آزاد کرنے میں بلکہ اس سے نیکی اور احسان

کرنے میں اور ہر طرح سے اسکی مدد کرنے میں۔ اور ان سب حکموں کے بعد یہ فرمایا گیا کہ جب غلام ہوشیار اور محنتی ہو اور مفید کام کرنے کے قابل ہو اور وہ آزادی حاصل کرنا چاہے تو مالک پر واجب ہوگا کہ وہ اسے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھانے دے اس طرح پر وہی لوگ غلامی میں رہ سکتے تھے جو بالکل نکمے اور بیکار تھے۔ غلاموں کی حالت میں یہ اصلاحیں نہ صرف اس زمانے میں بلکہ اسکے بعد بھی کسیکو نہ سوجھیں۔ کوئی شخص انصاف اور خداترسی سے غور کرے اور دیکھے کہ ایکطرف تو وہ تاریکی جسکے ساتھ دنیا ساتویں صدی کے شروع میں تاریک ہو رہی تھی۔ اور دوسری طرف یہ اعلیٰ درجہ کے اور روشن اصول۔ مقام غور ہے کہ یہ باریک اصول اس تاریکی سے تو پیدا نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ہی ایک شخص کے دل میں جو اس جاہل قوم کے درمیان پیدا ہوا ہو۔ ایسے خیالات خود بخود آ سکتے تھے پس ان پاک خیالات کا سرچشمہ کونسا تھا۔ اور وہ آفتاب کونسا تھا جس سے یہ نور صداقت چمک اُٹھا صرف اتنی بات کا کہدینا کہ غلام آزاد کر دیئے جائیں یہ تو ہر ایک کر سکتا ہے۔ مگر یہ باریک امتیاز اور یہ روشن اصول کہ کن حالتوں میں تدریجی آزادی دیجاوے۔ اور کن حالتوں میں یکدفعہ آزادی دیجائے یہ بیشک اس پاک سرچشمہ کی تعلیم تھی جو وحی کا سرچشمہ ہے ورنہ ایسی جہالت اور تاریکی کے اندر ایسی عجیب اور پر حکمت تعلیم کا دینا انسان کی طاقت میں نہ تھا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس کامل انسان پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ اس نے غلامی کو مذہب کا جزو بنا دیا۔ غلامی کو نہیں بلکہ غلاموں کے آزاد کرنے کو اس نے مذہب کا جزو بنا دیا۔ وہ راستہ جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا اور جس پر مہاجرین اور انصار چلتے رہے وہ ایک صاف اور واضح راستہ ہے۔ پس اس بات پر نکتہ چینی کرو اور دکھاؤ کہ کس مذہب نے اور کس مذہب کے بانی نے ایسے روشن اصول قائم کیئے۔ اور انسانوں کے ساتھ ایسی پاکیزہ ہمدردی دکھائی۔

غلام بنانے کا رواج

اس بحث کے بعد جو سابقاً ہو چکی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اسلام نے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کے لیئے اپنا جزو لازمی قرار دیدیا ہے یا کہ اسکا منشا غلامی کو موقوف کرنیکا پایا جاتا ہے۔ اسلام میں غلاموں کی تدریجی آزادی پر بحث کرتے ہوئے ہمنے یہ ثابت کیا تھا کہ تدریجی آزادی کے اصول کو قائم کرنا سوسائٹی کے امن اور اسکی بہتری کے لیئے نہایت ضروری امر تھا۔ اسلیئے اس حد تک اسلام کو غلامی کے جاری رہنے کی اجازت دینی پڑی جبتک آہستہ آہستہ تمام غلاموں کے آزاد ہو جانے تک

بغیر سوسائٹی کے امن میں مخل ہونیکے غلامی خود ہی دنیا سے اٹھ جائے۔ یہ بھی میں نے ثابت کیا ہے کہ اگرچہ غلامی کا رواج تو یکدفعہ ہی موقوف نہیں کیا گیا مگر جسقدر مضرات اس رواج سے قدیم سوسائٹی میں پیدا ہوتے تھے۔ ان تمام کو اسلام نے یک قلم ہی موقوف کردیا۔ یہ اس سوال کا مختصر سا جواب ہے جو میں نے شروع میں کیا ہے اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ قرآن شریف یا حدیث شریف میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اسلام نے غلامی کو ہمیشہ کے لئے رواج دیا۔ صرف اسبات سے کہ غلاموں کا ذکر قرآن شریف میں ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غلامی اسلام کے لئے لازمی ہے یہ کیسی بیہودہ دلیل ہے کہ چونکہ قرآن شریف غلاموں کے آزاد کرنیکا حکم دیتا ہے یا غلاموں سے حسن سلوک کے لئے تاکید فرماتا ہے یا بعض حالتوں میں آزاد مردوں کو اجازت دیتا ہے کہ لونڈیوں کو بیبیاں بنالیں۔ اسلئے اسلام کے اصول کے رو سے یہ ضروری ہے کہ ان احکام کے پورا کرنے کے لئے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا جاوے۔

درحقیقت یہ بڑی غلطی ہے یا یہ کہنا چاہئے کہ مذہبی تعصب کیوجہ سے شرارت ہے جو یہ کہا جاوے کہ اسلام نے غلامی کو اپنا ایسا جزو لازمی قرار دیدیا ہے کہ وہ اب اس سے الگ نہیں ہوسکتی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اسلام نے غلاموں کے آزاد کرنیکا حکم تو دیا مگر آیندہ کے لئے غلام بنانے کے رواج کو بند نہیں کیا۔ یہ بڑی غلطی ہے جنگوں کو الگ چھوڑ کر جسکا ذکر میں ابھی کرونگا۔ کوئی مثال ایسی نہیں پائی جاتی کہ جس طرح پرانی قوموں میں زبردستی پکڑ کر یا فروخت کے ذریعہ سے آزاد آدمیوں کو غلام بنایا جاتا تھا اسلام نے بھی ایسا کیا ہو۔ نہ ہی قرآن شریف یا حدیث سے اس طریق کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ نہ کوئی اس قسم کا حکم شریعت اسلامی میں ہے۔ اور نہ ہی اجازت ہے کہ تم آزاد آدمیوں کو زبردستی پکڑ کر یا اور طرح سے فروخت کر کے انکو غلام بنالیا کرو جس صورت میں غلاموں کے متعلق انکی آزادی اور نیک سلوک اور انکے نکاح اور انکی سزاؤں وغیرہ کے سب احکام موجود ہیں تو یہ نتیجہ بالکل صحیح ہے کہ اگر اسلام کے نزدیک فروخت وغیرہ کے ذریعہ غلام بنانا جائز ہوتا تو اسکے احکام بھی قرآن شریف میں ہونے چاہئیں تھے۔ اور اس قسم کے احکام کے نہ ہونے سے یہ صاف پایا جاتا ہے کہ اسلام کے نزدیک آزاد لوگوں کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔

پھر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر اسلام نے غلام بنانے کی اجازت نہیں دی تو پھر اس طریق سے روکا بھی نہیں۔ یہ عذر بھی غلط ہے۔ غلام کو آزاد کرنا یا آزاد کو غلام بنانا دو ایسے فعل ہیں جو ایک دوسرے کے بالمقابل پڑے ہوئے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کو اچھا سمجھتا ہو تو

ضرور ہے کہ وہ دوسرے کو برا سمجھے۔ اب ہر ایک طالب حق کو چاہئے کہ خود قرآن شریف کو پڑھکر دیکھ لے کہ ان میں سے کس فعل کو محمود قرار دیکر قرآن شریف نے اسکی ترغیب دی ہے۔ اگر قرآن کریم غلاموں کے آزاد کرنے کو اسقدر نیکی اور ثواب کا کام بیان نہ کرتا بلکہ معمولی طور پر یہی کہدیتا کہ غلاموں کو آزاد کردینا بھی جائز ہے تو بیشک یہ نتیجہ صحیح نہ ہوتا کہ اسکی تعلیم کی رو سے آزاد کو غلام بنانا برا فعل ہے مگر غلاموں کو آزاد کرنے کو اسلام نے ہر ایک مسلمان کا جسکے پاس غلام ہوں مذہبی فرض قرار دیا ہے اور اس فعل کو اعلیٰ درجہ کی نیکی اور ثواب کا کام قرار دیا ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آزاد کو غلام بنانا اسلام کے نزدیک ایک مذموم اور گناہ کا فعل ہے۔ اسبات کو اور صاف کرنیکے لئے میں اُن آیات کا حوالہ دونگا جنمیں غلاموں کے آزاد کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔

سب سے اول یہ حکم سورۃ البلد میں نازل ہوا ہے جہاں اللہ تعالیٰ انسان پر اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کرکے فرماتا ہے فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۔ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۔ یعنے ہم نے تو اسقدر نعمتیں انسان کو دے رکھی ہیں مگر پھر بھی وہ ویسا ناشکر گذار ہے کہ ایک دشوار گذار راہ کو طے نہیں کرتا۔ اور اس دشوار گذار راہ کا ظاہر کیا گیا ہے۔ غلام کو آزاد کرنا یا بھوک کے دن یتیم رشتہ دار یا محتاج خاک نشین کو کھانا کھلانا۔ اب اس بات کو چھوڑ کر کہ جو شخص باوجود مقدرت کے غلام کو آزاد نہیں کرتا یا اس حکم کے بموجب یتیم یا مسکین کو کھانا نہیں کھلاتا وہ خدا کے نزدیک کیسا سمجھا جاویگا۔ اتنی بات بالکل صاف ہے کہ جو شخص اس حکم کی صریح خلاف ورزی اسطرح کرتا ہے کہ آزاد کو غلام بناتا ہے۔ یا ایک محتاج اور یتیم کو بجائے کھانا کھلانے کے اسکا کھانا اس سے چھین کر اسکو بھوکا مارتا ہے وہ خدا کے نزدیک یقیناً بڑا گنہگار ہے۔ ایسا ہی سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقیقی نیکی جو انسان کو خدا کی نظر میں برگزیدہ بناتی ہے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر یقین کامل رکھتا ہو اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے اپنے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنیوالوں اور غلاموں کے آزاد کرنے کے لئے دے۔ اور نمازوں کو قائم رکھے۔ اور زکوٰۃ دے اور جب عہد کرے تو اس عہد کو پورا کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ان میں سے ایک حکم یعنے غلاموں کے آزاد کرنے کے عین اُلٹ اسطرح پر چلنا جائز ہے کہ آزاد کو غلام بنایا جائے تو اسکو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ باقی سب احکام کے اُلٹ چلنا بھی قرآن شریف کے نزدیک جائز ہے جنکو اسجگہ حقیقی نیکی کہکر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو مال دینے

کی بجائے انکا مال چھین لیا کرے۔ یا نماز کو قائم کرنے کی بجائے اوروں کو بھی اس سے روکے یا عہد کرکے عمداً عہد کو توڑا کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن شریف غلام کے آزاد کرنے کو گناہ کا کفارہ قرار دیتا ہے پس یہ خود ظاہر ہے کہ آزاد کو غلام بنالینا اسکے نزدیک گناہ ہے۔ اور پھر یہ تو حکم دیا گیا ہے کہ صدقات کے روپے کا ایک حصہ غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف ہونا چاہئے۔ مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ مسلمان گورنمنٹوں کو کچھ روپیہ باقاعدہ غلاموں کی خرید اور تجارت میں لگا رکھنا چاہئے۔

یہ تو قرآن شریف کے احکام ہیں۔ جب ہم حدیث کو دیکھتے ہیں تو اسمیں بھی ویسا ہی زور غلاموں کی آزادی پر دیا گیا ہے کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جسطرح جاہلیت کے زمانے میں یا دوسری قوموں کے اندر زبردستی پکڑ کر یا فروخت کے ذریعے غلام بنالئے جاتے تھے۔ اسی طرح اسلام میں بھی کسی آدمی کو غلام بنالیا گیا ہو۔ بلکہ ایک حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے منشا کے مطابق ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طریق سے مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قال اللہ ثلاثة انا خصمهم يوم القيمة رجل اعطى بي ثم غدر ورجل باع حرا فاكل ثمنه (وفي حديث عبد الله ابن عمر ورجل اعتبد محررا) ورجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره۔ یعنے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین قسم کے لوگ ہونگے جنکے ساتھ قیامت کے دن میں جھگڑوں گا۔ ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ کرتا ہے اور پھر اسے پورا نہیں کرتا۔ اور ایک وہ شخص جو ایک آزاد کو بیچتا ہے اور اسکی قیمت کھا جاتا ہے۔ (اور عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ وہ شخص جو آزاد کو غلام بناتا ہے) اور ایک وہ شخص جو ایک مزدور کو اجرت پر لگاتا ہے اور اس سے پوری محنت لیکر اسکی مزدوری اسکو نہیں دیتا۔ اس حدیث سے تائیدی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ آزاد کو غلام بنانا قرآن شریف نے جائز نہیں رکھا۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنے مذہب کو اس عجیب رنگ میں بیان کیا ہے کہ اپنی کتاب صحیح بخاری میں غلاموں کے متعلق جو باب باندھا ہے اسکا عنوان "باب العتق وفضلہ" رکھا ہے۔ یعنے غلاموں کے آزاد کرنے اور اسکی فضیلت کا بیان۔ اور کوئی باب ہی اس نے غلاموں کے متعلق نہیں باندھا۔ یہانتک کہ غلاموں کی خرید و فروخت کا بھی کوئی باب نہیں باندھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل۔ قرآن شریف اور حدیث کی تعلیم۔ اور بخاری کا مذہب۔ ان سے بڑھکر اور کونسی شہادت ہوسکتی ہے کہ اسلام کا اصلی مذہب

اور اسکی سچی تعلیم کیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ غلاموں کی آزادی کا حکم مکہ میں ہی نازل ہوا۔ اور اصلاح کے مختلف پہلوؤں میں سے غلاموں کے آزاد کرنیکا پہلو ایسا تھا جسکو اسلام نے ابتدا ہی میں اختیار کیا۔ یہ تو امر واقع ہے۔ مگر اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ جو ناجائز خرید و فروخت انسانوں کی بعض اسلامی ممالک میں آجکل ہو رہی ہے اُسکے موقوف کرنے کے لئے اسلام کے اصول سے الگ ہونا پڑتا ہے۔ گویا اسلام اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ غلاموں کو آزاد کیا جائے۔ ہر ایک شخص جو تحقیق کی نظر سے اس مسئلہ کو دیکھیگا وہ سمجھ سکتا ہے کہ مروجہ خرید و فروخت غلاموں کی ایسی ہی اصول اسلام کے خلاف ہے جیسا کہ آجکل مذہب کی آڑ کے نیچے غیر مذہب والوں کا قتل جسکا نام جہاد رکھا جاتا ہے یا جیسا کہ بعض مسلمانوں میں شراب خوری کا موجود ہونا۔ اسلام ان سب باتوں سے بیزار ہے۔

اسقدر بحث سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ جسقدر ذرائع انسانوں کو غلام بنانیکے اسوقت مروج تھے ان سب کو اسلام نے رد کردیا۔ اب صرف قیدیان جنگ کے متعلق کچھ کہنا باقی ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام کے جنگوں کا یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ لوگوں کو غلام بنایا جائے۔ نہیں۔ بلکہ اسلام کو جنگ ایک مجبوری کی حالت میں اختیار کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ اسکے جنگ صرف دفاعی تھے۔ یا ابتدائی خلفا کے زمانے میں بعض جنگ مذہبی آزادی کو قائم کرنیکے لئے کئے گئے۔ مکہ میں تیرہ سال تک مسلمانوں کو پاؤں کے نیچے روندا گیا اور وہ جگہ بجگہ پناہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر کار مدینہ منورہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ مگر انکے خونخوار دشمنوں نے انکو وہاں بھی امن سے بیٹھنے نہ دیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تند ہوکر اب انھوں نے اسلام کو بالکل نیست و نابود کرنیکے لئے تلوار ہاتھ میں لی۔ ان حالات کے باعث مسلمانوں کے لئے ضروری ہوا کہ اپنی حفاظت کی خاطر بالمقابل جنگ کے لئے نکلیں۔ چنانچہ پہلی مڈبھیڑ طرفین کی مقام بدر پر ہوئی۔ جو مدینہ سے تین دن کا سفر ہے۔ جمعیت کا یہ حال تھا کہ ایک مسلمان کے لئے تین کافر موجود تھے۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ مسلمانوں میں بہت سے نوعمر ناتجربہ کار نوجوان تھے۔ اور قریش کا لشکر بڑے آزمودہ کار اور تجربہ کار جنگی جوانوں کا تھا۔ جو ہر طرح سے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ اس ظاہر فرق کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو ان دو باتوں سے چارہ نہ تھا۔ کہ یا تو وہ انکے ساتھ جنگ کریں اور یا اپنی جانوں کو انکے حوالے کرکے قتل ہونا پسند کریں۔ اس مجبوری کی حالت میں یہ پہلا جنگ ہوا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق دشمن کی سب طاقتوں کو پامال کرکے مسلمانوں کو فتح دی۔ اسمیں کوئی ستر کے قریب عمائد

قریش مارے گئے۔ اور قریباً ستر قید میں آئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب قیدیان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ قیدی معمولی جنگ کے قیدیوں کیطرح نہ تھے جنکا قصور سوائے اسکے کچھ نہ ہو کہ وہ شریک جنگ ہوئے ہوں۔ نہ ہی صرف اسیقدر انکا قصور تھا کہ وہ مسلمانوں پر چڑھکر اسلیئے آئے تھے کہ انکو ہلاک کر ڈالیں اور انکا نام و نشان مٹا دیں۔ بلکہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں پر شدید ظلم اور بیرحمیاں کی تھیں۔ اور بہتوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہونچا کر ہلاک کیا تھا دنیا میں کوئی عدالت نہیں جو یہ فتوےٰ نہ دے کہ وہ سبکے سب قابل قتل تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہی خیال تھا اور انھوں نے یہی رائے پیش کی تھی کہ یہ سب قابل قتل ہیں۔ اور انکو قتل کرنا چاہیئے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے تھی کہ انکو فدیہ لیکر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور اسی کے مطابق اس موقعہ پر عمل بھی ہوا۔ یعنی سب فدیہ لیکر چھوڑ دئے گئے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نظیر قائم ہوئی اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے پر عمل کیا جاتا تو بہتر تھا کیونکہ آئندہ بہت سے فساد جو انہی لوگوں نے دوبارہ اُٹھائے رک جاتے۔ مگر جو عملدرآمد ہوا وہ یہی تھا کہ سب قیدیان جنگ رہا کر دئے گئے۔ مگر انکے غلام بنانے کے متعلق نہ کسی نے رائے ہی دی اور نہ کوئی ایسی تجویز ہی ہوئی۔

ابھی تک قرآن کریم کا وہ حکم نازل نہ ہوا تھا جسمیں قیدیان جنگ کا بالخصوص ذکر ہے۔ اور جسکو میں پہلے کسی دوسرے موقعہ پر نقل بھی کر چکا ہوں جو ان الفاظ میں ہے اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً یعنے جب جنگ ہولے تو جنکو تم نے اسیر کیا ہے اُن سے یہ سلوک ہونا چاہیئے کہ یا تو انکو احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے قیدیان جنگ کے متعلق ایک عام حکم دیا ہے جسپر اسلامی دنیا کو ہمیشہ کے لئے کاربند ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم یہ نہیں فرماتا۔ جیسا کہ اسکے حق کے چھپانے والے دشمن کہا کرتے ہیں کہ تم سب قیدیانِ جنگ کو فی الفور غلام بنالو بلکہ اسکی پاک تعلیم یہ ہے کہ انکو چھوڑ دو یا احسان رکھکر اور یا فدیہ لیکر۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس اعلیٰ درجہ کے قانون کو جو اسوقت کے مروجہ قانون کے بالکل خلاف ہے کوئی شخص بُرا کہہ سکے یا اسکے متعلق یہ کہہ سکے کہ یہ اب قابل عملدرآمد نہیں۔ وحی الٰہی نے جسقدر قوانین باندھے ہیں وہ ہر زمانے میں اور ہر ملک میں قابل عملدرآمد ہیں اور متعصب سے متعصب دشمن بھی انپر حملہ نہیں کر سکتا۔ اب معترضین پر لازم ہے کہ وہ اسکے خلاف کوئی اَور قانون جس میں بالخصوص قیدیان جنگ کا ذکر ہو قرآن کریم سے نکالکر دکھائیں۔ یہی سچا قانون اسلام نے سکھایا ہے۔ اور اس سے بہتر کوئی اَور قانون تجویز نہیں ہو سکتا۔

ہاں اسمیں شک نہیں کہ اس زمانہ کے بعض حالات کے رو سے اسلام کو کچھ اَور قسم کی مشکلات درپیش تھیں جو مقامی اور عارضی تھیں اور اسلیئے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکا علاج بھی مقامی اور عارضی ہی کیا۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ تھی کہ قیدیان جنگ کو یا بطور احسان چھوڑ دو اور یا کچھ فدیہ لیکر۔ کیونکہ ہر صورت میں بطور احسان ہی انکو چھوڑ دینا مصلحت ملکی کا تقاضا نہ تھا۔ مگر ہجگہ مشکل یہ تھی کہ بعض اوقات مفتوح قوم یا مفتوح ملک اپنے قیدیوں کی پروا نہ کر کے فدیہ ادا نہ کرتے۔ یہ اسلام کے لئے ایک بڑی مجبوری تھی کیونکہ اگر کل کے کل کو احسان رکھکر ہی چھوڑا جاتا تو جو مشکلات اسلام کی راہ میں تھیں انکا کبھی خاتمہ نہ ہوتا۔ یہ ایک عارضی ضرورت پیش آگئی تھی اور اسکا عارضی علاج اسلام نے اسی ملک اور اسی زمانہ کے مطابق حال کیا۔ ایسے قیدیوں کو بجائے گورنمنٹ پر بوجھ ڈالنے کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا جنکا یہ فرض تھا کہ انکو ایسی حالت میں رکھیں جس حالت میں وہ آپ رہتے تھے۔ یہ تو کوئی مخالف بھی نہیں کہیگا کہ وہ اپنی آزادی کو کھو نہ چکے تھے۔ کیونکہ آجکل بھی اسیرانِ جنگ کی آزادی تو چھین لیجاتی ہے حالانکہ لڑائیاں بھی اس قسم کی مجبوری کی نہیں جیسی اسلام کو پیش آئی تھیں۔ مگر آزادی لینے کے سوا مسلمان اُور ان اسیرانِ جنگ کو کوئی تکلیف نہ دیتے تھے۔ انکو باہر کھیتوں میں مزدوروں کی طرح کام کرنے نہ بھیجا جاتا تھا جس صورت میں کہ انکے آقا گھر میں آرام کر رہے ہوں اور نہ ہی طاقت سے زیادہ ان سے کام لیا جاتا تھا بلکہ ان رواجوں کو جو قدیم سوسائٹی میں مروج چلے آتے تھے اسلام نے بکلی موقوف کر دیا تھا۔ ہاں اسمیں بھی شک نہیں کہ انکو بیکار چھوڑ رکھنے بھی نہیں بنایا جاتا تھا۔ بلکہ کچھ کام بھی ان کو کرنا ہوتا تھا۔ پر وہ دوسرے گھر کے لوگوں ہی کیطرح ہوتے تھے اور اپنوں کا سا ہی ان سے سلوک بھی ہوتا تھا۔ اور یہ اختیار انکو ہر وقت حاصل تھا کہ فدیہ دے کر آزادی حاصل کر لیں۔

ایک اَور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ اصلاح جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع کی وہ تدریجی طور پر ترقی کرنیوالی اصلاح تھی اس نے ایک ایک کر کے تمام بدیوں کو انسانی سوسائٹی سے دور کیا۔ یہانتک کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی کے منقطع ہونے سے پہلے اس اصلاح کی ہر پہلو سے تکمیل ہو گئی۔ چونکہ اب ہر ایک معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہی کام کرتے تھے اسلیئے آپ کسی رواج یا کسی بات کو بدلاتے نہ تھے۔ جبتک وحی الٰہی کے ذریعہ انکو حکم نہ پہونچے۔ چنانچہ قرآن شریف اور حدیث کے پڑھنے سے یہ بات صاف روشن ہے۔ اب جیسا کہ میں پہلے دکھا چکا ہوں غلامی کے کل دیگر ذرائع کو تو اسلام نے ابتدا ہی میں روک دیا تھا مگر اسیران جنگ کے متعلق جو حکم خصوصیت سے نازل ہوا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اخیری حصہ

نازل ہوا۔ یہ حکم سورۂ محمد میں ہے اور یہ سورہ فتح مکہ کے قریب قریب نازل ہوئی۔ اب اس سے پہلے عام رواج کل قدیم اقوام کے اندر اسیران جنگ کے متعلق یہ تھا کہ وہ کل کے کل ہلاک کر دئے جاتے تھے یا غلام بنا لئے جاتے تھے۔ پس اگر وحی الٰہی نازل ہونے سے پہلے ہمارے نبی کریم اس مسلم رواج پر عمل بھی کرتے تو وہ عین حق پر ہوتے۔ مگر آپ نے اسوقت بھی عموماً بڑی ہی نرمی سے کام لیا۔ اُساریٰ بدر کے متعلق میں دکھا چکا ہوں کہ کسطرح سب کے سب فدیہ لیکر آزاد کر دئے گئے۔ حالانکہ انہی لوگوں نے پھر جنگوں میں مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ دئے۔ انہیں جنگوں میں سے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کرنی پڑیں صرف دو میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسیران جنگ کو غلام بنایا گیا۔ اور یہ دونوں موقعے وحی الٰہی کے نازل ہونے سے پہلے پیش آئے اور ان میں واسطہ بھی یہود سے پڑا۔ ایک موقعہ بنی قریظہ سے مدینہ میں اور دوسرے موقعہ پر خیبر کی جنگ میں۔ باقی تمام لڑائیوں پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اسیر بنائے بھی گئے تو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر انکو چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ کئی مثالیں اسکی پائی جاتی ہیں۔ ایک موقعہ پر چھ ہزار قیدیوں کو بغیر کسی فدیہ کے لینے کے چھوڑ دیا گیا۔ عربوں نے مسلمانوں پر اسقدر ظلم کئے تھے کہ مسلمانوں کو حق پہونچتا تھا کہ جب انپر غالب آئیں تو انکو قرار واقعی سزائیں دیں چاہیں قتل کریں چاہیں غلام بنائیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا بلکہ جب داؤ لگتا یا بس چلتا تو نہایت بیرحمی سے غریب مسلمانوں کو مار ڈالتے۔ ایک موقعہ پر دھوکا دیکر ستر صحابیوں کو ان ظالموں نے قتل کر ڈالا۔ حالانکہ انکو یہ کہکر ساتھ لیگئے تھے کہ ہم ان سے دین سیکھنا چاہتے ہیں لیکن جب آخر کار خدا نے محض اپنی تائید اور نصرت سے جو ہمیشہ وہ صادقوں کو عطا کرتا ہے مسلمانوں کو ان ظالموں پر غالب کیا تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جسکے وہ مستحق تھے۔ نہ ہی رواج کے مطابق ان سب کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا۔ بلکہ ایک ایسی فراخ حوصلگی اور جوانمردی کے ساتھ جسکی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی جب یہ لوگ قید ہو کر آپ کے پاس آتے تو آپ انکو فدیہ لیکر یا احسان رکھکر چھوڑ دیتے۔

لیکن دو جنگوں میں جو یہودیوں سے ہوئیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سلوک اسیران جنگ سے اور رنگ کا تھا۔ ان میں سے ایک موقعہ تو یہود بنی قریظہ کے ساتھ پیش آیا جنہوں نے دو دفعہ آپ کے ساتھ خطرناک طور پر دغا بازی کر کے کل کے کل مسلمانوں کو ہلاک کرنا چاہا۔ انکے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ جو دغابازی میں شامل تھے انکو قتل کیا گیا اور باقی کو جنمیں بچے اور عورتیں تھیں غلام بنایا گیا۔

اگرچہ غلام کا مفہوم اسلام میں قطعاً وہ نہیں جو دنیا کی دوسری قوموں میں تھا اور ہے۔ مگر یہ قصور بھی یہود کا اپنا تھا۔ اور خود انہوں نے اپنے لئے یہ سزا تجویز کی کیونکہ انھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو اپنے متعلق منظور نہ کیا۔ بلکہ کہا کہ جو سعد بن معاذ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمکو قبول ہوگا۔ چنانچہ انہی کے فیصلہ کے مطابق یہ سلوک بنی قریظہ سے ہوا۔

دوسرے موقعہ پر جب خیبر فتح ہوا تو اسوقت جو اسیران جنگ ہاتھ لگے۔ تھے انکو غلام بنایا گیا۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے فدیہ دینا چاہا ہو تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا ہو۔ بلکہ بعض نظیروں سے یہ شہادت ملتی ہے کہ جنکے فدیہ کا کوئی انتظام ہو سکتا تھا انکو فدیہ لیکر آزاد کر دیا گیا۔ علاوہ فدیہ کے ان اسیروں کی اور بھی بہت سی راہیں کھلی تھیں جنکو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں موقعوں پر اسیروں کو ایسے طور پر غلام بنایا ہوتا کہ وہ کبھی آزادی حاصل نہ کر سکیں تو ان میں سے کچھ غلام آخیر وقت تک آنحضرتؐ کے پاس یا ابو بکرؓ کے پاس بھی رہنے چاہئے تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اسیران جنگ کو بھی جو یہودیوں میں سے تھے جلدی بعد میں آزاد کر دیا گیا تھا۔

یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہودیوں کے ساتھ آنحضرتؐ نے سختی کی اور اپنی قوم کے ساتھ نرمی کی عرب اُمّی لوگ تھے اور انکے ہاتھ میں کوئی شریعت نہ تھی جسکی بنا وحی الٰہی پر ہو۔ مگر یہودیوں کے پاس ایسی شریعت تھی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی اپنی شریعت کے مطابق اُن سے سلوک کیا بلکہ اسجگہ بھی نرمی کا ہی پہلو اختیار کیا۔ یہودی شریعت کے مطابق دشمن کو معہ انکے بچوں کے اور عورتوں کے ہلاک کر ڈالنا چاہئے (دیکھو استثنا باب ۱۳۔ ۱۲ سے ۱۸۔ باب ۲۰۔ آیت ۱۶ و ۱۷۔ گنتی باب ۲۱۔ آیت ۳۔ قاضیوں باب ۱۔ آیت ۱۷۔ باب ۲۱۔ آیت ۱۰ سے ۱۲۔ یشوعا باب ۶۔ آیت ۲۴۔ ۲۔ سموئیل باب ۱۵۔ آیت ۳) وغیرہ اسی قانون کی ایک نرم صورت یہ تھی کہ مَردوں کو مار ڈالا جائے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے (دیکھو استثنا باب ۲۰۔ آیت ۱۰ سے ۱۴) اب سوچو کہ بنی قریظہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اُسکا الزام کس پر آتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر نہیں کیونکہ آپ نے اس قوم کی شرائط کو منظور کر کے سعد بن معاذ کے فیصلے کے مطابق اُن سے سلوک کیا جسے وہ خود حکم مان چکے تھے۔ نہ ہی سعد بن معاذ پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہودی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق فیصلہ دیا۔ بلکہ اگر کوئی الزام آسکتا ہے تو خود یہودی شریعت پر جنمیں اس سے بھی زیادہ سخت قانون موجود تھا۔

ایسا ہی خیبر کے یہودیوں کے ساتھ بھی انکی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق عمل کیا گیا۔ میں پوچھتا

ہوں کہ اس معاملہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کیا اعتراض ہے۔ آپ نے تو اسی شریعت کو مطابق اسنے سلوک کیا جسے یہودی اسوقت تک منسوخ ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور آپکی طبیعت کی نرمی اس سے ظاہر ہے کہ آپنے یہودی شریعت کے نرم سے نرم پہلو کو اختیار کیا۔ بلکہ اگر کچھ سختی اس سلوک میں سمجھی بھی جاوے تو اسکا ازالہ خود اسلامی شریعت سے ہوگیا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال اور تعلیم سے اپنے ساتھیوں پر یہی نیک اثر ڈالا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ تمام غلاموں کو آزاد کرتے جاویں۔ وہ متعصب عیسائی جنہوں نے یہ شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک فعل پر اعتراض کریں اور دنیا کی نظر میں آپکی باتوں کو قبیح کر کے دکھائیں۔ تعصب کی پٹی آنکھوں سے اُتار کر دیکھیں کہ ان دونوں موقعوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ بلکہ اگر کوئی اعتراض ہے تو اس کتاب پر جسکی اشاعت وہ خود دنیا میں کر رہے ہیں۔ یہودیوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا وجہ چڑہائی نہیں کی بلکہ خود اپنی دغابازیوں سے اُنھوں نے اپنے آپ کو مجرم بنایا۔ اور اس جرم کی سزا انکو انکی اپنی شریعت کے مطابق دیگئی۔

خدا کی شان ہے ان مجرموں کے وکلا آج وہ لوگ بن رہے ہیں جنہوں نے خود لاکھوں یہودیوں کو بیگناہ قتل کیا۔ اور ان پر طرح طرح کے مظالم کئے اور اب تک بھی کر رہے ہیں۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ شریعت اسلام کے اصول جو قرآن کریم میں مندرج ہیں عام اور وسیع اصول ہیں جو ہر زمانہ اور ہر ملک کی حالت کے مطابق ہیں۔ لیکن اگر کسی حکم کے وحی الٰہی میں نازل ہونے سے پہلے کوئی کام کیا گیا ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلطی ہے کہ یہی اسلام کا قانون ہے۔ ہر ایک امر کے متعلق دیکھنا یہ چاہئے کہ قرآن کریم اسبارے میں کیا حکم دیتا ہے۔ اور اس حکم کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا رہا ہے۔ مثلاً اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں میں بعض مثالیں شراب پینے کی پائی جاتی ہیں۔ مگر اُن سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اسلام شراب کی اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے اوپر بھی کہا ہے اسلام کی اصلاح تدریجی تھی۔ اور اصل حکم شراب کے متعلق وہ ہے جو قرآن کریم نے اسکی قطعی ممانعت کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔ ایسا ہی اسیران جنگ کے متعلق اسلامی شریعت کا حکم جو وحی الٰہی میں بیان فرمایا گیا ہے وہ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً ہے۔

اب اس بحث سے ناظرین یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے عملی طور پر غلامی کے تمام ذرائع کو روکدیا اور پُرانے غلاموں کی تدریجی آزادی کے لئے مختلف احکام نازل فرمائے۔ اسیران جنگ کے

متعلق حکم تو وہی تھا جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے مگر ایسی مجبوری کی حالتوں میں نہ وہ فدیہ دیں اور نہ ہی انکو احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت ہو۔ اسوقت کے رواج کے مطابق ان سے سلوک کیا جاتا تھا۔ پھر بھی وہ فدیہ دیکر ہر وقت آزادی حاصل کر سکتے تھے۔ اور علاوہ اسکے وہ مختلف راہیں جو اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے بتائی تھیں وہ سب بھی انکے لئے کھلی تھیں۔ علاوہ ازیں انکے ساتھ غلاموں کا سا سلوک بھی نہ ہوتا تھا۔ یعنے وہ اس قسم کے غلام نہ سمجھے جاتے تھے جیسے دوسری اقوام میں یا زمانہ جاہلیت کے عربوں میں۔ پس جس صورت میں اسلام نے غلامی کی کل راہوں کو روکدیا اور انکی تدریجی آزادی کے لئے کئی راہیں کھولدیں تو کوئی اعتراض اسلام پر باقی نہیں رہتا۔ باقی رہے جنگ اور اسیران جنگ۔ سو یہ کام ابتداءً اسلام نے شروع نہیں کیا۔ بلکہ خود انہی لوگوں نے اول طرح طرح کے دُکھ پہونچا کر آخر تلوار ہاتھ میں لیکر اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا۔ اس مجبوری کی حالت میں مسلمانوں کو بھی اپنی حفاظت کے لئے تلوار اُٹھانی پڑی۔ پس یہ لوگ تو خود آزادی کے حق کو کھو چکے تھے۔ مگر انکے ساتھ بھی اسلام کا سلوک نہایت محسنانہ تھا۔ اور باوجود اسکے کہ ان لوگوں نے ہر طرح سے اپنے آپکو قتل اور غلامی کا مستحق بنا دیا تھا پھر بھی شریعت اسلام نے انکی آزادی کا ہی حکم دیا۔ صرف استثنائی صورتوں میں بعض وقت جب ان لوگوں نے فدیہ دینے سے بھی انکار کیا تو پھر مسلمانوں کے لئے مجبوری تھی کہ وہ انکو غلام بنائے۔

یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کو پاس کثرت سے غلام تھے۔ اسکی تردید تو یہی کافی ہے کہ انکے پیشوا اور رہبر کے پاس ایک غلام بھی نہ تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ قبل از اسلام امرا کے پاس غلاموں کی بڑی بڑی تعداد تھی۔ مگر اسلام لانے کے بعد اُنھوں نے اپنے پیارے نبی کے نقش قدم پر چلکر کثرت سے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ غزوۂ احزاب کے متعلق ایک حدیث لکھتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اتفاقاً یہ ذکر کیا ہے کہ مہاجرین اور انصار کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے وہ مزدوری کا کام لے سکتے۔ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْخَنْدَقِ فَاِذَا الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ يَحْفِرُوْنَ فِيْ غَدَاةٍ بَارِدَةٍ فَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ عَبِيْدٌ يَعْمَلُوْنَ ذٰلِكَ لَهُمْ۔ یعنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب خندق کیطرف نکلے تو آپ کے صحابہ یعنی مہاجرین اور انصار ٹھنڈی صبح کے وقت خندق کھود رہے تھے اور انکے پاس غلام نہ تھے جو انکے لئے یہ کام کرتے۔ یعنے اصحابہ کو

جسمیں صحابہ کے حالات لکھے ہیں اس غرض کے لئے پڑھنا شروع کیا تھا کہ ان میں کسقدر غلام تھے۔ مگر افسوس ہے کہ کم فرصتی کی وجہ سے اس کام کو پورا نہ کرسکا ۱۲۳۴ صحابہ کے جینے حالات پڑھے ہیں۔ ان میں ایک بھی غلام کا ذکر نہیں۔ ہاں تیرہ ایسے آدمیوں کا ذکر ہے جو پہلے غلام تھے اور پھر آزاد کردئے گئے۔

لونڈیوں کے متعلق احکام

عیسائیوں نے تعدد ازدواج سے نیچے اترکر اسلام پر ہمیشہ یہ اعتراض کیا ہے کہ گویا اس مقدس مذہب کے رو سے لونڈیوں کے نام سے جتنی عورتیں کوئی چاہے گھر میں ڈال سکتا ہے چنانچہ سیل جو میور کے بعد اسلامی امور پر رائے دینے کے لئے تعلیم یافتہ عیسائیوں میں بڑا معتبر سمجھا جاتا ہے اپنے اس مضمون میں جو اسلام پر اس نے کرسچین کالج میگزین مدراس میں لکھا ہے کہتا ہے کہ "تعدد ازدواج نے بھی سخت تر غلطی جو اسلام نے کی وہ یہ تھی کہ اس مذہب نے یہ اجازت دی کہ لونڈیوں کے نام سے جتنی عورتیں کوئی چاہے گھر میں ڈال لے۔ اسکے جواب میں بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی ممالک میں دوسرے ممالک سے زنا بہت کم پایا جاتا ہے۔ مگر لونڈیوں کے متعلق جو کھلی اجازت دیگئی ہے کہ جس سے چاہے وطی کرلے۔ اسمیں اور رنڈی بازی میں کچھ بھی فرق نہیں۔ اور جہاں یورپ کے عام مذہب نے رنڈی بازی کو سخت منع کیا ہے مذہب اسلام نے لونڈیوں سے وطی کو جائز رکھا ہے"۔

قبل اسکے کہ میں اصل اصول اسلام پر بحث کروں میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس عبارت میں پادری صاحب نے کسقدر جھوٹ سے کام لیا ہے۔ اس تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ جس طور سے اسلام نے لونڈیوں کے ساتھ وطی کو جائز رکھا ہے اسمیں اور رنڈی بازی میں کچھ فرق نہیں اور کہ عیسائی ممالک اس قسم کی برائیوں یعنے کسبیوں وغیرہ سے پاک ہیں اور جس طریق پر یہودیوں کے درمیان لونڈیوں سے بیوی کا سا تعلق رکھنا جائز تھا اسکو عیسائیت نے منع کردیا۔ یہ آخری نتیجہ اگرچہ بصراحت الفاظ میں موجود نہ ہوگا مگر اسلام پر لونڈیوں کے احکام کے متعلق حملہ کرنے سے معترض اپنے مذہب کو لازماً اس سے خالی قرار دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص اناجیل کے لفظ لفظ کو پڑھ ڈالے تو وہ پادری صاحبان کی اس جرأت سے حیران ہوگا۔ کہ جس صورت میں یہودی شریعت میں یہ رواج چلا آتا تھا اور انجیلوں میں

اسکی ممانعت کا اشارہ تک بھی نہیں تو پھر اس بنا پر اسلام پر اعتراض کرنا کسقدر حماقت کا کام ہے اصل بات یہ ہے کہ یہودی شریعت کے اندر لونڈی کو بطور بیوی کے رکھنا تعدد ازدواج کی ایک صورت تھی اور ان دونو امور میں عیسائی مذہب ہرگز مانع نہیں ہوا بلکہ لوتھر کے زمانے میں یعنے عیسائی مذہب کی پیدائش کے تیرہ چودہ سو سال بعد بھی جب اسکے سامنے تعدد ازدواج کے سوال کو پیش کیا گیا تو اس نے یہی جواب دیا کہ انجیلوں سے تعدد ازدواج کی ممانعت معلوم نہیں ہوتی۔ ایسا ہی غلامی کو بھی حضرت مسیح نے کبھی نہیں روکا بلکہ ایک لفظ بھی اسکے خلاف نہیں کہا۔ اور یہ رواج بھی اسکے پیرؤوں میں ہمیشہ چلا آیا۔ بلکہ اس امر کی بھی کھلی کھلی شہادت ملتی ہے کہ لونڈیوں کو بطور بیوی کے گھر میں ڈال لینا عیسائیوں میں بھی مروج رہا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لونڈیوں پر مضمون لکھتے ہوئے عیسائی مضمون نویس لکھتا ہے کہ "پوپوں کے خطوط کے بعض فقرات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعلقات کی انھوں نے اجازت بھی دی تھی"۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف عیسائیوں میں اس امر کا رواج ہی رہا بلکہ انکے مقدس پوپوں نے بھی اسکو جائز قرار دیا اور ایسا کرنیکی اجازت دی۔ اور پھر وہی مضمون نویس کہتا ہے کہ "ٹولیڈو کی کونسل اول کا (جو ۴۰۰ء عیسوی میں ہوئی) قاعدہ ہفدہم یہ ہے کہ جو شخص ایک پاکدامن بیوی کی موجودگی میں لونڈی کو گھر میں ڈال لیتا ہے اسکو خارج کیا جائیگا۔ لیکن اگر وہ لونڈی بیوی کیطرح اسکی خدمت کرے اور ایک ہی عورت جسکو لونڈی کہا جاتا ہے اسکے پاس ہو تو پھر اسکو خارج نہیں کیا جائیگا۔ یہ طریق صرف عوام الناس کے لئے ہی جائز نہ تھا بلکہ چھوٹے درجہ کے پادری جنکو نکاح کرنے کی اجازت تھی انکو بھی اسی طرح لونڈی گھر میں ڈال لینے کی اجازت تھی۔ اسکے بعد جو کونسلیں ہوئیں انھوں نے لونڈی کا نام ان بدکار عورتوں پر بھی بولا ہے جو گھر میں نہیں رکھی جاتی تھیں"۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ صورت جسکا ذکر اخیر میں اس عبارت میں کیا گیا ہے بالکل کسبیوں کی سی ہے۔ اور شاید پادری سیل صاحب کو اپنے بزرگوں کی اس غلطی سے ہی غلطی لگی ہو کہ انھوں نے اسلامی لونڈیوں کو کسبیاں قرار دیا۔ مگر پادری صاحب مطمئن رہیں کہ اسلام اس قسم کی تمام بدکاریوں پر لعنت بھیجتا ہے اور انکے لئے سخت سے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ ہاں اسبات کا جواب انکو دینا چاہئے کہ وہ تو عیسائیت میں لونڈیوں کے ہونے سے صاف انکار کرتے ہیں اور یہاں عیسائی کونسلیں (یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہی کونسلیں ہیں جنھوں نے تثلیث وغیرہ کے عقائد باطلہ گھڑ کر رائج کئے) نہ صرف لونڈیوں کے گھر میں ڈالنے کی ہی اجازت دیتی ہیں بلکہ جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا کے اس

بیان سے پایا جاتا ہے۔ ان فاحشہ عورتوں سے بھی تعلقات رکھنے کی اجازت دیتی ہیں جو گھر میں نہیں رکھی جاتی تھیں۔

دوسرا امر جس پر پادری صاحب نے بہت زور دیا ہے یہ ہے کہ کم از کم کسبیوں کی عیسائی مذہب نے سخت ممانعت کی ہے۔

جب ہم بائبل کو پڑھتے ہیں تو اس میں اس ممانعت کا ذکر صریح الفاظ میں بجائے اناجیل کے جو عیسائی مذہب کی خاص کتابیں ہیں احبار $\frac{19}{29}$ اور استثنا $\frac{23}{17}$ میں پاتے ہیں۔ اناجیل میں اگر کچھ کسبیوں اور فاحشہ عورتوں کا ذکر ہے تو صرف اتنا ہے کہ کسبیاں اور فاحشہ عورتیں یہودی علماء سے پہلے خدا کی سلطنت میں داخل ہونگی۔ کیا پادری صاحب کے نزدیک یہی کسبیوں کے پیشہ کی ممانعت ہے؟ کہ انکو فقیہوں اور فریسیوں پر ترجیح دیکر اور بھی دلیر کیا گیا ہے۔ مگر اس بات کو تسلیم کرکر کہ حضرت مسیح نے اس بدکاری کی ممانعت ضرور کی ہوگی کیونکہ جسقدر انبیاء دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں ان سب نے زنا کو سب سے بڑی بدکاری سمجھا ہے۔ اور اس سے لوگوں کو روکا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب نے کون کونسی کوشش اس بدکاری کو روکنے یا دنیا سے دور کرنیکے لئے کی۔ اور اس سے بھی بڑھکر ضروری سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا اسبارے میں کیسا عملدرآمد رہا۔ ان دونو سوالوں کا جواب میں وہی نقل کرتا ہوں جو عیسائی صاحبان نے دیا ہے۔

امر اول کے متعلق انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں لکھا ہے "مگر کلیسیا نے کسبیوں پر کبھی سختی نہیں کی اور توبہ کرلینے پر انکو داخل کرلیا جاتا تھا۔ اور بعض عیسائی بزرگوں نے کسبیوں کے پیشہ کو بدی سمجھکر صریح الفاظ میں اسکی ضرورت کو بھی تسلیم کیا ہے۔ (یہ الفاظ قابل غور ہیں) انہی میں سینٹ آگسٹین بھی تھا جس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اسکے روکنے سے بدکاری کی اس سے زیادہ تباہ کن راہیں پیدا ہو جائینگی اس آزادی خیال نے تدریجاً بیہمانہ رنگ پکڑنا شروع کردیا (یعنے اول اول تو کسبیوں سے صرف درگذر کیجاتی تھی پھر اس سے ترقی کرکے وہی لوگ خود ان کسبیوں کے مربی بنگئے) درمیانی زمانوں سے پہلے ہی کلیسیا کے رواج اور قواعد اور اسکے عہدیدار اور پادری زناکاری کے لئے ضرب المثل بنگئے (افسوس ہے کہ پادری صاحبان کفارہ کے فوائد بیان کرتے وقت ان شہادتوں کو بھول جاتے ہیں) شارل مین نے اس ابتری کی حالت کو روکنا چاہا اور کوشش کی مگر اسکی اپنی زندگی اوباشانہ اور بدکاری کی تھی اسلئے اسکے احکام جنکے رو سے کسبیوں اور کٹنیوں کو کوڑے لگائے جانیکا حکم تھا اخلاقی وجوہ پر مبنی نہ تھے"۔

میں اس امر سے بکلی انکار نہیں کرتا کہ عیسائی مذہب نے کوئی کوشش کسبیوں کی بدکاری کے دور کرنیکی کی ہو مگر جو کوشش کیگئی اسمیں یا تو شارل مین کی کوشش کیطرح خود کوشش کرنیوالوں کی اپنی اخلاقی حالت ایسی گری ہوئی تھی کہ اسکا کوئی نیک اثر نہ ہوسکتا تھا اور یا کوششیں بہت کمزور اور کسبی اصول حکمت پر مبنی نہ تھیں اور اسی لئے کبھی بھی انکا نتیجہ نیک نہیں ہوا۔ چنانچہ وہی مصنف جسکے اقوال اوپر نقل کئے گئے ہیں لکھتا ہے " باوجود ایسی کوششوں کے اور باوجود کبھی کبھی کسی کسی بادشاہ کی سختی کے کسبیوں کا پیشہ درمیانی زمانہ میں ہر جگہ غلبہ پکڑتا گیا۔ صرف یہی نہ تھا کہ اسکی برداشت کیجاتی ہو یا اس سے اغماض کیا جاتا ہو بلکہ اسکے لئے لائسنس یعنے پروانے دئے جاتے تھے اور قانون میں اسکے قواعد منضبط کئے گئے تھے۔ لندن میں چکلوں کا ایک بازار تھا۔ جنکا لائسنس سب سے پہلے ونچسٹر کے لاٹ پادری نے دیا تھا اور بعد میں پارلیمنٹ اسکی منظوری دیتی رہی۔ یورپ کے دیگر ممالک میں اس زمانہ میں یہی حالت تھی۔ کسبیوں کی حفاظت کیجاتی تھی اور اس پیشہ کے لئے قواعد قانونا تجویز کئے جاتے تھے۔ اور بہت سی حالتوں میں ملکی آمدنی کا یہ ایک ذریعہ تھا"۔

یہ تو عیسائی ممالک کی حالت گذشتہ زمانہ میں تھی۔ اس زمانہ میں بھی یہ پیشہ رو بہ تنزل نہیں بلکہ دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ فرانس میں فوجداری قانون کسبیوں پر گرفت نہیں کرتا۔ جرمنی میں کسبی کا پیشہ کرنیکی ممانعت نہیں لیکن جو عورت بغیر اپنا نام رجسٹر کرانیکے ایسا پیشہ اختیار کرے وہ گرفتار ہوسکتی ہے آسٹریا کے قانون کے رو سے اس پیشہ کی ممانعت ہے مگر پولیس کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بعض شرائط کے نیچے اسکی اجازت دیدیا کریں۔ انگریزی قانون اس پیشہ کو مضر عام سمجھتا ہے مگر قانون کی کوئی پروا نہیں کیجاتی اور نہ ہی کوئی بازپرس ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی مضمون میں جسکا حوالہ انسائیکلوپیڈیا سے اوپر دیا گیا ہے لکھا ہے کہ " انگریزی قانون کے نیچے عام بازار صاف رکھے جاسکتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بعض وقت قصبات میں سرگرم پولیس کی کوشش سے ایسا ہوتا بھی ہے۔ مگر لندن میں کسبیوں کی تعداد اسقدر بڑھی ہوئی ہے کہ پولیس اپنی ساری طاقت کو خرچ کرکے بھی انکا مقابلہ کرنیکو بالکل ناقابل ہے۔ بڑے بڑے بازاروں اور عام مجمعوں کی جگہوں میں عین دن کے وقت کسبیوں کی بڑی بڑی تعداد موجود رہتی ہے۔ اور رات کے وقت تو گویا راستے ان سے بند ہی ہوتے ہیں۔ نہ ہی دوسرے بلاد یورپ میں قانون کی کچھ پروا کیجاتی ہے صرف فرق اسقدر ہے کہ یہاں کھلم کھلا کسبیاں پھرتی ہیں وہاں ظاہر بدکاری اتنی نظر نہیں آتی مگر چکلوں کی تعداد بہت ہی زیادہ بڑھی ہوئی ہے"۔ ہر جگہ پولیس اس امر کی شاکی ہے کہ پوشیدہ طور پر کسبیوں کا پیشہ اسقدر ترقی پکڑ گیا ہے جسکو وہ کسیطرح

ضبط کے نیچے نہیں لا سکتے اور دن بدن جیسے جیسے یہ خفیہ بدکاری بڑھتی جاتی ہے اسیقدر ان کسبیوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے جنکے نام سرکاری رجسٹروں میں موجود ہیں"۔ اس کثرت بدکاری کو دیکھکر تمام مدبر حیران بلکہ مایوس ہو رہے ہیں چنانچہ انسائیکلوپیڈیا میں اخیر پر یہ نتیجہ نکالا گیا ہو "کوئی ایسے واقعات موجود نہیں جنکی بنا پر مغربی ممالک کی بدکاری کا مقابلہ دوسرے ممالک سے یا پہلے زمانوں سے ہو سکے۔ لیکن وہ ناقابل ذکر واقعات جو ہمیشہ پولیس کے علم میں آتے رہتے ہیں اسبات کو ایسا یقینی طور پر ثابت کرتے ہیں جسمیں شک کی کچھ بھی گنجائش نہیں۔ کہ موجودہ تہذیب کے بڑے بڑے مرکز اپنی بدکاری میں ان مشہور بدکاری کے مرکزوں یعنے کارنتھ یا روما یا قدیم مصر یا موجودہ چین سے کسیطرح کم نہیں۔ وہ پرانی بدکاری کے نقشے جو کھنڈرات سے نکلتے ہیں اور عجائب گھروں میں رکھے جاتے ہیں اُن سے کسی درجہ بڑھکر بدکاری کی وہ تصویریں ہیں جو آج پیرس یا امسٹرڈم میں کھینچی جاتی ہیں ممکن ہے کہ یہ بدکاری کی خطرناک ترقی صرف عارضی ہو مگر یہ وہی صورت ہے جس نے پہلے بھی بڑی بڑی قوموں کو تباہ کیا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ کسبیوں کا پیشہ دن بدن خطرناک ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس ترقی کا اثر ابھی سے اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ مغربی اقوام پر پڑنا شروع ہو گیا ہے۔ کیونکہ نکاحوں اور پیدائشوں کی تعداد دن بدن گھٹ رہی ہے"۔

یورپ میں سیاہ کاری کی یہ خطرناک تصویر صرف عیسائیت کی ناجائز تعریف کا جواب ہی نہیں بلکہ پادری سیل نے جو بہتان آمیز حملہ اسلام پر کیا ہے اسکا بھی جواب ہے۔ پادری صاحب یا تو عیسائیت کی تعلیم پر حصر کریں یا عیسائی صاحبان کے عمل پر۔ مگر یہ نہ کریں کہ جہاں مطلب کی بات ہوئی وہی پہلو اختیار کر لیا۔ تعدد ازدواج اور لونڈیوں کے متعلق تو آپ جھٹ سے عیسائی اقوام کا عمل دکھا دیتے ہیں۔ اور رنڈی بازی اور زناکاری کی بابت عیسائیت کی تعلیم پیش کر دیتے ہیں۔ یہ انصاف اور ایمانداری نہیں۔ ایک پہلو جو چاہیں اختیار کر لیں۔ اگر وہ کسبیوں اور زناکاری کے ذکر کے وقت عیسائیوں کے عمل سے بیزاری ظاہر کر کے عیسائیت کی اصل تعلیم کیطرف رجوع کرنا چاہتے ہیں تو تعدد ازدواج اور لونڈیوں کے احکام کے ذکر کے وقت بھی اپنی بحث کا انحصار مذہب عیسوی کی تعلیم پر ہی رکھیں جسکے رُو سے انہیں ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح کے مُنہ سے جو وہی اصل عیسائی تعلیم ہے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جسمیں تعدد ازدواج کی ممانعت ہو۔ یا یہودیوں کے اس رواج کا انکار ہو جو لونڈیوں کے متعلق انکے درمیان پشتوں سے چلا آتا تھا۔ پادری صاحب ایمان سے بتا دیں کہ کیا یہ چالبازی نہیں کہ جدہر سے مطلب نکلتا دیکھا اُدہر کا پہلو ہی بدل لیا؟

اب اصل بات یہ ہے کہ بدکاری اور رنڈی بازی کی ترقی تعدد ازدواج کی ممانعت سے ہی شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر یہ سچی بات ہے کہ ابتدائی عیسائی سوسائٹی میں کسبیاں نہ ہوتی تھیں تو اس سے بھی بڑھکر یہ امر حق ہے کہ اس ابتدائی سوسائٹی میں تعدد ازدواج کی بھی ممانعت نہ تھی بلکہ اسپر عمل بھی ہوتا تھا۔ پھر جوں جوں تعدد ازدواج کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ویسے ہی بدکاری ترقی کرنے لگی۔ عیسائی صاحبان عموماً یہ بھی کہدیا کرتے ہیں کہ کسبیوں کے پیدا ہونے اور ترقی کی وجہ افلاس ہے۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیا سب سے بڑھکر افلاس یورپین اقوام کے اندر ہی آگیا؟ جو ان میں کسبیوں کی خطرناک ترقی ہو گئی۔ اور پھر کیا دن بدن افلاس بڑھ رہا ہو جو یہ بدی ترقی کر رہی ہے؟ یہ بات ہرگز نہیں۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ "بڑی بڑی اقوام کے اندر کسبیوں کا وجود انسانی سوسائٹی سے غیر منفک ہو۔ موجودہ تہذیب کو تمدنی اور انتظامی ذرائع میں سے کوئی بھی ایسا ذریعہ ثابت نہیں ہوا جو اسکو روک سکے۔ کیونکہ وہ اصلی قوانین جنکی وجہ سے یہ بدکاری پھیل رہی ہے۔ ان انسانی تجویز کردہ قواعد سے جو اخلاقی تعلیم یا وضعی معیار (یعنے پاکیزگی کے معیار) یا مجالس واضع قوانین تجویز کرتی ہیں۔ بہت زیادہ زبردست ہیں۔ اور جب کبھی اس بدکاری کے روکنے کی کوشش کیجاتی ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اور راہ سے پھوٹ نکلتی ہے۔ اصل بات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ صرف وہ واقعات ایک وقت کے لئے کوئی اور پہلو اختیار کر لیتے ہیں۔ غرضیکہ باوجود سب قسم کے علاجوں کے یہ بیماری دور نہیں ہوئی۔ اور اگرچہ اسکا وجود قومی قوت کے ساتھ بھی رہ سکتا ہے مگر اسکا حد سے زیادہ بڑھ جانا اسبات کی علامت ہو کہ تہذیب کو اندر سے کیڑا لگا ہوا ہے اور وہ تنزل کی حالت میں ہے"۔

یہ بات کہ ہر ایک قوم کے درمیان کسبیوں کے وجود کا ہونا ضروری ہے بغیر استثناء کے صحیح نہیں۔ اور میں وہ واقعات دکھا سکتا ہوں جنکی بنا پر میں یہ کہتا ہوں۔ بلکہ اگر عام نظر سے بھی اس دعوے کو دیکھا جائے کہ یہ ایسی بیماری ہے جسکا کوئی علاج ہی نہیں تو اسکا باطل ہونا اظہر من الشمس ہے۔ ایسا اعتقاد رکھکر کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بدکاری کا کوئی علاج ہی پیدا نہیں کیا ہم اسکی طاقت اور قدرت اور احسانوں کا انکار کرنے والے ہونگے۔ کیا ہی پاک لفظ ہیں جو اُس پاک انسان کے منہ سے نکلے جس نے اللہ تعالےٰ کے حسن و احسان کو سب سے بڑھکر دیکھ لیا تھا۔ مَا مِنْ دَاءٍ اِلَّا وَلَهٗ دَوَاءٌ یعنے کوئی ایسی بیماری نہیں جسکی اللہ تعالیٰ نے دوا پیدا نہ کی ہو۔ بیماریوں میں نہ صرف جسمانی بیماریاں ہی شامل ہیں بلکہ یہ لفظ اخلاقی اور روحانی امراض

پر بھی حاوی ہے۔ اور یہ صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے۔ بلکہ آپ نے اپنے اس دعوی کی سچائی کو ثابت کرکے دکھا دیا۔ اسطرح پر کہ وہ بدکاریاں اور روحانی اور اخلاقی بیماریاں جو عربوں کا گویا جزو خون بن چکی تھیں۔ کیونکہ پشتوں سے وہ انکے عادی چلے آتے تھے۔ ان تمام کو آپ نے جڑ سے اکھاڑ کر جزیرہ نما عرب کو بالکل ان سے پاک کر دیا۔ ایک قمار باز کا قمار بازی سے رکنا یا ایک شراب خور کو شراب سے باز رکھنا یا ایک زانی کو زنا سے چھڑا دینا کسقدر مشکل کام ہے۔ مگر اس انسان کامل کی توجہ نے شراب خوری زناکاری اور قماربازی جیسی بدیوں کو نیست و نابود کرکے دکھا دیا اور نہ صرف اپنے صحابہ میں ہی انکو دور کیا بلکہ ایک دراز زمانہ تک مسلمان سوسائٹی کو ان سے پاک کر دیا۔ پس اسلامی سوسائٹی وہ سوسائٹی ہے جو ایک دراز عرصہ تک کسبیوں کی موجودگی سے بالکل پاک رہی حالانکہ یہ ایک بڑی بھاری قوم اور اس زمانے میں اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ قوم تھی۔ اور اسلامی علاج ہی وہ علاج ہے جو اس بدی کو دور کر سکتا ہے جسکے دور کرنے میں تمام انسانی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ کاش کہ عیسائی صاحبان میں سے کوئی ایسے وسیع خیال کے انسان بھی ہوں جو تعصب مذہبی کے تنگ دائرہ سے نکلکر ان امور پر غور کریں کہ آیا یہ حق نہیں؟

لونڈیوں سے نکاح جسکو عموماً لونڈیوں کو گھر میں ڈال لینے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے نکاح کی ایک خاص صورت تھی جو اسوقت کی سوسائٹی میں بلحاظ غلامی کے رواج کے بعض اوقات ضروری ہوتا تھا۔ جیسا کہ پہلے حصص مضمون غلامی میں دکھایا جا چکا ہے۔ اسلام کا منشا تدریجی طور پر غلاموں کو آزاد کرنیکا تھا۔ اور اسکی تعلیم کا میلان آخرکار غلامی کے قطعاً دور کرنیکا تھا۔ اگر مسلمان سوسائٹی کے بعد کے حالات نے اس میلان کو ترقی نہ کرنے دی تو یہ اعتراض اصول اسلام پر نہیں یہ ایک امر بیشک صاف ہے کہ چونکہ اس زمانے میں شریعت اسلام کے رو سے غلام لونڈیاں بنائی نہیں جا سکتیں۔ اور خرید و فروخت کے ذریعہ یا زبردستی پکڑ کر غلام بنا لینے کے حق کی شریعت اسلامی مانع ہے اسلئے موجودہ رسم لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کی بھی شریعت کے رو سے درست نہیں کیونکہ شرعی معنوں میں وہ لونڈیاں لونڈیاں ہی نہیں۔ یہ امر کہ لونڈیوں کے متعلق شریعت اسلامی کا کیا حکم تھا اور وہ موجودہ رواج سے الگ تھا یا نہیں۔ میں ابھی دکھاؤنگا مگر اسجگہ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رواج لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کا جو آجکل بعض اسلامی ممالک میں درست سمجھا گیا ہے اگرچہ وہ قطعی نکاح کی رسم ادا نہ بھی ہو تو بھی نکاح کی ہی ایک صورت ہے اور کسبیوں کی حالت یا زنا سے ایسا ہی الگ ہے جیسا کہ خود رواج نکاح۔ پادری ہیل صاحب نے اس رواج کو

کسبیوں کے پیشہ کے برابر ٹھہرایا ہے اور اگر اس نے عمداً حق کو نہیں چھپایا تو کم از کم اس میں سخت غلطی کھائی ہے۔ کسبیاں وہ عورتیں ہیں جنکا پیشہ یہ ہو کہ جو شخص کچھ معاوضہ انہیں دیدے اسی سے ارتکاب زنا کریں۔ مگر لونڈی کو گھر میں ڈال لینے سے یہ منشاء ہے کہ آقا اسکو بطور بیوی کے رکھے بلحاظ حیثیت کے نہیں بلکہ بلحاظ تعلقات زن وشوی کے۔ لونڈی اپنے آقا کی جورو کیطرح ہوتی ہے اور آقا اس لونڈی کا خاوند ہوتا ہے۔ یہ کسقدر بیحیائی ہے کہ ایسی لونڈیوں کو کسبیاں کہا جائے۔ کیا وہ بازار میں بیٹھتی ہے یا سوائے اپنے آقا کے جو اسکا خاوند ہوتا ہے کسی اور سے ہمبستری کرتی ہے یا کسی سے کچھ معاوضہ لیتی ہے۔ پھر یہ کسقدر جرأت ہے کہ ایک ایسے رواج کو جو بعینہ نکاح کے مطابق ہے خواہ اسمیں رسم نکاح نہ بھی ادا ہوئی ہو کسبیوں کے پیشہ کے برابر بنایا جائے۔ نہ ہی اسطرح لونڈی کو گھر میں ڈال لینے کو زنا ہی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایک شخص جو مثلاً ایک بیوی کے ہوتے ہوئے ایک لونڈی کو گھر میں ڈال لیتا ہے وہ گویا دو بیویاں رکھتا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ زنا کی اولاد یا کسبیوں کی اولاد اپنے باپ کی کبھی وارث نہیں سمجھی گئی۔ مگر جو رواج لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کا ہے اسکے رو سے بعینہ ان لونڈیوں کی اولاد جو آقا سے پیدا ہوتی ہے وہ آقا کی صحیح اور جائز اولاد سمجھی جاتی ہے اور اسکی جائز وارث ہوتی ہے بعینہ اسیطرح جسطرح نکاح کی اولاد وارث ہوتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لونڈی کو بطور بیوی کے گھر میں رکھا گیا ہے ورنہ اسکی اولاد کو وہ حقوق کیونکر مل سکتے تھے جو ایک بیوی کی اولاد کو ملتے ہیں۔ ایسا ہی ایسی لونڈی کا سوائے اپنے آقا یعنی خاوند کے کسی دوسرے سے ہمبستر ہونا قانوناً زنا سمجھا جاتا ہے۔ پس ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بطور بیوی کے گھر میں رہتی ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف حیثیت کا ہے کہ وہ آزاد بیوی کے برابر حیثیت نہیں رکھتی۔ پس اگر ایسے تعلقات پر کوئی اعتراض آسکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ نکاح کی ایک ادنیٰ صورت ہے جسمیں عورت کو برابری کے حقوق نہیں دئے گئے۔ اور رسم نکاح اس طرز پر ادا نہیں ہوئی جس طرز پر آزاد عورتوں کی رسم نکاح ادا ہوتی ہے۔ مگر زنا یا کسبیوں کے پیشہ کے یہ رواج ایسا ہی مخالف ہے جیسا کہ رواج نکاح بلکہ یورپ کے مہذب ممالک میں جو یہ رواج چلا آتا ہے کہ خاوند کا جب جی چاہے تو علاوہ منکوحہ بیوی کے ایک یا دو یا جسقدر چاہے معشوقہ بھی رکھ لے خصوصاً انگلستان میں تو یہ بہت ہی آسان امر ہے کیونکہ صرف زنا قانون انگلستان کے رو سے نہ فوجداری جرم ہے اور نہ ہی خالی خاوند کی زنا کی وجہ سے بی بی طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ یہ مہذب رواج بھی جسکی کوئی حد بندی نہیں زنا کی

تعریف میں ہی آتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ اسکی روک کوئی نہیں مگر ایسے تعلقات کی اولاد جائز اولاد نہیں سمجھی جاتی۔ لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کو ان تمام باتوں سے کوئی نسبت نہیں۔ اسکو صرف نکاح کی ایک رواجی صورت کہہ سکتے ہیں جسمیں باوجود بعض تفاوتوں کے نکاح کے اغراض حاصل ہیں۔ اس قسم کے رواج ابتک بعض عیسائی ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں۔ خواہ سیل صاحب کو انکا علم نہ ہو یا علم ہو تو وہ عمداً اخفا کرتے ہوں خصوصاً جرمنی میں یہ رواج ابتک موجود ہے۔ ہاں فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اگر منکوحہ بیوی کی اولاد موجود ہو تو لونڈی کی اولاد کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔ اور اگر منکوحہ بیوی سے اولاد کوئی نہ ہو تو اس صورت میں لونڈی کی اولاد کو باپ کی جائداد کی ایک تہائی ملتی ہے پس اصولاً لونڈی کو بطور بیوی کے رکھ لینے کا منشاء اس سے نکاح کا ہی ہوتا ہے۔ مگر شریعت اسلامی نے کونسا طریق پسند کیا ہے۔ اسکو میں اب بیان کرتا ہوں۔

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف اور صحیح احادیث اور سنت نے لونڈی کے ساتھ نکاح کے متعلق کیا ہدایات کی ہیں۔ اسلام سے پہلے منجملہ اور بدرسوم کے ایک یہ قبیح رسم بھی مروج تھی کہ لونڈیوں سے مجبور کر کے کسبیوں کا پیشہ کرایا جاتا تھا۔ اور اس سے جو مال حاصل ہوتا تھا اسکا فائدہ آقا کو پہونچتا تھا۔ اس بدرسم کا اور پھر اسلام کے ذریعہ اسکے موقوف کئے جانے کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (سورۂ نور) یعنے تمہاری لونڈیاں جو پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انکو دنیا کے مال کے فائدہ کے لئے حرامکاری پر مجبور نہ کرو۔ اور صرف اس نے اصلاح پر بس نہیں کی۔ بلکہ ساتھ ہی اس سے پہلی آیت میں حکم فرمایا جسکا منشا یہ تھا کہ ہر قسم کی بدکاری کو جڑ سے کاٹا جاوے کہ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ اور جنکے تم میں سے بیاہ نہیں ہوئے ہوئے انکے نکاح کرو اور ایسا ہی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک بخت ہوں نکاح کردو۔

یہاں صاف الفاظ میں غلاموں اور لونڈیوں کے آقاؤں کو حکم ہے کہ انکے نکاح کردیا کریں۔ اگرچہ غلاموں لونڈیوں کا آزاد لوگوں سے الگ اختیار رکھا گیا تھا مگر ضرورت کے وقت قرآن شریف نے آزاد مرد کو لونڈی سے اور آزاد عورت کو غلام سے نکاح کرنیکی اجازت دیدی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امتیاز کو قرآن شریف نے ایک عارضی امتیاز ٹھہرایا تھا۔

جو صورتیں اسکی قرآن شریف میں بیان ہوئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

اوّل سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۲۔ رکوع ۲۷۔ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان مردوں کو نہیں چاہئے کہ وہ مشرک عورتوں سے جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں نکاح کریں بلکہ شرک کرنیوالی آزاد عورت خواہ کیسی ہی بھلی کیوں نہ لگو اس سے مسلمان لونڈی بہتر ہے اور نہ ہی اپنی آزاد عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں دینا چاہئے جبتک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور مشرک تمکو کیسا ہی بھلا کیوں لگے اس سے مسلمان غلام بہتر ہے۔ یعنی مشرک عورت سے نکاح کرنے کی نسبت مسلمان لونڈی سے نکاح کر لینا بہتر ہے پس اس آیت کے رو سے آزاد مردوں اور لونڈیوں اور آزاد عورتوں اور غلاموں میں نکاح جائز قرار دئے گئے۔

دوسرا موقعہ سورۃ النساء آیت ۲۹ و ۳۰ ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۚ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنكُمْ ۚ وَأَن تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔ اور تم میں سے جسکو مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنیکا مقدور نہ ہو تو مسلمان لونڈی سے جو تمہارے قبضہ میں آگئی ہیں نکاح کرلے۔ اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے (آزاد اور غلام) تم ایک دوسرے کے ہمجنس ہی ہو پس لونڈی کے اہل کے اذن سے انکے ساتھ نکاح کرلو اور دستور کے مطابق انکے مہر انکے حوالے کردو۔ بشرطیکہ وہ نکاح کی قید میں ہوکر رہیں نہ کھلی بدکاری کرنیوالی ہوں اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والی پھر اگر وہ قید نکاح میں رہنے کے بعد ارتکاب زنا کریں تو انکی سزا آزاد بیاہی عورت کی سزا سے نصف ہے۔ یہ اجازت (لونڈیوں سے نکاح کرنے کی) تم میں سے انکے لئے ہے جسکو اندیشہ ہو کہ (اگر وہ نکاح نہ کریگا تو) کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے گا۔ اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے حق میں زیادہ اچھا ہے۔ اور اللہ بڑا حفاظت کرنے والا اور مہربان ہے۔

ان آیات سے کئی باتیں صاف ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے تو پادری سیل صاحب کا

یہ جھوٹا اعتراض ہی دور ہوتا ہے کہ اسلام نے لونڈیوں کو کسبیوں کیطرح رکھنے کی اجازت دی۔ یہاں صاف فرمادیا ہے کہ لونڈی قید نکاح میں ہو کر رہے اور نہ کھلی بدکاری بازاری عورتوں کیطرح کرے۔ اور نہ چھپے آشنا رکھے یعنے جیسے بعض عورتیں گھروں میں رہ کر زنا کرتی ہیں۔ دوسرا ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس وقت اور کن شرائط کے ماتحت ایک آزاد مرد ایک لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے اور تیسرا یہ کہ لونڈی اگر خاوند کے سوا کسی دوسرے سے تعلق رکھے گی تو اسکو مرتکب زنا سمجھکر سزا دیجاوے گی۔

جہانتک میں نے اس سوال پر غور کیا ہے قرآن کریم سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آقا کو اختیار تھا کہ جس وقت جس لونڈی سے چاہے صرف اس وجہ سے کہ وہ اسکی مملوکہ ہے وطی کرے یہ ایک غلط نتیجہ ہے جو اس آیت سے نکالا گیا ہے والذین هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ازواج کو ما ملکت ایمانهم سے الگ بیان کرنیکا مطلب یہ ہے کہ ما ملکت ایمانہم کو بغیر زوجیت میں لانیکے آقا کو ان سے وطی کرنا جائز تھا۔ یہ ٹھیک نہیں۔ ازواج اور مملوک یمین کو الگ بیان کرنیکا منشا صرف اس امتیاز کو ظاہر کرنا تھا جو آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں رکھا گیا تھا۔ اس امتیاز کی شہادت قرآن کریم سے بھی ملتی ہے کیونکہ عام طور پر یہ اجازت نہیں دیگئی کہ آزاد مرد لونڈیوں سے نکاح کریں بلکہ سخت مجبوری کی حالت میں اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ یعنے ایک شخص ضرورت نکاح کی بھی رکھتا ہو پھر اسے کوئی آزاد عورت خواہ وہ غریب ہی ہو نہ ملسکتی ہو پھر اسے ڈر بھی ہو کہ اگر نکاح نہ کیا تو بدکاری میں مبتلا ہو جائیگا۔ تب وہ لونڈی سے ہی نکاح کرلے مگر پھر بھی ساتھ فرمادیا ہے کہ صبر کرو تو بہتر ہی ہے۔ پس جب خود قرآن شریف نے آزاد عورتوں اور لونڈیوں کی حیثیت میں اسقدر فرق رکھا ہے اور لونڈی کے ساتھ نکاح کی صرف مجبوری کی حالت میں اجازت دی ہے تو پھر کیا ضروری نہ تھا کہ لونڈیوں کا ذکر ازواج یعنے آزاد عورتوں سے الگ کیا جاتا۔ لفظ زوج میں جہاں ایک طرف خاوند یا بیوی ہونیکا مفہوم موجود ہے ساتھ ہی ایک برابری کا مفہوم بھی موجود ہے کیونکہ زوج جوڑے کو کہتے ہیں یعنے وہ دونو چیزیں جو ایک سی اور ایک دوسرے کی ہم پلہ ہوں۔ مگر چونکہ لونڈی میں حیثیت کی مساوات خاوند کے ساتھ نہیں پائی جاتی تھی۔ اسواسطے اسکو ازواج سے الگ کرکے بیان کیا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ الفاظ ما ملکت ایمانہم کا مفہوم صرف لونڈیاں نہیں بلکہ اس میں لونڈیاں اور غلام دونو داخل ہیں۔ پس یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ ہم ان الفاظ کے مفہوم کی تحدید نہیں کرسکتے

کیونکہ ان معنوں میں اسقدر عمومیت ہے کہ تحدید کرنی لازمی ہے پس جب کسی وجہ پر ایک طرح کی تحدید ہو سکتی ہے تو کسی دوسری کافی وجہ پر کوئی اور قید بھی انہی معنوں پر لگ سکتی ہے۔ اور یہ قید کہ وہ مملوکہ عورتیں جنکا یہاں ذکر ہے نکاح میں بھی داخل ہونی چاہئیں نہ صرف اسی جگہ سے جہاں یہ الفاظ استعمال ہوئے ظاہر ہے بلکہ قرآن شریف کی صریح نص جو دوسری جگہ موجود ہے اس تحدید کو ضروری ٹھہراتی ہے۔

میرا دعوٰی یہ ہے کہ جہاں قرآن شریف نے آزاد مردوں کے لئے ازواج کے علاوہ لونڈیوں کو بھی جائز ٹھہرایا تو اسکا منشا یہ نہ تھا کہ لونڈیاں بلا نکاح ہی گھروں میں ڈال لی جائیں یا جسکی ملک میں ہوں وہ بلا نکاح اُن سے وطی کرے بلکہ منشا اس حکم کا یہ تھا کہ آزاد مردوں کو یہ اجازت ہے کہ ضرورت کے وقت لونڈیوں میں سے بھی بیویاں بنالیں یعنے انکو اپنے نکاحوں میں لے آویں اب اس دعوے کے دلائل میں بیان کرتا ہوں۔

سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف نے خود ہی تمام مومنوں کو صاف اور صریح الفاظ میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے عباد یعنے غلاموں اور اما یعنے لونڈیوں کے نکاح کردیویں۔ اب یہ دعوے کہ قرآن شریف لونڈیوں کے آقاؤں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ انکے ساتھ صرف انکے مملوکہ ہونیکی وجہ سے وطی کرلیا کریں پہلے حکم کے خلاف ہے۔ اگر یہ اجازت تھی تو پھر انکے نکاحوں کے حکم دینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ دونو باتیں خود ایک دوسری کی تردید کرتی ہیں کہ ایکطرف آقا کو کہا جائے کہ تم اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے سے کردو۔ اور دوسری طرف اُسے کہا جائے کہ تم بلا نکاح خود اس سے وطی کرلیا کرو۔ اگر لونڈی کے محض مملوکہ ہونیکی وجہ سے آقا کو اسکے ساتھ وطی کا حق پیدا ہو جاتا تھا اور ملک ہی قائم مقام نکاح تھی تو پھر نکاح کا حکم کیوں دیا۔ کیونکہ جب ایک ایسی صورت موجود ہے کہ ایک مرد اور عورت میں میاں بیوی کا تعلق موجود ہے تو پھر اس تعلق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ تم اس لونڈی کا نکاح کہیں اور کردو خلاف عقل ہے۔ مگر چونکہ سورۂ نور نے قطعی طور پر آقا کو اپنی لونڈیوں کے نکاح کردینے کا حکم صاف الفاظ میں دیا ہے پس اس حکم کے ہوتے ہوئے وہی کتاب یہ اجازت نہ دیسکتی تھی کہ آقا خود بھی بلا نکاح اُسے بطور منکوحہ کے استعمال کرے۔

پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک آقا اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے مرد یا غلام سے کردیوے تو کیا پھر بھی ملک یمین کے حق سے اس لونڈی کے ساتھ وہ وطی کرسکتا ہے؟

ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نفی ہے یعنی ایسا حق اسکو ہرگز نہ ہوسکتا تھا۔ لیکن اگر اسکا جواب نفی میں دیا جائے تو ساتھ ہی اس دعوٰی کی بھی نفی ہوجائے گی کہ ملک یمین سے وطی کا حق آقا کو حاصل ہوجاتا تھا کیونکہ ملک یمین تو باوجود نکاح کے ویسی کی ویسی موجود ہے۔ اور اگر ملک بدون کسی اور شرط کے وطی جائز تھی تو پھر مذکورہ بالا سوال کا جواب بھی ہاں ہوگا۔ مگر قرآن شریف اس جواب کی تردید کرتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ قرآن شریف محض ملک یمین سے وطی کی بھی تردید کرتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ الفاظ ما ملکت ایمانہم کو محض مملوک کے عام اور وسیع معنوں میں نہیں لے سکتے بلکہ اول تو اس سے مراد مملوکہ عورتیں ہیں اور پھر ان میں سے وہ عورتیں جنکو بطور بیویوں کے نکاح میں لایا گیا ہے۔ اس طریق پر جو سورۂ نسار آیت ۲۹ و ۳۰ میں بیان کیا گیا ہے یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں ان آیات میں لونڈیوں سے نکاح کا صاف الفاظ میں حکم دیا ہے وہاں بھی وہی الفاظ ما ملکت ایمانکم ہی استعمال کئے ہیں۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ لونڈیاں جنسے نکاح کیا گیا ہے وہ بھی ما ملکت ایمانکم میں ہی داخل ہیں۔ پس ہمیں ماننا پڑیگا کہ اس آیت وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ میں منکوحہ لونڈیاں جنکے ساتھ حسب ارشاد آیت سورۂ نسار نکاح کئے گئے ہیں اور ایسا ہی دوسری منکوحہ لونڈیاں زیر الفاظ ما ملکت ایمانہم داخل ہیں۔ کیونکہ نکاح سے وہ مملوک ہونے سے نہیں نکل گئیں۔ پس جس صورت میں کم از کم ما ملکت ایمانہم میں منکوحہ لونڈیاں بھی داخل ہیں تو یہ مفہوم ان الفاظ سے نہیں نکالا جاسکتا کہ یہ صرف وہی لونڈیاں ہیں۔ جنسے ملک یمین سے وطی کیجاوے اور ملک یمین کی شرط مفقود ہوگئی۔

علاوہ ازیں جب قرآن کریم نے اسباب کی تصریح کردی کہ کن صورتوں میں آزاد مرد لونڈیوں سے نکاح کرسکتا ہے تو یہ خیال کرنا کہ اسکے علاوہ کوئی اور قانون بھی ہے جسکا قرآن شریف میں ذکر نہیں غلطی ہے۔ ان آیات میں وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا میں کل آزاد مرد داخل ہیں۔ اور کوئی استثنار نہیں کہ جسکے اں لونڈی اپنی ملک کی موجود ہو وہ نکاح نہ کیا کرے۔

اسی کی شہادت قرآن کریم کے دیگر مقامات سے ملتی ہے۔ سورۂ احزاب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالے نے مسلمانوں کے متعلق فرمایا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ

ازواج اور ما ملکت ایمانہم کے معاملہ میں جو کچھ اللہ تعالے نے قرآن کریم میں مقرر فرمایا ہے۔ اسکا ذکر قرآن شریف میں کسی جگہ کیا بھی گیا ہے۔ سو یہ ذکر سوائے سورۂ نسار کے ان آیات کے جو اوپر لکھی گئی ہیں اور کسی جگہ موجود نہیں۔ یہی ایک مقام ہے جہاں مفصل یہ بیان فرمایا ہے کہ کن حالات میں لونڈیوں سے نکاح کرنا چاہئے اور کسطرح انکا مہر ادا کرنا چاہئے پس سورۂ احزاب میں جو اشارہ ہے وہ انہی آیات کی طرف ہے۔ اسکے سوائے دوسری آیات میں سوائے اسکے ذکر نہیں کہ مومنوں کو ازواج اور ما ملکت ایمان کے سوائے اپنے فروج کی حفاظت کرنی چاہئے۔ سو ایسے مقامات پر ازواج یا ما ملکت ایمان کے بارے میں کچھ بیان نہیں کیا۔ یہ بیان ازواج کے متعلق تو قرآن شریف کے مختلف مقامات میں ہے مگر مملوکوں کے بارے میں سوائے سورۂ نسار کی ۲۹ اور ۳۰ آیت کے اور کسی جگہ نہیں۔ پس قرآن شریف نے خود یہ بتصریح فرمادی ہے کہ ما ملکت ایمانہم کے بارے میں جو کچھ قرآن شریف میں دوسری جگہ فرض کردیا گیا ہے اسکے سوا اور اسکا کچھ منشار نہیں۔

ایک موقعہ اور بھی قابل ذکر ہے سورۂ نسار کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر تمکو اندیشہ ہو کہ یتیم (لڑکیوں) کے بارے میں جنکو تم اپنے نکاح میں لاؤ) انصاف قائم نہ رکھ سکوگے تو (دوسری) عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں۔ دو دو تین تین اور چار چار سے نکاح کرلو لیکن اگر تمکو اندیشہ ہو کہ کئی بیویوں میں عدل نہ کرسکوگے تو پھر (نکاح کرو) ایک ہی بی بی سے یا ان سے جنکے تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہوچکے۔

اب اسمیں کسیکو کلام نہیں ہوسکتا کہ وَاحِدَةً اور مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ دونوں فعل جنقدر نکحوا کے نیچے ہیں۔ دوسرا کوئی فعل اس آیت میں یا اس سے پہلی آیتوں میں ایسا نہیں جسکے متعلق انکو کرسکیں۔ کم از کم اس سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ واحدۃ اور ما ملکت ایمانکم ایک ہی حالت میں ہیں۔ اگر ایک ہی بی بی بغیر نکاح کے آدمی کے لئے درست نہیں ہوسکتی تو ما ملکت ایمانکم بھی بغیر نکاح کے درست نہیں ہوسکتی۔ پس یہ آیت بھی لونڈیوں سے نکاح پر قطعی دلالت کرتی ہے۔ مگر اسجگہ بھی وہ احکام بیان نہیں ہوئے جنکا اشارہ سورۂ احزاب میں پایا جاتا ہے بلکہ تفصیل احکام کے لئے ہمیں انہی آیتوں کیطرف رجوع کرنا پڑتا ہے کہ من لم یستطع

سے شروع ہوتی ہیں۔

اسطرح کم از کم چار موقعہ قرآن کریم میں ایسے موجود ہیں جنمیں بڑی صفائی اور وضاحت سے لونڈیوں کے نکاح کا حکم یا بیان ہے۔ یعنے سورۂ بقر کی آیت ۲۲۲ جسمیں یہ ارشاد ہے کہ نکاح کرنیکے وقت آزاد مشرک پر مسلمان لونڈی کو ترجیح دیجائے۔ سورۂ نور کی ۳۲ ویں آیت جسمیں صاف حکم ہے کہ اپنے غلام اور لونڈیوں کے نکاح کر دیا کرو۔ سورۂ نساء کی تیسری آیت جسمیں لونڈیوں سے نکاح کرنیکی اجازت ہے۔ اور اسی سورۃ کی انتیسویں اور تیسویں آیتیں جنمیں وہ حالات بیان کئے گئے ہیں جنکے ماتحت ایک آزاد مسلم مسلمہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور صرف دو موقعہ ایسے ہیں جنمیں قرآن شریف نے سوائے ازواج اور ما ملکت ایمان کے دوسری عورتوں سے منع کیا ہے جس سے ملک یمین نکالی جاتی ہے۔ مگر میں یہ دکھا چکا ہوں کہ اسجگہ مقصود صرف آزاد عورتوں اور لونڈیوں کا مقابلہ ہے۔ اور الفاظ ما ملکت ایمانھم کے وسیع معنے نہیں لئے جا سکتے بلکہ انپر بعض قیود لگانی پڑتی ہیں۔ مثلاً ایک طرف جب قرآن شریف ہی حکم دیتا ہے کہ اپنی لونڈیوں کے نکاح کر دیا کرو تو کم از کم ایسی منکوحہ لونڈیوں کے ساتھ ملک یمین سے وطی جائز ہو سکتی تھی۔ بلکہ پھر یہ فعل زنا کی تعریف میں آئیگا۔ ایسے ہی یہ قید بھی ضروری ہے کہ وہ لونڈیاں بغیر نکاح کے تصرف میں نہ لائی جاویں۔ کیونکہ اسکا ذکر سورۂ نساء کی آیت ۲۵ و ۳۰ میں بالصراحت موجود ہے۔ اور علاوہ ازیں ازواج کا مقابلہ مملوک سے خود انہی معنوں کو چاہتا ہے۔ گویا مقصود ان مقامات پر صرف اسقدر بیان کرنیکا ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔ کن صورتوں میں جائز ہے اسکا پتہ دوسرے مقام سے ملتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات خود ظاہر ہے کہ جہاں مرد و عورت کے تعلق کا ذکر ہے وہاں نکاح کا مفہوم خود ضروری ہے۔ اسکی میں دو مثالیں دیتا ہوں۔ سورۂ نساء میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی۔ اسجگہ لفظاً تو صرف یتامیٰ بولا۔ مگر مراد اس سے ہر قسم کے یتیم نہیں بلکہ یتیم لڑکیاں اور ان میں بھی وہ جو باوجود ولی ہونے کے نکاح میں لائی جاویں۔ دراصل یہ موقعہ ما ملکت ایمانہم سے خوب مطابقت کھاتا ہے۔ یہاں صرف یتامیٰ کا ذکر کر کے مراد لیا ہے یتیم لڑکیاں جو نکاح میں لائی جاویں۔ وہاں صرف مملوک کا ذکر کر کے مراد لیا ہے مملوکہ عورتیں جو نکاح میں لائی جاویں۔ اگر کسی کو ایک جگہ ایسے معنے لینے میں اعتراض ہے تو دوسری جگہ کیوں نہیں۔ دوسرا موقعہ سورۂ احزاب کی آیت ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ۔ اس آیت میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال کی گئی ہیں۔ اول آپکی ازواج جنکے آپ مہر دے چکے ہیں۔ دویم مملوکہ یمین جو خدا نے آپکو دی ہیں۔ سوئم چچا اور پھوپھیوں اور ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں۔ اب اگر مملوکہ یمین بغیر ازواج کے داخل ہونیکے حلال ہوتیں تو پھر چاہیے کہ قسم سوم کی عورتیں یعنی چچا وغیرہ کی بیٹیاں بھی بغیر ازواج میں داخل ہونے کے حلال ہوتیں۔ پس ایک تو اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ملک یمین والی عورتیں بھی آپ کے لئے اسی صورت میں حلال تھیں کہ آپ ان سے نکاح کرتے جیسا کہ چچا وغیرہ کی بیٹیاں بھی نکاح کرنے کے بعد ہی حلال ٹھیر اور دوسرا یہ ثابت ہوا کہ اسی قسم کی آیت جو اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ ہے۔ وہاں بھی ملک یمین والی عورتیں ازواج کی طرح ہی نکاح میں آنی چاہئیں۔ میں نہیں سمجھتا اس سے بڑھکر صریح شہادت اس امر کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح ضروری تھا خواہ وہ اپنی لونڈی ہو یا دوسرے کی۔

یہ تو قرآن شریف کی شہادت ہے۔ اور اس سے بڑھکر معتبر شہادت اور کوئی پیش نہیں ہو سکتی۔ مگر دو ذرائع شہادت کے اور بھی ہیں جو قرآن کریم کے مؤید ہیں یعنی حدیث اور سنت یا عمل رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم و صحابہ کبار رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے حدیث میں میں سب سے زیادہ معتبر کتاب بخاری کو لیتا ہوں کہ اسمیں اس امر کے متعلق کونسی حدیثیں آئی ہیں۔ کوئی حدیث اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں ایسی نہیں ملتی جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ صرف ملک یمین سے اور بغیر نکاح کے لونڈی سے وطی کرنا جائز ہے۔ بلکہ ایک ہی حدیث جو اس امر کے متعلق ملتی ہے اس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو جگہ دو مختلف روایتوں سے بیان کی ہے۔ ایک غلاموں کی آزادی کے بیان میں اور دوسری جگہ نکاح کے باب میں۔ پہلی موقعہ پر جس طرح یہ حدیث آئی ہے اسکو میں اپنے موقعہ پر گذشتہ مضامین میں بیان کر چکا ہوں دوسرے موقعہ پر یہ حدیث اسطرح پر آئی ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ عِنْدَهٗ وَلِيْدَةٌ فَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا وَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَاٰمَنَ بِيْ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاَيُّمَا مَمْلُوْكٍ اَدّٰى حَقَّ مَوَالِيْهِ وَحَقَّ رَبِّهٖ فَلَهٗ اَجْرَانِ۔ ترجمہ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اسے تعلیم دے اور نہایت عمدہ تعلیم دے اور اسکو اخلاق سکھائے اور نہایت عمدہ اخلاق سکھائے پھر اسکو آزاد کرے اور پھر اس سے نکاح کرے تو اسکو دوہرا اجر ملیگا

اور جو شخص اہل کتاب میں سے اپنے نبی پر ایمان لائے اور مجھپر بھی ایمان لائے تو اسکو دوہرا اجر ملیگا۔ اور جو غلام اپنے آقا کا حق ادا کرے اور اپنے رب کا حق بھی ادا کرے تو اسکو دوہرا اجر ملیگا۔

اب ان الفاظ سے یہ مطلب نہیں کہ جو شخص ان باتوں کی خلاف ورزی کرے اسکو بھی ایک اجر ضرور ملیگا۔ مثلاً اہل کتاب میں سے جو شخص اپنے نبی پر ایمان لاتا ہے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا وہ نافرمان ہے۔ اور غلام جو اپنے آقا کی احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کے احکام کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ بھی بے فرمان ہے۔ اسیطرح جو شخص لونڈی کو بغیر تعلیم دینے اور آزاد کرنیکے اور بغیر نکاح کرنے کے وطی کرتا ہے وہ بھی نافرمان ہی تینوں صورتیں ایک سی ہی ہیں۔ گویا ان میں صرف ترغیب ہی نہیں بلکہ حکم ہے کہ ہر ایک آدمی کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔ دوہرا اجر اسواسطے کہا کہ دو کام نیکی کے ایسے شخص نے کئے۔ لونڈی کو تعلیم بھی دی اور اُسے آزاد کرکے اس سے نکاح بھی کیا۔ اہل کتاب اپنے نبی پر بھی ایمان لایا۔ اور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لایا۔ غلام نے اپنے آقا کا حکم بھی مانا اور خداوند تعالےٰ کے احکام کو بھی بجالایا۔ اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسقدر تاکید کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کی اپنی لونڈی ہو تو اُسے چاہئے کہ اُسے تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی دے۔ آزاد بھی کرے اور پھر اس سے نکاح بھی کرے۔

ایک اور حدیث جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب نکاح میں ہی بیان کیا ہے اس مضمون پر روشنی ڈالتی ہے۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ خَیْبَرَ وَالْمَدِیْنَۃِ ثَلٰثًا یُبْنٰی عَلَیْہِ بِصَفِیَّۃَ بِنْتِ حُیَیٍّ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِیْنَ اِلٰی وَلِیْمَتِہٖ فَمَا کَانَ فِیْھَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ اَمَرَ بِالْاَنْطَاعِ فَاُلْقِیَ فِیْھَا مِنَ التَّمْرِ وَالْاَقِطِ وَالسَّمْنِ فَکَانَتْ وَلِیْمَتَہٗ فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ اِحْدٰی اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوْ مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُہٗ فَقَالُوْا اِنْ حَجَبَھَا فَھِیَ مِنْ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ یَحْجُبْھَا فَھِیَ مِمَّا مَلَکَتْ یَمِیْنُہٗ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطّٰی لَھَا خَلْفَہٗ وَمَدَّ الْحِجَابَ بَیْنَھَا وَبَیْنَ النَّاسِ۔ یعنی انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن ٹھہرے جہاں صفیہ بنت حیی بطور عروس کے آپ کے پاس لائی گئی۔ پھر میں نے مسلمانوں کو آپ کے ولیمہ کے لئے دعوت کی اور اسمیں روٹی اور گوشت نہیں تھا۔ پھر دسترخوان بچھائے گئے اور ان میں کھجوریں اور پنیر اور گھی ڈالا گیا۔ سو یہ آپ کا ولیمہ تھا۔ پھر مسلمانوں نے آپس میں کہا کہ آیا امہات المؤمنین میں سے ایک ہونگی۔ یا ماملکت یمینہ میں سے یعنی لونڈیوں میں سے

آخر اُنھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر آپ اُنکو پردہ میں رکھیں تو انہیں امہات المؤمنین میں سے سمجھنا چاہئے۔ اور اگر پردہ نہ رکھیں تو ماملکت یمینہ میں سے ہونگی۔ پس جب آپ نے کوچ کیا تو اپنے پیچھے صفیہ رضی اللہ عنہا کو بٹھایا اور اُنکے اور اور لوگوں کے درمیان پردہ ڈال دیا۔

اس حدیث سے بہت سے ضروری نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا نتیجہ جسکو مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں یہ ہے کہ یہودیوں کو فتح کرنے کے بعد بھی آپ اپنے صحابہ کی دعوت میں گوشت اور روٹی نہیں دیسکتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر جھوٹ ہے جو کہا جاتا ہے کہ آپ کی لڑائیاں لوٹ کی خاطر تھیں۔ یہودیوں کی قوم۔ جو دُنیا میں ہر جگہ اپنی دولتمندی کے لئے مشہور ہے اور جو مدت تک عیسائی بادشاہوں کے ہاتھوں سے سخت ظلم اُٹھاتے رہے محض روپے کی خاطر۔ اور انکو فتح کرنے کے بعد بھی آپ کی اور آپ کے صحابہ کی یہ حالت ہو پس یہ کسقدر ظلم ہے جو کہا جاتا ہے کہ لوٹ کی خاطر سب کچھ کرتے تھے ؛ مگر اس بحث سے اسجگہ ہمیں کوئی تعلق نہیں مضمون زیر بحث کے متعلق جو نتیجہ اس سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ازواج اور ماملکت ایمان یعنے بیویوں اور لونڈیوں میں سوائے حجاب کے اور کوئی فرق نہ تھا۔ کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ نکاح بھی ہو چکا اور ولیمہ بھی ہو چکا تھا اور ابھی مسلمان متذبذب تھے کہ آیا انہیں آپ کی بیوی قرار دیں یا لونڈی۔ اور آخر حجاب پر فیصلہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بیوی اور لونڈی میں سوائے حجاب کے اور کوئی فرق نہ تھا۔ نکاح وغیرہ کے مراسم اور باقی سب امور میں دونوں یکساں تھیں۔ حضرت صفیہ جنگ میں بطور قیدی کے آئی تھیں اور آپ نے ان سے نکاح بھی کیا اور ولیمہ بھی ہو گیا۔ مگر ان میں سے کوئی بات ایسی میز نہ تھی جس سے یہ فیصلہ ہو جاتا کہ وہ ام المؤمنین ہیں یا مملوکہ۔ فیصلہ کن امر صرف یہ تھا کہ حجاب میں رکھتے ہیں یا نہیں اس سے ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں کیونکہ اصل تمیز حرہ اور مملوکہ میں نکاح کی نہ تھی بلکہ حجاب کی تھی اور یہ قرآن شریف کے بھی مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن شریف نے بھی اور کوئی فرق حرہ اور مملوکہ میں قرار نہیں دیا سوائے اسکے کہ مملوکہ کا مرتبہ حرہ کے برابر نہ تھا۔ اور اسی لئے وہ پردہ میں نہ رکھی جاتی تھی ورنہ نکاح ایسا ہی ضروری تھا۔ جیسا کہ حرہ کی صورت میں۔

ایک اور حدیث سے جو وہ بھی بخاری میں مذکور ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے صفیہ آزاد بھی کر دیگئی تھیں۔ اس سے بعد بھی صحابہ کے متذبذب ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود آزاد کرکے نکاح کرنے کے بھی ایک عورت مما ملکت ایمانُ میں داخل ہو سکتی تھی۔ اور صحیح امتیاز فرق حرہ اور مملوکہ میں سوائے حجاب کے کچھ نہ تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث

کا منشاء ہے کہ مالک کو حکم تھا کہ اگر وہ خود لونڈی سے نکاح کرنا چاہے تو اسکو آزاد کرنے کے بغیر نہ کرے۔ یہی وہ طریق تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود صفیہ رض کے نکاح میں ملحوظ رکھا ان صحیح اور یقینی احادیث کے خلاف جنکی قرآن شریف سے بھی تائید ہوتی ہے اگر کوئی کم پایہ کی ایسی حدیث بھی ہو جسمیں کوئی ایسا واقعہ مروی ہو کہ کسی شخص نے ملک یمین سے وطی کی تو ایسے بلا تائید بیان کی ہم تصدیق نہیں کر سکتے۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اسکی تردید کرتے ہیں۔

تیسرا ذریعہ شہادت کا امر زیر بحث کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریق عمل ہے۔ کیونکہ ملک یمین جیسی مومنوں کے لئے جائز تھی ویسے ہی آپ کے لئے بھی جائز تھی۔ اس امر کو بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ ملک یمین والی عورتوں میں سے جویریہ اور صفیہ آپ کے پاس تھیں اور ساتھ ہی بالاتفاق یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ان دونو کو آپ نے آزاد کر کے انکے ساتھ نکاح کیا۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ دونو آپ کے ملک یمین میں آچکی تھیں کیونکہ سراری میں تھیں پھر آپکو کیا ضرورت تھی کہ انکو آزاد کرتے اور پھر ان سے نکاح کرتے۔ آپ کے اس عمل سے صاف ظاہر ہے کہ آپکا منشاء وہی تھا جو آپ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ جسکے پاس لونڈی ہو اُسے چاہیے کہ اُسے تعلیم دے اور آزاد کرے اور پھر اُس سے نکاح کرے۔ ایک طرف آپ کے لفظ اور دوسری طرف آپکا امہات المؤمنین جویریہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما سے یہ طریق عمل کہ محض ملک یمین سے انکو اپنے تصرف میں نہیں لائے۔ بلکہ ہر دو کو آزاد کر کے اُن سے نکاح کیا۔ یہ قول اور یہ فعل بھی اگر کسیکو اسبات کے حق ہونے کے قائل نہیں کر سکتے تو اسکا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں لیکن جو شخص آپ کے قول اور فعل کی پیروی کرنا چاہتا ہے اسکے لئے یہ شہادت کافی ہے۔ ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ ہر دو ملک یمین سے آپ کے تصرف میں تھیں بالکل غلط ہے۔ ماریہ کے متعلق اس امر میں کسیکو اختلاف نہیں کہ وہ حجاب میں رکھی گئی تھیں۔ اور جیسا کہ ام المؤمنین صفیہ کے نکاح والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے حجاب ہی اصل امتیاز حرہ اور مملوکہ کے درمیان تھا پس جب ماریہ حرہ تھیں تو نکاح بطریق اولیٰ ثابت ہوگیا۔ ریحانہ کے متعلق بھی متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے آزاد کر کے اُس سے نکاح کیا۔ علاوہ ازیں اس امر کو تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ آپ نے نہ کبھی کوئی غلام رکھا اور نہ لونڈی بلکہ جبھی آپ کی ملک میں کوئی غلام یا لونڈی آتا آپ اُسے آزاد کر دیتے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ آپ خدمتگار دن تک کو تو غلامی میں رکھنا پسند نہ کرتے اور بیویوں کو غلامی میں رکھتے۔ آپ کے بعد ہمارے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عمل دیکھنا کافی ہے۔ سوانکے متعلق بھی یہ بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ کوئی لونڈی انکے پاس نہ تھی جسکے ساتھ وہ ملک یمین سے وطی کرتے ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر نکاح اور ملک یمین دو الگ الگ باتیں ہوتیں اور جیسا کہ نکاح سے مرد اور عورت کا تعلق جائز سمجھا جاتا تھا ایسا ہی صرف ملک یمین سے بغیر نکاح کے ایسا تعلق جائز ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا عمل کیوں اسکے خلاف ہوتا بلکہ چاہیئے تھا کہ جسطرح انکے پاس منکوحہ بیویاں تھیں کچھ ایسی عورتیں بھی ہوتیں جنہیں وہ ملک یمین سے بغیر نکاح کے اپنے تصرف میں لاتے۔ یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ کوئی حدیث جس سے ملک یمین کے ساتھ لونڈی کا تصرف میں لانا معلوم ہوتا ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہونچتی۔ بلکہ آپ کے الفاظ صاف نکاح ہی کی تائید کرتے ہیں۔ پس جو اس قسم کی روایتیں ہیں اول تو اُن سے نکاح کی نفی نہیں ہوتی۔ اگر ہو بھی تو وہ قرآن شریف و صحیح احادیث اور سنت کے خلاف ہیں اسلئے ہم ان کو مان کر ان تینوں کو نہیں چھوڑ سکتے جنپر مذہب اسلام کی بنا ہے۔ علاوہ ازیں لونڈیوں کے متعلق اس قسم کی ممانعتیں موجود ہیں جیسی منکوحہ عورتوں کے متعلق۔ مثلاً یہ کہ دو بہنوں کا اکٹھا رکھنا یا بیٹے کا باپ کی موطوءہ لونڈی کو تصرف میں لانا وغیرہ وغیرہ۔ جو صاف طور پر قرآن شریف کے اُس حکم سے لی گئی ہیں جو اس آیت سے شروع ہوتا ہے حرمت علیکم امھاتکم الخ یعنے ان عورتوں سے تمہارے لئے نکاح کرنا حرام ہے ورنہ لونڈیوں کے لئے کوئی الگ حکم قرآن شریف میں موجود نہیں کہ فلاں فلاں قسم کی لونڈیاں حرام ہیں۔ اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ اسیطرح نکاح کیا جاتا تھا خواہ آزاد کر کے یا آزاد کرنے کے بعد جسطرح حرہ عورتوں سے نکاح کیا جاتا تھا۔

(حقیقت غلامی کا مضمون رسالہ ریویو آف ریلیجنز مولفہ علامہ مولوی محمد علی صاحب سے لیا گیا ہے)۔

کتاب البیوع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وجہ حلّتِ بیع سلم

امّا بعد ۔ بعض اشخاص کا اعتراض ہے کہ بیع سلم خلاف قیاس ہے کیونکہ وہ معدوم اشیاء پر ہوتی ہے اور معدوم اشیاء کی بیع خلاف قیاس وعقل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ ۔ یعنے اس چیز کی خرید وفروخت نہ کر جو موجود نہ ہو۔

امّا الجواب ۔ واضح ہو کہ بیع سلم موافق قیاس وعقل ہے کیونکہ بیع سلم میں وصف ومعرفت قدر وجنس اور بائع کیطرف سے چیز کے ادا کرنیکا ذمہ شرط ہے اور یہ بیع اُس معاوضہ کیطرح ہے جو اجارہ میں منافع پر ہو پس بیع سلم کا قیاس از روے صورت ومعنے معدوم اشیاء پر کرنا کہ جنکے حاصل ہونیکا احوال معلوم نہ ہو درست نہیں ہے۔

خدا تعالے نے عاقلوں کی فطرت میں اس امر کی تمیز رکھی ہے کہ وہ اُن چیزوں میں فرق کریں کہ جنکا انسان نہ مالک ہوسکتا ہو اور نہ اُسکے مقدور میں ہوں۔ اور درمیان اُن اشیاء کے کہ جنکو بائع ادا کرنیکا ذمہ لیتا ہے اور وہ عادۃً اُنکے ادا کرنے پر قادر ہو۔

پس ان امور کو یکساں سمجھنا ایسا ہے جیسا کہ مردار ومذبوح وربا اور بیع کو برابر سمجھا جاوے۔ اور یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزم کو فرمایا کہ لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ یعنے جو چیز موجود نہ ہو اُسکی خرید وفروخت نہ کرو۔ اس سے مراد دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک ایسی چیز کو فروخت نہ کر جسکا تو مالک نہیں بلکہ وہ چیز کسی دوسرے شخص کی ہو۔ دوسرا اس سے وہ بیع مراد ہے جسکے ادا کرنے پر انسان قادر نہ ہوسکے۔

قرآن کریم وسنت نبویہ اور آثار صحابہ کرام سے کہیں بھی ثابت نہیں ہے کہ معدوم کا بیع جائز نہیں ہے

ہاں سنت میں بعض معدوم اشیاء کی بیع منع ہے جیسا کہ بعض موجودہ اشیاء کی بیع بھی منع ہے پس ممانعت بیع کی وجہ عدم اور وجود اشیاء نہیں ہے بلکہ وہ امور ہیں جنہیں سنت وارد ہے اور وہ بیع غرا ہے جسکے ادا کرنے پر انسان قادر نہ ہوسکے خواہ وہ موجود ہو یا معدوم۔ مثلاً بھاگنے والے اونٹ کی بیع منع ہے خواہ وہ موجود ہی ہو۔ کیونکہ بیع کا موجب بیع کا ادا کرنا ہے پس جبکہ بائع اُسکے ادا کرنے پر ہی قادر نہ ہوسکے بلکہ عاجز ہو تو وہ غرا اور مخاطرہ اور قمار بازی ہے۔

بیع معدوم بعض مواضع میں درست ہے۔ مثلاً شریعت اسلامیہ نے پھل کی اصلاح وپختگی کے آثار ظاہر ہونے اور غلہ پکنے پر بیع جائز رکھی ہے۔ اور بیع سلم جو موجل ہو جب انسان کو اُسکے ادا کرنے کا یقین نہ ہو تو ناجائز اور اگر اُسکے ادا کا یقین ہو تو جائز ہے۔ اور وہ مثل قرض کے ہے اور محض مصلحت الٰہی کے موافق ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۔ **ترجمہ** یعنے اے ایماندارو جب تم آپس میں لین دین کا معاملہ ایک وقت مقرر پر کرو تو اس معاہدہ کو لکھ لکھالو۔

یہ آیت ثمن یعنے نقد اور مثمن یعنے وہ چیز جو نقد کے عوض خریدی جاوے سب کو شامل ہے پس ثابت ہوا کہ بیع سلم کا مباح ہونا موافق قیاس ومصلحت الٰہی کے ہے۔

جوازِ اجارہ کی حکمت

جو لوگ اجارہ کو خلاف قیاس کہتے ہیں اُنکا گمان ہے کہ اجارہ ایک معدوم چیز کی خرید ہے۔ کیونکہ منافع عقد اجارہ کے وقت معدوم ہوتے ہیں۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ محض معدوم ہونے یا کسی چیز کے اُسی وقت بالکل الوجہ ظاہر نہ ہونے سے جیسے بیع ناجائز نہیں ہے ایسے ہی اجارہ بھی منع نہیں ہے۔ قرآن کریم نے بچے کو دودھ پلانے والی دائی کے اجارہ کو درست فرمایا۔ حالانکہ بچہ کی تکمیل بتدریج بڑی مدت کے بعد ہوتی ہے مگر رضاعت کا حق پہلے ہی دینا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۔ **ترجمہ** یعنے اگر وہ عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو انکو انکی اجرت دیدو۔

اور یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقد کو اشیاء کے وجود ہونے پر موخر رکھا جائے جو ابھی پیدا نہیں ہوئی ہیں جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیع حمل و بیع پھل قبل ظہور اصلاح اور غلہ پکنے سے پہلے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ ایسی اشیاء ہیں کہ اگر ان میں خرید وفروخت

جائز ہوتو مظنہ فساد ہیں۔ لہذا ان عقود سے منع ہوا۔

خمر و مردار و خنزیر و بُت کی خرید و فروخت و اجرت زنا و اجرت کاہن حرام ہونیکی وجہ

اشیاء کی حرمت کا مدار چند امور پر ہوتا ہے۔ ازانجملہ ایک یہ ہے کہ بعض اشیاء عادت کے اعتبار سے معصیت پر مشتمل ہوں یا لوگوں کو ان اشیاء سے جس قسم کا فائدہ و تمتع حاصل کرنا مقصود ہو وہ ایک قسم کی معصیت و گناہ ہو۔ مثلاً خمر و بُت و تنبورے وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی بیع کا طریق جاری کرنے اور اُنکے بنانے میں اُن معاصی کا ظاہر کرنا اور لوگوں کو اُن معاصی پر آمادہ کرنا و رغبت دلانا اور نزدیک کرنا پایا جاتا ہے۔ لہذا مصلحت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ ان چیزوں کا بیع و شرا کرنا اور انکا گھروں میں رکھنا حرام کیا جائے۔ کیونکہ اُن معاصی کو دور کرنا۔ اور لوگوں کو اسبات کیطرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے پرہیز و اجتناب کریں۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام۔ ترجمہ یعنی خدا تعالیٰ اور اُسکے رسولؐ نے شراب اور مردار اور خوک اور بتوں کا خرید و فروخت حرام کیا ہے۔ اور پھر فرمایا ان الله اذا حرم شيئا حرم ثمنه۔ یعنے خدا تعالےٰ نے جس چیز کو حرام کیا تو اسکے ثمن یعنے اسکی قیمت کو بھی حرام کیا۔ یعنے جب ایک چیز سے نفع اُٹھانیکا طریق مقرر ہے۔ مثلاً شراب صرف پینے کے لئے اور بت صرف پرستش کے لئے بنائے جاتے ہیں پس خدا تعالیٰ نے اُس چیز کو حرام کیا ہے۔ اسلئے حکمت الٰہیہ کا مقتضے ہوا کہ انکی بیع بھی حرام کیجائے۔ اور نیز آپ نے فرمایا ہے مهر البغي خبيث۔ یعنے اُجرت زنا کی خبیث ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہن کو اُجرت دینے سے منع فرمایا اور مغنیہ کے کسب سے نہی فرمائی۔ وجہ یہ ہے کہ جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے اُس مال سے بدو وجہ نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رکھنا ہے۔ اور اس قسم کے معاملات کے دستور جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور لوگوں کو اس گناہ پر آمادہ کرنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی سمجھ و خیال میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ ثمن مبیع سے پیدا ہوتا ہے لہذا ملاء اعلیٰ میں اُس ثمن کے لئے ایک وجود تشبیہی ہوتا ہے گویا کہ وہ خود مبیع ہے اور اسیطرح اُجرت کے لئے ایک وجود تشبیہی ہوتا ہے۔ پس اُس مبیع اور اُس عمل کی خباثت اُنکے علوم میں اُثر

اور اُس اُجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور لوگوں کے نفوس میں بھی اُس صورت علمیہ کا اثر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں اُسکے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے اور پینے والے اور لے جانے والے اور جسکے پاس لیجاتا ہے سب پر لعنت کی ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ معصیت کی مدد کرنا اور اُسکا پھیلانا اور لوگوں کو اسکیطرف متوجہ کرنا بھی معصیت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔

اور ایک یہ وجہ ہے کہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے میں مثل مردار و خون و گوبر اور پاخانہ وغیرہ کے ساتھ نہایت قباحت اور خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہے۔ اور اُسکے سبب سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ گندگی اور خباثتوں سے اجتناب کرنا اُن اصول میں داخل ہے جنکے قائم کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا ہے۔ اور جسکے سبب سے ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ اور پاکیزہ لوگوں کو خدا تعالےٰ پسند فرماتا ہے۔ اور چونکہ کسیقدر مخالطت مباح کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے اسلئے کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں لوگوں پر نہایت دقت و دشواری ہوتی ہے لہذا اسی قدر ضروری ہوا کہ ان ناپاک چیزوں کے اختلاط کو ساتھ پیشہ اختیار کرنے اور انکی تجارت کرنے سے نہی فرمائی جاوے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان اهل الذمة لايلتزمون احكامنا في الديانات وفي ما يعتقدون خلافه من المعاملات ولهذا لا يمنعهم عن شرب الخمر واكل الخنزير وبيعهما فانا امرنا ان نتركهم وما يدينون: اس جگہ آریہ و عیسائی غور کریں کہ اگر اسلام میں جبر و اکراہ جائز ہوتا تو ہمارے ائمہ عظام کا یہ فتویٰ نہیں بلکہ برعکس ہوتا

دائن کو مدیون سے ہدیہ لینا منع اور مرتہن کو راہن کے مال سے نفع حاصل کرنا جائز ہونیکی وجہ

۱۔ قرض کی بنا تبرع و احسان و ہمدردی پر ہوتی ہے۔ لہذا مدیون سے ہدیہ و تحفہ لینا منع ہوا کہ اس سے دائن کے عمل احسان کا ابطال لازم آتا ہے۔

۲۔ قرض دے کر کسی شخص سے توقع نفع رکھنا ایک قسم کا سود شمار ہوتا ہے۔ پس اگر اس امر کو جائز کیا جاتا تو اس مرض کے عالمگیر ہونے کا اندیشہ تھا۔

۳۔ اگر دائن اپنے مدیون سے ہدایا و تحائف کا لینا قبول کر لیا کرے تو یہ ایک ایسا حیلہ ہے جو دروازہ

ربا کو مفتوح کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس باب کو مسدود رکھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حیلہ کو ہی منع فرما دیا تاکہ باب رباخوری مفتوح نہ ہو جاوے۔

رہن بھی قرض ہے اور اس میں بھی تبرع و احسان کی صفت موجود ہے مگر رہن کی بنا مضبوطی پر ہے۔ اور مضبوطی شے مرہون کے قبضہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس جب مرتہن راہن کی کسی چیز کو اپنے قبضہ میں رکھکر اُسکے خرچ و نقصان کا ذمہ دار ہو تو اسکے لئے نفع حاصل کرنا از روئے تقاضائے عقل سلیم اسی طرح جائز ہونے کا حق حاصل ہے جسطرح اُسکے مالک کو ہے۔

اور شریعت اسلامیہ نے بھی مرتہن کے لئے مرہون سے نفع حاصل کرنیکی یہی صورت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الظھر یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرھونا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقة۔

ترجمہ یعنے سواری کا خرچ اُٹھانے سے اُسکی سواری کی جاویگی جبکہ وہ مرہون ہو اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ اسکا خرچ اُٹھانے سے پیا جائیگا جبکہ وہ مرہون ہو۔ اور سوار ہونے والے اور دودھ پینے والے کو اسکا خرچ اُٹھانا پڑیگا۔ اسی بنا پر زمین کا گرو رکھکر مرتہن کو اُسکے منافع کا حاصل کرنا جائز شمار کیا جاتا ہے جبکہ مرتہن اسکی مالگذاری و کشت و کاشت کا ذمہ دار ہو۔ اس صورت میں تجاویز رہن جائز ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں یہ قانون تھا کہ اگر فصل ہو گئی تو حکام زمینداروں سے معاملہ وصول کرلیا کرتے تھے۔ اگر نہ ہوتی تو معاف ہو جاتا۔ اور اب خواہ فصل ہو یا نہ ہو حکام اپنا مطالبہ وصول کر ہی لیتے ہیں۔ پس چونکہ حکام وقت اپنا مطالبہ کسی صورت میں نہیں چھوڑتے تو اسطرح یہ رہن بھی جائز رہا۔ کیونکہ کبھی فصل ہوتی اور کبھی نہیں ہوتی۔ تو دونوں صورتوں میں مرتہن نفع و نقصان کا ذمہ دار ہے۔ پس رہن عمل کی صورت میں جائز ہے جب دودھ والا جانور اور سواری کا گھوڑا با قبضہ ہو سکتا ہے۔ ... کے دودھ اور سواری سے مرتہن فائدہ اُٹھا سکتا ہے تو زمین کا بہر تو آپ ہی حاصل ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں رہن کے متعلق فرہان مقبوضة کہکر مرہون کا قبضہ شرط قرار دیا ہے۔ پس جسکے لئے قبضہ کا حق حاصل ہے اسکے لئے انتفاع بھی جائز ہے۔

رہن زیور و زکوۃ زیور

زیور ہو یا کچھ ہو جبکہ حسب ارشاد نبوی انتفاع جائز ہے تو خواہ مخواہ تکلفات کیوں بناتے جائیں اگر کوئی شخص زیور کو استعمال کرنے سے اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے تو اسکی زکوۃ بھی اُسکے ذمہ ہے۔

کتاب الاکل والشرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ لَنَا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَوَضَعَ عَلَی الْاَشْیَاءِ عَلَامَاتٍ بَیِّنَاتٍ لِحِلِّیَّتِھَا وَحُرْمَتِھَا صَرِیْحًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَاَحْمَدِنِ الْمُجْتَبٰی الَّذِیْ بَیَّنَ لَنَا حَلَالًا وَحَرَامًا فَصِیْحًا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ اَوْصَلُوْا اِلَیْنَا کَلَامَہٗ جَلِیًّا وَّخَفِیًّا ط

وجوہات حرمت خنزیر

۱۔ اما بعد واضح ہو کہ خنزیر جو حرام کیا گیا ہے تو خدا تعالیٰ نے اُسکے حرام ہونے کی وجہ اُسکے نام میں ہی بیان فرما دی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خنزیر عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو خنز اور ار سے مرکب ہے جسکے یہ معنے ہیں کہ میں اسکو فاسد اور خراب دیکھتا ہوں خنز کے معنے بہت فاسد۔ اَر کے معنے ہیں دیکھتا ہوں۔ چنانچہ لفظ خنز کے متعلق نہایہ جلد دوم صفحہ ۳۰ میں حضرت ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یقال خَنَزَ یَخْنَزُ وَخَزِنَ یَخْزَنُ۔ اِذَا تَغَیَّرَ رِیْحُہٗ۔ یعنے جب کوئی چیز فاسد اور اسکی اصلی بو متغیر ہو جاوے تو اُسکے لئے عربی زبان میں لفظ خنز اور خزن استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں لولا بنو اسرائیل ما خنز اللحم یعنے اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت فاسد و گندہ نہ ہوتا۔ پس اس جانور کا نام جو ابتدا سے خدا تعالیٰ کیطرف سے اسکو ملا ہے وہی اسکی پلیدی پر دلالت کرتا ہے۔

اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی زبان میں اس جانور کو سُوَر کہتے ہیں۔ یہ لفظ بھی سُو اور اَر سے مرکب ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ میں اسکو بہت بُرا دیکھتا ہوں۔ اور اس سے تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ سُو عربی لفظ ہے۔ اسلئے ہندی زبان میں سُوَر کا ترجمہ بد ہے پس اس

جانور کو بد بھی کہتے ہیں۔ اور ان الفاظ کی وجہ تسمیہ اسطرح بیان کرنے میں ہم منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ جملہ اہل علم کا بیان ہے کہ الالفاظ لم یقصد لنفسها وانما هی مقصودة للمعانی المتوصل بها الی معرفة مراد المتکلم ومراده یظهر من عموم لفظه تارة ومن عموم المعنے الذی قصد تارة وقد یکون فهمه من المعنے اقوی وقد یکون اللفظ اقوی ترجمہ یعنے الفاظ بذاتها مقصود نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ متکلم کی مراد معلوم کرنیکے لئے مقصود ہوتے ہیں۔ اور متکلم کی مراد کبھی تو اُسکے عام لفظوں سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی اسکی مراد اُسکے معنے مقصود سے معلوم ہوتی ہے۔ اور گاہے اُسکی مراد معنے سے قوی تر اور کبھی لفظ سے زیادہ تر قوی مفہوم ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اصل لفظ غلطی عوام سے بدل جاتے ہیں تو اُسوقت یوں کہا جاتا ہے کہ الحقائق لاتتغیر بتغیر الالفاظ یعنے لفظوں کے بدلنے سے حقائق نہیں بدلتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں تمام اہل دنیا کی زبان عربی تھی اِس ملک میں یہ نام اس جانور کا عربی میں مشہور تھا جو خنزیر کے ہمنام ہے۔ پھر ابتک یادگار باقی رہگیا ہے۔ اں یہ ممکن ہے کہ شاستری میں اسکے قریب قریب یہی لفظ متغیر ہو کر اور کچھ بنگیا ہو۔ مگر صحیح لفظ یہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتھ رکھتا ہے۔ جسپر لفظ خنزیر گواہ ناطق ہے۔

پھر علاوہ ازیں لفظ سُور بھی اسی امر پر شاہد ہے۔ اس لفظ میں بھی اس جانور کے اوصاف مذمومہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ مفردات راغب میں لکھا ہے سُور (سور بمعنے حدت یعنے تیزی) اور السورة بمعنے الثورة یعنے غصہ وغضب۔ اس جانور میں غصہ وغضب بیحد ہوتا ہے اور رحم نہیں اسلئے اس نام سے بھی مسمّی ہوا۔ گویا غصہ ہی غصہ ہے۔ ایسا ہی جو انسان اس جانور کی صفات سے موصوف ہو جاوے اُسکو بھی یہی لقب ملتا ہے کیونکہ اُنہی صفات کے مطابق انسان کا حشر قیامت کو ہوگا جنسے وہ دنیا میں موصوف تھا۔

خنزیر حرص۔ خسے مردار خوار ۔۔۔ صورتے خوک بود روز شمار
سیرتے کاں در وجودت غالب است ۔۔۔ هم برآں تصویر حشرت واجب است

۲۔ اسبات کا کسکو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور بےغیرت و دیوث ہے اب اسکے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اسمیں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی

بد ہی ہوگا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے۔ پس جبکہ یہ امر مسلّم ہے کہ تغیر بدن و تغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے لہذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمادیا۔ جسکے صفات دنیۂ شیاطین کے ساتھ بالکل مشابہت رکھتے اور ملائکہ سے بعید ہونے کا سبب ہوں اور اخلاق صالحہ کے خلاف صفات کو پیدا کرنے والے ہوں۔

۳۔ سب غذاؤں سے زیادہ تر قوی الاثر گوشت ایسے جانور کا ہے جسکی صورت میں کوئی قوم مسخ کی گئی ہو۔ کیونکہ جب خداتعالےٰ کی لعنت اور اسکا غضب کسی انسان کیطرف متوجہ ہوتا ہے تو اسکے سبب سے انسان کے اندر ایک ایسا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو صحت انسانی سے اسقدر دور ہوتا ہے کہ وہ شخص انسان کی صورت نوعیہ سے بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں مسخ سے مراد مسخ معنوی ہے حقیقی نہیں ہے۔

۴۔ لعنت الہی بدن انسانی کے عذاب دینے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور ایسے وقت میں اسکا مزاج روحانی انسانی اخلاق سے نکلکر کسی خبیث جانور کے اخلاق و عادات اختیار کر لیتا ہے۔ جنسے طبائع سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے۔ ایسے وقت کہا جاتا ہے کہ خداتعالےٰ نے اس شخص کو مسخ کر کے بندر یا خنزیر بنادیا۔ پس خطیرة القدس میں اُسکے متعلق یہ علم متمثل ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے جانور اور انسان مغضوب علیہ اور رحمت الہی سے بعید ہو۔

۵۔ ایک مناسبت خفیہ ہے اس جانور میں اور طبیعت سلیمہ میں جو اپنی فطرت پر باقی ہو نہایت درجہ کا بُعد واقع ہے۔ پس لامحالہ ایسے جانور کا گوشت کھانا اور اسکو اپنے بدن کا جزو بنانا نجاست کے ساتھ ملاپ اور ان افعال کے عمل میں لانے سے جو غضب کو جوش میں لاتے ہیں زیادہ تر بڑھیگا۔ لہذا ہمیشہ سے خطیرة القدس کے ترجمان یعنے حضرت نوحؑ کے وقت سے تمام انبیاء علیہم السلام خنزیر کو حرام کرتے اور لوگوں کو اس سے دور رہنے کا حکم کرتے چلے آئے ہیں

۶۔ خنزیر یعنے خوک نجاست کیطرف بہت مائل ہے۔ خصوصًا انسان کا فضلہ یعنے براز اسکی خوراک ہے۔ اسکا گوشت اسی نجاست سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اسکا گوشت کھانا گویا اپنی نجاست کھانا ہے۔

۷۔ یہ جانور حرص۔ بیحیائی۔ بے غیرتی کی طرف اسقدر مائل ہے کہ دوسرے جانوروں میں اسقدر یہ خصلت نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ جو آدمی اسکا گوشت بطور مداومت کھاتا

ہیں ان اخلاق میں اس جانور سے کمال مشابہت رکھتے ہیں۔ جیسے نصاریٰ اور بعض اقوام ہنود وغیرہ۔

سؤر سراپا نجس ہے اور بیحیا ہے اُسکے مادہ پر جسکا جی چاہے جست کرے اسکو کچھ پرواہ نہیں۔ اسی لئے وہ قابل حرمت ہے تاکہ اُسکے کھانے سے بیحیائی نہ چھا جائے۔ اور دل وجان ناپاک نہ ہو جائیں جنسے خیالات ناپاک پیدا ہوں۔ وجہ یہ کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی اخلاق وکیفیات وخواص انواع حیوانات کو خیال فرمالیجئے۔

۸۔ صاحب مخزن الادویہ فساد گوشت خوک اور اُسکی حرمت کے تیرہ وجوہات ذیل تحریر کرتے ہوئے ظاہر فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے برخلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"گوشت خوک مولد خلط غلیظ است ومورث حرص شدید وصداع مزمن ودا الفیل ووجاع المفاصل وفساد عقل است ومعدہ وزوال مروت وغیرت وحمیت وباعث فحش است واکثرے از فرق غیر اسلامی آنرا می خورند وقبل از ظہور نور اسلام گوشت آنرا در بازارہا میفروختند وبعد ازاں در مذہب اسلام حرام وبیع آں ممنوع وموقوف گردید۔ بسیار کثیف وبدہیئت است

۹۔ منجملہ اور وجوہات کے اس جانور کے حرام ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسکا گوشت کھاتے ہی انسان پر فوراً سوداوی امراض حملہ آور ہوتے ہیں۔ چنانچہ مخزن الادویہ میں لکھا ہے:۔

"چوں خوردن لحم مورث خلط سودا وامراض سوداوی است باید کہ شخصے کہ ناچار باشند بخوردن آں تبہر نماید بدن خود را باخراج سودا وترطیب آں باستعمال ادہان ولعابات وچوں تناول نماید در بدن خود ثقلے وتمددے دریابد وزود از معدہ او نگذر د وباید کہ مبادرت نماید باخراج آں۔

کیا خوک نجس العین ہے

اکثر کا اتفاق ہے کہ خوک نجس العین ہے اسکی کسی چیز سے انتفاع جائز نہیں ہے مگر حضرت امام اعظم اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے تجویز فرمایا ہے کہ اُسکے بالوں سے جھول اور خورجیاں اور دوسری چیزیں اُسکے چمڑے کی بنائی جاویں (تفسیر عزیزی) حضرت امام اعظم وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا اسناد قرآن کریم کی دو آیات ذیل سے ہے۔ اول۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

یعنے خدا تعالےٰ وہ قادر ومحسن ہے جس نے زمین کی تمام اشیاء تمہارے انتفاع وفوائد کے لئے پیدا کی ہیں۔ کیونکہ زمین کے اگر بعض جانوروں کا کھانا حرام ہے تو اُن سے دیگر انتفاع جائز ہیں مثلاً گدھا وغیرہ۔ ایسے بہت جانور ہیں جنکا گوشت تو حرام ہے مگر اُن سے باربرداری وغیرہ فوائد حاصل کرنا جائز ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ یوں نہ فرماتا کہ زمین کی تمام اشیاء تمہارے منافع کے لئے خدا نے پیدا کی ہیں۔ دوسری آیت یہ ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ یعنے حرام کیا گیا تمپر گوشت مردار کا کھانا اور خون اور گوشت خوک کا کھانا۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حرمت گوشت خوک کی خصوصیت فرمادی ہے اور اگر اُسکے وجود کی دوسری اشیاء سے انتفاع بھی حرام ہوتا تو خدا تعالیٰ یوں فرمادیتا کہ خوک تمپر حرام کیا گیا۔

گوشت خوک کے کھانیسے نہی شدید کی وجہ

غالباً گوشت خوک کو کوئی فرقہ کھایا کرتا تھا لہذا شرائع الہی میں اُسکے کھانے سے نہایت شدت کے ساتھ نہی کی گئی اور اسکو چھوڑ دینے کا حکم ہوا۔ اور دیگر حرام جانوران بندر وچوہا وغیرہ ایسے ہیں کہ انکو کوئی قوم نہیں کھاتی اسلئے اُن سے نہی کرنے میں تاکید شدید کے نزول کی ضرورت نہیں ہوئی۔

وجہ حرمت بندر

خدا تعالیٰ فرماتا ہے جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ۔ ترجمہ یعنے خدا تعالےٰ نے کر دیا اُن میں سے بعض کو بندر وخوک اور پرستش کرنیوالے شیطان کے۔ اور اسی کی مثل یہ ہے کہ جس زمین میں خسف یا عذاب نازل ہوا ہے اُس زمین میں ٹھہرنا مکروہ ہے اور مغضوب علیہم کی ہیئت بنانا بھی قبیح ہے۔ کیونکہ ان اشیاء کے ساتھ ملتبس ہونیکا اثر ان ہیئات کو ساتھ ملتبس ہونیکے اثر سے کم نہیں ہے جو مزاج شیطانی کا اقتضا ہو اور انکو بعد اُس جانور کا کھانا حرام ہو جسکی سرشت میں ایسے افعال داخل ہیں جو ان اخلاق کے برخلاف ہیں جو نوع انسان سے مطلوب ہیں۔

جملہ درندہ جانوروں و شکاری پرندوں کے حرام ہونیکی وجہ

سارے درندہ جانور جنکی سرشت وفطرت میں پنجوں سے چھیلنا اور دبدبہ سے زخم پہونچانا ہے

اور جنہیں سخت دلی ہے سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑیے کے بارے میں فرمایا ہے اَوَ یَاکُلُہٗ اَحَدٌ۔ یعنے کیا بھیڑیے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے یعنے اسکو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہو جاتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام درندوں کے کھانے سے منع فرمایا اسلئے کہ انکی طبیعت اعتدال سے خارج اور انکی عادات بد اور اُنکے دلوں میں رحم نہیں ہوتا۔ ہر شکاری پرند کے کھانے سے بھی آنحضرت نے منع فرمایا۔ اور بعض جانوروں کو آپ نے فاسق تعبیر فرمایا۔ لہذا ایسے جانوروں و پرندوں کا کھانا حرام ہے۔ کیونکہ اُنکے کھانے سے اُن جیسی خصلت کھانے والے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ یَوْمَ خَیْبَرَ کُلَّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ۔ وَعَنْ جَابِرٍ رض حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ خَیْبَرَ الحُمُرَ الْاِنْسِیَّۃَ وَلُحُوْمَ الْبِغَالِ وَکُلَّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّیْرِ۔ ترجمہ یعنے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ایک ذی ناب درندے کو حرام فرمایا۔ اور جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن اہلی گدہے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک ذی ناب کو یعنے درندے جانوروں و پنجوں والے پرندوں کو حرام فرمایا شیر۔ بھیڑیا۔ ریچھ۔ گیدڑ۔ لومڑ۔ نیولا۔ باز۔ شاہین۔ چیل۔ باشا۔ وغیرہ سب حرام ہیں۔ کیونکہ یہ سب ذی ناب اور درندے جانور ہیں۔ اگر مذکورہ بالا جانوروں میں سے کسیکو خواب میں دیکھا جائے تو اس سے مراد ظالم و وہوکہ باز و غاصب انسان ہوتے ہیں۔ پس جو شخص ایسے جانوروں کا گوشت کھائے اُسمیں بالضرور ایسے جانوروں کے اوصاف پیدا ہونگے۔ جو مزاج انسانیت کے برخلاف ہیں۔

وجہ حُرمتِ مردار و خون

۱۔ مردار کا حرام ٹھہرانا عین حکمت الٰہی ہے۔ کیونکہ جانور کے بدن کو پاک کرنے والا روح ہے۔ جب روح اُس سے جدا ہو جاوے تو اسکی عفونت کو دور کرنے والا نہیں رہتا لہذا وہ عفونت اُسکے سارے بدن کو فاسد کر دیتی ہے اور بہت بدمزہ او ربدبو اور بد تاثیر ہو جاتا ہے۔

جو لوگ غلطی سے مردار خوار ہوں انکی صورت و شکل و اخلاق ایسے قبیح ہوتے ہیں کہ گویا

انکا مزاج ہی انسانیت سے خارج ہوتا ہے۔ رزالت طبع و قساوت قلبی انکی فطرت و جبلت ہو جاتی ہے۔

۲۔ مردار کے اندر ایک خطرناک زہر ہوتا ہے جسکا نتیجہ انسان کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔ چنانچہ جتنی مردار خوار قومیں ہیں انکی زبان جلد عقل موٹی اور بھدی ہوتی ہے اوروں کو نہیں تو چوہڑوں کو دیکھ لو۔ شریف گھروں سے کھاتے ہیں۔ اُنہی کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی مردار خوری کا اثر انکی شکلوں اور عقلوں سے ظاہر ہے۔

۳۔ خون کے اندر اس قسم کی زہریں ہوتی ہیں جنسے اعصاب کو تشنج۔ فالج۔ استرخا ہو جاتا ہے۔

۴۔ خون کا کھانا اخلاق درندوں کیطرف مائل کرتا ہے۔ اور مزاج میں غصہ و بیکی پیدا کرتا ہے۔ جیسے کہ حبشیوں اور چماروں و مردار خواروں میں جو خون کھانیکے معتاد ہیں یہ اخلاق ظاہر ہیں۔ لہذا اتقاضا حکمت الٰہی سے یہ چیزیں حرام کی گئیں۔ کیونکہ جو مردار خواروں میں نقصانات ہوتے ہیں وہ خون کھانے میں لاحق ہوتے ہیں۔ اور اگر خون زندے جانوروں کا نکال کر کھاتے تو یہ صورت خونخواروں کی ہو جاتی۔ جو دائرۂ انسانیت سے باہر ہے۔ اور جانور بھی بہ سبب نکل جانے خون کے کمزور ہو جاتے کیونکہ حیوان کی قوت کا مادہ اور روح کا مرکب خون ہی ہوتا ہے اور بوقت ضرورت اُن سے فائدہ حاصل نہ کر سکتے اور انکا گوشت بدمزہ ہو جاتا اور سواری و باربرداری کا کام بھی نہ دے سکتے۔ پس حلال جانوروں کا خون حلال ٹھہرانا ایسا ہے جیسے کوئی حاکم و رئیس زمیندار سبز اور کچی کھیتی کھانے سے منع فرما دے۔ تاکہ انجام کار نقصان نہ ہو۔

۵۔ خنزیر و مردار و خون کی حرمت کی وجہ خدا تعالےٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ گندی چیزیں ہیں۔ انکے کھانے سے انسان کا ظاہر و باطن گندہ اور انسان فاسق بنجاتا ہے۔ اور ایسا ہی غیر اللہ کے نام پر کسی چیز کے ذبح کرنے اور اُسکے کھانے والے کا حال ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّہٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ۔ ترجمہ یعنے حلال نہیں ہے مردار اور خون رواں اور گوشت خوک کا کھانا کیونکہ یہ چیزیں گندی ہیں۔ انکے کھانے سے گندے اخلاق و گندے اعمال ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایسا ہی غیر اللہ کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز کا کھانا بھی حلال نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے جانور کے کھانے سے انسان فاسق و بدکار بنجاتا ہے۔

الغرض مردار کا کھانا اسلئے شریعت میں منع ہے کہ مردار بھی کھانے والے کو اپنے رنگ پر

لاتا ہے۔ اور نیز ظاہری صحت کے لئے بھی مضر ہے۔ اور جن جانوروں کا خون اندر ہی اندر رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا۔ یہ تمام جانور درحقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔ کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے۔ نہیں۔ بلکہ بوجہ مرطوب ہونے کے بہت جلد گندہ ہوگا۔ اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کریگا۔ اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مرکر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دینگے۔ تمام ملل حقہ و باطلہ میں مردار جانور حرام ہیں۔ ملل حقہ کا اسبات پر اسواسطے اتفاق ہے کہ خطیرۃ القدس سے اُن ملت والوں کو اسبات پر تفہیم و تلقی ہوئی کہ یہ چیزیں خبیث ہیں۔ اور مذاہب باطلہ کا اسواسطے اتفاق ہے کہ انکے علم میں اکثر مردار چیزوں میں زہریلا اثر ہوتا ہے۔ مردار جانور کے بدن میں مرتے وقت اخلاط سمیہ پھیل جاتے ہیں جنکو انسانی مزاج سے منافات ہوتی ہے۔ پھر اسبات کی ضرورت ہوئی کہ مردار جانور کو غیر مردار سے جدا کیا جاوے۔ اسکا انضباط اسطرح کیا گیا کہ مردار وہ جانور ہے جسکی جان کھانے کی غرض سے نہ نکالی جائے۔ اسواسطے اُس جانور کا کھانا حرام ہوگیا جو سینگ لگکر یا کہیں سے گرکر مرجائے یا کوئی درندہ اسکو کھائے۔ کیونکہ یہ سب خبائث اور موذی چیزیں ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ۔ ترجمہ۔ یعنی حرام ہوا تمپر مردار اور لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا گیا اللہ تعالےٰ کے سوا۔ اور جو مرگیا گھٹ کر یا چوٹ سے یا گرکر یا سینگ مارے سے اور جسکو کھالیا پھاڑنے والے درندے نے۔ مگر جو تم نے ذبح کرلیا وہ حلال ہے۔ اور جو ذبح کیا ہو جا کر کسی تھان پر کسی ولی وغیرہ کی تقرب سمجھکر۔ اور یہ کہ بانٹا ہو پانسے ڈالکر۔ یہ سب فسق کے کام اور حرام ہیں۔

۔ خدا تعالیٰ نے مذکورہ بالا مردار جانوروں و دیگر اشیاء کی حرمت بیان کرکے انکی وجہ حرمت بھی آخر ظاہر فرمائی۔ یعنے وہ یہ کہ ان اشیاء کے کھانے سے اور ایسے کام کرنے سے انسان فاسق بنجاتا ہے اسلئے انکو حرام کیا گیا۔

میتہ۔ دم۔ لحم الخنزیر۔ ما اھل بہ لغیر اللہ۔ انکی وجہ حرمت یہ ہے کہ مردار کا اثر بد جسم پر اور خون کا اثر بد روح پر اور گوشت خوک کا اثر بد اخلاق و عادات پر اور مذبوح باسم غیر اللہ کا اثر بد اعتقادات پر پڑتا ہے۔

وجہ حرمت کوا۔ چیل۔ چھپکلی۔ مکھی۔ سانپ۔ بچھو۔ چوہا

وہ حیوانات جنکی طبیعت میں آدمیوں کو ایذا دینا و تکلیف پہونچانا اور اُن سے کسی چیز کا اوچک لینا اور اُنپر لوٹ کرنے کی غرض سے فرصت کے منتظر رہتے ہیں اور ان میں شیطانی الہام کے قبول کرنے کا مادہ ہے۔ وہ سب حرام ہیں۔ اور یہی وجہ انکی حرمت کی ہے۔ اور احادیث نبویہ میں انکی تفصیل ذیل آئی ہے عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَيَّةُ فَاسِقَةٌ وَالْعَقْرَبُ فَاسِقَةٌ وَالْفَأْرَةُ فَاسِقَةٌ وَالْغُرَابُ فَاسِقٌ۔ ترجمہ پیغمبر خدا علیہ الصلوۃ والسلام سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی راوی ہیں کہ سانپ فاسق ہے۔ بچھو فاسق ہے۔ چوہا فاسق ہے۔ کوا فاسق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو فاسق فرماکر انکی حرمت کی وجہ بیان فرمادی۔ یعنے جو کوئی ان جانوروں کو کھائیگا اُسمیں فسق کے اوصاف پیدا ہوجائینگے۔ دوسرا ان جانوروں کو فاسق کہنے میں اس امر کیطرف ایما فرمایا کہ ان جانوروں کو جسقدر کوئی پالتو بنائے اور انکی پرورش کرے اُسکو بالآخر ضرر دینگے اور حق تربیت و عہد ربوبیت کو توڑ دینگے۔

اور اس امر کی وجہ کہ آپ نے کیوں ان جانوروں کو حرام نہ کہا اور فاسق فرمایا۔ یہ ہے کہ اگر آپ ان جانوروں کو گنکر فرمادیتے کہ یہ جانور حرام ہیں تو پھر انکی وجہ حرمت جو آپکو بیان کرنی مطلوب تھی اسکے بیان کے لئے دوبارہ کلام دوہرانی پڑتی۔ لہذا ایک ہی بار میں حرمت اور وجہ حرمت بیان فرمادی۔ اُوتیتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ اور ہر جانور کے لئے علاحدہ علاحدہ فاسق کا لفظ فرمانا ان جانوروں کی شدت حرمت اور انکو کھانے سے نہی و منع کی تاکید نکلتی ہے۔

دوسری حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالفاظ ذیل روایت فرمائی ہے قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ الْفَأْرَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْغُرَابُ وَالْحُدَيَّا وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ ترجمہ یعنے پانچ جانور فاسق ہیں۔ اُن کو حرم میں بھی قتل کیا جاوے۔ چوہا۔ بچھو۔ کوا۔ چیل۔ دیوانہ کتا۔

چونکہ حرم کے جانوروں کے مارنے و شکار کرنے میں نہی تھی لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو انکی شدت سرکشی و عصیان کے باعث حرم میں بھی مار ڈالنے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ باغی و سرکش کو حرم میں بھی امن نہیں ملسکتا۔

ان جانوروں کی حرمت ظاہر ہے کہ جو کوئی انکا گوشت کھائے وہ انہی کا متصف ہوجائے
کوّے کے اکثر خصائل بد ہیں۔ لوٹ مار وایذا وہی ہیں اول درجہ کا ہے۔ مگر اسمیں تین ایسے خصائل
بھی ہیں جنسے انسان کو سبق سیکھنا وعبرت حاصل کرنا چاہیئے۔

۱۔ کوّے کو کسی نے جماع کرتے کم دیکھا ہے (۲) ایک ٹکڑا بھی کھانے کو ملجائے تو اُڑکر اور ونکو
اطلاع ضرور کردیگا کہ یہاں کچھ ملتا ہے۔ (۳) کسی کوّے کو صدمہ پہونچے تو سب وہاں جمع ہوجاتے
ہیں۔ اسی واسطے شور وغل کو ہماری زبان پنجابی میں کاواں رولی کہتے ہیں۔

ایک بڑے شکاری سے پوچھا گیا کہ کبھی کسی کوّے کی لاش تم نے جنگل میں دیکھی ہے تو اسنے
کہا کہ نہیں۔ ان باتوں سے تین باتیں نکلیں۔ شرم وحیا بھی کوئی چیز ہے۔ نیک برتاؤ کرنا چاہیئے۔
اور ہمدردی مردے کی لاش کو دفن کرنیکی فکر۔

وجہ حُرمت حشرات الارض ہزارپا وغیرہ

وہ حیوانات جنکی سرشت وفطرت میں ذلت اور گڑھوں میں چھپا رہنا پایا جاتا ہے۔ مثلاً چوہا اور
دیگر حشرات الارض وغیرہ جو اس قسم کے جانور ہیں وہ سب حرام ہیں۔ اور انکی وجہ حرمت یہ ہے کہ انکو
کھانے والا انہی جانوروں کے اوصاف اور خصلتیں قبول کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم تعبیرات
سے ثابت ہو کہ رویا میں ان جانوروں کو دیکھنے سے مراد دنی ہمت انسان ہوتے ہیں۔
دوسری وجہ حرمت ان جانوروں کی یہ ہے کہ تمام حشرات الارض میں سمی مادہ ہوتا ہے۔
انکے کھانے سے انسان ہلاک ہوجاتا ہے۔

وجہ حرمت کتّا وبلّی

کتّا وبلّی دونوں درندے جانور ہیں اور حرام چیزوں کو کھاتے ہیں۔ کتّا شیطان ہوتا ہے۔ پس
جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے اُسکے کھانے والیکو بھی شیطان اور
درندہ بننا پڑتا۔ اسلیئے اُسکی حرمت فرمائی عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم
عَنْ اَکْلِ الْھِرَّۃِ وَثَمَنِھَا۔ ترجمہ۔ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے کھانے
اور اُسکی قیمت سے منع فرمایا۔

کتا خبیث ترین وذلیل ترین وخسیس ترین وحریص ترین حیوانات سے ہے اُسکی ہمت

اُسکے پیٹ سے آگے نہیں گذرتی۔ اسکی شدت حرص میں سے ایک یہ بات ہو کہ جب وہ چلتا ہے تو
شدت حرص کی وجہ سے ناک زمین پر رکھکر زمین کو سونگھتا جاتا ہے اور اپنے جسم کے سارے
اعضا کو چھوڑکر ہمیشہ اپنے دبر کو سونگھتا ہے اور جب اُسکی طرف پتھر پھینکو تو وہ فرط حرص وغصہ
کی وجہ سے اُسکو کاٹتا ہے۔ الغرض یہ جانور بڑا حریص وذلیل ودنی ہمت ہوتا ہے۔ گندے مردار
کو بہ نسبت تازے گوشت کے زیادہ پسند کرتا ہے اور نجاست کو بہ نسبت حلوا کے بڑی چاہت
سے کھاتا ہے۔ اور جب کسی ایسے مردار پر پہونچے جو صدہا کتوں کے لئے کافی ہو تو وہ بشدت
حرص وبخل کی وجہ سے اُس مردار سے دوسرے کتے کو ذرہ بھر بھی کھانے نہیں دیتا۔ اور
اسکی حرص میں سے ایک یہ امر بھی عجیب ہو کہ جب وہ کسی خستہ حال وکہنے وپھٹے پرانے کپڑوں
والے شخص کو دیکھتا ہے تو اُسکو بھونکتا اور اُس پر حملہ آور ہوتا ہے۔ گویا وہ تصور کرتا ہو
کہ وہ شخص اُسکی روزی میں ساجھی ہونا چاہتا ہے اور جب کسی وجیہ وا چھے لباس والے اور
رعبناک آدمی کو دیکھتا ہے تو اسکا مطیع ہوجاتا ہے۔

پس جب کتے کے ایسے اوصاف مذمومہ ہیں تو جو شخص اُسکو کھاتا وہ بھی اُنہی اوصاف سے
متصف ہوتا۔ لہذا یہ جانور حرام ٹھہرایا گیا۔

وجہ حرمت گرگٹ اور اُسکے مارنیکی تاکید شدید کا راز

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم صادر فرمایا اور اسکا نام فاسق
رکھا اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی آگ پر یہ پھونک مارتا تھا۔ اسکی وجہ
یہ ہے کہ بعض حیوانات کی سرشت وخلقت میں یہ بات داخل ہے کہ اُن سے مدام افعال
قبیحہ وہیئات شیطانیہ صادر ہوتے رہتے ہیں اور وہ حیوانات شیطان کے قریب تر ہوتے ہیں
اور وسوسہ کے اعتبار سے اُسی کے تابع ہوتے ہیں اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے معلوم
کر لیا تھا کہ گرگٹ بھی اُنہی حیوانات میں سے ہے اور اسبات پر آپ نے آگاہ فرمایا کہ وہ
حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی آگ کو پھونکتا تھا۔ شیطان کے وسوسہ کے سبب ہو اُسکا یہ کام
مقتضائے طبع سے تھا۔ اگرچہ اُسکے پھونکنے سے آگ میں کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔

گرگٹ کے قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی۔ ایک تو یہ کہ اسمیں نوع انسانی
کی ایذا کا دفعیہ ہے تو اسکا حال ایسا ہے کہ اسمیں لشکر شیطانی کا توڑنا ہے اور اُسکے وسوسہ کا دور کرنا

اور یہ بات خداوند کریم اور اسکے ملائکہ مقربین کے نزدیک پسندیدہ امر ہے۔

مخزن الادویہ میں گرگٹ کے متعلق لکھا ہے کہ "کمسے رانی گزود چوں بگزد کشندہ است ومعالجہ ندارد وگوشتِ آں سمِ قتال است وعارض مے گردد۔ از خوردنِ آں قے ووجع فواد ہمیشہ نظر بآفتاب دارد۔ ودر ایام گرما چہرہ آں سرخ مے گردد۔ ودنبالہ آں بلند وچشمہائے آں بجمیع جہات حرکت مے کند برائے آنکہ صیدِ خود را ہر طرف کہ باشد بہ بیند وچوں صید او کہ مگس وامثال آن است نزدیک او آید بسرعت زبان خود را برمے آرد وآنرا مے رباید واز دور کہ مے بیند رفتہ آنرا صید مے کند وحشرات سمی مانند ہزار پا وعقرب را صید مے کند ومے خورد"۔

ترجمہ۔ یہ جانور کسی کو نہیں کاٹتا اور اگر کاٹ جائے تو آدمی مرجاتا ہے اور اسکے زہر کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اسکا گوشت زہر مہلک ہے اور اسکے کھانے سے قے اور دردِ دل شروع ہوجاتا ہے۔ اور ہمیشہ آفتاب کیطرف نظر رکھتا ہے اور گرم موسم میں اسکا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے۔ اسکی دُم بلند اور آنکھیں سب طرف حرکت کرتی رہتی ہیں تاکہ اپنے شکار کو ہر طرف دیکھے۔ اور جب اسکا شکار مکھی وغیرہ اُسکے نزدیک پہونچے تو فوراً اپنی زبان کو باہر نکال لیتا ہے اور اُسکو نگل جاتا ہے اور دور سے دیکھکر بھی ان اشیا کا شکار کرتا ہے اور زہریلے حشرات الارض ہزار پا اور کجھجو وغیرہ اسکی خوراک ہوتے ہیں"۔

اس جانور کی وجہ حرمت صاف ظاہر ہے کہ اسکا گوشت قاتل ومہلک ہوتا ہے اور کیونکر نہ ہو جیسا بیج ویسے پھل۔ جبکہ اسکی خوراک ہی زہریلے جانور ہوئے تو اسکے زہر کا اثر بالضرور ظاہر ہونا ٹھہرا۔ ہمارے ملک پوٹھوار میں اس جانور کا نام سپ گُڈی یعنے سانپ کی گودی مشہور ہے۔ گودی مغز ولب کو کہتے ہیں۔ گویا اس ملک کے کسی حاذق نے اسکے نام میں ہی اسکی خواص ظاہر کرکے اس نام سے اسکو مسمی کردیا۔ یعنے یہ جانور سانپ کے زہر کا مغز اور اصل ہے۔

وجہ حرمت گوشت اُلو وچمگادڑ

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ غذا کا اثر بدن کے علاوہ روحانی اخلاق واطوار پر بھی ہوتا ہے۔ اس پرندہ یعنے اُلو کی حماقت اور بیوقوفی وذلت ثابت شدہ امر بلکہ ضرب المثل ہے چنانچہ جب کوئی حماقت وبیوقوفی کا کام کرتا ہے تو اسکو کہتے ہیں او اُلو! تم نے ایسا کام

کیوں کیا ہے۔ صاحب مخزن لکھتا ہے کہ خوردن گوشت آں مورث ابلہی وبیوقوفی در جمیع امور است۔ یعنے اس جانور کا گوشت کھانے سے انسان میں کند ذہنی وحماقت وبیوقوفی پیدا ہوتی ہے لہذا اس جانور کی حرمت کی وجہ اظہر ہے کہ جو کوئی اسکو کھاتا اُسکو اُلو یا اُسکا پٹھا بننا پڑتا۔

یہی حال چمگادڑ کی حرمت کا ہے۔ اس جانور کی فطرتی کور بینی وحماقت وذلت ایسی مشہور ومعروف ہے کہ ضرب المثل ہوگئی ہے۔ چنانچہ جب کوئی ظاہر وباہر صداقت کو نہیں مانتا تو اُسکو کہا کرتے ہیں۔ شپرکے است کہ روز روشن را شب قرار مے دہد۔ یعنے چمگادڑ ہے کہ روز روشن کو رات قرار دیتی ہے۔ پس جو کوئی اس جانور کو کھاتا اسکی صداقت اور حقائق بینی کی آنکھ میں کوری پیدا ہوتی۔ لہذا اس جانور کا کھانا بھی حرام ہوا۔

وجہ کراہیت خوردن گوہ یعنے سوسمار

جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سوسمار یعنے گوہ کی نسبت فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ پر جب غضبناک ہوا تو انکو اُن جانوروں کی صورت میں جو زمین پر چلتے ہیں مسخ کردیا معلوم نہیں کہ شاید گوہ بھی انہی میں سے ہو۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبل از بعثت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اہل عرب سوسمار کو کھایا کرتے تھے چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کسریٰ کو دعوت کا خط لکھا تو اس نے حقارت کے طور پر کہا کہ سوسمار کے کھانے والے میرا تخت لینا چاہتے ہیں۔ اس ماجرا کو فردوسی حکایۃً شاہ فارس کیطرف سے لکھتا ہے ؎

زشیر شتر خوردن سوسمار ۔۔۔ عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیان را کنند آرزو ۔۔۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔

الغرض ایک دفعہ آپ کے دسترخوان پر لوگوں نے موافق سابق رسم کے سوسمار کا گوشت کھایا اسلئے کہ اہل عرب اسکو طیب چیزوں میں شمار کرتے تھے اور ایکبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوسمار کے نہ کھانے کی نسبت یہ عذر کیا کہ میری قوم کے ملک میں یہ جانور نہ تھا اسلئے مجھو اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اور ایکبار احتمال مسخ کے ساتھ معذرت فرمائی۔ اور ایکبار اس سے نہی فرمائی ان اقوال وروایات میں تناقض نہیں ہے کیونکہ اسمیں دونوں وجوہ پائی جاتی ہیں کہ غذا کیلئے

ہر چیز کافی ہے مگر مشتبہ چیز کا ترک کرنا بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْحَرَامُ بَیِّنٌ وَالْحَلَالُ بَیِّنٌ وَبَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَاتٌ۔ یعنے حرام وحلال ظاہر وباہر ہیں اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں لہذا شبہ والی اشیا کو ترک کرنا ہی انسب و افضل ہے۔

حکمائے لکھا ہے کہ سوسمار کی عمر سات سو سال سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اور اسکی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ پانی نہیں پیتا۔ اور ہر چالیس یوم میں ایک قطرہ بول کرتا ہے۔ اور اسکی چربی برقرار رہتی ہے ایام سرما میں زمین کی تہ میں چلا جاتا ہے اور اپنے رہنے کا بل کا راستہ باہر سے بند کر دیتا ہے اور موسم گرما میں باہر آجاتا ہے۔ حضرت حاتم اصم کہتے ہیں ؎

وَکَیْفَ اَخَافُ الْفَقْرَ وَاللّٰہُ رَازِقِیْ ۔۔۔ وَرَازِقُ ھٰذَا الْخَلْقِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ
تَکَفَّلَ بِالْاَرْزَاقِ لِلْخَلْقِ کُلِّھِمْ ۔۔۔ وَالضَّبِّ فِی الْبَیْدَاءِ وَالْحُوْتِ فِی الْبَحْرِ

ترجمہ۔ میں بھوک سے کیونکر ڈروں جبکہ خدا میرا رازق ہے اور رازق ہے مخلوق کا تنگی اور آسانی میں۔ مخلوق کے رزق کا وہ ضامن ہے اور وہ رازق ہے سوسمار کا چٹیل میدانوں میں اور مچھلیوں کا سمندر میں۔ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَۃَ اُھْدِیَ لَھَا ضَبٌّ فَسَأَلَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ یَحِلُّ اَکْلُہٗ فَنَھٰی ھَا عَنْ اَکْلِہٖ فَجَاءَ سَائِلٌ فَاَمَرَتْ لِلسَّائِلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتُطْعِمِیْنَ مَا لَا تَاکُلِیْنَ (مسند امام اعظم ص۲۱۵) ترجمہ۔ یعنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بطور ہدیہ ایک سوسمار لایا گیا تو آپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ کیا اسکا کھانا حلال ہے۔ تو آپنے اسکے کھانے سے منع فرمایا۔ پس ایک سوالی آیا تو حضرت عائشہ رض نے اس سوالی کو وہ سوسمار دینے کے لئے امر فرمایا پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو دوسرے کو وہ چیز کیوں کھلاتی ہے جسکو تو خود نہیں کھاتی۔

وجہ حرمت گدھا و خچر اور جو اون کی مانند ہیں

وہ حیوانات جو نجاستوں اور ناپاکیوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور انہیں رہتے ہیں۔ اور وہی کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انکے بدن اُن میں بھرے رہتے ہیں۔ مثلاً گدھا۔ یہ جانور حماقت و بیوقوفی و ذلت میں ضرب المثل ہے۔ جو کوئی بیوقوفی و حماقت کا کام کرتا ہے تو اسکو

گدھے کا خطاب ملتا ہے۔ پس جو ایسے جانور کا گوشت کھائے تو بالضرور وہ ذلت اور حماقت و بے وقوفی و بلے تیزی میں گدھے کی مانند ضرب المثل ہو جائے۔ اکثر اہل عرب جنکی طبائع سلیمہ تھیں۔ اسکو حرام سمجھتے تھے اور شیاطین کے ساتھ اسکو مشابہت دیتے تھے۔ جیسا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا سمعتم نہیق الحمار فتعوذوا باللہ من الشیطان فانہ رائی شیطانا۔ ترجمہ۔ یعنے جب تم گدھے کا آواز سنو تو خدا تعالے کے ساتھ شیطان سے پناہ لو۔ اسلئے کہ اُس نے شیطان کو دیکھا ہے۔ بلاشبہ یہ جانور مزاج نوع انسان کے مخالف ہے۔ لہذا طب کے اعتبار سے بھی اسکا کھانا نہ چاہئے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک ایسے جانور کے کھانے اور اسکا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے۔ اسکی وجہ بھی ظاہر ہے جبکہ اسکے اعضا نے نجاست کو جذب کر لیا اور اُسکے اجزا میں پھیل گئی تو اسکا حکم مثل نجاست یا اُس جانور کی مثل ہو گیا جو نجاست میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

گدھا شیطان کو دیکھکر رینگتا ہے۔ عرب کے پاکیزہ اور ذکی الفطرت لوگ اسکو حرام جانتے تھے زیادہ تر اسکی حرمت کی وجہ اسکے خصائل مذمومہ ہیں ورنہ نجاست تو استحالہ سے پاک ہو جاتی ہے۔

وجہ پیدائش جانوران و اشیائے حرام

سوال۔ جبکہ بعض جانوروں اور بعض اشیا کے کھانے سے انسان کو منع کیا گیا ہے اور انکو اسپر حرام ٹھرایا گیا ہے۔ تو پھر خدا تعالے نے انکو کیوں پیدا کیا ہے۔ وہ کس کام آتے ہیں جواب (۱) خدا تعالے فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا یعنے تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمام وہ چیزیں اور جانور جو زمین میں ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ خدا تعالے نے تمام حلال وحرام چیزیں انسان ہی کے لئے پیدا کی ہیں۔ اسلئے کہ اگر ایک چیز کا استعمال ایک وجہ سے حرام ہے تو دوسری وجہ سے حلال ہے دیکھو گدھے کا کھانا حرام ہے مگر اسپر سواری کرنا اور اسپر بوجھ لادنا حلال ہے۔ ایسا ہی تمام درندہ جانوروں کا کھانا حرام ہے۔ مگر انکے چمڑوں کی پوستین بناکر پہننا اور انکی چربی رغن

اور اعضائے ماؤفہ کو لگانا حلال ہے۔ ایسا ہی اور حرام جانوروں اور اشیائے محرمہ کے
متعلق سمجھ لو کہ مِن وجہ اُنکا استعمال حرام ہے اور مِن وجہ حلال ہے۔
(۲) محرمات خدا تعالےٰ کی باڑ ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
اَلَا لِکُلِّ مَلِكٍ حِمًى وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ تَعَالٰى مَحَارِمُهٗ۔ ترجمہ۔ سنو۔ ہر ایک بادشاہ کی بلاد
ہولی ہے اور خدا تعالےٰ کی باڑ اُسکے محرمات ہیں۔

وجہ حرمت حیوانات و اشیاء محرمہ

تما وہ جانور جو حرام کیئے گئے ہیں اُنکی وجوہ حرمت ذیل ہیں۔
(۱) خباثت و گندگی کی وجہ۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ
وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰى۔ ترجمہ
یعنے پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمکو دی ہیں اور اُن میں زیادتی نہ کرو۔ ورنہ تمپر میرا غضب
نازل ہوگا۔ اور جسپر میرا غضب نازل ہوگیا وہ گر گیا۔
اس سے واضح ہوا کہ خباثت کو کھانے سے انسان مغضوب الٰہی بنجاتا ہے۔
طغیانی کے معنے اسجگہ یہ ہیں کہ طیبات سے آگے نہ بڑھو اور خباثت کو نہ کھاؤ۔
(۲) درندگی کی وجہ۔ یعنے ایسے جانوروں کے کھانے سے انسان درندہ طبع بنجاتا ہے۔
(۳) زیادہ تر شیطانی امور سے مشابہت کی وجہ۔
(۴) سمیت کی وجہ۔ یعنے بعض جانور و چیزیں زہردار ہونیکی وجہ سے حرام ہیں۔
(۵) بداخلاقی کی وجہ۔ یعنے بعض جانوروں کے کھانے سے انسان بداخلاق بنجاتا ہے۔
(۶) بداعتقادی کی وجہ۔ یعنے بعض ایسے جانوروں و اشیاء کے کھانے سے انسان
میں بداعتقادی کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں۔

وجہ حرمت چھپکلی

اس جانور کو عربی میں خناز بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ مفردات راغب میں لکھا ہے۔ وَفِیْ
حَدِیْثِ عَلِیٍّ اَنَّهٗ قَضٰی قَضَاءً فَاعْتَرَضَ عَلَیْهِ بَعْضُ الْحَرُوْرِیَّةِ فَقَالَ لَهٗ اُسْکُتْ
یَا خَنَّازُ۔ ترجمہ۔ یعنے حضرت علی رض نے ایک فیصلہ کیا تو اسپر قبیلہ حروریہ کے

ایک شخص نے اعتراض کیا تو آپنے اُسکو فرمایا چپ رہ اے چھپکلی۔
خناز کا اشتقاق خنز سے ہے۔ خنز کے معنے فاسد و گندہ کے ہیں۔ گویا خدا تعالےٰ نے
اس جانور کے نام میں ہی اسکی حرمت کیطرف اشارہ کر دیا ہے۔ نہایہ میں لکھا ہے اَلْخَنَّازُ
اَلْوَزَغَةُ وَهِیَ الَّتِیْ یُقَالُ لَهَا سَامُّ اَبْرَصَ۔ ترجمہ۔ یعنے عربی میں خناز کا دوسرا نام وزغ
ہے۔ اور یہ وہی جانور ہے جسکو عربی زبان میں سام ابرص بھی کہتے ہیں۔ سام ابرص اس کو
اسلئے کہتے ہیں کہ مجذوم کیطرح اسکے جسم پر داغ ہوتے ہیں۔ مخزن الادویہ میں لکھا ہے "اسم
آں وزغ است ولیکن مصطلح آں است کہ بزرگ آنرا سام ابرص و خُرد آنرا وزغ مے نامند۔
کہ بفارسی چلپاسہ مے نامند خوردن آں موجب سل و امراض ردیہ است"۔
اسکی حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ اسکے کھانے سے انسان مسلول و گرفتار امراض ردیہ
ہوجاتا ہے جسکا نتیجہ ہلاکت ہے۔ ہمارے ملک پوٹھوار میں اس جنگلی جانور کو رنڈ یا او
گھروں میں رہنے والے کو کوہڑہ کرلہ کہتے ہیں۔

مردار۔ مذبوحہ غیر اہل کتاب۔ مذبوحہ بنام غیر اللہ

مردار شکار وغیرہ کا حرمت میں برابر ہونیکی وجہ

مذکورہ بالا امور پر حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سوال و جواب لکھے ہیں۔ ہم انکا ترجمہ یہاں
درج کر دیتے ہیں۔
سوال۔ مردار مذبوحہ غیر اہل کتاب یعنے کافر۔ مردار شکار وغیرہ کی حرمت میں برابری کی
کیا وجہ ہے۔ گویا سائل کا یہ خیال ہے کہ جبکہ مردار میں یہ خون جذب ہوجاتا ہے تو وہ اُسکی وجہ
سے حرام ہوجاتا ہے مگر غیر اہل کتاب اور ما اُہل بہ لغیر اللہ کی ذبح سے خون جذب نہیں ہوتا
ہے تو پھر اس سے کسطرح جانور حرام ٹھرایا جاتا ہے۔
جواب (۱) یہ بات غلط ہے اور جہل ہے کہ مردار کی حرمت کا ایک ہی سبب خون کے
جذب ہونے کو قرار دیا جاوے بلکہ حرمت مردار کی بہت سی وجوہات و اسباب ہیں۔ اگر صرف
جذب خون کی وجہ سے حرمت مردار ہوتی تو اس سوال کو وقعت ہوتی۔ مگر جبکہ حرمت مردہ جانور کے
بہت سے اسباب ہوں تو کسی ایک سبب کے نہ ہونے سے اور اسباب حرمت کی نفی نہیں ہوسکتی

کیونکہ اُس سبب معدوم کا کوئی اور سبب خلیفہ اور جا بجا ہو جاتا ہے جس سے مردہ جانور کو حرام کہا جاتا ہے۔ اور یہ امر اسباب اور وجوہات عقلیہ میں بھی شمار نہیں ہے پس حکم شریعت سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔

سوال۔ کیا شریعت اسلامیہ نے دونوں قسم کے مردہ جانوروں میں برابری نہیں کی ہے حالانکہ انکی موت کے مختلف اسباب ہیں۔ گویا شریعت نے دو مختلف و متضاد باتوں کو جمع کیا اور دو متماثل اور متشابہ امور کو الگ کر دیا۔ کیونکہ ذبح کرنا درحقیقت ظاہری و حسی طور پر ایک قسم کا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ذبح کی بعض صورتوں سے حیوان کو مردار ہونے سے خارج کیا اور بعض صورتوں سے حیوان کو بغیر فرق کے مردار قرار دیا۔

جواب (۲) شریعت نے ازروئے لغت دونوں مرداروں کے نام میں برابری نہیں رکھی بلکہ اُنکے اسم شرعی میں برابری رکھی ہے۔ پس مردار کا نام شرع میں بہ نسبت لغت کے عام ہو گیا ہے اور شارع علیہ السلام کبھی لغوی ناموں میں نقل سے اور کبھی عمومیت سے اور کبھی خصوصیت سے تصرف کرتے ہیں اور اہل عرف بھی ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ پس یہ بات شرع و عرف میں بُری نہیں ہے اور حرمت میں اُنکو اسلئے یکساں ٹھرایا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہمیں پلیدیاں حرام لکھیں۔ اور پلیدی جو موجب حرمت ہوتی ہے اُسکو کبھی شارع ظاہر فرماتا ہے اور کبھی پوشیدہ رکھتا ہے پس جو پلیدی ظاہر ہو اُس پر شارع نے بغیر وصف کے کوئی علامت نہیں رکھی اور جو پوشیدہ ہو اُسپر علامت رکھدی جو اُسکی خباثت پر دلالت کرے۔ پس مردار میں جذب خون کا ظاہر سبب موجود ہے اور مجوس اور مرتد اور تارک تسمیہ کی مذبوحہ اور جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو۔ ایسے مذبوحہ جانوروں میں خباثت اور پلیدی سرایت کر جاتی ہے جو کہ سبب حرمت مذبوحہ ہے اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مذبوحہ پر بتوں۔ جنوں۔ ستاروں وغیرہ کے نام لینے سے مذبوحہ پلید نہ ہو۔ ایک خدا تعالےٰ ہی کا پاک نام ہے جو مذبوحہ کو پاک کرتا ہے۔ مگر جسکو حقائق علم و ایمان و ذوقِ شریعت سے بہرہ نہ ملا ہو وہ انکار کرے تو کچھ تعجب نہیں ہے۔

(۳) جن جانوروں پر خدا تعالےٰ کا نام بوقت ذبح نہیں لیا جاتا اُنکو خدا تعالےٰ فسق فرماتا ہے اور فسق پلید ہے۔ پس جہاں پلیدی ہو وہاں حرمت ضرور لاحق ہو جاتی ہے۔ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق۔ (انعام-۸) اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ خدا تعالےٰ کا پاک نام مذبوحہ کو پاک کرتا ہے اور ذبح کرنے والے اور مذبوح جانور سے شیطان کو

دور کر دیتا اور ہٹا دیتا ہے۔ جب خدا تعالےٰ کا نام مذبوح پر نہ لیا جائے تو ذبح کرنے والے اور مذبوح جانور میں شیطان سرایت کر جاتا ہے۔ اور شیطان کی خباثت جانور میں تاثیر کرتی ہے۔ کیونکہ شیطان جانور کے خون کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور خون ہی کے مقامات میں اسکا مقام ہوتا ہے۔ خون ہی شیطان کی سواری اور وہی اسکا حامل ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنْ بَنِیْ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ یعنے شیطان بنی آدم میں اُسکے رگ و ریشہ اور خون کے جاری ہونے کے مقاموں میں رہتا ہے اور وہ سب پلیدیوں سے بڑھکر ہے۔ پس جب ذبح کرنے والا خدا تعالےٰ کا نام لیتا ہے تو شیطان خون کے ساتھ ہی خارج ہو جاتا ہے۔ اور مذبوحہ پاک ہو جاتی ہے اور اگر اسم پاک کا نام نہ لیا جاوے تو وہ پلیدی خارج نہیں ہوتی۔ اور جب خدا تعالےٰ کے دشمن شیطان و بتوں کا نام مذبوحہ پر لیا جاوے تو مذبوح میں پلیدی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

(۴)۔ ذبح کرنا قائم مقام عبادت الٰہی ہے اسی لئے خدا تعالےٰ نے دونوں کو جمع کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَافَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ كَذٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ۔ خدا تعالےٰ نے بتا دیا کہ ہم نے اِن جانوروں کو اُن لوگوں کے لئے مسخر کیا و حلال ٹھرایا جو اُن پر خدا تعالےٰ کا نام لیکر اُنکو ذبح کریں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کو تو انسان سے تقویٰ منظور ہے جس سے مراد خدا تعالےٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرکے اُسکا قرب چاہنا اور وقت ذبح جانور پر خدا کا نام لینا ہے۔ اور جب وقت ذبح حیوانات پر خدا تعالےٰ کا نام نہ لیا جاوے تو اُنکا کھانا منع اور ناپسند ہے۔ کیونکہ اس مکروہ فعل سے اُن مذبوح جانوروں میں پلیدی کا اثر ہو جاتا ہے۔ اور اگر مذبوح پر خدا تعالےٰ کے سوا کسی کا نام لیا جاوے تو وہ مذبوح مردار کیطرح ہو جاتا ہے۔ پس جبکہ تسمیہ ترک کرنے اور خدا تعالےٰ کے سوا کسی اور کا نام لینے سے مذبوح حرام ہو جاتا ہے تو جسکو خدا تعالےٰ کا دشمن ذبح کرے جو ناپاک ترین مخلوقات ہے اُسکی مذبوح بالاولیٰ حرام ہوگی۔ کیونکہ ذبح کرنے والے کا فعل و ارادہ اور اُسکی خباثت بالضرور مذبوح میں موثر ہوتی ہے جیسا کہ ناکح یعنے نکاح کرنے والے کی پلیدی اور اسکا وصف و فعل اور اسکا ارادہ عورت منکوحہ کو

مؤثر ہوتا ہے۔ یہ وہ حقائق شریعت ہیں کہ جنکے سینے نور شریعت سے روشن ہیں وہ انکی بخوبی تصدیق کرتے ہیں۔

جبکہ غیر مذبوح جانور کا خون گوشت میں جذب ہوکر گوشت ہی بنجاتا ہے تو پھر اسکی حرمت کی کیا وجہ ہے

یہ بات کہ بعد مرگ خون گوشت میں جذب ہو جاتا ہے یا بعد استحالہ گوشت بنجاتا ہے اسلئے یہ گذارش ہے کہ مستحیل ہونیکے لئے تو قوت ہاضمہ اور قوت محیلہ یعنے اُس قوت کی ضرورت ہے جسکا کام یہ ہے کہ ایک شئے کو دوسری کیطرف مستحیل کردے۔ اور ظاہر ہے کہ بدن کی سب قوتیں مثل قوت باصرہ وغیرہ قوائے حیوانی حیات کے ساتھ ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اعضائے حیوانی مثل چشم و گوش وغیرہ اُن قوا کے لئے ایسے ہیں جیسے آئینہ نور کے لئے۔ یعنے قابل اور منفذ ہیں جیسے اصل نور آئینہ میں نہیں ہوتا بلکہ آفتاب میں ہوتا ہے ایسے ہی اصل قوائے حیوانی نفوس حیوانی میں ہوتے ہیں اعضا میں نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ جیسے آئینہ بے امداد آفتاب نور کے حساب سے بیکار ہے ایسے ہی ابدان حیوانی بے عنایت روحانی قوتی حیوانی کے حساب سے بیکار ہیں۔ ہر صورت میں بعد مرگ استحالہ ممکن نہیں۔ ہو نہ ہو جذب ہی ہوگا۔ جو بعد مرگ کاٹو تو خون نہیں نکلتا۔ اور جذب ہوا تو مچھر نا پاکی یقینی ہے۔

حلت بیضہ مرغی کی وجہ

آج مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۰۹ء بتقریب نماز جمعہ میرے ایک بھائی نے مجھ سے بیضہ ماکیان کی حلت اور اسکی وجہ حلت کا سوال کیا۔ لہذا تقریر جانبین بطور سوال و جواب درج کیجاتی ہے جس سے حلت بیضہ اور اسکی وجہ حلت واضح ہوگی۔

سوال۔ بیضہ مرغی کی حلت کی دلیل آپ کے پاس کوئی ہے۔

جواب راقم۔ کیا حلت مرغی کی دلیل آپ کے پاس کوئی ہے۔

جواب۔ ہاں حدیث سے ثابت ہے کہ مرغی حلال ہے۔ چنانچہ ترمذی میں یہ حدیث

لکھی ہے۔ عَنْ زھدم عَنْ اَبِی مُوسٰی قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاکُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ۔ یعنے ابی موسی راوی ہے کہ مینے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ مرغی کا گوشت کھا رہے تھے"۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم میں حلت انڈا کے متعلق صریح حدیث آچکی ہے۔ دیکھو صحیح مسلم میں نماز جمعہ کو سب سے آخر آنیکا ثواب ایک انڈے کی قربانی دینے والے سے تشبیہ دیگئی ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی ہے۔

۱۔ (جواب راقم) یہی دلیل حلت بیضہ ہے یعنے بیضہ اسلئے حلال ہے کہ مرغی حلال ہے کیونکہ وہ مرغی جیسی حلال چیز کا ہوتا ہے۔

سوال۔ مرغی کے کئی ناپاک و مکروہ اجزا ہوتے ہیں جنکو کھایا نہیں جاتا۔ مثلاً مرغی کی بیٹ مرغی کی انتڑیاں، مرغی کی ٹانگیں۔ کیا یہ چیزیں کھانے کے لائق ہیں۔ جیسا مرغی کی یہ چیزیں مکروہ ہیں ایسا ہی مجھے انڈا بھی مکروہ نظر آتا ہے۔

جواب راقم۔ خدا نے انسان کو جیسا کہ بعض حواس اشیائے تلخ و شیریں کھٹی میٹھی سیاہ سفید وغیرہ وغیرہ انتیاز کی دریافت کے لئے زبان و آنکھیں دی ہیں ایسا ہی اس نے انسان کو خبائث و طیبات کی شناخت کے لئے دل میں ایک قوت و حس عطا کی ہے۔ اس سے وہ خبائث و طیبات میں تمیز کر لیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ الْخَبَائِثَ وَاَحَلَّ الطَّیِّبَاتِ۔

۲۔ بیضہ طیبات سے ہے اسلئے وہ حلال ہے۔ خدا تعالے نے قرآن کریم میں بیضہ کی مثال طیبات کے ساتھ دی ہے۔ اگر بیضہ خبائث و مکروہ اشیاء میں سے ہوتا تو اسکی مثال طیبات سے قرآن کریم میں نہ آتی۔ کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ۔ اطبا کے نزدیک بیضہ ماکیان بہترین غذا ہے۔ چنانچہ مخزن الادویہ میں لکھا ہے۔ بیضہ مقوی دل و دماغ و بدن و مبہی است و سریع الہضم جید الغذا است۔

سوال۔ بیضہ کا کھانا بظاہر طبیعت کو کراہت آتی ہے کیونکہ یہ پختہ گوشت کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اپنی خام حالت میں گویا نطفہ کی حالت میں ہوتا ہے اسلئے اسکی حالت میں مجھے تردد ہے کیونکہ کسی جانور حلال کا بھی نطفہ کھانا جائز نہ ہوگا۔

۳۔ جواب۔ ہم کہاں کہتے ہیں کہ بیضہ نطفہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ بلکہ بیضہ جب ہی بیضہ کہلاتا ہے کہ وہ نطفہ کی حالت سے نکلکر بیضہ بنجاتا ہے اور جنین کی حالت پر گویا آجاتا ہے۔ اور بیضہ کی پہلی حالت جنین ماکیان کی شکم میں سے شروع ہوتی ہے اور باقی باہر آکر کامل ہوتی ہے

اور خدا تعالےٰ نے سورۂ انعام پارہ ہشتم میں حلال مواشی کے شکم میں جو جنین ہوتے ہیں وہ حلال فرمائے ہیں۔ لہٰذا بیضہ کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔

۴۔ وجہ اس قیاس کی صحت کی یہ ہے کہ قرآن کریم استدلال بالاولیٰ سے کام لیتا ہے وہ ایک قسم یا ایک جنس یا ایک حالت کی اشیا کی حلت کا حکم و وجہ بیان کر دیتا ہے تو پھر باقی اس رنگ و حالت کی اشیا کی حلت اس سے ثابت ہو جاتی ہے۔

۵۔ مرغی طیر ماکول اللحم سے ہے اور طیر سباع سے نہیں ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے ایسے طیر کا ذکر قرآن کریم میں بہشتیوں کے کھانوں میں کیا ہے۔ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ۔ لہٰذا ماکول اللحم طیر کے انڈے کو کون حرام یا مکروہ کہہ سکتا ہے۔

سوال۔ اشیا کی حلت و حرمت اپنی رائے سے بیان کرنی منع بلکہ حرام ہے لَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ۔

جواب۔ ہم نے کہاں اپنی رائے کا اظہار بغیر استدلال قرآن و حدیث کیا ہے۔ بلکہ ہم نے قرآن و حدیث کے استدلال پر اسکی حلت بیان کی ہے۔ اگر مرغی کی حلت نص صریح سے نہ ہوتی تو ہم اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکتے۔ اور ہر رائے و قیاس کی حرمت نہیں آئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے بلکہ اس قیاس و رائے کو حرام کہا جاتا ہے جسکی موافقت قرآن و حدیث سے نہ ہو سکے۔ اور وہ ان دونوں سے مخالف ہو۔ قرآن میں بھی خدا تعالےٰ نے ایسی ہی قیاسوں و تاویلات سے منع فرمایا ہے جو قرآن اور اسکے رسول کی سنت و احادیث کے برخلاف ہوں یا وہ تاویلات علم الٰہی کے موافق نہ ہوں۔ اگر مطلق قیاس و استنباط کو حرام کہو گے تو پھر دین کے بہت سے امور کو تمہیں چھوڑنا پڑیگا یعنے بہت سی ایسی اشیا و احکام ہیں جنکا استدلال و استنباط قرآن و حدیث سے ہوتا ہے مگر بظاہر انکا نام مذکور نہیں ہے۔

جانور کو حلق سے ذبح کرنیکی حکمت

۱۔ جانور کو حلق سے اسلئے ذبح کیا جاتا ہے کہ مجمع خون کا دل اور جگر ہے اور خون کو اس جگہ سے نکالنے کا نزدیک تر یہی راہ ہے۔ اسواسطے طبیبوں کے یہاں مقرر ہے کہ اسجگہ کے مواد کو قے کرا کر نکالتے ہیں۔

۲۔ اگر جانور کے بدن کا لہو کسی اور طرف سے نکالا جائے تو جانور دیر میں مرتا اور اسکو تکلیف بہت ہوتی ہے اور حلق سے ذبح کرنے سے جلدی مر جاتا ہے۔

۳۔ سانس کی آمد و رفت کا یہی راہ ہے اور سانس ممد روح ہے۔ لہٰذا روح اور مرکب بروح خون کو اسی راہ سے نکالنا مناسب ہے۔

۴۔ روح اور خون غذا سے پیدا ہوتے ہیں اور غذا اسی راہ سے جاتی ہے لہٰذا روح و خون کو جدا کرنے کی مناسب راہ یہی ہے۔

۵۔ جو خون اوپر کو جاتی ہے روح بھی اسکے ساتھ جنبش کرتی ہے اور حرکات زکاتی سے کدورت سے صفائی حاصل ہوتی اور خباثت کم ہو جاتی ہے اور قابل اس امر کے ہوتی ہے کہ خاک بہشت ہو۔

۶۔ چونکہ حلق میں تمام رگیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور اعضائے باقیہ میں یہ بات نہیں ہے تو تا مقدور جانور کو حلق سے ذبح کرنا ہی مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حلق کاٹنے سے جانور جلدی مر جاتا ہے مگر دوسرے اعضا کاٹنے سے بدیر مرتا ہے پس جبکہ دوسرے اعضا کاٹنے سے حیوان دیر سے مرتا اور اسکو زیادہ ایذا پہونچتا ہے تو حلق کا کاٹنا ہی افضل ٹھہرا۔

وجہ حلت مچھلی و ٹڈی بغیر ذبح

۱۔ مچھلی اسوجہ سے ذبح نہیں کیجاتی کہ اسکے بدن کا اصل مادہ پانی ہے اور پانی بالطبع پاک اور پاک کرنے والا ہے۔ پس جیسے کہ نجاست پانی میں اثر نہیں کرتی ایسا ہی آبی جانور کی روح جدا ہونے سے اس میں نجاست اثر نہ کرے گی اور حاجت ذبح کی نہ رہی۔ اور ٹڈی اس سبب سے ذبح نہیں کیجاتی کہ وہ خود بخود بطور توالد و تناسل پیدا ہوتی ہے اور خون جاری نہیں رکھتی۔ اور تعلق اسکے روح کا بدن سے مثل تعلق روح پہاڑ و درخت و دیگر جمادات کے ہے اور اسطرح کے تعلق کا جدا ہونا موجب نجاست نہیں ہوتا۔ اگرچہ تمام دریائی جانور اور تمام حشرات الارض اس علت میں مشترک ہیں لیکن وہ بسبب ذاتی خباثت اور غذائے نجس کے مضر و حرام ہیں بخلاف مچھلی و ٹڈی کے کہ وہ ذاتی و عارضی خباثت سے پاک و سالم ہیں۔ اسی واسطے ان دونوں کے لئے خاص استثنا ہوا۔

۲۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ۔ أَمَّا الْمَيْتَتَانِ الْحُوتُ وَالْجَرَادُ

وَالدَّمَانِ اَلْکَبِدُ وَالطِّحَالُ۔ **ترجمہ**۔ یعنے ہمارے لئے دو میت اور دو خون حلال کئے گئے ہیں۔ لیکن دو میتوں سے مراد تو مچھلی اور ٹڈی ہیں۔ اور دو خونوں سے مراد جگر اور تلی ہیں۔ جگر اور تلی دو عضو ہیں اعضائے بہیمیہ سے۔ مگر یہ دونوں خون کے مشابہ ہوتے ہیں۔ لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شبہ کو رفع کر دیا جو ان سے پیدا ہوتا تھا۔

۲۔ مچھلی و ٹڈی کے مذبوح نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ان میں دم مسفوح یعنے خون رواں نہیں ہوتا لہذا اُنکے لئے ذبح کرنا مشروع نہیں ہوا۔

وجہ حلت شتر۔ گائے۔ بیل۔ گاؤمیش۔ بھیڑ۔ بکری۔ دُنبہ

ا۔ یہ سارے جانور دراصل مزاج انسانی کے موافق اور ستھرے و معتدل المزاج ہوتے ہیں۔ اسلئے حلال ٹھرائے گئے ہیں۔ اِن جانوروں کو خدا تعالے نے بہیمۃ الانعام فرمایا ہے۔ انکے نام میں لفظ انعام نعمت الٰہی کیطرف اشارہ ہے جو خدا تعالے کیطرف سے بندوں کیلئے سراسر نعمت ہیں۔ نعمت میں ہر پہلو سے نظافت و لطافت و صفائی ہوتی ہے۔ اسکی کوئی جز بے کار نہیں ہوتی۔ دنیا میں زیادہ تر انہی جانوروں کا گوشت بنی آدم استعمال کرتے ہیں۔ فطرت انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ بنی آدم کی خوراک کا کچھ حصہ نباتات سے ہوتا ہے ایسا ہی کچھ حصہ اُسکا حیوانات سے ہو اور اُسکی خوراک کے لئے حیوانات بھی وہ مقرر ہونے مناسب تھے جو اُسکے مزاج کے موافق ہوں لہذا خدا تعالے نے ایسا ہی کیا۔

۲۔ جبکہ انسان جامع جلال و جمال ہے تو اسکی خوراک میں جمال و جلال دونوں کا ہونا مناسب تھا۔ لہذا انسان کی خوراک کے لئے وہ جانور مقرر ہوئے جنمیں جمال و جلال ہر دو صفات موجود ہیں۔

وجہ حلت ہرن۔ گورخر۔ خرگوش۔ شترمرغ

وہ جانور جو جنگل میں رہتے اور بہیمۃ الانعام کے مشابہ ہیں وہ سب حلال ہیں کیونکہ اُن میں بہیمۃ الانعام کے پاک و ستھرے اوصاف موجود ہیں۔ اور وہ مزاج انسان کے موافق و مطابق ہیں۔ مثلاً ہرن۔ گورخر۔ شترمرغ وغیرہ۔ ایکدفعہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کسی شخص نے بطور ہدیہ کے گورخر کا گوشت بھیجا تو آنحضرت نے اُسکو قبول فرما کر تناول کیا۔

وجہ حلت مُرغ و مرغابی۔ بط۔ چڑیا۔ کبوتر۔ بٹیر و مانند آں

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے اور باقی تمام مؤخر الذکر جانور مرغی کی مثل ہیں۔ ان میں مرغی کے اوصاف موجود ہیں لہذا یہ اُسکی طرح پاک چیزیں ہیں مرغ کی خاصیت ہے کہ فرشتہ کو دیکھکر بانگ کہتا ہے۔ اِن پرندوں کا گوشت مزاج انسانی کے موافق و مفید ہے لہذا حلال ٹھرے۔ یہی وجہ ہے کہ مرغ وغیرہ اس قسم کا کوئی پرند خواب میں دیکھا جاوے تو اس سے مراد عالی ہمت پاکیزہ نفس اور جہیر الصوت شخص ہوتا ہے۔

بہشت میں حلت شراب کی وجہ

سوال۔ شراب جو دنیا میں بھی ممنوعات اور محرمات میں سے ہے وہ کیونکر بہشت میں روا ہو جائیگی۔

جواب (۱) خدا تعالے فرماتا ہے۔ کہ بہشتی شراب کو اس دنیا کی فساد انگیز شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بہشتی شراب کی صفت یوں لکھی ہے وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا۔ **ترجمہ**۔ یعنے جو لوگ بہشت میں داخل ہونگے اُنکا خدا اُنکو پاک شراب پلائیگا جو اُنکو کامل طور پر پاک کر دیگی۔ نیک لوگ وہ جام پئیں گے جسمیں کافور کی آمیزش ہے۔ یعنے اُنکے دل وہ شراب پی کر غیر کی محبت سے بکلی ٹھنڈے ہو جائینگے۔ وہ کافوری شراب ایک چشمہ ہے جسکو اسی دنیا میں خدا کے بندے پینا شروع کرتے ہیں وہ اُس چشمہ کو ایسا رواں کر دیتے ہیں کہ نہایت آسانی سے بہنے لگتا ہے اور وسیع اور فراخ نہریں ہو جاتی ہیں۔ یعنے ریاضات عشقیہ سے سب روکیں اُنکی دور ہو جاتی ہیں اور نشیب و فراز بشریت کا صاف اور ہموار ہو جاتا ہے۔ اور جناب الٰہی کیطرف انقطاع کلی میسر آکر معارف الٰہیہ میں وسعت تامہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ کافوری آمیزش والا شراب ہوگا۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالے فرماتا ہے جو لوگ حقیقی نیکی کرنیوالے ہیں انکو وہ جام پلائے جائینگے جنکی ملونی کافور کی ہوگی یعنے دنیا کی سوزشیں اور حسرتیں اور ناپاک خواہشیں انکے دل سے دور کر دیجائینگی۔

کافور کفر سے مشتق ہے اور کفر لغت عرب میں دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ انکے جذبات ناجائز دبائے جائینگے اور وہ پاک باطن ہو جائینگے اور معرفت کی تشنگی انکو پہونچیگی۔ اور پھر فرماتا ہے کہ وہ لوگ قیامت کو اس چشمہ کا پانی پئیں گے جسکو وہ آج اپنے ہاتھ سے چیرتے یعنے کھود رہے ہیں۔ اس جگہ بہشت کی فلاسفی کا ایک گہرا راز بتلایا ہے جسکو سمجھنا ہو سمجھ لے۔

پھر بہشتی شراب کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ۔ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ۔ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا۔ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ مَن كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا۔ **ترجمہ**۔ یعنے وہ شراب صافی کے پیالے جو آب زلال کیطرح مصفےٰ ہوں گے بہشتیوں کو دئے جائینگے۔ وہ شراب اُن سب عیبوں سے پاک ہوگی کہ درد سر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اُس سے طاری ہو۔ بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سننے میں نہیں آئیگی اور نہ کوئی گناہ کی بات سنی جائیگی بلکہ ہر طرف سلام سلام جو رحمت اور محبت کی نشانی ہے سننے میں آئیگا۔ اُس دن مومنوں کے منہ تر و تازہ اور خوبصورت ہونگے اور وہ اپنے آپ کو دیکھیں گے۔ جو شخص اس جہان میں اندھا ہے وہ اُس جہان میں بھی اندھا ہوگا بلکہ اندھوں سے بھی گیا گذرا۔

اب ان تمام آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بہشتی شراب دنیا کی شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی بلکہ وہ اپنی تمام صفات میں ان شرابوں سے مبائن اور مخالف ہے اور کسی جگہ قرآن شریف میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ دنیوی شرابوں کیطرح انگور سے یا قند سیاہ سے اور کیکر کے چھلکوں سے یا ایسا ہی کسی اور دنیوی مادہ سے بنائی جائیگی بلکہ بار بار کلام الٰہی میں یہی بتایا ہوا ہے کہ اصل تخم اُس شراب کا محبت اور معرفت الٰہی ہے جو دنیا ہی سے بندہ مومن ساتھ لیجاتا ہے۔

چونکہ محبت الٰہی کو شراب سے تشبیہ دینا اور استعارۃً شراب کہنا عارفوں کے نزدیک متعارف و مروج تھا اسلئے خدا نے محبت الٰہی کے ثمرہ و نتیجہ کو بھی پاکیزہ شراب کے پیرایہ میں ذکر فرمایا۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ محبت الٰہی کو شراب کی تشبیہ میں بیان فرماتے ہیں ؎

سَقَانِي الْحُبُّ كَاسَاتِ الْوِصَالِ فَقُلْتُ لِخَمْرَتِي نَحْوِي تَعَالِي

یعنے شراب محبت الٰہی نے مجھے وصال الٰہی کے پیالے پلائے۔ پس میں نے شراب محبت کو کہا کہ

میری طرف آجا۔

اور یہ بات کہ وہ روحانی امر کیونکر شراب کے طور پر نظر آجائیگا۔ یہ خدا تعالےٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو عارفوں پر مکاشفات کے ذریعہ سے کھلتا ہے اور عقلمند لوگ دوسری علامات و آثار سے اُسکی حقیقت تک پہونچتے ہیں۔ روحانی اُمور کا جسمانی طور پر متمثل ہو جانا کئی مقامات قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ یہ بھی لکھا ہے کہ تسبیح و تقدیس الٰہی کی باتیں پھلدار درختوں کی طرح متمثل ہونگی۔ اور نیک اعمال پاک و صاف نہروں کی طرح دکھلائی دینگی۔

مثنوی

آب صبرت آب جوئی خلد شد جوئی شیر خلد مہر تست و ود
ذوق طاعت گشت جوئی انگبیں مستی و شوق تو جوئی خمر ہیں
چوں سجودی یا رکوعی مرد کشت شد دراں عالم سجود او بہشت
چونکہ پرید از دہانش حمد حق مرغ جنت ساختش رب الفلق
آں صفت در امر تو بود ایں جہاں ہم در امر تست آں جوہا رواں
آں درختاں بہ تست فرماں برند کاں درختاں از صفات یار زند
چوں با مر تست اینجا ایں صفات پس در امر تست آنجا آں جزات

۲۔ بہشتی شراب و شہد و دودہ وغیرہ کی حقیقت خدا تعالےٰ قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام میں بالفاظ ذیل بیان فرماتا ہے۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ۔ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ **ترجمہ**۔ یعنے وہ بہشت جو پرہیزگاروں کو دیجائیگی اسکی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک باغ ہے اُس میں اُس پانی کی نہریں ہیں جو کبھی متعفن نہیں ہوتا اور نیز اُسمیں دودہ کی نہریں ہیں جسکا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ اور نیز اُس میں اُس شراب کی نہریں ہیں جو سراسر سرور بخش ہے جسکے ساتھ خمار نہیں ہے۔ اور نیز اُس میں اُس شہد کی نہریں ہیں جو نہایت صاف ہے جسکے ساتھ کوئی کثافت نہیں۔

اس جگہ صاف طور پر فرمایا کہ اُس بہشت کو مثالی پیرایوں میں سمجھ لو کہ ان تمام چیزوں کی اُس میں ناپیدا کنار نہریں ہیں۔ وہ زندگانی کا پانی جو عارف دنیا میں روحانی طور پر پیتا ہے اُس میں ظاہری طور پر بھی موجود ہے۔ اور وہ روحانی دودہ جس سے وہ شیر خوار بچہ کی طرح دعانی

طور پر دنیا میں پرورش پاتا ہے بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی دیگا اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دُنیا میں روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتا تھا اب بہشت میں ظاہر ظاہر اُسکی نہریں نظر آئینگی۔ اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دُنیا میں روحانی طور پر عارف کے مُنہ میں جاتا تھا وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کیطرح دکھائی دیگا۔ اور ہر ایک بہشتی اپنی نہروں اور اپنے باغوں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ دیکھیگا۔ اور خدا تعالیٰ بھی اُس دن بہشتیوں کے لئے حجابوں سے باہر آجائیگا۔ غرض روحانی حالتیں مخفی نہیں رہینگی۔ بلکہ جسمانی طور پر نظر آئینگی۔

۳۔ شراب میں دو باتیں ہوتی ہیں۔ ایک نشہ۔ دوسرا سرور۔ اور ان دونوں میں باہم تضاد ہے نشہ بیہوشی کا نام ہے۔ کم نشہ ہو تو بیہوشی ہوتی ہے۔ اور زیادہ ہوتا ہے تو سرور۔ اور سرور کو ہوش لازم ہے۔ کیونکہ بیہوشی میں نہ رنج ہوتا نہ راحت نہ غم نہ خوشی۔ اس صورت میں ان دونوں کا اجتماع ایسا ہوگا جیسا کہ تمام مرکبات عنصریات میں گرمی وسردی کا اجتماع ہوتا ہے۔ مگر جیسے بایں وجہ کہ گرمی سردی باہم متضاد ہیں۔ ایک شے کی تاثیر یہ دونوں نہیں ہوسکتے اور اسوجہ سے پانی اور آگ کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ ایسے ہی بوجہ مذکور نشہ اور سرور شے واحد کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتے۔ خواہ یہی کہنا پڑیگا کہ نشہ کسی اور چیز کی خاصیت ہے اور سرور کسی اور چیز کی خاصیت۔ اگر شراب میں وہ چیز نہ رہے جسکی خاصیت نشہ ہے۔ بلکہ قدرت الٰہی کی چھلنی سے چھان کر اُسکو جدا کردیں۔ تو پھر اس صورت میں شراب فقط لذت اور سرور ہی رہ جائیگا۔ اور بے شک ہر عاقل کے نزدیک وہ شراب حلال ہوگا۔

۴۔ باعث حرمت شراب تمام عقلا اور قائلان حرمت کے نزدیک یہی نشہ ہے اور اہل اسلام اُسکی حرمت کے جبھی قائل ہیں جب تک اُس میں نشہ ہو۔ اگر شراب سرکہ بنجائے اور نشہ نہ ہو تو وہ پھر اُسکے پینے میں تامل نہیں کرتے۔ ادہر قرآن وحدیث وفقہ میں بھی یہی وجہ مرقوم ہے۔ بالجملہ وجہ حرمت وہ نشہ ہے اور چونکہ وہ ایک جدی چیز کے ساتھ قائم ہے اور اسوجہ سے اسکا جدا ہونا ممکن تو درصورت جدائی فقط مادہ سرور ہی شراب میں باقی رہجائیگا اور ظاہر ہے کہ شراب کو جو کوئی پیتا ہے وہ بوجہ سرور پیتا ہے بوجہ بیہوشی نہیں پیتا۔ سو کلام اللہ میں لذت کا تو ثبوت ہے جو مایہ سرور ہے اور نشہ کی نفی ہے جو وجہ مخالفت تھی۔ چنانچہ لفظ لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ اسپر شاہد ہے۔

۵۔ دنیا میں نشہ کی چیزوں کی اسی وجہ سے ممانعت تھی کہ نشہ کے وقت احکام خداوندی ادا نہیں ہوسکتے۔ سو یہ اندیشہ زندگانی دنیا تک ہی ہے۔ بعد مرگ تمام احکام ساقط ہوجاتی ہیں۔ بہشت میں ہر کوئی فرائض واجبات وغیرہ سے فارغ البال ہوگا۔ وہاں اگر شراب حلال ہوجائے تو کیا حرج ہے۔

بائیں ہاتھ سے کھانا و پینا منع ہونیکی وجہ

ا۔ جیسا کہ دوا میں تاثیرات ہیں ایسا ہی ہر عضو کے افعال میں خدا تعالےٰ نے جدا جدا اثر مودوع فرمائے ہیں۔ دائیں ہاتھ کے افعال کو یمن و برکت و شرافت و فضیلت و تقدم و پاکیزگی و فرحت و سرور و آسانی و سہولت سے مشابہت عطا ہوئی ہے۔ لہذا جو امور دائیں ہاتھ سے ہونگے اُنکے آثار و نتیجے بھی ایسے ہی ظاہر ہونگے جیسا دائیں ہاتھ کے اوصاف ہیں۔ اور بائیں ہاتھ کو نحوست۔ دنائت۔ کمینگی۔ کمزوری۔ غموم وہموم و دکھوں سے مناسبت ہے لہذا دائیں ہاتھ کے امور بائیں کو سپرد کرنے میں اُنکے نتیجے و آثار بھی ایسے ہی ظاہر ہونگے جو بائیں ہاتھ کے اوصاف میں خدا نے رکھے ہیں۔ اسی لئے امر ہے کہ ہر فعل اپنے اپنے مناسب اعضاء سے لیا جاوے۔ ورنہ نتیجہ اچھا ظاہر نہ ہوگا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا۔ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا۔ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا

ترجمہ۔ پس جسکو اپنا اعمالنامہ اپنے دائیں ہاتھ میں ملا تو اسکا حساب آسان لیا جاویگا اور وہ اپنے لوگوں میں خوش و خورم لوٹیگا۔ اور جسکو اپنا اعمالنامہ پیٹھ کے پیچھے سے ملا وہ ہلاکت کو بلائیگا اور وہ آگ میں پہونچیگا۔ کیونکہ وہ اپنے لوگوں میں خوش و خورم رہتا تھا۔

قیامت میں اعمالناموں کا دائیں و بائیں ہاتھوں یا پیچھے سے ملنا اپنے اپنے اوصاف مناسبہ کی وجہ سے ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا منع ہے۔ کیونکہ بائیں ہاتھ سے کھانے و پینے سے غموم وہموم و دنائت کے اوصاف نفس میں پیدا ہوتے ہیں۔ دائیں و بائیں طرف کے اوصاف خدا تعالےٰ بیان فرماتا ہے وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ فِي سِدْرٍ مَخْضُودٍ وَطَلْحٍ مَنْضُودٍ وَظِلٍّ مَمْدُودٍ وَمَاءٍ مَسْكُوبٍ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ وَفُرُشٍ مَرْفُوعَةٍ إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا عُرُبًا أَتْرَابًا لِأَصْحَابِ

الْيَمِيْنِ ۔ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَا اَصْحٰبُ الشِّمَالِ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ وَّظِلٍّ مِّنْ يَحْمُوْمٍ لَا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۔ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ط ترجمہ ۔ اور دائیں طرف والوں کے اوصاف تو کیا جانتا ہے کہ کیسے ہیں وہ۔ رہتے ہیں درخت بیری کے نیچے جسکے کانٹے جھاڑے ہوئے ہیں اور درخت کیلے کے نیچے جو تہ بہ تہ ہے اور لمبی چھاؤں کے نیچے اور پانی بہائے ہوئے کے پاس جہاں میوے کثیر اور دائمی اور غیر ممنوع ہیں اور انکو عالی ذات عورتیں دیگئی ہیں۔ ہم نے وہ عورتیں ایک اُٹھان پر بنائی ہیں۔ اور انکو کنواریاں پیار دلاتیاں اور یکساں عمر کیا ہے۔ یہ سب کچھ دائیں طرف والوں کے واسطے ہے۔

اور بائیں طرف والوں کے اوصاف تو کیا جانتا ہے کیا ہیں۔ وہ آنچ کی بھاپ اور جلتے پانی اور دھوئیں دار گرم چھاؤں میں ہونگے جو نہ ٹھنڈی ہوگی اور نہ عزت کی۔ یہ لوگ اس سے پہلے آسودہ تھے اور ضد کرتے تھے۔ اس بڑے گناہ پر۔ اے بھٹکے ہوئے جھٹلانیوالو تمہارا کھانا درخت سینڈھ سے ہوگا۔ اور اسی سے پیٹ بھروگے۔ پھر پیوگے اسپر جلتا پانی۔ پھر پیو جیسے پیویں اونٹ تونسے۔ یہ مہمانی ہوگی اُنکے لئے انصاف کے دن۔

واضح ہو کہ اصحاب الیمین و اصحاب الشمال کو یہ مدارج اُنکے اپنے ذاتی اعمال کی مناسبتوں سے ملے ہیں۔ کیونکہ۔ مثنوی۔

چوں بدستت زخم بر مظلوم رست — آن درختے گشت ازاں زقوم رست

چوں زخشم آتش تو در دلہا زدی — مایۂ نار جہنم آمدی

آتشت اینجا چو آدم سوز بود — آنچہ از وے زاد مرد افروز بود

آتش تو قصد مردم میکند — نار کز وے زاد بر مردم زند

آں سخنہائے چو مار و گزدمت — مار و گزدم گشت و میگیرد دمت

خشم تو تخم سعیر دوزخ است — ہیں بکش ایں دوزخت را کاں فخ است

کشتن ایں نار نبود جز ز نور — نورک اطفأ نارنا نحن الشکور

گر تو بے نوری کنی خامی بدست — آتشت زندہ ست و در خاکستر است

آں تکلف باشد و روپوش ہیں — نار را نکشد بغیر نور دیں

تا نہ بینی نور دیں ایمن مباش — کآتش پنہاں بود یک روز فاش

سوال۔ جبکہ غذا۔ شربت۔ میوہ جات وغیرہ جو دائیں ہاتھ سے کھائی جائیں وے بائیں سے کھائی جائیں تو پھر انکی تاثیرات جدا جدا کسطرح ظاہر ہوسکتی ہیں۔ جدا جدا تاثیرات تو جب ظاہر ہوں کہ جو خوراک و غذا دائیں سے کھائی جائیں وہ بائیں سے نہ کھائی جائیں بلکہ بائیں سے کچھ اور دائیں سے کچھ دیگر اشیا کھائی جائیں۔ پس جبکہ ایک ہی چیز دونوں ہاتھوں سے کھائی جائے تو ایک ہی چیز کے کھانے سے جدا جدا تاثیرات کیونکر ظاہر ہونگی۔

جواب۔ گدہے۔ بیل۔ اونٹ۔ بکریاں۔ آدمی سب خدا تعالےٰ کی پیدائش ہیں۔ ایک ہی خوراک اُن سب کو مثلاً چاول یا کنک وغیرہ کھلاکر تجربہ کرلو۔ کہ ان سب کے گوبر اس ایک ہی خوراک کے کھانے سے جدا جدا اشکال و صورتیں اور جدا جدا تاثیرات لیکر باہر آئینگے۔ اگر سب اندامِ اجسام کی تاثیرات یکساں ہوتیں تو سب کی ایک ہی آخری صورت ہوتی اور سب میں سے ایک ہی قوت و طاقت کا ظہور ہوتا۔ اور سب اندامو ں کا ایک ہی نام ہوتا۔ حالانکہ جو کام آنکھ دیتی ہے وہ زبان نہیں دیسکتی۔ جو کام کان دیتے ہیں وہ ہاتھ نہیں دیسکتے۔ اسیطرح جو کام دائیں ہاتھ سے نکلتا ہے اُسکا ظہور بائیں ہاتھ سے کماحقہٗ نہیں ہوسکتا۔ لہذا خدا تعالےٰ کے مقررہ قانون قدرت سے تجاوز کرکے بُرے آثار ظاہر ہوجائیں تو جائے تعجب نہیں۔

۲۔ شریعت نے ظاہر کے لئے ایک باطن رکھا ہے۔ مثلاً ہر چیز کو دائیں ہاتھ سے لینے دینے کا حکم ہے۔ دائیں کو فارسی میں راست اور بائیں کو چپ اُلٹا۔ عربی میں شمال کہتے ہیں۔ اس میں ایک نصیحت ہے کہ لین دین میں ہمیشہ راستی کو مدنظر رکھو۔ سیدہا دو۔ اُلٹے ہاتھ سے نہ دو نہ لو۔

۳۔ ہر امر خیر کو دائیں جانب و دائیں ہاتھ سے ابتدا کرنیکا حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ اس وجہ سے نفس میں بیداری پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اطاعت کا خیال اس میں پیدا ہوتا ہے۔ نفس جب اطاعت کی اسطرح بجا آوری کرتا ہے جیسے مہتم بالشان امور کی کرتا ہے۔ اس سے ایکی توجہ پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

۴۔ جسکو اعتدال اور مرتبہ عدالت کی ورزش مقصود ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اسکا حق ادا کرتا ہے۔ کھانے اور پینے اور پاکیزہ چیزوں کے لئے دائیں ہاتھ کو اور نجاست دور کرنیکو

بائیں کو خاص کرتا ہے یہی راز تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب میں مینے دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں۔ اتنے میں دو شخص آئے ان میں سے ایک بڑا تھا مینے مسواک چھوٹے لڑکے کو دی۔ اُسوقت مجھے کہا گیا کبر کبر یعنے بڑے کو دو۔ اسیطرح خویصہ اور محیصہ (مسعود کے دو بیٹوں کا نام ہے) کے قصہ میں آپ نے فرمایا بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو۔

۵۔ حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ الشَّیْطَانَ یَأْکُلُ بِشِمَالِهٖ۔ یعنے شیطان بائیں ہاتھ سے کھایا کرتا ہے اور ایسے ہی اور جگہ بھی شیاطین کی طرف بعض افعال کی نسبت کی گئی ہے۔ اسکے معنے یہ ہیں کہ شیاطین کو خدا تعالٰے نے قدرت دی ہے کہ خواب میں یا بیداری کی حالت میں لوگوں کے سامنے ایسی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں جو اُنکے مزاجوں کے موافق ہوتی ہیں وہ شکلیں اُن حالات کا مقتضا ہوا کرتے ہیں جو سننے کے وقت شیاطین پر طاری ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کا وجدان سلیم ہوتا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شیاطین کی مزاجی حالت کی وجہ سے بدکاریاں اور ایسے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جنمیں سختی اور تنگدلی پائی جایا کرتی ہے۔ ناپاکیوں سے وہ حالت قریب کر دیتی ہے۔ ذکر الہٰی میں انکی وجہ سے سنگدلی ہوا کرتی ہے۔ جتنے انتظام پذیر اور برگزیدہ ہیں اُن میں اُس حالت کی وجہ سے ابتری ہوا کرتی ہے۔ بدکاریوں سے ہماری مراد ایسے افعال ہیں جنسے لوگوں کے دل نہایت بیزار ہوں۔ سُننے سے اُنکے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ وہ زبان سے اُن افعال پر لعن طعن کریں۔ یہ لوگوں کا قدرتی طریقہ ہے جو صورت نوعیہ کے فیضان سے اُن میں پیدا ہوا ہے۔ تمام فرقے اس میں برابر ہیں۔ ایسے آثار کسی قومی رسم رواج کی پابندی یا کسی خاص مذہبی اثر سے نہیں ہوا کرتے۔ مثلاً اپنی شرمگاہ کو ہاتھ سے گرفت کرکے کودنا ناچنا۔ اپنی دبر میں انگلی داخل کرنا۔ یا کسی چوپایہ پر سوار ہو کر اُسکے دُم کیطرف مُنہ کرنا۔ یا ایک پاؤں میں موزہ پہنکر دوسرا برہنہ چھوڑ دینا۔ ایسے ہی اور افعال ہیں جنکو دیکھتے ہی ہر شخص لعنت و ملامت کرتا ہے۔ کنکریوں کو بیہودہ طور پر لوٹ پوٹ کرنا۔ بدنما طور پر ہاتھ پاؤں کو ہلانا۔ بہر حال خداوند کریم نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ان افعال کو منکشف کیا کہ یہ شیطانی مزاجوں کے میلان اور اقتضا سے ہوا کرتے ہیں جب کسی کو خواب یا بیداری میں شیطان کی صورت نظر آتی ہے تو ایسے حرکات اُس میں ہوا کرتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو شیاطین اور شیطانی حالتوں سے گریز کرنا چاہیے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال اور صورتوں اور انکی برائی کو

بیان فرمایا اور ان سے محترز رہنے کا حکم دیا یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ قضائے حاجت کے وقت شیاطین آموجود ہوتے ہیں۔

۶۔ عدالت کی صفت کا جب نشست و برخاست اور خواب و بیداری اور چلنے و پھرنے اور بولنے چالنے اور کھانے و پینے و لباس و شعار کی اوضاع کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اسکا نام ادب ہوتا ہے۔ ایسے افعال اختیار کرنے سے انسان کے اندر ملائکہ کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے اور انکے برخلاف جو ہیئتیں و افعال اختیار کیئے جاتے ہیں۔ اُن سے انسان کے اندر شیاطین کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی باب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے اِنَّ الشَّیْطَانَ یَأْکُلُ بِشِمَالِهٖ۔ یعنے شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔

برتن میں مکھّی پڑنے سے اسکو اسمیں ڈوبا دے کر نکالنے کی وجہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِی اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْمِسْهُ کُلَّهٗ ثُمَّ لِیَطْرَحْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَیْهِ شِفَاءً وَفِی الْاٰخَرِ دَاءً ترجمہ۔ جبکہ تمہارے کسی برتن میں مکھی گر پڑے تو مکھی کو اسمیں ڈوبا دے کر پھر اُسکو پھینکدو کیونکہ اُسکے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ مکھی اُس پر سے بچتی ہے جسمیں بیماری ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خدا تعالٰے نے حیوان کے اندر اُسکی طبیعت کو تدبیر بدن کے لئے پیدا کیا ہے وہ طبیعت اکثر اوقات مواد موذیہ کو جو جزو بدن ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اعماق بدن سے اطراف بدن کیطرف دور کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اطبا رجال کی دُم کھانے سے منع کرتے ہیں۔ اور مکھی اکثر اوقات خراب غذا جو جزو بدن ہونیکی صلاحیت نہیں رکھتے کھاتی رہتی ہے۔ اور اُسکی طبیعت اُس مادہ فاسد کو اُسکے عضو خسیس یعنے پر کیطرف پھینکتی رہتی ہے۔ پھر وہ عضو جسمیں یہ مادہ سمیہ ہوتا ہے تالو کیطرف دفع ہوتا ہے اور یہی عضو وقت ہجوم تنگیوں کے مقدم ترین اعضا کا ہوتا ہے۔ اور خدا کی یہ حکمت ہے کہ

جس چیز میں زہر رکھا ہے تو اسمیں تریاقیہ مادہ بھی رکھا ہے۔ الغرض ہر جانور کے زہر کا تریاق اسی جانور کے بدن میں خدا تعالے نے رکھا ہوا ہوتا ہے۔ چنانچہ سانپ کے زہر کا تریاق سانپ کے سر میں ہوتا ہے۔ ایسا ہی اور جانور و نکا ہوتا ہے۔ ورنہ اگر جانوروں میں زہر تو ہو مگر ان میں تریاقی مادہ نہ ہو تو کوئی جانور زندہ نہ رہ سکے۔ مکھی کے کاٹنے کا زہر بعض اوقات اور بعض غذاؤں کے کھاتے وقت محسوس اور معلوم ہوتا ہے۔ اور جس عضو کیطرف یہ مادہ لذاع دفع ہوتا ہے اُسکا حرکت کرنا معلوم ہوتا ہے۔

پانی و برتن میں سانس لینا و پھونکنا منع ہونیکی وجہ

عن ابیھریرۃ قال تعالٰی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا شرب احدکم فلا یتنفس فی الاناء فاذا اراد ان یعود فلینح الاناء ثم لیعد ان کان یرید۔ یعنے حضرت ابی ہریرہ رض نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے راوی ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص پانی پینے لگے تو برتن میں سانس نہ لیوے۔ اور پھر جب سانس لینا چاہے تو برتن کو منہ سے ہٹا لیوے اور پھر جب پینے کا ارادہ کرے تو برتن منہ سے لگائے۔ دوسری حدیث میں ابن عباس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں لم یکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ینفخ فی الشراب۔ یعنے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پانی میں نہ پھونکتے تھے۔ اور ایسا ہی ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباس راوی ہیں۔ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّنْفَخَ فِی الْاِنَاءِ۔ یعنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے برتن میں پھونکنے سے منع فرمایا ہو (ابن ماجہ)۔

سانس کا پانی میں لینا یا پانی میں پھونکنا اسلئے منع ہوا کہ سانس تمام گندے بخارات لیکر باہر آتا ہے۔ اور پانی میں سانس لیا جاوے یا پانی میں پھونکا جاوے۔ تو اُن متعفنہ بخارات سے پانی متاثر ہو جاتا ہے جو اندر سے باہر آتے ہیں۔ اور اسطرح سے وہی بخارات اندر چلے جاتے ہیں جنسے حدوث امراض کا خطرہ ہے۔

انسان کے اندر آمد و رفت سانس گویا الٰہی مشین ہے جسکے ذریعہ گندے اور متعفنہ مادے ہر دم باہر نکلتے اور تازہ ہوا اُسکے اندر آتی رہتی ہے۔ اور اسکے ذریعہ انسان کی صحت قائم رہتی ہے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ہر نفسے کہ فرو میرود ممد حیات است

و چوں بر مے آید مفرح ذات است۔" یعنے ہر ایک سانس جو اندر جاتا ہے وہ انسان کی زندگی کا مددگار ہے اور جب سانس باہر آتا ہے تو وہ روح کو خوش کرنے والا ہوتا ہے۔

الغرض اندر کے گندے و متعفنہ بخارات و مادے جو سانس کے ذریعہ باہر آتے ہیں اُنکو کھانے پینے والی چیزوں میں سانس کے ذریعہ ڈالنا ممنوع ہوا۔ کہ اس سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

انسان کے لئے گوشت کھانا کیوں جائز ہوا

انسان کو مثل شیر و چیتا و بھیڑیا وغیرہ کچلیوں کا عطا ہونا اس جانب مشیر ہے کہ اسکی غذا اصلی گوشت ہے۔ اور اہل عقل کے نزدیک یہ بات کم از اجازت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کو جتنی چیزیں دی گئی ہیں کسی نہ کسی کام کے لئے دیگئی ہیں۔ آنکھ کان جیسے دیکھنے سننے کے لئے ہیں اسلئے اُن سے صاف عیاں ہے کہ یہ دیکھنے سننے کی اجازت ہے ایسے ہی کچلیوں کو بھی خیال فرمالیجئے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ سارے حیوانات یکساں نہیں ہر کسی کے گوشت میں جدا تاثیر ہے لہذا جس جانور کا گوشت مفید ہوگا وہی جائز ہوگا جس جانور کا گوشت مضر ہوگا بقدر مضرت ناجائز ہوگا۔ کیونکہ خداوند کریم کے امر و نہی و اجازت و ممانعت آدمی کے نفع و نقصان کے لحاظ سے ہے اپنے نفع و نقصان کے لحاظ سے نہیں۔ اسی لئے سؤر و شیر وغیرہ درندے بوجہ بداخلاقی کے قابل ممانعت ہوگئے اور انکا کھانا انسان پر حرام ہوگیا۔ تاکہ انکے کھانے سے مزاج میں بدخلقی نہ پیدا ہو جائے۔ کیونکہ جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے ایسے ہی حیوانات کے کھانے سے اُنکو مزاج کے موافق انسان میں اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

گوشت و ترکاریاں کھانے سے انسان کے روحانی اخلاق کیسے پیدا ہوتے ہیں

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں اور اسبات کو دوبارہ یاد دلاتے ہیں کہ غذا کا اثر جسم پر ویسا ہی ہوتا ہے جیسا غذا کا مزاج ہو گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی کا پیدا ہونا مسلم ہے۔ اسیطرح حیوانات کے کھانے سے انسانی اوصاف کا تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ مدام بقول و غلہ جات کے کھانے سے انسان میں نرمی و حلم و رحم کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور گوشت کھانے سے اسمیں شجاعت و جرأت و قوت غضبیہ کو تحریک ہوتی ہے۔ چونکہ انسان جامع جلال و جمال ہے لہذا اُسکے واسطے بقول اور گوشت دونوں قسم کی غذا حلال ہوئیں۔ اگر انسان سے قوت غضبیہ بالکل مفقود ہو جائے تو انسانی صفت سے محروم رہجائے۔

اور اسکے کئی امور خلل پذیر ہو جائیں۔ کہیں گرمی کی ضرورت ہوتی ہے اور کہیں سردی کی حاجت۔ کبھی تلخ ادویہ مفید ہوتی ہیں اور گاہے شیریں سے حاجت براری ہوتی ہے۔ جہاں تلخ ادویہ کے ساتھ معالجہ کرنا ہو وہاں شیریں اشیاء کا استعمال کرنا سراسر نقصان دہ و غیر مفید ہوگا۔ کبھی غصے و غضب سے ہی کام نکلتا ہے اور نرمی سے بگڑتا ہے اور گاہے نرمی و رفق و حلم سے معاملہ سنورتا اور غصہ و غضب سے خراب ہوتا ہے۔ اسی طرح اغذیہ کو سمجھ لو۔ مرچ جیسی تیز و نیم جیسی تلخ اشیاء اور قند جیسی شیریں چیزوں کا انسان کے لئے پیدا ہونا اس جانب مشیر ہے کہ انسان کو مدام ایک ہی چیز کا استعمال کرنا مضر ہے۔ گاہے تلخ اور گاہے شیریں۔ گاہے غلہ و میوہ جات و سبزہ۔ اور گاہے رحم اور گاہے غضب کا برتاؤ کرے اور اسی طریق سے عدالت قائم رہ سکتی ہے۔

انسان میں قوت غضبیہ و حلم وغیرہ کی حکمت

انسان کی فطرت پر نظر کرکے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو مختلف قوےٰ اس غرض سے دیئے گئے ہیں کہ تا وہ مختلف وقتوں میں حسب تقاضا محل اور موقعہ ان قوےٰ کو استعمال کرے مثلاً انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق بکری کی فطرت سے مشابہ ہے اور دوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس خدا تعالےٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بنجائے اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر بنجائے اور خدا تعالےٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت ہر محل میں بکری ہی بنا رہے اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے اور جیسا کہ وہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کھاتا ہی رہے یا ہمیشہ کھانے سے منہ بند رکھے اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈالدے اور دوسری قوتیں جو خدا تعالےٰ کیطرف سے اسکو ملی ہیں انکو لغو سمجھے۔ اگر خدا نے انسان میں ایک قوت حلم اور نرمی اور درگذر اور صبر کی رکھی ہے تو اسی خدا نے اس میں ایک قوت غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے۔ پس کیا مناسب ہو کہ ایک خدا داد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے اور دوسری قوت کو اپنی طرف میں سے بکلی کاٹ کر پھینکدیا جائے۔ اس سے تو خدا پر اعتراض آتا ہے گویا اس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لائق نہیں کیونکہ یہ مختلف قوتیں اسی نے تو انسان میں پیدا کی ہیں۔ پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بری نہیں بلکہ انکی بد استعمالی بری ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ

فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ۔ یعنے اگر کوئی تمہیں دکھ پہونچائے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اسکی سزا اسی قدر بدی ہے جو اس نے کی لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کردو کہ اس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے یعنے مثلاً مجرم آیندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت میں معاف کرنا ہی بہتر ہے۔ اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملے گا۔

اس آیت میں دونوں پہلو کی رعایت رکھی گئی ہے اور عفو اور انتقام کو مصلحت وقت سے وابستہ کر دیا گیا ہے سو یہی حکیمانہ مسلک ہے جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے۔ رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا ہی عقلمندی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک ہی قسم کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال سکتے بلکہ حسب موقعہ گرم اور سرد غذائیں بدلتے رہتے ہیں اور جاڑے اور گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب حال بدلتے رہتے ہیں۔ پس اسی طرح ہماری اخلاقی حالت بھی حسب موقعہ تبدیلی کو چاہتی ہے۔ ایک وقت غصہ دکھلانے کا مقام ہوتا ہے وہاں نرمی اور درگذر سے کام بگڑتا ہے اور دوسرے وقت نرمی اور تواضع کا موقعہ ہوتا ہے اور وہاں رعب دکھلانا سفلہ پن سمجھا جاتا ہے۔ غرض ہر ایک وقت اور ہر ایک مقام ایک بات کو چاہتا ہے۔ پس جو شخص رعایت مصالح اوقات نہیں کرتا وہ حیوان ہے نہ انسان اور وہ وحشی ہے نہ مہذب۔

قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دیجائے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ وہ محل اور موقعہ گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا۔ پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کیجائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کیطرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔

مذبوحہ کے شکم کا بچہ بغیر ذبح حلال ہونیکی وجہ

سوال۔ یہ جو حدیث میں مذکور ہے کہ جانور کا ذبح اسکے شکم والے بچہ کے لئے بھی کافی ہے خلاف اصول ہے کیونکہ جو بچہ کسی مادہ جانور کا ذبح کے وقت اسکے شکم میں ہی مرجائے تو وہ

مردار ہے کیونکہ اسکو ذبح نہیں کیا گیا۔ اور حلال جانور کا ذبح اسلام نے ضروری ٹھرایا ہے۔

جواب۔ یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کو حرام ٹھرایا ہے یہی بات مذبوحہ کے شکم میں مرنے والے بچے کو مباح ٹھراتی ہے۔ کیونکہ مذبوحہ کا شکم والا بچہ جو بغیر ذبح شکم میں مرجاوے وہ مردار ہوتا تو آنحضرت مچھلی اور ٹڈی مردہ کیطرح اسکے لئے ایک استثنائیہ کلمہ بیان فرماتے۔ یعنے جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام مرداروں کو حرام فرماکر کہا کہ ان میں سے دو جانور خود بخود مردہ حلال ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔ ایسا ہی آنحضرت اسکے متعلق یوں فرماتے کہ مذبوحہ تو حلال ہے مگر اسکے شکم کا بچہ مردار ہے لیکن اسکے متعلق آنحضرت نے کوئی استثنا نہیں فرمایا۔

۲۔ شکم والا بچہ اسلئے حلال ہے کہ وہ اپنی ماں کے اجزا میں سے ہوتا ہے اور ذبح اسکی ماں کے تمام اجزا پر واقع ہوتی ہے۔ پس ضروری نہیں ہے کہ اسکی ہر ایک جز کو ذبح کے لئے علیحدہ کیا جاوے جنین تو اپنی ماں کا ایک جزو ہے جو کل کے تابع ہوتا ہے۔

سوال۔ یہ حدیث بدیں قیاس تیرے حجت ہوگئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ یعنے جنین کا ذبح اسکی ماں کو ذبح کرنا ہے اور اس سے مراد تشبیہ ہے یعنے جنین کی ذبح بھی اسکی ماں کی ذبح کیطرح کرنی چاہئے۔ اور یہ بات اس امر پر دال ہے کہ جنین مباح نہیں ہوتا بغیر اس ذبح کی تشبیہ کے کہ جو اسکی ماں کی ذبح پر واقع ہوئی۔

جواب۔ یہ سوال پہلے ہی سوال کیطرح ہے اس میں ایک ہی بات عاقل کے لئے کافی ہے کہ اگر تم حدیث پر تامل کرو تو ایسا سوال ہی نہ کروگے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ ذیل ہیں عن ابی سعید قال قلنا یا رسول اللہ ننحر الناقۃ ونذبح البقرۃ والشاۃ وفی بطنہا الجنین انلقیہ ام ناکلہ فقال کلوہ ان شئتم فان ذکاتہ ذکاۃ امہ۔ ترجمہ۔ ابی سعید رضی اللہ عنہ راوی ہے کہ ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم اونٹنی یا گائے یا بکری ذبح کرتے ہیں تو اسکے شکم سے بچہ نکلتا ہے کیا ہم اسکو پھینکدیں یا کھا لیں۔ فرمایا اگر تم چاہو تو کھالو۔ کیونکہ اسکی ماں کا ذبح کرنا ہی اسکا ذبح ہے۔ اسمیں آنحضرت نے جنین کا کھانا مباح فرمایا اور سبب یہ بیان کیا کہ مذبوحہ کی ذبح ہی جنین کی ذبح کے لئے کافی ہے یہاں نص وقیاس آپسمیں متفق ہیں۔

بوقت ذبح جانور پر تکبیر پڑھنے کا راز:۔

۱۔ ہر تاثیر کے لئے ایک موثر چاہئے اور ایک قابل آفتاب کی تاثیر سے جو آئینہ منور ہوجاتا ہے اور آتشین شیشہ میں آتشین شعاعیں آجاتی ہیں تو ان دونوں صورتوں میں آفتاب موثر ہے اور آئینہ اور آتشین شیشہ متاثر۔ اور قابل۔ اگر ادھر آفتاب نہ ہو تب یہ نورانیت جو آئینہ میں آجاتی ہے۔ اور یہ سوزش جو آتشین شیشہ میں پیدا ہوجاتی ہے ظہور نہ کرے۔ اور اگر ادھر آئینہ آتشین نہ ہو تب بھی یہ نورانیت اور یہ سوزش ظاہر نہ ہو۔ اسی طرح تکبیر وغیرہ ذکر اللہ موثر ہیں۔ اور حیوانات معینہ قابل ومتاثر۔ اگر موثر کی جانب بالکل خالی ہو یا بجائے ذکر اللہ کچھ اور ہو جو موجب حلت متصور نہیں اور اگر قابل کی جانب بالکل خالی ہو یا سوائے حیوانات معینہ اور کوئی حیوان ہو۔ تب بھی حلت متصور نہیں۔

۲۔ جب حکمت آلہی نے انسان کے لئے اُن حیوانات کو جو زندگی میں اسی کی شل ہیں مباح کردیا اور اُن حیوانات پر اسکو قدرت عطا فرمائی تو واجب ہوا کہ ان حیوانات کی جان نکالنے کے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہو۔ اور غافل نہ ہونے کی یہی صورت ہے کہ خدا تعالے کا نام اُن پر ذکر کریں۔ چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے لِیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَہُمْ مِّنْ بَہِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ۔ ترجمہ یعنے تاکہ خدا تعالے کا نام لیں اُس چیز پر جو خدا تعالے نے اُن کو عطا فرمائی چارپایوں میں سے۔

اہل عرب اور یہود تو ذبح اور نحر کیا کرتے تھے اور مجوس گلا مروڑ یا پیٹ پھاڑ کر کھا جایا کرتے تھے۔ ذبح اور نحر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ہمیشہ سے طریق چلا آتا ہے۔ اسکے اندر بہت سی مصلحتیں ہیں جنمیں سے ہم کچھ بیان کرچکے ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ ذبیحہ کو اسمیں زیادہ تکلیف اور ایذا نہیں ہوتی۔ کیونکہ جان نکالنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے۔

۳۔ چونکہ غلہ۔ پھل وغیرہ نباتات بنی آدم کے لئے ہوا تو ظاہر تھا کون نہیں جانتا کہ یہ چیزیں نہ ہوتیں تو بنی آدم کو زندگی محال تھی۔ البتہ حیوانات کا بنی آدم کے لئے ہونا سوجہ مخفی تھا کہ جیسے بنی آدم کے دست وپا وچشم وگوش وغیرہ اعضاء۔ قوی انکے محق ہیں آلات انتفاع ہیں۔ پھر جیسے غلہ پھل وغیرہ نباتات بنی آدم کے کام آتے ہیں ایسے ہی حیوانات ہم سنگ بنی آدم نظر آتے تھے۔ البتہ نباتات میں یہ بات نہ تھی اسلئے انکا تو پیدا کردینا ہی کم از اجازت نہیں اور حیوانات میں پیدا کرنیکے سوا اور اجازت کی ضرورت ہے ورنہ ایذا ذبح جو اعلیٰ درجہ کی ایذا ہے۔ کیونکہ قتل ہی بلاریب اعلیٰ درجہ کا ظلم ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو ہماری تمہاری ملک برائے نام ملک ہے۔ جب ہماری مملوکات میں تصرف بے اجازت ظلم سمجھا جاوے تو خدا تعالیٰ

کی مملوکات و مخلوقات میں تصرف بے اجازت ظلم کیوں نہ ہوگا۔ اسلئے اسکی اجازت کی ضرورت
پڑی۔ مگر ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ مالک کی اجازت اُسوقت متصور ہے جب تصور کرنیوالا
مالک کو مالک سمجھتا ہو۔ اور اگر کسی اور کو سوائے مالک کے مالک سمجھ بیٹھے تو بجائے اجازت
بحکم غیرت مالک ممانعت ضرور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انعام کی توقع اُسی وقت ہو سکتی ہے
جبکہ حقوق مالکیت اُسی کو ادا کئے جائیں۔ اور اگر بالفرض مالک کے حقوق کسی اور کو ادا کئے جائیں
تو اُسوقت انعام کی جگہ اُلٹا مستحق سزا ہوگا۔ اسلئے بغرض رفع اشتباہ ذبح کے وقت مالکیت
اور اجازت کا اعلان ضرور ہوگا۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام اور اہل کتاب کے
مذہب میں وقت ذبح بسم اللہ کا کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بالجملہ وقت ذبح خدا کا نام
لینا موافق عقل ضروری ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت کی وجہ

ذبیحہ کا کھانا خدا کی اجازت پر مبنی ہوگا۔ مگر یہ ٹھری تو پھر اعلان اجازت خداوندی ضروری ہو
تاکہ یہ وہم صورت حال ذبح سے نہ پیدا ہو کہ وہ خدا کی ذات کا محتاج نہیں یا قبل اجازت خدا کی
عمدہ عمدہ مملوکات میں خاطر خواہ تصرف کر سکتا ہے جس سے اسکا ظالم ہونا اور خدا کی تحقیر نکلتی ہے۔ پھر
اسپر اس اعلان میں یہ فائدہ ہوگا کہ خدا کا نام سُنکر حیوانات کو بوجہ اُس اعتقاد کے جس سے خدا کی
مالکیت اور اپنی مملوکیت کی نسبت اُنکے دل میں ہونا ثابت ہوجائے جان دینی سہل
ہوجائے۔

القصہ خداوند عالم مالک الملک اور حیوانات متاع غیر ہو رہے اسلئے اگر انکا
حلال ہونا وقت ذبح خدا کے نام لینے پر موقوف رکھا جائے اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے
ہوئے جانور کو اگر حرام کھا جائے تو بجا ہے کیونکہ مالک کو یہ گراں نہیں ہوتا کہ اسکی اجازت سے
اسکی مملوکات میں تصرف کیا جائے۔ پھر بے اجازت تصرف کبھی گوارا نہیں ہوتا۔ اور اگر
اجازت کے سوا یہ بھی پیش آجائے کہ تصرف کرنے والا اُس شے کو کسی اور کے نام کہتا پھرے
اور اُسکے نام سے اُس میں تصرف کرے تو گوارا ہونا کجا اُلٹی سزائے بغاوت اُسکے لئے تجویز کیجائیگی
اور وہ چیز اُس سے چھین لی جائے گی۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام ایسی ذبیحہ کو جسپر
غیر خدا کا نام بوقت ذبح لیا جائے یا غیر خدا کا سمجھکر برائے نام خدا کے نام پر ذبح کیا جائے

حرام کہتے ہیں۔ اس تقریر سے تو وقت ذبح خدا کے نام لینے کی ضرورت اور غیر خدا کے نام لینے کی خرابی
موجہ ہوگی۔ مگر ذکر نام خدا کی محبوبیت خداوندی پر مبنی ہونے کی ہنوز کیفیت معلوم نہیں ہوئی
لہذا واضح ہو کہ ذبح میں جان نثاری جاندار کیطرف سے اگر ہوتی ہے تو محبوب اصلی کے لئے ہوتی
ہے اور اسکا کوئی واسطہ دار اگر اسکی جان نثاری کرے مثلاً باپ بیٹے کی جان نثاری کرے
یا مالک کسی اپنے لئے ہوئے جانور کی جان نثاری کرے تب اپنے محبوب اصلی کے لئے
ہوتی ہے۔ نہ بے وجہ کوئی اپنی جان نثاری کرے نہ اپنے واسطہ داروں کی جان نثاری کرے
اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ غیر محبوب کے لئے جان نثاری کیجائے۔ کیونکہ خداوند عالم تمام بنی آدم کا بھی
محبوب اور حیوانات کا بھی محبوب۔ پھر محبت بھی کیسی جیسے خدا کی محبوبیت۔ تمام وجوہ محبوبیت خدا
میں خانہ زاد اور اصلی ہیں۔ اور غیر خدا میں اس سے مستعار۔ ایسے ہی خدا کی محبت بھی انسان اور حیوان
کے حق میں ذاتی اور اصلی ہے خارجی اور عارضی نہیں کیونکہ اپنی محبت خدا کی محبت پر موقوف ہو۔
اور اپنی محبت اوروں کی محبت کیطرح کسیطرح قابل زوال نہیں اسلئے مستحق جان نثاری سوا
اسکے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور یہ ہے تو پھر حیوانات کی وہ کیفیت جس سے اکثر امور میں حیوانات کا
ہم سنگ بنی آدم ہونا ثابت ہو چکا ہے اس بات کو مقتضی ہے کہ براہ محبت انکی جان نثار ہی
کیجائے تو خدا ہی کے لئے مگر یہ ہے تو پھر وہی اعلان ضرور ہوگا تا کہ شبہ تحقیر خداوندی لازم نہ آئے
اور جانوروں کو بتقاضائے محبت خداوند عالم جان دینا سہل ہو جائے ورنہ بے وجہ جان نثاری
ہونے لگے تو پھر بسہولت تو کیا ہوتی جان مفت ضائع ہوتی۔ کیونکہ اس جان نثاری میں محبوبیت
ہی کو کیا فروغ ہوگا بلکہ جان نثاری منجملہ انداز محبت ہی نہ ہوگی۔ جو محبوب کے ساتھ یہ معاملہ دیکھکر کہ اسکو
محب باوفا خیال کریں۔ اور غیر خدا کے نام پر جان نثاری ہوئی تو یوں کہو اسکو محبوب اصلی سمجھا
جسکا انجام یہ ہوگا کہ اسکو اپنی حقیقت کا بانی مبانی تصور کیا۔ کیونکہ خدا کی محبت کی بنا اُسکی محبت پر
تھی جو فیما بین مخلوقات وجود محض ثابت ہوئی اور ظاہر ہے کہ وہی توقف سرمایہ خالقیت ہے۔
اسلئے اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے یا غیر خدا کی محبوبیت کی خاطر سے اسکو ذبح کیا۔ گو برائے نام
خدا ہی کا نام لیا جائے تو پھر ذبح کرنا تو خدا سے انحراف پر دلالت کریگا۔ اسوجہ سے سزائے بغاوت
کا مستحق ٹھریگا۔ کیونکہ اس صورت میں بھی غیر خدا کو ہتائے خدا بنا دیا۔ اتنا فرق ہے کہ خدا کی مالکیت
کے لحاظ میں تو در صورت بغاوت مالکیت میں غیر خدا ہتائے خدا بنتا تھا۔ اور اس صورت میں محبوبیت
میں ہمسری ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ ہمسری بہ نسبت اُس ہمسری کے استحقاق اطاعت میں کہیں زیادہ ہے

کون نہیں جانتا کہ محب جسقدر مطیع ہوتا ہے اُسقدر غلام مملوک مطیع نہیں ہوتا۔ اور یہ صورت ہے تو پھر ایسا ذبیحہ جسپر براہ محبت غیر خدا کا نام لیا جاوے یعنے غیر خدا کے لیئے قربان کیا جاوے ہرگز اس قابل نہیں کہ اسکو حلال کہیں کیونکہ جیسے وہ ذبیحہ جو بلحاظ مالکیت خدا باجازت خداوندی اپنے لئے ذبح کیا جاتا ہے در محبت اپنے لئے ہوتا ہے ویسے ہی وہ ذبیحہ جو برائے محبت خدا ذبح کیا جائے اصل میں خدا کے لئے ہوتا ہے۔

حرمت شراب و قمار بازی کی وجہ

چونکہ لوگوں کی معاش خانگی تدابیر اور سیاست مدن بغیر عقل و تمیز کے مکمل نہیں ہوسکتی اور شراب خوری کی عادت سے تمام انسانی انتظامات میں ہل چل پڑ جاتی ہے۔ اس سے جنگ و جدال اور ذاتی رنجشیں پیدا ہوتی ہیں لیکن طبائع انسانی میں بے ہودہ خواہشیں عقلوں کو مغلوب کر لیتی ہیں تو ان میں ایسے ایسے رذائل کا میلان پیدا ہوجاتا ہے اور تمام تدابیر کو وہ تلف کردیتی ہیں۔ اگر ایسی ایسی حرکات کی روک ٹوک نہ کیجائے تو لوگ ہلاک ہوجائیں۔

شراب میں بہت سی خرابیوں کا اندیشہ ہے جنسے خدا تعالےٰ کی ناخوشی ہوتی ہے شراب کی وجہ سے خدا کی جانب خالص توجہ نہیں ہوسکتی۔ تمدن اور خانہ داری کے انتظامات سب درہم برہم ہوجاتے ہیں۔ شارع ؑ نے شراب کو نجاسات میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے شراب ناپاک اور شیطان کا فعل ہے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔ اسلیئے خدا نے اسکو بہت تاکید کے ساتھ حرام کیا ہے۔ حکمت الٰہیہ کا اقتضا ہوا کہ اسکو پیشاب اور پاخانہ کے برابر کردیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے سامنے اسکی برائی متمثل ہوجائے اور اس سے خود بخود انکے دلوں کو اسکی طرف سے کشیدگی ہوجائے۔ اسکی حرمت کی اور بھی وجوہات ہیں جو سب فسادوں کی جامع ہیں چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ ترجمہ۔ شیطان چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر شراب اور جوئے سے اور روکے تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے۔ پھر اب تم باز آؤگے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنے جو بہت سی چیز نشہ آور ہو وہ تھوڑی بھی حرام ہے۔

قمار بازی یعنے جوا جو اس لئے حرام ہے کہ اس سے مال ناحق ضائع ہوتا ہے اور جھگڑے پیدا ہوتے اور تدابیر مطلوبہ متروک ہوجاتی ہیں اور معاونت جسپر تمدنی زندگی کا دارمدار ہے اُس سے انسان اعراض کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اس بیان کی تصدیق نہ ہو تو پھر غور کرو کہ کبھی تم نے جواریوں کو ان باتوں سے خالی اور آسودہ حال نہ دیکھا ہوگا۔ ایسا ہی شراب خانہ خراب پینے والے کا حال ہے۔ انکے مضار و فساد بے شمار ہیں چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ ترجمہ یعنے تجھسے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوے کا۔ تو کہہ ان میں گناہ بڑا ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور انکا گناہ فائدے سے بڑا ہے۔ لہذا نقصان ہی ہوا فائدہ کوئی نہ ٹھہرا، در اصل شراب خانہ خراب ہے۔ جس گھر یا قوم و ملک میں اسکی کثرت نوشی ہوگی وہاں مصائب کی کثرت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ممالک یورپ میں کثرت شراب نوشی کے باعث مصائب جرم کی بھی یوماً فیوماً ترقی ہورہی ہے۔ دور نہ جاؤ۔ یورپ میں بلجیم ایک چھوٹا سا ملک ہے جسکی آبادی ۳½ ملین سے زائد نہیں ہے۔ لیکن ایک لاکھ ۰ ہزار شراب خانے ملک میں موجود ہیں۔ یعنے ہر ۳۵ شخصوں کے لئے جنہیں عورتیں اور لڑکے بھی شامل ہیں ایک شراب خانہ بھی ہے۔ گذشتہ نصف صدی میں بلجیم کی آبادی میں فی صدی ۵۰ کی ترقی ہوئی لیکن شراب خانے فیصدی ۲۵۸ زیادہ ہوگئے۔

اہل بلجیم سال میں ۵۵ گیلن شراب پیتے ہیں، اور مجموعی مقدار میں دو کروڑ ۱۰ لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ شراب میں صرف کرتے ہیں۔ یعنے روزانہ ۵۷ ہزار ۶ سو پونڈ کی شراب خرچ ہوتی ہے۔ فی کس ۳½ پونڈ۔ اور فی خاندان ۱۵ پونڈ سالانہ کا حساب بالاوسط ہے۔ اس شراب خوری کی اسراف کا نتیجہ یہ ہے کہ تعداد جرائم بہت بڑھی ہوئی ہے۔ مجرموں میں فیصدی ۸۰ خودکشی کرتے ہیں ۴۰ قید خانے میں رہتے ہیں ۹۰ فقر و فاقہ میں بسر کرتے ہیں اور ۵۰ فیصدی مجنون اور پاگل ہیں۔ حقیقت میں اسلام نے شراب کو حرام کرکے نوع انسان پر غیر معمولی احسان کیا ہے

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہُدیٰ یہی ہے — اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے
مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا — اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے
وہ دلستاں نہاں ہے کس راہ سے اسکو دیکھیں — ان مشکلوں کا یارو مشکل‌کشا یہی ہے
باطن سیاہ ہیں جنکے اس دین سے ہیں وہ منکر — پر اے اندھیرے والو دل کا دیا یہی ہے

دنیا کی سب دوکانیں ہیں ہم نے دیکھی بھالیں
سب خشک ہوگئے ہیں جتنے تھے باغ پہلے
دنیا میں اسکا ثانی کوئی نہیں ہے شریعت
اسلام کی سچائی ثابت ہے جیسے سورج
جب کھل گئی سچائی پھر اسکو مان لینا
جو ہو سفید لینا جو بد ہو اُس سے بچنا
ملتی ہے بادشاہی اس دین سے آسمانی

آخر ہوا یہ ثابت دار الشفا یہی ہے
ہر طرف میں نے دیکھا بستاں ہرا یہی ہے
پی لو تم اسکو یارو آب بقا یہی ہے
پر دیکھتے نہیں ہیں دشمن بلا یہی ہے
نیکوں کی ہے یہ خصلت راہ حیا یہی ہے
عقل و خرد یہی ہے فہم و ذکا یہی ہے
اے طالبان دولت ظل ہما یہی ہے

اسلام کے محاسن کیونکر بیاں کروں میں
سب خشک باغ دیکھے پھولا پھلا یہی ہے

اسلام میں مسکرات کی ممانعت صاف طور پر بتاتی ہے کہ اس پاک مذہب کو شہوانیت سے کسقدر نفرت ہے۔ ہم اس جگہ یہ سوال نہیں کرتے کہ اگر موجودہ عیسائی مذہب نفسانیت کی راہ نہیں بتاتا تو کیوں اس میں شراب جیسی بری چیز کی کوئی ممانعت نہیں۔ کیونکہ یہ مضمون اسوقت زیر بحث نہیں۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر شراب شہوانی خیالات کو اُبھارنے والی ہے جیسا کہ کل دنیا تسلیم کر رہی ہے تو کیا کسی مذہب کا شراب سے منع کرنا اور شراب خوری کو قطعاً روک دینا اس امر کی یقینی اور قطعی شہادت کہ وہ شہوانی خیالات سے چھڑانے والا اور راستبازی اور روح اور دل کی پاکیزگی کی طرف بلانے والا ہے۔ اگر اسلام ایک نفسانی مذہب ہوتا اور اسکی غرض یہی تھی کہ شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کے ذریعے بتا دے اور انکی راہ کھول دیوے تو پھر اس نے شراب کو کیوں منع کیا اور شراب خوری کو کیوں جڑ سے کاٹا۔ ہمیں اور بھی تعجب ہوتا ہے۔ جب ہم بعض نام کے مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ اسلام کے اصول ایک ابتدائی سوسائٹی کے لئے تجویز کئے گئے تھے جسکا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ گویا یہ اصول ایک وحشی قوم کے لئے تجویز کئے گئے تھے اور آجکل کی مہذب اقوام کے لئے وہ موزون نہیں۔ بہرحال ان مہذبوں سے جو آجکل شراب خوری سے تباہ ہو رہے ہیں یہ وحشی قوم ہی اچھی رہی۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ واقعات کی بنا پر نتائج پیدا نہیں کرتے بلکہ جو ایک خیال دل میں بیٹھ گیا ہے اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ کوئی پاکیزگی اس پاکیزگی کی برابر نہیں جسکی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ مگر اس حقیقی پاکیزگی کو نفسانیت کہا جاتا ہے حالانکہ اسی

شہوانیت کو جسکی طرف شراب خوری انسانوں کو لے جا رہی ہے پاکیزگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شراب ہی وہ چیز ہے جو انسان کے نفسانی جذبات کو جوش میں لاتی ہے لہذا شرابخوری کی علت کو جڑ سے کاٹ کر اسلام نے انسانوں کو حیوانی جذبات سے آزاد کر دیا ہے ابھی تک دنیا اس حقیقی نور سے بے خبر ہے مگر وہ زمانہ بہت قریب آتا جاتا ہے جب دنیا کی آنکھیں اس نور کے دیکھنے کے لئے کھولی جائینگی۔ اور جب اسلام کے اصول دنیا کو معلوم ہونگے تب اُسے سمجھ آئیگا کہ وہ پاکیزگی ان لوگوں کے وہم و گمان سے بھی برتر ہے جو اسلام سکھاتا ہے۔

حرمت سود کی وجہ۔

سود سے یہ مراد ہے کہ مقروض نے جتنا قرض لیا ہے اُس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام اور باطل ہے کیونکہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرض اپنی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے لے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اُسکا ایفا نہ کر سکنے سے وہ چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اُس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں اور اس میں جھگڑوں اور علی الخصوص جھوٹوں کا گمان غالب ہے۔ اور جبکہ مال کے بڑھانے کا اسطرح طریقہ و رسم ہو جائیگا تو اسکی وجہ سے کھیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جائینگی جو تمام پیشوں کی جڑ ہیں اسلئے اس پیشہ کو حرام ٹھہرایا گیا۔ عن ابن مسعودؓ قال لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آکل الربا و موکلہ و شاھدیہ و کاتبہ (مسلم۔ ترمذی) ترجمہ یعنے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بیاج لینے والے کو اور دینے والے کو اور سود کا معاہدہ لکھنے والے اور سود کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔

اور خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ ترجمہ۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو سود رہ گیا ہے اگر تم مومن ہو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے اور سود لینے اور دینے سے باز نہیں آتے ہو تو تمکو خدا تعالیٰ اور اُسکے رسول کیطرف سے اعلان جنگ ہے۔

دراصل اگر سود دینے والے ہی نہ ہوں یعنے سود پر قرض کوئی نہ لیوے تو پھر سود خوار بھی کوئی نہ رہے بلکہ اس قبیح رسم کی بیخ کنی ہو جائے۔ پس بہت زیادہ تر گناہ اُن لوگوں کا ہے جو سود دینے کے معاہدہ پر قرض لیتے اور پھر سود کھانے والے لوگوں سے قرض لیتے ہیں۔

جن قوموں کا پیشہ سود خوری کا تھا وہ بالآخر ذلیل و مطرود ہوگئیں۔ منجملہ اُن کے قوم یہود ہی چپہ بھر انکی کہیں سلطنت نہیں ہے۔ جس ملک میں جاتے ہیں ایسے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں کہ ذلیل ہو کر انکو نکلنا پڑتا ہے۔ اسکی جڑ یہ ہے کہ یہ سود خوار قوم ہے۔ جب لوگ سمجھتے ہیں کہ انکے پنجے سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا تو اپنے بادشاہوں کے پاس چغلیاں کھاتے ہیں اور پھر انہیں حکم ہوتا ہے کہ اس ملک سے نکل جاؤ۔

سود خواروں کے اخلاق بہت بُرے ہوتے ہیں۔ علامہ نور الدین لکھتے ہیں کہ میں نے ایک فقیر کے لئے ایک سود خوار کے آگے سفارش کی تو وہ کہنے لگا کہ پانچ روپیہ کیوں دینے دونگا۔ مگر میرے پاس رہتے تو سو برس میں سود در سود سے ۱/۲ لاکھ ہو جاتا۔ لکھنؤ میں ایک سلطنت تھی وہ بھی محض سود سے تباہ ہوئی۔ پہلے انکے مبلغات پر ویسری لوٹوں کے بدلے میں گئے۔ پھر وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور آخر وہ وقت آیا کہ یہ سلطنت برباد ہو گئی۔

بعض نابکار لوگ کہتے ہیں کہ سود کے بغیر کام نہیں چل سکتا حالانکہ بارہ سو برس (بارہ سو بر نہیں اسلئے کہا کہ تیرہویں صدی میں مسلمانوں نے سود لینا دینا شروع کر دیا۔) کا تجربہ بتاتا ہے کہ بغیر سود کے سب کام چل سکتے ہیں۔

حرمت سود پر دلائل قویہ

قرآن شریف کی وہ آیات جن میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے۔ مال میں ظاہر اور پوشیدہ صدقات دینے کے حکم کے بعد ہی یہ آیت ہے اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔ ترجمہ یعنے جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر جیسے کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جو مس شیطان سے مخبوط الحواس ہو گیا ہو۔ قرآن مجید میں اس جگہ لفظ ربٰو کا آیا ہے اور اسپر بہت بحث مباحثہ ہوا ہے کہ اس آیت میں اس سے کیا مراد ہے۔ اسکے لفظی معنے بڑھوتی یا زیادتی ہے۔ لیکن رواجاً اس سے وہی مراد ہے جو ابتداءً سود خوری سے مراد ہوتی تھی۔ یعنے اسکے معنے ہیں قرضہ پر سود۔ جیسا کہ اسی آیت کے بعد کی تیسری و چوتھی آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں صاف صاف الفاظ ربٰو اور راس المال کے آئے ہیں جنسے سود و اصل مال مراد ہے۔ علاوہ ازیں آیت متذکرہ بالا میں ربٰو اور تجارت کے منافع کا فرق خود ربٰو کے

معنوں کو ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ دوسرے حصہ آیت مذکورہ میں یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ اور ربٰو یعنے سود خوری کو حرام۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں سود کی حرمت بیان کرنے سے قرآن شریف کا مدعا اُس رسم کے استیصال کا ہے جو مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کے بارہ میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں بھی ایسی ہی پھیلی ہوئی تھی جیسی کہ دیگر تمام ممالک میں۔ اس آیت میں ایک اور امر بہت ہی توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص سود پر قرضہ دیوے اسکی مثال ایسے شخص سے دیگئی ہے جو مس شیطان سے گر گیا ہو یا دیوانہ ہو گیا ہو۔ اصل الفاظ سے دونوں معنے نکل سکتے ہیں۔ قرآن شریف نے اس ایک ہی لفظ میں سود خواری کے تمام بد نتائج بتلا دئیے ہیں اور یہ اس پاک کتاب کا خاصہ ہے کہ اکثر موقع پر ایک ہی لفظ میں ایک لمبے مضمون کا فلسفہ بیان کر دیتی ہے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ سود خور کبھی سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا بلکہ جب وہ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے تو پھر گر پڑتا ہے سود خوری کے ذریعہ دولت کے بڑھانے کی خواہش کو مس شیطان سے مشابہت دیگئی ہے جسکے باعث انسان زمین پر جھکا رہتا ہے۔ یعنے بالکل زمینی ہو جاتا ہے۔ اور آسمان سے اسکا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ سود خور ہر وقت اور ہر آن اس غم اور فکر میں غرق رہتا ہے کہ کیسطرح اسکی دولت بڑھے۔ اسلئے وہ حد سے زیادہ زمین کیطرف جھکا ہوا ہے اور انسانی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی خواہش اسکے دل میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی وہ خود چونکہ گرا ہوا ہوتا ہے اسلئے اپنے ابنائے جنس کی بھی کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ وہ اسی دنیا کی خواہشات کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا ہوتا ہے اور اعلیٰ اور پاکیزہ خیالات سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ شیطان سے مراد دنیاداری ہے اور اسلئے مس شیطان سے مراد اس دنیا کی محبت ہے۔ ہمدردی محبت اور شفقت نہ ہونا جو سود خوری کا لازمی نتیجہ ہے۔ اخلاقی تنزل کا باعث بنجاتا ہے جسکو زمین پر گرا ہوا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے دوسری آیت جسمیں سود خواری کی حرمت اس سے بھی زیادہ پر زور الفاظ میں بیان کی گئی ہے یہ ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ۔ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقر) یعنے اے مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسکو چھوڑ دو۔ اور اگر ایسا نہیں کروگے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار رہو۔ اور اگر توبہ کرتے ہو

تو اپنی اصل رقم تمکو نہیں پہونچتی ہے۔ نہ تم کسیکا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے۔ اور اگر کوئی تنگدست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو۔ اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اسکو قرضہ بھی بخشدو۔

ان آیات سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے۔ بقایا سود کے چھوڑ دینے کے حکم سے پہلے تقوے اختیار کرنیکا حکم ہے۔ کیونکہ بنی نوع انسان کی فائدہ رسانی کا کام درحقیقت ایک تقوی کی راہ ہے۔ علاوہ ازیں اس حکم سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ تمام احکام میں قرآن شریف کو جو مدعا مدنظر ہوتا ہے وہ حصول تقوی ہی ہے۔ اسی سے اس امر کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کسقدر فکر رہتا تھا کہ آپ کے اتباع تقوے کے اعلی مدارج حاصل کریں اور جیسا کہ آپکو اس بات کا فکر رہتا تھا ایسا ہی جو نتائج حاصل ہوئے وہ بھی بہت عظیم الشان ہیں کیونکہ آپ کے انفاس طیبہ نے تقوے کی وہ روح آپ کے پیرؤوں میں بھی پھونکدی جسکی نظیر نہیں پائی جاتی۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی نہ کسی شکل میں قرضہ پر سود کا لینا جائز ٹھرانا چاہتے ہیں وہ اور نہیں تو یہی غور کریں کہ پہلے زمانہ کے مسلمانوں نے جب سچے تقوے کے حصول کی خاطر اپنا تمام مال خدا کی راہ میں دیدیا تو ہم ان مدارج کو کیونکر پا سکتے ہیں۔ اگر ہم حرمت سود کے حکم کے پابند بھی نہ رہیں۔

وہ ربا جسکی حرمت قرآن کریم نے کی ہے عرب کے لوگوں میں زمانہ جاہلیت میں مشہور و معروف امر تھا۔ امام رازی اپنی تفسیر میں اس جاہلیت کے ربا کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے کہ ربا النسیہ وہ ہے جو عرب کے لوگوں میں ایام جاہلیت میں مشہور و متعارف امر تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے کو کچھ مال بطور قرضہ دیتا تھا اس شرط پر کہ قرضہ لینے والا مہینے کے مہینے ایک رقم معین جسکو بطرح سود کہنا چاہیئے قرضخواہ کو دے اور راس المال بدستور مدیون کے ذمہ باقی رہتا تھا۔ جب میعاد قرضہ کی ختم ہو جاتی تب قرضخواہ مدیون سے اپنا قرضہ یعنے راس المال طلب کرتا۔ پھر اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو اصل قرضہ کی رقم بڑھا دی جاتی اور اسکو مہلت بڑھا دیجاتی۔ یہ وہ ربا تھا جو جاہلیت کے ایام میں جاری تھا۔ ربا کے معنوں کے اسقدر واضح اور کھلے ہونے کے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی ربا کے معنے معلوم نہ تھے اور انھوں نے کہا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ربا کے معنے کچھ نہیں بتائے۔ اسلیئے کہ آپ کو مہلت ہی نہیں ملی۔

یہ بات بالکل غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر جلدی اس حکم کے نزول کے بعد فوت ہو گئے تھے کہ آپ کو اسکی تفسیر کرنیکا موقع ہی نہیں ملا۔ کیونکہ ان آیات کے ... کے نزول کے بعد آپکا حجۃ الوداع کرنا ثابت ہے جہاں آپ نے کل مسلمانوں کو جمع کر کے ایک بہت لمبا وعظ کیا جیسا کہ کل معتبر کتب احادیث میں درج ہے اور اسی کے اثنا میں ربا کے ممنوع ہونے پر بھی زور دیا عن سلیمان ابن عمرو عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع یقول الا ان کل ربا من ربا الجاھلیۃ موضوع لکم رؤس اموالکم لا تظلمون و لا تظلمون۔ الا و ان کل دم من دم الجاھلیۃ موضوع و اول دم اضع منھا دم الحارث بن عبد المطلب۔ قال اللھم ھل بلغت قالوا نعم ثلاث مرات قال اللھم اشھد ثلاث مرات۔ ترجمہ۔ یعنے سلیمان اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ مینے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ دیکھو ہر ایک ربا ربای جاہلیت کا موقوف کیا جاتا ہے۔ ہاں راس المال لینے کا حق تمہیں ہے نہ تم دوسروں پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ دیکھو ہر ایک خون جاہلیت کے خون سے موقوف کیا جاتا ہے اور پہلا خون جسکو میں موقوف کرتا ہوں وہ حارث بن عبد المطلب کا خون ہے۔ اسکے بعد آپ نے پکار کر فرمایا۔ کیا مینے تم لوگوں کو پیغام پہونچا دیا ہے۔ سب نے کہا ہاں۔ اور تین دفعہ آپ نے یونہی پکارا۔ اور یہی جواب کل حاضرین نے آپ کو دیا۔ اسکے بعد تین دفعہ آپ نے فرمایا۔ اے خدا تو گواہ رہ۔ یعنے اس بات پر کہ مینے ان لوگوں کو یہ پیغام پہونچا دیئے ہیں اور اسکا یہ سب اقرار کرتے ہیں۔ حدیث کے یہ الفاظ ابو داؤد سے لیئے گئے ہیں۔ مگر بہت تھوڑی کمی وبیشی سے یہی الفاظ ہر ایک معتبر کتاب حدیث میں ملینگے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ آپکا فرمانا ان آیات کے نزول کے بعد تھا جو سورۂ بقر میں وارد ہوئی ہیں جو وہاں بھی بعینہ یہی ذکر ہے کہ راس المال تمکو واپس مل سکینگے مگر ربا تمپر حرام کیا گیا ہے۔ اب یہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو کھول کر سمجھاتے ہیں کہ جاہلیت میں جسقدر تم ربا لیتے تھے وہ سب اور کل کا کل موقوف کیا جاتا ہے۔ مگر اس زمانہ کے مجتہد لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وقت ہی نہیں ملا کہ بتائیں کہ کونسا ربا حرام کیا گیا ہے اور کونسا باقی رکھ لیا گیا ہے۔ ربا تو آپ نے کوئی باقی نہیں رکھا۔ البتہ جیسا قرآن شریف میں حکم تھا یہ فرمایا کہ اصل روپیہ تمہارا جسے راس المال کہا جاتا ہے جو بطور قرضہ دیا گیا تھا وہ تمہیں واپس ملسکتا ہے۔

کیا اب بھی ربا کے معنوں میں کوئی شک باقی ہے۔ پھر آپ نے باواز بلند بزار ہا حاضرین کو مخاطب کرکے یہ فرمایا کہ کیا میں نے یہ پیغام تمکو پہونچا دیا ہے۔ اور سب نے بالاتفاق یہی کہا کہ بیشک آپ نے پہونچا دیا ہے اگر ربا کے معنوں میں ان کو کوئی شک تھا تو اسوقت کس نے انکے موتھ پر ہاتھ رکھدیا تھا جو یہ کہدیتے کہ اے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں ابھی تک ربا کے معنوں کا کچھ پتہ نہیں لگا ذرا اسکی تشریح فرما دیجئے۔ پھر ایک دفعہ نہیں تین دفعہ انہوں نے یہی شہادت دی کہ ہاں ہمنے ان باتوں کو سمجھ لیا۔ اور آپ نے خدا کا پیغام پہونچا دیا۔ یقیناً حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ بھی وہاں موجود تھے اور اگر انھوں نے اس موقع پر کچھ نہیں کہا تو بعد میں وہ کیونکہ کہہ سکتے تھے کہ ہمیں ربا کے معنے سمجھ میں نہیں آئے کیونکہ آنحضرتؐ کو سمجھانے کا موقع ہی نہیں ملا۔

کثرت سے اور احادیث موجود ہیں جنمیں ربا کے متعلق بڑے بڑے وعید آئے ہیں۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ ضد ہے یا کم فہمی۔ جو یہ کہا جاتا ہے کہ ربا کے معنوں کا ہی صحابہ کو پتہ نہ تھا۔ اور پھر ان احادیث پر کل اسلامی دنیا کا ابتدا سے عمل بھی رہا ہے جس سے انکا معتبر اور صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں جس کو تمام معتبر کتب احادیث نے بیان کیا ہے یہ وارد ہوا ہے کہ لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اٰکل الربا وموکلہ وشاھدہ وکاتبہ یعنے آپنے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سودی معاہدہ کے گواہ اور کاتب پر لعنت کی۔ کیونکہ وہ سب اس بدی کے معاون ہیں۔

اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ سورۂ بقر کی وہ آیات جنمیں ربا کی ممانعت کا حکم نازل ہوا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخیر زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔ مگر یہ کہنا کہ آپ کو ان آیات کے نزول کے بعد اسقدر مہلت ہی نہ ملی تھی کہ آپ ربا کے معنوں کی تشریح کر سکتے اور کہ اسلیے یہ مسئلہ بلا وضاحت ہی رہگیا ایک بالکل بیہودہ خیال ہے۔ کیا ربا کی تشریح کرنیکے لئے کئی سالوں یا مہینوں یا دنوں کی ضرورت تھی۔ اگر کسی تشریح کی ضرورت تھی تو یہ تو ایک منٹ کا بھی کام نہ تھا۔ یہ لفظ عام طور پر عرب میں مستعمل تھا اور ربا کا رواج عام تھا آخر اسکی تشریح کے لئے کوئی مجلد تو نہیں بنائے جانے تھے۔ کچھ نہ کچھ تو اسکا مفہوم عرب کے لوگوں کے دل میں بھی تھا۔ اگر قرآن شریف نے ان عام معنوں کو چھوڑ کر ربا کو کسی اور معنوں میں مستعمل کیا تھا تو یہ ممکن نہ تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسکے معنے مسلمانوں کو نہ بتاتے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن شریف اسقدر سختی سے مسلمانوں کو سود خوری چھوڑنے کا حکم دیتا اور انکو صاف الفاظ میں

یہ اعلان جنگ دیتا کہ اگر تم ربا کو نہ چھوڑو گے تو خدا اور اسکے رسولؐ کے ساتھ تمہارا جنگ ہے حالانکہ یہ انکو خبر ہی نہیں دیگئی کہ ربا سے مراد کیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ نہ بتایا۔ اور نہ ہی قرآن شریف نے یہ تشریح کی۔ یہ کیسا بیہودہ خیال ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن شریف نے ایسے احکام بھی دئے ہیں اور مسلمانوں کو انپر عمل کرنیکا حکم دیا ہے اور عمل نہ کرنے کی صورت میں عذاب کی دھمکیاں دی ہیں حالانکہ انکا مفہوم نہیں بتایا گیا۔ وہ قرآن شریف سے محض جاہل ہے۔

پس جسطرح دیگر احکام دیگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یا قرآن شریف نے سمجھا دیا کہ صلوٰۃ کسطرح ادا کرنی چاہئے۔ صوم کے متعلق کیا کیا پابندیاں ہیں وغیرہ وغیرہ تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ربا کی حرمت کا حکم دیا تو اگر یہ لفظ تشریح طلب تھا تو اسکی تشریح کیوں نہ کی۔ کیونکہ پھر تو حکم ہی لغو اور بے معنے ٹھہرا۔ اصل بات یہ ہے اور یہی حضرت عمرؓ بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ ایسا مشہور اور متعارف تھا کہ اسکی تشریح کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

سود و ایمان

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سود کے سوا دنیا کے کاروبار نہیں چل سکتے مگر ایسے لوگوں کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے سود کی حرمت مومنوں کے واسطے مقرر کی ہے اور مومن وہ ہوتا ہے جو ایمان پر قائم ہو۔ خدا تعالیٰ خود اسکا متولی اور متکفل ہو جاتا ہے۔ اسلام میں کروڑہا ایسے آدمی گذرے ہیں جنہوں نے نہ سود لیا نہ دیا آخر انکے حوائج بھی پورے ہوتے ہی رہے۔ خدا تعالے فرماتا ہے کہ سود نہ لو نہ سود دو۔ جو ایسا کرتا ہے گویا خدا کے ساتھ لڑائی کی طیاری کرتا ہے۔ ایمان ہو تو اسکا صلہ خدا بخشتا ہے۔ ایمان بڑی بابرکت شے ہے الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ اگر کسیکو خیال ہو کہ پھر کیا کرے۔ تو کیا خدا تعالیٰ کا حکم بھی بیکار ہے۔ اسکی قدرت بہت بڑی ہے سود تو کوئی شے ہی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالے کا حکم ہوتا کہ زمین کا پانی نہ پیا کرو تو وہ ہمیشہ بارش کا پانی آسمان سے دیا کرتا۔ اسیطرح ضرورت پر وہ خود ایسی راہ نکال ہی دیتا ہے کہ جس سے اسکی نافرمانی بھی نہ ہو۔ جب تک ایمان میں میل کچیل ہوتی ہے تب تک یہ ضعف اور کمزوری ہے۔ کوئی گناہ چھوٹ نہیں سکتا جب تک خدا تعالیٰ نہ چھڑاوے۔ ورنہ انسان تو ہر ایک گناہ پر یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ ہم چھوڑ نہیں سکتے اگر چھوڑیں تو گذارہ نہیں چلتا۔ دوکانداروں عطاروں کو دیکھا جاوے کہ پرانا مال سالہا سال تک بیچتے ہیں۔ دہوکا دیتے ہیں

ملازمت پیشہ لوگ رشوت خوری کرتے ہیں اور سب یہ عذر کرتے ہیں کہ گذارہ نہیں چلتا۔ ان سب کو اگر اکٹھا کر کے نتیجہ نکالا جاوے تو پھر یہ نکلتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی کتاب پر عمل ہی نہ کرو کیونکہ گذارہ نہیں چلتا۔ حالانکہ مومن کے لئے خدا خود سہولت کر دیتا ہے۔ یہ تمام راستبازوں کا مجرب علاج ہے کہ مصیبت اور صعوبت میں خدا خود راہ نکال دیتا ہے۔ لوگ خدا کی قدر نہیں کرتے۔ جیسے انکو حرام کے دروازے پر بھروسہ ہے ویسا خدا پر نہیں ہے۔ خدا پر ایمان یہ ایک ایسا نسخہ ہے کہ اگر قدر ہو تو جی چاہے کہ جیسے اور عجیب نسخے مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔ ویسے ہی اسے بھی مخفی رکھا جائے۔

سود بینک جائز و ناجائز ہونیکے وجوہات

کے

یہ بات بالکل سچ ہے کہ سود حرام ہے لیکن اپنے نفس کے واسطے۔ اللہ تعالےٰ کے قبضہ میں جو چیز جاتی ہے وہ حرام نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ حرمت اشیاء کی انسان کے لئے ہے۔ نہ کہ اللہ تعالےٰ کے واسطے پس سود اپنے نفس کے لئے۔ بیوی بچوں۔ احباب رشتہ داروں اور ہمسائیوں کے لئے بالکل حرام ہے۔ لیکن اگر یہ روپیہ خالصتہً اشاعت دین کے لئے خرچ کیا جائے تو حرج نہیں ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اسلام بہت کمزور ہو گیا ہے۔ اور پھر دوسری مصیبت یہ ہے کہ لوگ زکوٰۃ بھی نہیں دیتے ہیں۔ دیکھا جا رہا ہے کہ اسوقت دو مصیبتیں واقع ہو رہی ہیں اور دو حرمتیں روا رکھی گئی ہیں۔ اول یہ کہ زکوٰۃ جسکے دینے کا حکم تھا وہ دیتے نہیں۔ اور سود جسکے لینے سے منع کیا تھا وہ لیتے ہیں۔ یعنے جو خدا تعالےٰ کا حق تھا وہ تو دیتے نہیں ہیں اور جو اپنا حق نہ تھا وہ لے لیتے ہیں۔ جب ایسی حالت ہو رہی ہے اور اسلام خطرناک ضعف میں مبتلا ہے تو ایسے سودوں کی رقمیں جو بینک سے ملتی ہیں یکمشت اشاعت دین میں خرچ کرنی چاہئیں۔ مگر یہ فتویٰ عام نہیں ہے۔ ورنہ سود کا لینا دینا دونوں حرام ہیں۔ مگر اس ضعف اسلام کے زمانہ میں جبکہ مالی ترقی کے ذرائع پیدا نہیں ہوئے اور مسلمان توجہ نہیں کرتے ایسا روپیہ اسلام کے کام میں لگنا حرام نہیں ہے۔ قرآن شریف کے مفہوم کے موافق جو حرمت ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے اگر خرچ ہو تو حرام ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ جیسے سود اپنے لئے درست نہیں کسی اور کو اسکا دینا بھی درست نہیں۔ ہاں خدا تعالےٰ کے قبضہ میں ایسے مال کا دینا درست ہے اور اسکا یہی طریق ہے کہ وہ صرف اشاعت اسلام میں خرچ ہو۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے جہاد ہو رہا ہو اور گولی بارود کسی فاسق

فاجر کے ہاں ہو۔ اسوقت محض اس خیال سے رک جانا کہ یہ گولی بارود مال حرام ہے ٹھیک نہیں۔ بلکہ مناسب یہی ہوگا کہ اسکو خرچ کیا جاوے۔ اسوقت تلوار کا جہاد تو باقی نہیں رہا اور خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے ہمیں ایسی گورنمنٹ دی ہے کہ جس نے ہر ایک قسم کی مذہبی آزادی عطا کی ہے اب قلم کا جہاد باقی ہے اسلئے اشاعت دین میں ہم اسکو خرچ کر سکتے ہیں اور وہ یوں ہے کہ اسلامی امداد کے لئے دینی کتب چھاپ کر بکثرت شائع کیجاویں۔

اسوقت اشاعت اسلام کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے اور اسپر وہ روپیہ جو بینکوں کے سود سے آتا ہے خرچ کیا جائے تو جائز ہے۔ کیونکہ وہ خالص خدا کے لئے ہے خدا تعالےٰ کے لئے وہ حرام نہیں ہے جیسا کہ ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے کہ خواہ کسی جگہ کا سکہ و بارود ہو وہ جہاد میں خرچ کرنا جائز ہے۔

یہ ایسی باتیں ہیں کہ بلا تکلف سمجھ میں آجاتی ہیں کیونکہ بالکل صاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ فرماتا ہے کہ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ پس جبکہ اضطراری حالت میں اپنی جان بچانے کی خاطر سؤر کھانا جائز ہے تو کیا ایسی حالت میں کہ اسلام کی حالت بہت ضعیف ہو گئی ہے اور اسکی جان پر آبنی ہے اسکی جان بچانے کے لئے محض اعلائے کلمۂ اسلام کے لئے کیا سود کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ سود کا روپیہ بالکل حرام ہے کہ کوئی شخص اُسے اپنے نفس پر خرچ کرے اور کسی قسم کے بھی ذاتی مصارف میں خرچ کرے یا اپنے بال بچے کو دے یا کسی فقیر مسکین کو دے۔ یا کسی ہمسایہ یا مسافر کو دے سب حرام ہے۔ سود کے روپیہ کا لینا اور خرچ کرنا سب گناہ ہے لیکن جب تقریر مذکور امداد اسلام کے لئے خرچ کیا جاوے تو درست ہے۔ کیونکہ یہ ایام اسلام کے واسطے بڑے مالی مشکلات کے ہیں۔ اول تو مسلمان اکثر غریب ہیں پھر جو امیر ہیں وہ اپنے ذاتی مصارف میں اور مال اور عیال کے فکر میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ سود کا روپیہ لے لیتے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے۔ دونوں طرف سے گناہگاری میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ سچ ہے کہ غریب ہو یا امیر ہو کسی کو بھی دین اور اسلام کی اشاعت کا فکر نہیں۔ جو زکات دیتے ہیں وہ بھی رسمی طور پر دنیوی عزت کے موقعہ پر اپنا روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اپنا جو حق نہ تھا وہ لیتے ہیں اور خدا کا جو حق تھا وہ نہیں دیتے اور اسطرح اپنے اندر دو گناہ ایک ہی وقت میں جمع کر لیتے ہیں غرض اسقدر اسلامی مصیبت کے وقت میں اگر اس قسم کا روپیہ اشاعت اسلام کے واسطے تالیف کتب

میں صرف کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ سود کا روپیہ تصرف ذاتی کے واسطے ناجائز ہے لیکن خدا کے واسطے کوئی شے حرام نہیں۔ خدا کے کام میں جو مال خرچ کیا جائے وہ حرام نہیں ہے۔ اسکی مثال اسطرح ہے کہ گولی بارود کا چلانا کیا ہی ناجائز اور گناہ ہو لیکن جو شخص اسے ایک جانی دشمن کے مقابلہ پر نہیں چلاتا وہ قریب ہے کہ خود ہلاک ہوجائے۔ کیا خدا تعالےٰ نے نہیں فرمایا ہے کہ تین دن کے بھوکے کے واسطے سؤر بھی حرام نہیں بلکہ حلال ہے۔ پس سود کا مال اگر ہم تم خدا کے لئے لگائیں تو پھر وہ کیونکر گناہ ہوسکتا ہے اسمیں مخلوق کا حصہ نہیں بلکہ اعلائے کلمہ اسلام میں اور اسلام کی جان بچانے کے لئے اسکا خرچ کرنا ہم اطمینان اور ثلج قلب کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ بھی فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ میں داخل ہے۔ اب تلوار کا جہاد باقی نہیں رہا لیکن قلم کا جہاد باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جسطرح کی طیاری کفار تمہارے مقابلہ میں کرتے ہیں اسیطرح کی طیاری تم بھی انکے مقابلہ میں کرو۔ اب قوموں کے درمیان تلوار کا مذہبی جنگ باقی نہیں رہا کیونکہ زمانہ کا رخ بدل گیا ہے۔ مذہب کے لئے کوئی کسی پر جبر و اکراہ نہیں کرسکتا۔ اور اسلام کا بھی یہی حکم ہے کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ ہاں اب قلم کا جنگ و جہاد ہے۔ آجکل پادری و آریہ لوگ طرح طرح کے مکر و فریب کے ساتھ اسلام کے برخلاف کتابیں شائع کرتے ہیں اور غلط باتیں افترا پردازی سے کہتے ہیں۔ جبتک ان خبیث باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ہونا ثابت نہ کیا جائے اسلام کی اشاعت کسطرح ہوسکتی ہے۔ پس ہم بلا خوف لومۃ لائم علیٰ رؤس الاشہاد کہتے ہیں کہ قرآن شریف کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے نفس۔ عیال۔ اطفال۔ دوست عزیز کے واسطے سود مباح نہیں بلکہ پلید و حرام ہے۔ لیکن اس ضعف اسلام کے زمانہ میں جبکہ مالی امداد کا سخت احتیاج ہے اسلام کی امداد ضرور کرنی چاہیئے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہمارا منشا صرف یہ ہے کہ اضطراری حالت میں جبکہ خنزیر کھانے کی اجازت نفسانی ضرورتوں کے واسطے جائز ہے تو اسلام کی ہمدردی کے واسطے اگر انسان دین اسلام کو ہلاکت سے بچانے کے واسطے سود کے روپے کو خرچ کیا جائے تو کیا قباحت ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اجازت مختص المقام اور مختص الزمان ہے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کے واسطے اسپر عمل کیا جاوے۔ جب اسلام کی نازک حالت نہ رہے تو پھر اس ضرورت کے واسطے بھی سود لینا ویسا ہی حرام ہے کیونکہ دراصل سود کا عام حکم حرمت ہی ہے۔

ریلوے بونس کا روپیہ جائز و ناجائز ہونیکی وجہ

ریلوے میں جو لوگ ملازم ہوتے ہیں انکی تنخواہ میں سے ایک آنہ فی روپیہ کاٹ کر رکھا جاتا ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ روپیہ انکو دیا جاتا ہے اور اسکے ساتھ کچھ زائد روپیہ بھی دیتے ہیں۔ اس پر یہ سوال ہوا ہے کہ آیا ایسا روپیہ جائز ہے یا نہیں۔ سو واضح ہو کہ شرع میں سود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدہ کے واسطے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے یہ تعریف جہاں صادق آویگی وہ سود کہلائیگا۔ لیکن جس نے روپیہ لیا ہے اگر وہ وعدہ وعید تو کچھ نہیں کرتا اور اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے۔ تو وہ سود سے باہر ہے۔ چنانچہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ شرائط کی رعایت رکھتے آئے ہیں۔ اگر بادشاہ کچھ روپیہ لیتا ہے اور وہ اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے۔ اور دینے والا اس نیت سے نہیں دیتا کہ یہ سود ہے تو وہ سود میں داخل نہیں ہے۔ وہ بادشاہ کیطرف سے احسان ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ایسا قرضہ نہیں لیا کہ ادائگی کے وقت اسے کچھ زائد نہ دیا ہو۔ یہ خیال رہنا چاہیئے کہ اپنی خواہش نہ ہو۔ خواہش کے برخلاف جو زیادہ ملتا ہے وہ سود نہیں ہے۔

چھری کانٹے سے کھانا جائز و ناجائز ہونیکی وجہ

چھری کانٹے سے کھانا اسلامی شریعت نے منع تو نہیں کیا مگر تکلف سے ایک بات یا ایک فعل پہ زور دینے سے منع کیا ہے۔ اس خیال سے کہ اس میں اس قوم سے مشابہت نہ ہوجائے جو اس کام میں تکلف کی پابند ہے ورنہ یونتو ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری کانٹے سے گوشت کاٹ کر کھایا ہے اور یہ فعل اسلئے کیا کہ امت کو تکلیف نہ ہو جائز صورتوں پر کھانا جائز ہے مگر بالکل اسکا پابند ہونا اور تکلف کرنا اور کھانے کے دوسرے طریقوں کو ناجائز سمجھنا منع ہے۔ کیونکہ انسان آہستہ آہستہ یہانتک تتبع متکلفین کی کرتا ہے کہ انکی طرح طہارت بھی چھوڑ دیتا ہے مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ سے یہی مراد ہے کہ التزاماً ان باتوں کو نہ کرے ورنہ بعض وقت جائز ضرورت کے لحاظ سے کر لینا منع نہیں ہے۔

کھانا کھانیسے پہلے ہاتھ دہونے کی وجہ

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دہونا اسلئے شروع ہے کہ اس فعل سے انسان جملہ امراض متعدیہ

سے محفوظ و مصؤن رہتا ہے۔ کیونکہ اجرام موذیہ جو مورث امراض متعدیہ ہوتے ہیں وہ ہاتھ دہونے سے اُتر جاتے ہیں۔ اور انسان کے اندر نہیں داخل ہوتے۔

رشوت و ہدیہ میں فرق

رشوت کی یہ تعریف ہے کہ جس سے گورنمنٹ یا دوسرے لوگوں کے حقوق تلف کئے جائیں۔ لیکن جو چیز بطور نذرانہ یا ہدیہ یا ڈالی کسیکو دیجاوے جس سے کسی کے حقوق کی اتلاف مدنظر نہ ہو بلکہ اپنی حق تلفی اور شر سے بچنا مقصود ہو تو یہ منع نہیں ہے۔ کیسکے ظلم سے بچنے کو شریعت اسلامیہ منع نہیں کرتی۔ بلکہ لَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ فرمایا ہے۔ یعنے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

الغرض رشوت وہ مال ہے کہ جو کسیکی حق تلفی کے واسطے دیا یا لیا جاوے ورنہ اگر کسی نے کسی شخص کا ایک کام محنت سے کیا ہے اور حق تلفی بھی کسیکی نہیں ہوئی تو اسکو جو دیا جائیگا وہ اسکی محنت کا معاوضہ ہے۔

کتاب الجنایات والحدود

زانی محصن و غیر محصن کی سزا میں فرق کی وجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد۔ واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے محض بنی آدم کی خاطر با آرام و امن زندگی بسر کرنے کے لئے کچھ ایسے قوانین و احکام مقرر فرمائے جو بنی آدم کے پیش نظر رہنے سے وہ ایک دوسرے پر ظلم و تعدی نہ کر سکیں اور جو کوئی اُن قوانین کا نقض کرے اسکی سزا وہی کے مشاہدہ سے باقیوں کے لئے عبرت ہو۔

محصن کی حد سنگساری اور غیر محصن کو دُرّے لگانا اسلئے مقرر ہوا کہ جسطرح پندرہ سولہ برس کی عمر سے آدمی بالغ ہو کر پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اس سے قبل پورا پورا مکلف نہیں ہوتا

اسلئے کہ اسکی عقل اور جسم اور رجولیت کا کمال اس سے پہلے نہیں ہوتا ہے اسیطرح اُس عقوبت میں بھی تفاوت ہونا چاہئے جو کمال عقل اور مرد کامل اور استقلال سمجھ اور خود مختاری کے سبب سے پورا پورا مکلف ہوتا ہے۔ اور اسلئے کہ محصن کامل اور غیر محصن ناقص ہے پس غیر محصن حر کامل اور غلام کے مابین واسطہ ہوا۔ اور صرف سنگسار ہونے میں اس واسطہ کا اعتبار کیا گیا اسلئے کہ وہ حق الٰہی کے اندر جو جو سزا مقرر کی گئی ہے اُن سب میں سخت ہے۔

چوری کی سزا میں چور کے ہاتھ کاٹنا و زنا کی سزا میں دُرّے لگانا اور شرمگاہ نہ کاٹنے کی وجہ

چوری کی سزا میں چور کے ہاتھ کاٹنا اور زنا کی سزا میں زانی کی شرمگاہ نہ کاٹنا خدا تعالیٰ کی نہایت حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی حکمت اور اسکی رحمت اور اسکی مخلوق کی مصلحت میں جائز نہیں ہے کہ ہر مجرم کا وہی عضو کاٹا جائے جس سے اُس نے گناہ کیا ہو کیونکہ اسطرح اگر بدنظر کی آنکھ نکالی جاتی اور بُری بات سننے والے کے کان کاٹے جاتے اور ہر بدزبانی کرنیوالے کی زبان کاٹنی پڑتی اور ہر ایک ظلم سے طمانچہ مارنے والے کے ہاتھ کاٹے جاتے اور اسیطرح سے سزا کے امر میں جو زیادتی و تجاوز کرنا پڑتا ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ اسمیں عدم لحاظ مراتب ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ کے اسمائے حسنےٰ اور اسکی صفات عالیہ اور اسکے افعال حمیدہ اس امر کو نہیں چاہتے کیونکہ حد مقرر کرنا محض امن کے لئے ہی نہیں ہے۔ اگر اس امر کا ارادہ ہوتا تو مجرم کو قتل کرنا ہی لازم ہوتا۔ حد مقرر کرنے سے مقصود تو گناہ پر توبیخ و زجر کرنی اور سزا دینی و عبرت منظور ہے اور نیز یہ کہ حدود سے لوگ ظلم و زیادتی کرنے سے رک جائیں اور دوسرے آدمی ایک کی سزا سے عبرت پکڑیں۔ اور نیز یہ کہ مجرم عذاب و سزا سے خالص توبہ کیطرف رجوع کرے۔ اور یہ کہ حد کی سزا سے انسان کو عذاب آخرت یاد آجائے اور مصالح بنی آدم کو سمجھکر آئندہ بدیوں سے باز آجاوے۔

پھر چور کی حد میں ایک اور بات بھی ہے وہ یہ ہے کہ چور چوری پوشیدہ طور پر کرتا ہے جیسا کہ سرقہ کا لفظ خود اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کیطرف چوری سے دیکھتا ہے جبکہ وہ اسکو خفیہ نظر سے دیکھتا ہو اور نہ چاہتا ہو کہ اسکو کوئی معلوم کرے

چوری کا ارادہ کرنے والا پوشیدہ اور خائف رہتا ہے کہ مبادا اُسکے مکان سے کوئی واقف ہو تا خوف ہو جائے اور جب وہ کوئی چیز اُٹھاتا ہے تو اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بھاگنا اختیار کرتا ہے۔ اور دو نو ہاتھ انسان کے لئے ایسے ہیں کہ جیسا پرندہ کے لئے اُڑنے کے دو بازو ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ میں فلاں شخص کا بازو بنگیا جبکہ تم نے اُسکو دیکھا ہو کہ وہ اکیلا جاتا ہو تو اُسکے ساتھ شامل ہو کر اُسکے مصاحب بنجاؤ۔ پس چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا اُسکو بازو کے قوت کو کوتاہ کرنے اور دوبارہ چوری کرے تو اُسکو بآسانی پکڑنے کے لئے ہے جب پہلی دفعہ چوری کرنے تو اسکا ایک بازو کاٹا جاوے تاکہ اُسکے دوڑ دہوپ میں کمزوری واقع ہو جاوے پھر دوسری دفعہ چوری کرے تو اسکا ایک پاؤں قطع کیا جاوے تاکہ اُسکے بھاگنے میں زیادہ کمزوری ہو جاوے اور کوئی بھی اُسکو بھاگنے نہ دے۔ اور تیسری دفعہ چوری کرے تو اسکا دوسرا ہاتھ قطع کیا جاوے۔ اور چوتھی بار میں چوری کرے تو اسکا دوسرا پاؤں بھی قطع کیا جاوے۔ پس وہ اسطرح سے ایک گوشت کا ٹکڑا رہجائیگا۔ اور لوگ اُسکے دُکھ سے آرام پائیں گے۔

اور زانی کی شرمگاہ سزا میں اسلئے قطع نہیں کیجاتی کہ زانی تو سارے بدن کے ساتھ زنا کرتا اور تمام بدن سے لذت لیتا اور قضائے شہوت کرتا ہے اور زنا کا فعل اکثر زانیہ کی مرضی و رضا پر بھی ہوتا ہے پس وہ اُس امر سے نہیں ڈرتا جس سے چور یعنے طلب کرنے اور ڈہونڈنے سے ڈرتا ہے پس زنا میں غیر محصن کے سارے بدن کو دُرّے لگانے اور محصن کو سنگسار کرنے کی سزا دیجاتی ہے۔

چونکہ زنا بڑے اور کبائر گناہوں میں سے ہے کیونکہ زنا سے نسب ملجاتے ہیں اور نسب ملجانے سے تعارف و شناخت اور دین کے زندہ کرنے کی امداد باطل ہو جاتی ہے اور اسمیں ہلاکت کشت و تباہی نسل انسانی لازم آتی ہے۔ پس زنا اکثر امور میں قتل سے مشابہت رکھتا ہے لہذا اسمیں قصاص سے توبیخ و تنبیہ کی گئی ہے تاکہ ایسا فعل کرنے سے لوگ رُک جاویں اور دنیا میں امن و اصلاح ہو کیونکہ اصلاح سے انسان عبادات الٰہی کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ اور عبادات الٰہی نعمائے اُخروی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

زانی کی شرمگاہ کو قطع کرنے میں اُسکو آیندہ نسل سے محروم ٹھرانا لازم آتا ہے اور یہ

امر خدا تعالےٰ کی مصلحت و حکمت کے برخلاف ہے کیونکہ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ لوگوں کی اولاد و ذریت انکی عورات سے بکثرت پیدا ہو اور قطع شرمگاہ سے قطع نسل لازم آتا تھا لہذا یہ امر مشروع نہ ہوا۔ الغرض زانی کی شرمگاہ قطع کرنے میں اور بھی مفاسد ہیں۔ بے ستری۔ اتلاف نسل وغیرہ وغیرہ۔ ازانجملہ زانی تو سارے بدن سے جرم زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر سارے جسم کو چھوڑ کر ایک عضو کو سزا دینا خلاف عدل تھا۔ لہذا عدل اس امر کا مقتضی ہوا کہ زانی کے سارے جسم کو سزا دیجاے۔

مثنوی

اوز ناکردہ جزا صد چوب بود / گویدا ومن کے زدہ کس را بعود
لے جزائے آں زنا بود ایں بلا / چوب کے ماند زنا را در جلا
مار کے ماند عصا را اے کلیم / در دے نماند دوا را اے حکیم
تو بجائے آں عصا آب منی / چوں فیفگندی شدند آں شخص سنی
یار شد یا مار شد آں آب تو / زاں عصا چو نسبت ایں اعجاب تو
ہیچ ماند آب آں فرزند را
ہیچ ماند بنے شکر مر قند را

شراب خوری۔ زنا۔ لواطت۔ چوری میں کفارہ مقرر نہ ہونے کی وجہ

حضرت ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ماکان من المعاصی محرم الجنس کالظلم والفواحش فان الشارع لم یشرع له کفارۃ و لهذا لا کفارۃ فی الزنا و شرب الخمر وقذف المحصنات والسرقۃ ولیس ذلك تخفیفا عن مرتکبها بل لان الکفارۃ لا تعمل فی هذا الجنس من المعاصی وانما عملها فیما کان مباحا فی الاصل وحرم لعارض کالوطی فی الصیام والاحرام۔ ترجمہ جو گناہ حرام کی جنس سے ہوں مثلا ظلم اور امور فاحشہ انکے لئے شارع نے کوئی کفارہ مقرر و مشروع نہیں فرمایا۔ اسلئے زنا۔ شراب خوری۔ محصنہ عورات کو تہمت لگانے اور چوری کرنے میں کوئی کفارہ مشروع نہیں ہوا۔ اور ان گناہوں کا

کفارہ نہ مشروع ہونا اُنکے ارتکاب کرنے والوں سے تخفیف نہیں کی گئی بلکہ ان میں کفارہ اسلئے مشروع نہیں ہوا کہ اس جنس کے گناہوں میں کفارہ کا عمل مناسبت نہیں رکھتا۔ کفارہ کی تعمیل وہاں مشروع ہے کہ جو امر دراصل مباح ہو اور کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائے مثلاً ماہ رمضان و حالت احرام میں جماع کرنے سے کفارہ دینا لازم آتا ہے مگر عنوان الصدر گناہ کبائر اور بڑے گناہ ہیں انہیں سزا ہے۔

حالت حیض میں عورت سے جماع کرنے میں تعیین کفارہ کی وجہ و عورت کے دبر میں جماع سے عدم کفارہ کا راز

عن ابن عباس عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی الذی یأتی امرأتہ وھی حائض قال یتصدق بدینار او بنصف دینار ترجمہ۔ اُس شخص کے حق میں جو اپنی عورت سے حالت حیض میں جماع کرے نبی علیہ السلام نے فرمایا ایک دینار یا آدھا دینار بطور کفارہ صدقہ دیدے (ابن ماجہ)۔

ہم قبل ازیں اوپر لکھ چکے ہیں کہ وہ امور جو دراصل مباح ہیں مگر کسی عارضی امر سے حرام ہوجاویں انکا ارتکاب ایسی عارضی حالت میں موجب کفارہ ہے۔ حالت حیض عارض ہونے سے جماع حرام ہوا تھا لہذا اسمیں کفارہ مقرر ہوا۔ اور یہ امر موجب قیاس ہے۔ اور دبر میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اسلئے مقرر نہیں ہوا کہ یہ امر کبھی مباح نہیں ہوا اور اس امر کا قیاس حالت حیض کے جماع پر نہیں ہو سکتا اور نہ اسمیں کفارہ کا معمول ہے اگر دبر میں جماع کرنے سے کفارہ واجب ہوتا تو زنا و لواطت میں بطریق اولی کفارہ واجب ہوتا لہذا اس امر یعنے عورت کے دبر میں جماع کرنے سے کفارہ مقرر نہیں ہوا کیونکہ یہ سخت قبیح اور بہت بڑا گناہ ہے۔ اور یہ امر کبھی مباح نہیں ہوا۔ پس کفارات میں شارع کا یہی طریق ہے کہ جو امر مباح ہیں اور کسی عارضی امر سے حرام ہو جائیں اُن میں کفارات ہیں اور جو امر حرام ہیں اُن میں حدود و تعزیرات ہیں اور یہ امر نہایت مطابق حکمت و مصلحت کے ہے۔

قتل میں دو گواہ اور زنا میں چار گواہ مطلوب ہونیکی وجہ

قتل میں دو گواہ پر اکتفا کرنا اور زنا میں چار گواہ مانگنا نہایت حکمت و مصلحت الٰہی پر مبنی ہے۔ کیونکہ شارع کا مقصود قصاص و خونریزی اور زنا کی حد مارنے میں احتیاط ہے پس اگر قتل میں چار گواہ ہی مطلوب ہوتے تو خونریزیاں بکثرت ہوتیں اور لوگ قتل میں زیادہ دلیر ہوتے اور اکثر مقتولوں کے قاتل قصاص سے بچکر زیادہ خونریزی کا باعث ہوتے۔

اور زنا میں چار گواہ مطلوب ہونا اُسکے زیادہ تر پردہ پوشی پر مبالغہ کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ خدا نے اسکی پردہ پوشی مقدر کی ہے۔ لہذا خدا کی شرع و تقدیر اُسکی پردہ پوشی پر جمع ہوگئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زنا کے متعلق ایسے چار گواہ مطلوب ہوئے جو فعل زنا و چشمدید واقعہ زنا ایسے طور سے بیان کریں جسمیں احتمال و گمان کا شائبہ نہ ہو۔ ایسا ہی اقرار زنا میں چار بار سے کم اقرار پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اسمیں بھی اُس امر کی پردہ پوشی پر مبالغہ ہے جسکا اظہار کرنا خدا تعالے کو سخت ناپسند ہے اور اس امر شنیع و قبیح کی مومنوں میں اشاعت کرنے والے کے لئے خدا تعالے دنیا و آخرت میں عذاب الیم و وعید شدید بیان فرماتا ہے۔

تین درہم کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹنے کے حکم کا راز

تین درہم کی مقدار مخصوص تک چرائے جانے سے چور کا ہاتھ کاٹنے کی سبب ہے کہ ضرور چاہیئے تھا کہ مال مسروقہ کے لئے ایک حد ہوتی جسمیں چور کا ہاتھ کاٹنا لازم ہوتا کیونکہ کرنا ممکن ہے کہ ایک پیسہ یا گندم وغیرہ کا ایک دانہ یا ایک خرما چرا لئے جانے پر چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم کیا جاتا۔ اور نہ شریعت اسلامیہ کی مصلحت اس مقدار حقیر کے چرائے جانے پر قطع ہاتھ کا حکم کرتی ہے۔ اور نہ خدا تعالے کی مصلحت و حکمت اور اسکی رحمت و احسان اس امر کے مقتضی ہیں۔ پس بالضرور چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے ایک ضابطہ و حد چاہیئے تھا۔ لہذا تین درہم جمع قلیل کا پہلا مرتبہ ہے اور وہ بھی کثیر میں شمار ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ اگر انکو

اسوال سے حقیر و نہایت قلیل مقدار چرائی جائے تو وہ پرواہ نہیں کرتے کیونکہ انکو ایسی کم مقدار کے گم ہونے سے کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا۔ اور تین درہم کی مقدار میں ہاتھ کاٹنے کی حکمت ظاہر ہے کیونکہ میانہ خرچ کرنے والے ایک مرد اور اسکے عیال و اطفال کا ایک دن کا گذارہ تین درہم میں بخوبی ہو جاتا ہے۔ اور اکثر لوگوں کو اپنے اہل و عیال کے ضروریات کے قوت کا فکر و خطر رہتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے من اصبح منا فی سربہ معافی فی بدنہ عندہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا۔ ترجمہ جس شخص نے ہم سے سلیم النفس و صحیح البدن ہونے کی حالت میں صبح کی اور اسکے پاس اسکے اس دن کا گذارہ موجود ہو تو گویا اسکے لئے ساری دنیا کی دولت جمع ہو گئی۔

احناف کے نزدیک دس درہم چرانے سے چور کا ہاتھ کاٹنا چاہیئے کیونکہ دس جمع کثیر کا پہلا عدد ہے۔ بہر حال قطع دست کے لئے ایک حد کی تقرری ضرور تھی۔

شراب کا ایک قطرہ پینے سے حد کا واجب ہونا اور کئی سیر بول پینے و گندگی کے کھانے پر عدم وجوب حد کی وجہ

۱۔ یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں و مطابق عقول سلیمہ و موافق مصالح عامہ کے ہے کیونکہ خدا تعالٰی نے انسان کی طبیعت میں بول پینے و گندگی کھانے سے جبلی و طبعی نفرت و کراہیت رکھی ہوئی ہے۔ اور یہ طبعی نفرت ہی انسان کو ایسے امور پر اقدام کرنے سے روکنے میں کافی و وافی ہے۔ لہذا اسمیں حد کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور شراب پینے کے لئے طبیعتوں کا زیادہ خواہشمند ہونے نے اسکے لئے سخت سزا کا مقرر کرنا مناسب ہوا تاکہ کم و بیش شراب پینے سے لوگ رک جائیں یہی وجہ ہے کہ زنا میں سخت سزا مقرر ہوئی۔ اور چوری میں ہاتھ کاٹنا اور شراب خوری میں کوڑے لگانا مقرر ہوا۔ اور تھوڑا سا شراب پینے سے بھی اگرچہ وہ نشہ آور نہ ہو حد مقرر ہوئی کیونکہ تھوڑا سا شراب پینا بہت کیطرف داعی ہے۔

۲۔ شراب پینے سے جو فساد و ضرر خاص و متعدی ہوتی ہے وہ بول پینے و گندگی کھانے کی بہ نسبت کئی چند زیادہ ہے جو دوسروں تک پہونچتی ہے۔ لیکن بول پینے یا گندگی کھانے کی ضرر اسی شخص تک محدود رہتی ہے جو پیتا یا کھاتا ہے۔

چور کا ہاتھ کاٹ کر تیل میں داغ دینے کی وجہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اقطعوہ ثم احسموہ۔ یعنے چور کا ہاتھ کاٹو پھر اسکو تیل میں داغ دو۔

داغ دینے کا حکم اسلئے ہے کہ قطع کرنے کا اثر نہ کرے اور وہ شخص ہلاک نہ ہو اسلئے کہ داغ دینے سے زخم سرایت نہیں کرتا۔ پھر حکم فرمایا کہ اسکا ہاتھ اسکی گردن میں لٹکا دیا جائے تاکہ لوگ اسکا چور ہونا معلوم کرلیں۔ اور ظلم اور حد کے قطع کرنے میں فرق ہو جائے۔

چور پر سزا کے ساتھ تاوان مقرر کرنے کی وجہ

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس چوری میں جو نصاب سے کم ہو چور کو سزا دینے اور دو چند تاوان دینے کا حکم اسلئے دیا کہ چور کو اسکے اس فعل سے روکنا اور اسکو مالی و بدنی سزا دینا فرض ہے اسلئے کہ انسان کو بسا اوقات جسمانی تکلیف زیادہ سزا باز رکھتی ہے۔ اگر مال مسروقہ کے برابر تاوان کا حکم ہوتا تو چوری کرنا و نہ کرنا برابر ہوتا۔ اور یہ کچھ سزا نہ ہوتی۔ اسلئے دو چند سزا کے تاوان دینے کا حکم کیا گیا تاکہ آئندہ کو کبھی چوری کا قصد نہ کرے۔

کثرت کلام سے ممانعت کی وجہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں وھل یکب الناس علی مناخرھم الا حصائد السنتھم یعنے لوگوں کو کوئی چیز نتھنوں کے بل اوندھا نہ کرے گی مگر جو انکی زبان نے کاٹا ہے۔

زبان کے آفات اکثر اجنات اور سماحت اور عداوت میں خلل انداز ہوتے ہیں کیونکہ کثرت سے کلام کرنا ذکر الٰہی سے غافل کرتا ہے۔ اور بیہودہ باتیں اور انکے متعلق باہم فساد ڈالتے ہیں۔ اور آدمی کی زبان سے جو کلام نکلتا ہے دل اسکی کیفیت سے متکیف ہو جاتا ہے مثلاً جب غصہ کا کلمہ اسکی زبان سے نکلتا ہے تو دل کے اندر اسکا جوش پیدا ہو جاتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس۔ اور دل کے اندر اس کیفیت کا پیدا ہونا اس کیفیت کے متمثل ہونے اور اسکے تشبیہ کا سبب ہوتا ہے۔ لا یعنے کلام کرنے والا جب خدا تعالٰی کیطرف متوجہ ہوتا ہے تو ذکر الٰہی میں اسکو کچھ حلاوت نہیں ہوتی۔ اور اذکار میں کچھ تدبر نہیں کر سکتا یہی سبب ہے

کہ بے فائدہ باتوں سے ممانعت کی گئی ہے۔ آفات لسان میں سے یہ امر بھی ہے کہ اس سے لوگوں میں فتنے وفساد پیدا ہوتے ہیں اور غیبت اور مجادلات اور لوگوں کو بہکانے کے اسباب اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ گالیاں بکنے اور عورتوں کے محاسن ذکر کرنے سے قوت سبعیہ اور شہویہ کے اثر سے نفس متأثر ہوتا ہے اور دل میں سے حلاوت عبادت واذکار جاتا رہتا ہے۔

شراب کی حد میں حضرت عمر کا چالیس دُرّے پر چالیس دُرّے اور زیادہ کرنیکی وجہ

عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ سے شراب کی حد میں مشورہ پوچھا۔ اور فرمایا کہ لوگ شراب پینے میں جرأت کرتے جاتے ہیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ آدمی جب نشہ میں ہوتا ہے تو بکواس کرتا ہے اور بکواس کرنے سے افترا کرنیوالا ٹھرتا ہے۔ پس شراب کی حد میں افترا کی حد کے برابر کر دیجیے لہٰذا حضرت عمرؓ نے شرابی کی حد اسی دُرّے ٹھرلئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے شراب کی اصلی حد پر چالیس دُرّے اور زیادہ کر دیئے اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم۔ پس حضرت عمرؓ کا اس امر میں یہ شیوہ تھا کہ جب آپکے پاس کوئی مدمن الخمر پیش ہوتا تو اسکو اسی دُرّے لگاتے اور جب کوئی گاہ گاہ شراب پینے والا پیش ہوتا تو اسکو چالیس دُرّے مارنے کا حکم فرماتے تھے۔ اور یہی طریق حضرت عثمانؓ کا تھا۔

حقیقت مقادیر حدود

جیسے گناہوں کے فساد وضرر کم وبیش ہوتے ہیں ایسا ہی انکی سزائیں بھی کم وبیش رکھی گئی ہیں سب سے زیادہ مضر ومفسد گناہ تین درجہ پر ہیں۔ اصلی کفر وعارضی۔ قتل۔ زنائے محصن۔

ہر ایک عاقل غور کرے تو اسکو معلوم ہو جائیگا کہ ان گناہوں کا فساد وضرر دنیا میں بہت بڑا ہے۔ اور یہی وہ تین گناہ ہیں جنکا جواب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود کے سوال پر فرمایا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا

یا رسول اللہ ای ذنب اعظم قال ان تجعل للہ ندًّا وھو خلقك قال قلت ثم ای قال ان تقتل ولدك خشیۃ ان یطعم معك قال قلت ثم ای قال ان تزنی بحلیلۃ جارك فانزل اللہ عزوجل وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ۔ ترجمہ یعنے یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ یہ ہے کہ تو خدا تعالےٰ کا کوئی شریک ٹھرائے حالانکہ خدا ہی نے تجھکو پیدا کیا ہے۔ ابن مسعود کہتا ہے کہ مینے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ اسکے بعد بڑا گناہ کیا ہے۔ فرمایا وہ یہ ہے کہ تو اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کر ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ روٹی کھائیگا۔ ابن مسعود کہتا ہے کہ پھر مینے سوال کیا کہ اسکے بعد بڑا گناہ کیا ہے فرمایا وہ یہ ہے کہ تو اپنے ہمسایہ کی جورو سے زنا کرے چنانچہ خدا تعالےٰ بھی قرآن شریف میں اسی لحاظ سے ان گناہو کا ترتیبوار ذکر فرماتا ہے۔ کہ خدا کے فرمانبردار بندے وہ ہیں جو خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھراتے اور جس انسان کا قتل کرنا حرام ٹھرایا ہے اسکو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے۔

بعد ازیں اموال کی چوری کا ضرر اس سے کم تھا لہٰذا چوری کی سزا جسم کے بعض اطراف کا قطع کرنا مقرر ہوا۔ پھر قذف یعنے تہمت لگانے کا فساد وضرر اس سے کم تھا لہٰذا اسکی سزا اس سے بھی کم ہوئی ہے اور وہ دُرّے لگانا ہے۔ پھر منشی چیز کے پینے کا ضرر اس سے بھی کم تھا۔ لہٰذا اسکی سزا ان گناہوں سے کم رکھی گئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور گناہوں کے مفاسد وضرر کمی وبیشی شدت وضعف کے باعث مختلف ومتفاوت ہوتے ہیں۔ مثلاً اجنبی عورت کو دیکھنا اور اس سے بوس وکنار کرنا وغیرہ وغیرہ لہٰذا ایسے امور کی سزا بحسب مصلحت زمان ومکان وبحسب مجرم الیہ اور والیان ملک وحکام کے اجتہاد ورائے پر چھوڑی گئی ہے۔ اور جو شخص تمام ازمنہ وامکنہ واحوال میں یکساں سزا برتنے کی رائے دیتا ہے وہ حکم شرع سے سخت ناواقف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امر سزا وحدود میں صحابہ کرام کے اقوال وخلفائے راشدین کے فیصلے مختلف ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے شراب کی حد میں چالیس سے زیادہ دُرّے لگوائے حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرابی کو چالیس دُرّے لگوائے۔ اور حضرت عمرؓ نے بعض مجرموں پر وہ جرمانے ومالی تاوان مقرر کئے جو نبی علیہ السلام نے نہیں کئے تھے اور لوگوں پر وہ احکام نافذ فرمائے جنسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درگذر کیا تھا جو شخص حضرت عمرؓ کے امور واحکام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام سے معارض ومتناقض سمجھے اسکا قصور فہم وقلت علم وناسمجھی ہے۔

حکمت حدود و کفارات

حدود و کفارے اسلئے مقرر ہوئے کہ گناہوں پر زجر و توبیخ لوگوں کو ہوتی ہے جیساکہ خداتعالے فرماتا ہے لِیَذُوقَ وَبَالَ اَمْرِہٖ ترجمہ یعنے تاکہ اپنے کئے کا مزہ چکھے۔ اگر حدود مقرر نہ ہوں تو سرکش لوگ شرارتوں سے باز نہیں آتے۔ اور سرکشی میں بڑہتے ہیں۔ کفارات بھی اسی امر کے لئے ٹھرائے گئے ہیں۔

وجہ تقرری قصاص

قصاص قتل و جنگ و فساد کو باز رکھنے کے لئے قرار دیا گیا ہے۔ خداتعالے فرماتا ہے وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ترجمہ یعنے اے عقلمند و قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔

حرمت قتل کی وجہ

اگر باہمی لڑائیاں لوگوں میں رہیں تو آبادیاں اور شہر خراب اور ویران ہو جائیں اور تمام امور معاش میں خلل پڑ جائے اور تمدنی زندگی میں خطرناک تباہیاں اور بربادیاں ظاہر ہوں اسواسطے قتل اور مارنا پیٹنا حرام ہوا۔ پس قتل اگر تجویز ہوگا تو کسی بڑے قصاص وغیرہ کی مصلحت کی وجہ سے تجویز ہوگا۔ کبھی لوگوں میں کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا انکو اندیشہ و فکر ہوتا ہے۔ اسلئے کھانے میں زہر ملا دیتے ہیں یا جادو سے قتل کر ڈالتے ہیں یہ بھی قتل کی طرح ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ قتل تو برملا ہوتا ہے اس سے نجات بھی ممکن ہے لیکن اس سے تو بچنا مشکل ہے۔ بہرحال ایسے امور خرابی تمدن کے سبب اور پبلک میں خلل انداز ہونیکی وجہ سے حرام ٹھرائے گئے ہیں۔

حرمت قمار کی وجہ

معاش کے طریقے خداتعالے نے اپنے بندوں کے لئے یہ قرار دئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں اس میں مواشی چرائیں۔ کھیتی۔ باڑی۔ زراعت تجارت

کیاری سے معاش کے ذرائع پیدا کریں۔ شہروں و دیہات میں مذہب کا انتظام کریں چوری وغصب جن امور سے شہروں کی تباہی لازم آئے اُن سے پرہیز کریں۔ یہ ایسے امور ہیں کہ ان سے تمدن میں خلل آتا ہے اور امن عامہ میں اختلال کی صورت ہے یہ امور خداتعالے کو پسند نہیں ہیں کیونکہ ان سے عالم کی خرابی لازم آتی ہے۔

حرمت زنا کی وجہ

۱۔ فاسق و فاجر کا دل ٹٹولا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ وہ تدابیر نافع کے معتقد ہیں۔ لیکن ان پر نفسانی خواہشات غالب ہو جاتی ہیں جو اُن سے نافرمانیاں کراتی ہیں وہ خود خوب جانتے ہیں کہ ہم گناہگار ہیں اور لوگوں کی بہو بیٹیوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی انکی بیوی یا بہن سے ایسی حرکت کرے تو غصے سے کانپنے لگیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ لوگوں پر ان برائیوں کا وہی اثر ہوتا ہے جو ان پر ہوتا ہے۔ اور ایسے ایسے اثروں اور امور کا ہونا انتظام تمدن کے لئے سخت مضر ہے لیکن خواہشات نفسانیہ انکو اندھا کر دیتی ہیں۔

۲۔ تمدن میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ دخل قوی مردوں کو ہوتا ہے اسواسطے بالہام الٰہی اُن میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ ہر شخص کی بیوی دوسرے سے علیحدہ ہو۔ اُس میں دوسرا شخص کسی قسم کی مزاحمت نہ کرے زنا کی اصل یہی ہے۔

۳۔ زنا سے خلط نسب ہو جاتا ہے اور قتل و فساد کا منبع ہے۔ یہ طریق نہایت قبیح اور برا ہے اسلئے خداتعالے اسکے منع کرنے میں فرماتا ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّسَآءَ سَبِیْلًا۔ ترجمہ۔ یعنے اُن اسباب کے نزدیک بھی نہ جاؤ جنسے زنا تک نوبت پہونچے کیونکہ زنا بے حیائی کا کام اور برا طریق ہے۔ یعنے بیگانہ عورات کو نہ دیکھو اور نہ انکے حسن و محاسن کی باتیں سنو جنکو دیکھکر یا سنکر تمہارے خیالات زنا کی طرف برانگیختہ ہوں اور جنسے زنا تک نوبت پہونچے۔

حرمت لواطت کی وجہ

ایسی عادت سے نسل انسانی کی بیخکنی ہوتی ہے۔ اس طریق سے گویا انسان اُس نظام الٰہی کو بگاڑ کر اُسکے مخالف طریقہ سے قضائے حاجت کرتا ہے۔ اسوجہ سے

ان افعال کا برا و مذموم ہونا لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے۔ فاسق فاجر ایسے افعال کرتے ہیں لیکن انکا اقرار نہیں کرتے۔ اگر انکی طرف ایسے افعال کی نسبت کیجائے تو شرم و حیا سے مرجانا گوارا کرتے ہیں۔ ہاں جب منبع فطرت سے ہی جدا ہو گئے ہوں تو اُن کو کسی قسم کی حیا باقی نہیں رہتی اور برملا وہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں۔

حد۔ تعزیر۔ کفارہ میں کیا فرق ہے

حد عربی لفظ ہے۔ اسکے معنے باز رکھنے والا اور اندازہ کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں کسی گناہ کی سزا دینے کا جو اندازہ خدا نے مقرر کر دیا اُسکو حد کہتے ہیں مثلاً محصن زانی کو سنگسار کرنا و غیر محصن کو دُرّے لگانا اور چور کے ہاتھ کاٹنا وغیرہ۔

تعزیر وہ ہے کہ جس گناہ کی سزا میں خدا نے کوئی حد و کفارہ مقرر نہیں کیا بلکہ اسکی سزا حسب حال زمان و مکان حکام کی رائے پر چھوڑی گئی ہے۔ لغت میں تعزیر کے معنے ادب کرنا تعظیم کرنا آئے ہیں۔ یہ امر خدا تعالے کے احکام کی عزت و تعظیم بر حال و برپا رکھنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں احکام الٰہی کی عزت و شوکت قائم رہے۔ اور انکی ہتک عزت نہ ہو۔

کفارہ وہ ہے جو کہ اُن امور میں بدلہ و تاوان مقرر ہو جو اصل میں مباح ہوں مگر کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائے۔ مثلاً ماہ رمضان اور حالت احرام میں جماع کرنا۔ اور انکا کفارہ یہ ہے کہ ایک روزہ کے بدلے پے در پے دو ماہ روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو طعام کھلائے۔ اور حالت احرام کے جماع کا کفارہ قربانی دیدے۔ اعلام الموقعین میں لکھا ہے۔ واما التعزیر ففی کل معصیۃ لاحد فیھا ولا کفارۃ فان المعاصی ثلثۃ انواع نوع فیہ الحد ولا کفارۃ فیہ ونوع فیہ الکفارۃ ولاحد فیہ ونوع لاحد فیہ ولا کفارۃ فالاول کالسرقۃ والزنا والقذف۔ والثانی کالوطی فی نھار رمضان والوطی فی الاحرام۔ والثالث کوطی الامۃ المشترکۃ والقبلۃ الاجنبیۃ والخلوۃ بھا ودخول الحمام بغیر مئزر واکل المیتۃ والدم ولحم الخنزیر ونحو ذلک فاما النوع الاول فالحد فیہ مغن عن التعزیر۔ واما الثانی فھل یجب مع الکفارۃ فیہ تعزیر ام لا علی قولین۔ واما الثالث ففیہ التعزیر قولاً واحداً۔ ترجمہ تعزیر اُن گناہوں میں مشروع ہے جنمیں کوئی حد اور کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ گناہ کے تین اقسام ہیں۔ ایک وہ قسم ہے

جنمیں حد مقرر ہے اور کفارہ اُن میں مقرر نہیں ہے۔ اور ایک وہ قسم ہے جنمیں کفارہ ہے اور حد مقرر نہیں ہے۔ اور ایک وہ قسم ہے جنمیں نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ کفارہ ہے۔ پہلی قسم چوری۔ زنا۔ تہمت ہے جنمیں حد مقرر ہے اور دوسری قسم وہ ہے جنمیں کفارہ مقرر ہے مثلاً ماہ رمضان میں دن کے وقت اور حالت احرام میں جماع کرنا۔ اور تیسری قسم وہ ہے جنمیں نہ کوئی حد ہے اور نہ کفارہ ہے انکے لئے تعزیر ہے۔ مثلاً اجنبی عورت کو بوسہ دینا اور اسکے ساتھ علیحدہ مکان میں بیٹھنا۔ اور حمام میں بغیر ازار کے داخل ہونا اور مردار و گوشت خوک کھانا وغیرہ۔ اور پہلی نوع میں حد ہی تعزیر کی جگہ کافی ہے اور دوسری میں بموجب دو قولوں کے تعزیر مع کفارہ واجب ہے۔ اور تیسری میں محض تعزیر ہے۔

وجہ حرمت وعدہ شکنی

عہد شکنی اسلیئے حرام ہے کہ جس انسان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے۔ وعدہ شکنی سے اسکو ضرر و تکلیف پہونچتی ہے۔ اسکو وعدہ کنندہ پر اعتبار و انتظار سا رہتا ہے جب وعدہ کنندہ دیدہ و دانستہ اسکو ضرر و تکلیف پہونچانے کی غرض سے ناحق وعدہ توڑتا ہے تو حظیرۃ القدس سے اُس پر لعنت الٰہی برستی اور ملائکہ رحمت کی توجہ اس سے برگشتہ ہوجاتی ہے اور ملال و حزن کی صورتیں اسکے دامن گیر ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کا امر فرمایا ہے۔ تاکہ انسان نقض عہد کی وجہ سے مستحق لعنت بھی نہ بنیں۔

اسلام میں ڈاڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کٹوانیکی وجہ

ڈاڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے چھوٹے کی تمیز ہو سکتی ہے اور مرد و زن کے لیئے ایک قسم کا جمال اور انکی شکل کو پورا کرنے والی ہے۔ اسواسطے اسکا رکھنا ضروری ہوا۔ علاوہ اسکا ترشوانا مجوس کا طریقہ ہے اور اس میں خلق الٰہی کی تغییر بھی پائی جاتی ہے۔ ڈاڑھی ترشوانے کی وجہ سے بڑے بڑے سردار اور خاندانی لوگ رذیلوں میں شمار ہوجاتے ہیں۔ تمام انبیاء و صلحاء ڈاڑھی رکھتے آئے ہیں۔ اگر ڈاڑھی منڈوانے میں وہ مصلحت و فائدہ دیکھتے تو وہ سب سے پہلے منڈواتے کیونکہ ایسے لوگ تمام دنیا کے لئے بہتری و بھلائی کا نمونہ بنکر آیا کرتے ہیں۔

جسکی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ جب وہ کچھ کھاتا ہے یا پیتا ہے اُسمیں بھر جاتی ہیں

اور میل کچیل میں آلودہ رہتی ہیں اور یہ مجوس کا طریقہ ہے جسکی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خالفوا المشرکین قصوا الشوارب واعفوا اللحی ۔ یعنے مشرکوں کی مخالفت کرو مونچھیں ترشواؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ ۔

والدین کی نافرمانی حرام ہونیکی وجہ

والدین اولاد کی تربیت میں ایسے ایسے شدائد جھیلتے اور انکی پرورش میں محنتیں اور مشقتیں اپنی جانوں پر برداشت کرتے ہیں جو محتاج بیان نہیں ہیں۔ اسلئے والدین کی خدمت گذاری لازمی طریقہ قرار دیا گیا ہے ۔

وجہ حرمت شطرنج ۔ کبوتر بازی ۔ بٹیر بازی ۔ پتنگ بازی تاش بازی وغیرہ

بعض لوگ غم غلط کرنے والی چیزوں میں مشغول ہوجاتے ہیں یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنکی وجہ سے نفس کو دنیا و آخرت سے بے غمی ہوجاتی ہے اور اوقات ضائع ہوجاتے ہیں۔ مثلاً شطرنج اور کبوتر بازی و بٹیر بازی اور دیگر جانوروں کا لڑانا وغیرہ۔ کیونکہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہوجاتا ہے تو پھر اسکو کھانے اور پینے اور ضروریات کی خبر نہیں رہتی۔ بلکہ بسا اوقات پیشاب پاخانہ روکے بیٹھا رہتا ہے اور وہاں سے نہیں ٹلتا۔ پھر اگر ایسی چیزوں میں مشغول رہنے کا دستور عام ہوجائے تو تمام شہر والے شہر پر بوجھ پڑجائیں اور اپنی جان کی انکو خبر نہ رہے ۔

ایکبار نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک شخص کو ایک کبوتر کے پیچھے جاتے دیکھا ۔ تو فرمایا کہ ایک شیطان ہے جو اپنے شیطان کے پیچھے جاتا ہے ۔ ایسا ہی آنحضرتؐ نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمایا ہے ۔

مردوں کو سونا و ریشم پہننا منع ہونیکی وجہ

۱ ۔ سونا ایک ایسی چیز ہے جسپر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں۔ اور اگر سونیکے زیور پہننے کا

عام دستور جاری ہو تو کثرت سے طلب دنیا کی ضرورت پڑے بخلاف چاندی کے ۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی بابت تشدد فرمایا اور فرمایا ولیکن علیکم بالفضۃ فالعبوا بہا ۔ تم چاندی کو اختیار کرو اور اس سے کھیلو ۔

دوسری اصل یہ ہے کہ عورتوں کو آراستگی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ انکے خاوندوں کو رغبت ہو۔ یہی سبب ہے کہ تمام عرب و عجم میں بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی آراستگی کا زیادہ تر دستور ہے۔ اسلئے ضروری ہوا کہ عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے زیادہ زینت کی اجازت دیجائے ۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اُحِلَّ الذھب والحریر لاناث امتی وحرم علی ذکورھا ۔ یعنے سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کو حلال ہے اور مردوں کو حلال نہیں کیا گیا ۔

ایک شخص کے ہاتھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی دیکھکر فرمایا تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارہ کا ارادہ کرکے اسکو اپنے ہاتھ میں کرلیتا ہے ۔ چاندی کی انگوٹھی کو مردوں کے لئے آپ نے جائز فرمایا ۔ حریر کے متعلق فرمایا من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسہ یوم القیمۃ ۔ یعنے جس نے دنیا میں حریر پہنا تو وہ قیامت کے دن اسکو نہ پہنے گا ۔ ایسا ہی سونے و چاندی کے برتن میں پانی پینا منع فرمایا ۔ لاتشربوا فی آنیۃ الذھب والفضۃ ولاتاکلوا فی صحافہا فانہا لھم فی الدنیا ولکم فی الاخرۃ ۔ ترجمہ ۔ سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور نہ اسکی رکابی میں کھاؤ ۔ کیونکہ انکے لئے تو وہ دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے وہ آخرت میں ہیں ۔

۲ ۔ عورتوں کے لباس و تشبیہ کو مردوں سے متمیز کرنا ضروری تھا لہذا سونا و چاندی و ریشم پہننا بالعموم عورتوں کے لئے مخصوص ہوا اور مردوں کے لئے حرام ہوا ۔ اس امر کی طرف حضرت ابن قیم بھی اشارہ فرماتے ہیں الذھب والحریر علی الرجال حرم اللہ ذریعۃ التشبہ بالنساء الملعون فاعلہ ۔ یعنے سونا و ریشم مردوں پر اسلئے حرام ہوئے کہ یہ امر مردوں کو عورتوں سے تشبیہ پکڑنے سے ممانعت و رکاوٹ کا ذریعہ ہو ۔ کیونکہ عورت سے تشبیہ پکڑنیوالے پر لعنت وارد ہوئی ہے ۔

۳ ۔ خدا کو نہایت عیش پسندی ناپسند ہے ۔ حریر کا لباس پہننا اور سونا چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا ۔ یہ ایسے امور ہیں کہ انسان کو اسفل السافلین میں گرادیتے ہیں اور فکر و غم

تاریک رنگوں کیطرف پھیر دیتے ہیں۔

نہایت درجہ کی عیش پسندی خراب امر ہے لیکن وہ ٹھیک باقاعدہ نہیں ہے کہ اسکو موقع ظاہری نشانات سے متمیز ہوں جنکی وجہ سے ہر ایک ادنی اور اعلیٰ سے باز پرس کرسکیں۔ اور اسمیں کسیکو شبہ نہ رہے کہ انہی امور میں عیش پسندی پائی جاتی ہو۔ اور یہ امر معلوم ہے کہ عجمیوں کے عادات عمدہ سواریوں بلند بالا ایوانوں۔ فاخرہ لباس۔ قیمتی زیورات وغیرہ میں نہایت درجہ کی عیش پسندی تک پہونچگئی تھیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے سے عیش پسندی کی بھی حالت یکساں نہیں ہوا کرتی بعض لوگوں کے سامان عیش اوروں کی نظر میں تنگی عیش ہوا کرتی ہے۔ اور بعض لوگوں کی نظر میں جو شے جید ہوتی ہے اوروں کی نظر میں وہی جید ناقص ہوا کرتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ منافع کا حصول جید شے سے بھی ہوتا ہے۔ اور ردی سے بھی ہوتا ہے لیکن ردی شے کا استعمال کرنا عیش پسندی نہیں ہے اور بلا قصد جو وقت کسی جید شے سے منتفع ہونا یا اکثر اوقات میں کسی شخص کا جید اشیاء کا پابند ہونا عیش پسندی نہیں ہوسکتا۔ اسوجہ سے شرع نے ہر صورت میں عیش پسندی کی خرابیاں بیان کیں اور اُن اشیاء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ جنسے لوگ صرف عیش و آرام ہی کے لئے منتفع ہوا کرتے ہیں۔ اور اُن سے عیش حاصل کرنیکی لوگوں میں عادت شائع ہوگئی ہے اور شرع نے عجمی اور رومی لوگوں کو اُن اشیاء پر متفق پایا تھا اسواسطے شرع نے کمال عیش و آرام کے مواقع اُن امور کو قرار دے کر انکو حرام کر دیا۔ اور بطریق قدرت جن اشیاء سے نفع اُٹھایا جاتا ہے یا اطراف ممالک میں اُنکی عادت ہے انپر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا۔ اسلئے حریر اور سونے چاندی کے برتن انہی محرم ابواب سے شمار کئے گئے ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لاتاکلوا فی اٰنیۃ الذھب والفضۃ و لاتشربوا فی صحافھا فانھا لھم فی الدنیا و لکم فی الاخرۃ اور فرمایا الذی یشرب فی اٰنیۃ الذھب والفضۃ انما یجرجر فی بطنہ نار جھنم۔ ترجمہ۔ نہ کھاؤ سونے اور چاندی کے برتنوں میں اور نہ پیو چاندی سونے کے پیالوں میں کیونکہ یہ برتن مخالفین اسلام کیلئے دنیا میں ہیں اور تمکو آخرت میں ملیں گے۔ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پیتا ہے

اُسکے پیٹ میں دوزخ کی آگ داخل ہوکر جلائیگی۔

یہ حرمت کھانے اور پینے ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ساری وجوہات نفع کو شامل ہے لہذا حلال نہیں ہے کہ چاندی سونیکے برتن کے ساتھ غسل اور وضو کرے یا اُن سے تیل ملے یا سرمہ دانی بنائے۔

کتاب الجہاد

اسلامی جہاد کی فلاسفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق السموات والارضین ثم برء و بث فیھن الانس و امرھم ان یسکنوا فیھن اٰمنین و دفع فساد بعضھم ببعض لانہ لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العالمین۔ ثم الصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد ن المصطفی و علی اٰلہ و اصحابہ اجمعین الذین منعوا من الجور و العدوان علی احد من الناس ولو کان من الکافرین الحربین او المشرکین تعمیلا بکتاب اللہ الفرقان لقولہ تعالے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ۔ **اما بعد** واضح ہو کہ لفظ جہاد عربی زبان کا ہے جو کہ لفظ جُہد سے مشتق ہے جسکے معنے ہیں کوشش کرنا۔ اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں جو لڑائی کو یُدّہ کہتے ہیں دراصل یہ لفظ بھی جہاد کے لفظ کا ہی بگڑا ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے اور تمام زبانیں اسی میں سے نکلی ہیں اسلئے یُدّہ کا لفظ جو سنسکرت کی زبان میں لڑائی پر بولا جاتا ہے دراصل جُہد و جہاد ہے اور پھر جیم کو یا کے ساتھ بدل دیا گیا۔ اور کچھ تصرف کرکے تشدید کے ساتھ بولا گیا۔

جہاد کے مسئلہ کی فلاسفی اور اسکی اصل حقیقت ایک ایسا پیچیدہ امر اور دقیق نکتہ ہے کہ ہمارے مخالفین نے اپنی غلط فہمی کے باعث اسلام جیسے پاک اور مقدس مذہب کو

جو سراسر قانون قدرت کا آئینہ اور حي وقیوم خدا کا جلال ظاہر کرنے والا ہے مورد اعتراض ٹھہرایا ہے۔

اب ہم اس سوال کا جواب لکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کو جہاد کی کیوں ضرورت پڑی اور جہاد کیا چیز ہے۔ سو واضح ہو کہ اسلام کو پیدا ہوتے ہی بڑی بڑی مشکلات کا سامنا پڑا تھا۔ اور تمام قومیں اُسکی دشمن ہو گئی تھیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسا کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ انبیاء و رسولوں کی بعثت کی علت غائی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اعتقادات صحیحہ و اعمال صالحہ کیطرف دعوت کریں اور انکی بعثت جب ہی ہوتی ہے کہ دنیا میں غلط اعتقادات و بدعملیاں کثرت سے پھیل جائیں۔ پس انبیاء و رسول لوگوں کے اعتقادات شنیعہ و اعمال قبیحہ کی مذمت بیان کرتے اور انکو نیکی کیطرف دعوت کرتے ہیں۔ اسوجہ سے لوگ اُنکے اور اُنکے گروہ کے دشمن بنجاتے ہیں۔ یہی اسباب تھے جنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کو نہ محض حق کے قبول کرنے سے محروم رکھا بلکہ سخت عداوت پر آمادہ کر دیا۔ لہٰذا وہ اس فکر میں لگ گئے کہ کسیطرح اسلام کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیں۔ اور چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائے زمانہ میں تھوڑے تھے اسلئے انکے مخالفوں نے بباعث اس تکبر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دل و دماغ میں جاگزیں ہوتا ہے۔ جو اپنے تئیں دولت میں مال میں کثرت جماعت میں عزت اور مرتبہ میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال کرتے ہیں اُسوقت کے مسلمانوں یعنے صحابہ کرام سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا۔ اور وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودہ زمین پر قائم ہو۔ بلکہ وہ اِن راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور کوئی دقیقہ ایذا رسانی کا اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ اور انکو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اس مذہب کے پَیر جم جائیں اور پھر انکی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہو جائے۔ سو اس خوف سے جو اُنکے دلوں میں ایک ہیبتناک صورت میں بیٹھ گیا تھا نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں اُن سے ظہور میں آئیں اور اُنھوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا۔ اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی انکیطرف سے یہی کارروائی رہی۔ اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسانی کے فخر اُن شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے

اور یتیم بچے اور عاجز و مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔ اسپر بھی خدا تعالےٰ کیطرف سے یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو چنانچہ اُن برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا۔ اُنکے خونوں سے کوچے سرخ ہو گئے پر اُنھوں نے دم نہ مارا۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر اُنھوں نے اُف نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جسپر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی اور اُن صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور اُنھوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا شکار سمجھ لیا۔ تب اُس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گذر جائے۔ اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اسکا غضب شریروں پر بھڑکا اور اُس نے اپنے پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں میں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں۔ اور میں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جسکا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا۔ اور اس حکم کی اصل عبارت جو قرآن شریف میں موجود ہے یہ ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ۔ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ پ سورۂ حج یعنے خدا تعالےٰ نے اُن مظلوم لوگوں کی جو قتل کئے جاتے ہیں اور ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے فریاد سن لی اور انکو مقابلہ کی اجازت دیگئی۔ اور خدا قادر ہے جو مظلوموں کی مدد کرے۔

اور یہ حکم مختص الزمان والوقت تھا۔ ہمیشہ کے لئے نہیں تھا بلکہ اُس زمانہ کے متعلق تھا جبکہ اسلام میں داخل ہونے والے بکریوں اور بھیڑوں کیطرح ذبح کئے جاتے تھے۔ یہ ہے اسلامی جہاد جسکی دفع شر کے لئے مسلمانوں کو اجازت دیگئی تھی۔

اور آج اس زمانہ میں چونکہ وہ تمام شرارتیں اور ایذا رسانیاں خدا تعالےٰ نے ملک ہند میں محض اپنے فضل و رحمت سے مسلمانوں پر گورنمنٹ انگریزی کا سایہ رحمت پھیلا کر دفع کر دی ہیں اسلئے اسکی ضرورت نہیں رہی۔

سیفی جہاد کا امر صرف دفع شر کے لئے ہوا تھا۔ پس آج چونکہ مسلمانوں پر کوئی

مخالف دین اسلام تلوار نہیں اُٹھاتا اسلئے مسلمانوں پر آج دین کے لیے تلوار اُٹھانا حرام ہے کیونکہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی پر تلوار نہیں اُٹھائی بجز ان لوگوں کے جنہوں نے پہلے تلوار اُٹھائی اور سخت بے رحمی سے بیگناہ اور پرہیزگار مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔ اور ایسے دردانگیز طریقوں سے مارا کہ اب بھی اُن قصوں کو پڑھکر رونا آتا ہے۔

اب حکومت برطانیہ کے وقت جہاد کی وجہیں اس زمانہ اور اس ملک میں معدوم ہیں پس مسلمانوں پر آج حرام ہے کہ دین کے لیے سیفی جہاد کریں اور ناحق اپنے بنی نوع انسان کافروں کو قتل کریں۔ کیونکہ خدا تعالے نے زمانہ امن اور عافیت میں سیفی جہاد کو حرام فرمایا ہے۔

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں خود سبقت کرکے ہرگز تلوار نہیں اٹھائی۔ بلکہ ایک زمانہ دراز تک کفار کے ہاتھ سے دکھ اُٹھایا اور اسقدر صبر کیا جو ہر ایک انسان کا کام نہیں۔ اور ایسا ہی آپ کے اصحاب بھی اسی اعلیٰ اصول کے پابند رہے اور جیسا کہ انکو حکم دیا گیا تھا کہ دُکھ اُٹھاؤ اور صبر کرو۔ ایسا ہی اُنہوں نے صدق اور صبر دکھایا۔ وہ پیروں کے نیچے کچلے گئے۔ اُنہوں نے دم نہ مارا۔ انکے بچے انکے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے وہ آگ اور پانی کے ذریعہ سے عذاب دئے گئے مگر وہ شر کے مقابلہ سے ایسے باز رہے کہ گویا وہ شیرخوار بچے ہیں۔ کون ثابت کر سکتا ہے کہ دنیا میں تمام نبیوں کی امتوں میں سے کسی ایک نے بھی باوجود قدرت انتقام ہونے کے خدا کا حکم سنکر ایسا اپنے تئیں عاجز اور مقابلہ سے دستکش بنالیا جیسا کہ انہوں نے بنایا۔ کسکو پاس اسکا ثبوت ہے کہ دنیا میں کوئی اور بھی ایسا گروہ ہوا ہے جو باوجود بہادری اور جماعت اور قوت بازو اور طاقت مقابلہ اور پائے جانے تمام لوازم مردی اور مردانگی کے پھر خونخوار دشمن کی ایذا اور زخم رسانی پر تیرہ برس تک برابر صبر کرتا رہا۔ ہمارے سید و مولےٰ اور آپکے صحابہ کا یہ صبر کسی مجبوری سے نہ تھا۔ بلکہ اس صبر کے زمانہ میں آپکے جان نثار صحابہ کے وہی ہاتھ اور بازو تھے جو جہاد کے حکم کے بعد انہوں نے دکھائے اور بسا اوقات ایک ہزار جوان نے مخالف کے ایک لاکھ سپاہی نبرد آزما کو شکست دیدی ایسا ہوا۔ تا لوگوں کو معلوم ہو کہ جو مکہ میں دشمنوں کی خونریزیوں پر صبر کیا گیا تھا۔ اسکا باعث

کوئی بزدلی اور کمزوری نہ تھی بلکہ خدا کا حکم سنکر اُنھوں نے ہتھیار ڈالدئے اور بکریوں اور بھیڑوں کیطرح ذبح ہونے کو تیار ہوگئے تھے۔ بے شک ایسا صبر انسانی طاقت سے باہر ہے اور گو ہم تمام دنیا اور تمام نبیوں کی تاریخ پڑھ جائیں تب بھی ہم کسی امت میں اور کسی نبی کے گروہ میں یہ اخلاق فاضلہ نہیں پاتے۔

سبحان اللہ وہ لوگ کیسے راستباز اور نبیوں کی روح اپنے اندر رکھتے تھے۔ کہ جب خدا نے مکہ میں انکو یہ حکم دیا کہ بدی کا مقابلہ مت کرو اگرچہ ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ۔ پس وہ اس حکم کو پاکر شیرخوار بچوں کیطرح عاجز اور کمزور بنگئے۔ گویا نہ انکے ہاتھوں میں زور ہے نہ انکے بازوؤں میں طاقت۔ بعض ان میں سے اسطور سے بھی قتل کئے گئے کہ دو اونٹوں کو ایک جگہ کھڑا کرکے انکی ٹانگیں مضبوط طور پر ان اونٹوں سے باندھ دی گئیں۔ اور پھر اونٹوں کو مخالف سمت میں دوڑایا گیا۔ پس وہ اک دم میں ایسے چر گئے جیسے گاجر یا مولی چیری جاتی ہے۔ جب مخالفین نے اس حد تک زیادتیاں کیں تو بالآخر انکی شرارتوں کے دفع کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیام الٰہی نازل ہوا اور مقابلہ کا حکم ہوا تا کہ سلسلہ الٰہی دنیا سے نیست و نابود نہ ہو جائے۔ یہ ہے اسلامی جہاد جسپر ہمارے مخالفین معترض ہوتے ہیں۔

ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو اسلام نے خدائی حکم سے تلوار اٹھائی وہ اسوقت اٹھائی گئی کہ جب بہت سے مسلمان کافروں کی تلواروں سے قبروں میں پہونچ گئے۔ آخر خدا کی غیرت نے چاہا کہ جو لوگ تلواروں سے ہلاک کرتے ہیں وہ تلواروں سے ہی مارے جائیں۔ خدا بڑا کریم اور رحیم اور حلیم ہے اور بڑا برداشت کرنے والا ہے لیکن آخر کار راستبازوں کے لئے غیرتمند بھی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اسلامی شریعت اسبات کی ہرگز جوابدہ نہیں ہو سکتی اور نہ کہیں خدا نے حکم دیا اور نہ اُسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ہم خواہ نخواہ بغیر ثبوت کسی جرم کے ایسے انسان کو کہ نہ ہم اُسے جانتے ہیں اور نہ وہ ہمیں جانتا ہے غافل پاکر چھری سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ یا بندوق سے اسکا کام تمام کر دیں۔ اسلامی شریعت ہرگز یہ سبق نہیں دیتی کہ کسی کافر کو خواہ مخواہ تہ تیغ کیا جاوے بلکہ اسلامی شریعت اپنے حاکموں مسلم و غیر مسلم کی اطاعت کا حکم اور عدل و احسان کا امر اور سرکشی سے منع کرتی ہے چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

ترجمہ۔ یعنے خدا تعالےٰ عدل و احسان اور قریبیوں سے نیک سلوک کا امر کرتا اور فحشا اور بدی اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔

خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ یعنے احسان کا بدلہ احسان ہے اس زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے لئے قتل نہیں کرتا۔ گورنمنٹ انگریزی کے ماتحت مسلمانوں کو بڑا آرام اور امن ہے۔ ابھی بہتیرے ایسے لوگ زندہ ہونگے جنھوں نے کسقدر سکھوں کا زمانہ دیکھا ہوگا۔ اب وہی بتائیں کہ سکھوں کے عہد میں مسلمانوں اور اسلام کا کیا حال تھا۔ ایک ضروری شعار اسلام کا جو بانگ نماز ہے وہی ایک جرم کی صورت میں سمجھا گیا تھا۔ کیا مجال تھی کہ کوئی اونچی آواز سے بانگ کہتا۔ اور پھر سکھوں کے برچھوں اور نیزوں سے بچ رہتا۔ خدا نے بڑا احسان کیا جو سکھوں کی بیجا دست اندازیوں سے مسلمانوں کو چھڑایا۔ اور گورنمنٹ انگریزی کی امن بخش حکومت میں داخل کیا چونکہ احسان کا بدلہ احسان ہے اسلئے ہم نہیں چاہتے کہ اس خدا کی نعمت کو جو ہزاروں دعاؤں کے بعد سکھوں کے زمانہ کے عوض ہمکو ملی ہے یونہی رد کردیں۔

مثل مشہور ہے۔ قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید۔ حکومت سکھا شاہی کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کا مقابلہ کیا جائے تب اس موجودہ گورنمنٹ کا قدر معلوم ہوتا ہے۔ سکھ تو مسلمانوں کو بانگ نماز پر بھی قتل کو مستعد ہوجاتے تھے لیکن اس گورنمنٹ انگریزی نے پنجاب میں داخل ہوتے ہی مسلمانوں کو اپنے مذہب میں پوری آزادی دیدی۔

یہ وہ محسن و فیاض گورنمنٹ ہے کہ جو اپنی گرہ سے خرچ دے کر مسلمانوں کو مسجدیں بنوا دیتے اور چھاؤنیوں کی پلٹنوں اور رسالوں میں ائمہ مساجد مقرر کرنے میں امداد دیتی ہے۔ ابھی تھوڑی مدت گذری ہے کہ لاہور اور دہلی کی شاہی مساجد کی مرمتی کے لئے اس گورنمنٹ نے کئی کئی ہزار روپیہ دیا۔ یہ وہ قدر دان گورنمنٹ ہے جس نے مسلمانوں کے معزز و مکرم علمائے ہند و پنجاب کو خطابات عطا کئے۔ یہ مسلمانوں کے مذہبی امور میں بالکل دخل نہیں دیتی۔ یہ وہ زمانہ نہیں ہے کہ دھیمی آواز سے بھی بانگ نماز دے کر مار کھائیں۔ بلکہ اب بلند میناروں پر چڑھکر بانگیں دو اور اپنی مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھو۔ کوئی مانع نہیں۔ یہ واقعی بات ہے

کہ سکھوں کے زمانہ میں مسلمانوں کی زندگی غلاموں کیطرح تھی۔ اور اب انگریزی عملداری سے دوبارہ انکی عزت قائم ہوئی۔ جان و مال اور عزت تینوں محفوظ ہوئے۔ اسلامی کتب خانوں کے دروازے کھولے گئے۔ سکھوں کے زمانہ میں بزرگوار مسلمانوں کی قبریں بھی اکھیڑی جاتی تھیں۔ سرہند کا واقع بھی ابتک کسیکو بھولا نہیں ہوگا۔ لیکن یہ گورنمنٹ ہماری قبروں کی بھی ایسی ہی محافظ ہے جیسی کہ ہمارے زندوں کی۔ کس عافیت اور امن کی گورنمنٹ کے زیر سایہ ہم لوگ رہتے ہیں جس نے ایک ذرہ بھی مذہبی تعصب ظاہر نہیں کیا۔ کوئی مسلمان اپنے مذہب میں کوئی عبادت بجالاوے۔ حج کرے۔ زکوٰۃ دے۔ نماز پڑھے کوئی مانع نہیں ہوسکتا۔

گو اِس گورنمنٹ کا مذہب عیسائیت ہے مگر یہ کیسی انصاف پسند گورنمنٹ ہے۔ کہ جب انکی اپنی مذہبی غلط فہمیاں اسکے آگے عادلانہ و احسن طریق سے پیش کیجائیں تو برا نہیں مناتی۔ بلکہ ہماری باتوں کو بڑے غور سے سنتی ہے۔ مثلاً ہم عیسائیوں کو نصیحتاً ازروئے اتفاق ہمدردی کے کہتے ہیں کہ یہ بڑا ظلم ہے جو وہ خالق کے حقوق مخلوق کو دیتے ہیں۔ کیونکہ جو عیسائیوں کا عقیدہ ہے وہ کمال غلو تک پہونچگیا ہے۔ اور اس میں ذات الٰہی کی سخت ہتک لازم آتی ہے۔ اس میں تو کچھ شک نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا تعالےٰ کا برگزیدہ اور دنیا کا نور اور ہدایت کا آفتاب اور جناب الٰہی کا مقرب اور اُسکے تخت کے نزدیک مقام رکھتا ہے۔ اور کروڑہا انسان جو اس سے سچی محبت رکھتے اور اسکی وصیتوں پر چلتے ہیں اور اسکی ہدایات پر کاربند ہیں وہ جہنم سے نجات پائینگے لیکن بایں ہمہ یہ سخت غلطی اور کفر ہے کہ اُس برگزیدہ کو خدا بنایا جاوے یا خدا کا بیٹا کہا جاوے۔

خدا کے پیاروں کو خدا سے ایک بڑا تعلق ہوتا ہے۔ اس تعلق کے لحاظ سے اگر وہ اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہدیں۔ جیسا کہ مولوی رومی علیہ الرحمۃ اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں ؎

اولیا اطفال حق اند اے پسر

یا یہ کہدیں کہ خدا ہے جو ان میں بولتا ہے اور وہی ہے جسکا جلوہ ہے تو یہ باتیں کسی حال کے موقع میں ایک معنے کے رو سے صحیح ہوتی ہیں جنکی تاویل کیجاتی ہے۔ کیونکہ انسان جب خدا میں فنا ہوکر اور پھر اُسکے نور سے پرورش پا کرنے مہرنے سے ظاہر ہوتا ہے

تو ایسے الفاظ اسکی نسبت مجازاً قدیم محاورہ اہل معرفت ہے کہ وہ خود نہیں بلکہ خدا ہے جو اس میں ظاہر ہوا ہے۔ لیکن اس سے درحقیقت یہ بات نہیں کھلتی کہ وہی شخص رب العلمین ہے اس نازک محل میں اکثر عوام کا قدم پھسل جاتا ہے اور ہزارہا بزرگ اور ولی اور اوتار جو خدا بنائے گئے وہ بھی دراصل انہی غلط فہمیوں سے بنائے گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب روحانی اور آسمانی باتیں عوام کے ہاتھ میں آتی ہیں تو وہ انکی تہ تک پہونچ نہیں سکتے۔ آخر کچھ بگاڑ کر اور مجاز کو حقیقت پر حمل کر کے سخت غلطی اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں سو اسی غلطی میں آجکل کے علماء مسیحی بھی گرفتار ہیں اور اسبات پر زور دے رہے ہیں کہ کسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا بنا دیا جائے سو یہ حق تلفی خالق کی ہے۔ اور اس حق کے قائم کرنے کے لئے اور توحید کی عظمت دلوں میں بٹھانے کے لئے ایک بزرگ نبی ملک عرب میں گذرا ہے جسکا نام محمدؐ اور احمد تھا (صلے اللہ علیہ وسلم) خدا کے اسپر بے شمار سلام ہوں۔

شریعت دو حصوں پر منقسم تھی۔ بڑا حصہ یہ تھا کہ لآ الٰہ الا اللہ یعنے توحید۔ اور دوسرا حصہ یہ کہ ہمدردی نوع انسان کرو۔ اور انسان کے بلئے لئے وہ چاہو جو اپنے لئے۔ سو ان دو حصوں میں سے حضرت مسیح نے ہمدردی نوع انسان پر زور دیا کیونکہ وہ زمانہ اس زور کو چاہتا تھا۔ اور دوسرا حصہ جو بڑا حصہ ہے یعنے لآ الٰہ الا اللہ جو خدا کی عظمت اور توحید کا سرچشمہ ہے اسپر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے زور دیا کیونکہ وہ زمانہ اسی قسم کے زور کو چاہتا تھا۔

ہماری تقریر سابق سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ہم قرآن کریم کی اُن آیات کو جنمیں جہاد کا امر ہے منسوخ ٹھہراتے ہیں۔ بلکہ ہماری تقریر سے یہ مراد ہے کہ جہاد کی شکلیں ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہیں اور جہاد کا وجود قیامت تک رہیگا کیونکہ جہاد ہی تو زندگی انسانی کا ستون اور ترقی کی سیڑھی ہے۔ اور اسبات کو ہمارے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ جرجی زیدان عیسائی باشندۂ مصر اپنے رسالہ الہلال عربی میں لکھتے ہیں۔ بعث قیصر روسیا منشورا الی الدول العظمے یقترح فیہ الاتفاق فیما بینھم علے ابطال الحرب وتنزع السلاح ولاتزال الدول تنتظر فی ھذا الاقتراح فاذا تم لم یکن فی العالم اعظم منہ ولا کننا نراہ من قبیل العبث بل قدیأول للخراب لان الجہاد فی الحیوۃ عماد البقا

وسلم الارتقاء۔ ترجمہ۔ یعنے قیصر روس نے دول عظمے کو ایک مراسلہ بھیجا ہے جس میں دنیا کی سب دولتوں کے درمیان اتفاق واتحاد کا مسئلہ اور جنگوں کو باطل کر دینے۔ اور ہتھیاروں کے اُتار دینے کے متعلق سوال تھا۔ اور ساری دولتیں اس سوال کے جواب کے لئے منتظر ہیں۔ جب یہ مسئلہ طے ہو جائیگا تو اس سے بڑا کوئی کام نہ ہوگا ولیکن ہم اس سوال کو عبث جانتے ہیں۔ بلکہ ترک جہاد سے دنیا کی خرابی لازم آتی ہے کیونکہ جہاد ہی تو زندگی کا ستون اور ترقی کی سیڑہی ہے۔

جبکہ جہاد قیامت تک باقی رہیگا اور اسکی شکلیں ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہیں تو اہل اسلام کے لئے اس زمانہ میں جہاد کی کونسی شکل ہے۔ جسکو وہ اختیار کریں۔ سو واضح ہو کہ اس زمانہ میں اہل اسلام کے لئے قلمی جہاد ہے کیونکہ اب زمانہ کا احوال بدل گیا ہے۔ اور اس زمانہ میں کوئی بادشاہ دنیا میں نہیں پایا جاتا جو کسی مسلمان پر بوجہ اسکے اسلام کے ظلم کرے اور نہ کوئی حاکم ایسا پایا جاتا ہے جو کسی پر احکام دین میں ستم کرے

اب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے
کرتی نہیں ہے منع صلوۃ اور صوم سے
اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی
بھید اسمیں ہے یہی کہ وہ حاجت نہیں رہی

اب اسلام کے مخالف اس زمانہ میں اسلام پر تلوار نہیں اُٹھاتے۔ بلکہ وہ قلم کا نیزہ استعمال کرتے اور دلائل و براہین سے مقابلہ کرتے ہیں۔ پس اب جس رنگ میں ہمارے مخالف اسلام پر حملہ کرتے ہیں ہمیں بھی اُسی رنگ یعنے قلم کے نیزہ سے انکا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اور لکھکر اسلام کی سچائی کے حجج نیرہ و دلائل ساطعہ پیش کرنی چاہئیں۔ نہ یہ کہ ہم ایسی بے انصافی کریں کہ ہمارے مخالف ہمپر تیر قلم سے حملہ کریں اور ہم انپر تلوار اٹھاکر انکا سر قلم کریں۔ جس امر سے خدا تعالے منع فرماتا ہے اور یہ تعلیم دیتا ہے فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ یعنے تم اپنے مخالف پر اس رنگ سے حملہ کرو جس طرز سے وہ حملہ کرے اور اپنے مخالف پر اس سے بڑھکر کوئی زیادتی نکرو کیونکہ خدا تعالے کو زیادتی کرنے والے ناپسند ہیں۔

پس اب خوب سمجھ لو کہ دین اسلام دعوت کے وقت نہ تلوار اور نہ نیزہ استعمال نہیں کرتا اور نہ نیزہ مارتا ہے۔ بلکہ وہ دلائل پیش کرتا ہے جو افترا و جھوٹ کے نابود کرنے میں برچھی و نیزہ کا کام دیتے ہیں۔

نہ مردی ہے تیر اور تلوار سے — بنو مرد مردوں کے کردار سے

سنو آتی ہے ہر طرف سے صدا — کہ باطل ہے ہر چیز حق کے سوا

واضح رہے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں جہاد کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں قال اللہ تعالےٰ جَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ترجمہ یعنے جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ راہِ خدا میں یہ بات تمہارے لئے اچھی ہے اگر تم جانتے ہو۔

مالوں کا جہاد یہ ہے کہ ایسے سارے مصارف جنسے اسلام کو تقویت پہونچے ان میں مال صرف کیا جائے۔ تمام اعضا و جوارح بدنی کو تحمیل مرضات الٰہی میں لگا کر کوشش کرنیکا نام جانی جہاد ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ زبان سے وعظ و نصیحت و کلمات حقہ بیان کیے جائیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں افضل جہاد کلمۃ حق عند سلطان جابر یعنے ظالم و جابر بادشاہ کے پاس سچی بات کہنی سب سے افضل جہاد ہے۔ مفید عام کتابیں خرید کر شائع کرنا اور حق کیطرف ملانے والے واعظین اپنے خرچ سے مہیا کرنا مالی جہاد ہے۔ دل و دماغ کی فکر و غور سے اور ہاتھوں کی محنتوں کے ساتھ تائید اسلام کے لئے فائدہ مند کتابیں تالیف کرنا۔ مفید عام علوم لوگوں کو تعلیم کرنا۔ یہ سب امور جانی جہاد میں داخل ہیں۔

وہ دفاعی جہاد جو کفار کے ساتھ مختص الزمان والمکان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کے وقت میں واقع ہوا تھا اُسکے بالمقابل نفس کے سارے اخلاق رذیلہ کے زائل کرنے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاد اکبر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا رجعنا من جهاد الاصغر الى جهاد الاكبر یعنے ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کیطرف آئے ہیں۔

ہمارے مخالف آریہ و عیسائی جو بزور شمشیر اسلام کی اشاعت کا الزام لگاتے ہیں وہ مندرجہ ذیل عہدنامہ کو ملاحظہ کریں جو سراسر نور آشتی و ہمدردی انسانی و رحمت و رافت سے مملو و مشحون ہیں

نقل عہدنامہ نبوی جو آنحضرت نے نصاریٰ کی ذمہ داری حفظ و امن کیلئے لکھا

بسم الله الرحمن الرحيم - هذا الكتاب كتبه محمد بن عبد الله الى الناس اجمعين رسوله مبشرا ونذيرا ومؤتمنا على وديعة الله فى خلقه لئلا يكون للناس حجة بعد الرسل

وكان الله عزيزا حكيما. كتبه لاهل ملة النصارى ولمن تنحل دين النصرانية من مشارق الارض ومغاربها قريبها وبعيدها فصيحها واعجمها معروفها ومجهولها جعل لهم عهدا. فمن نكث العهد الذى فيه وخالفه الى غيره وتعدى ما امره كان لعهد الله ناكثا ولميثاقه ناقضا وبدينه مستهزئا وللعنته مستوجبا سلطانا كان او غيره من المسلمين وان احتمى راهب او سائح فى جبل او واد او مغارة او عمران او سهل او رمل او بيعة فانا اكون من ورائهم اذب عنهم من كل غيرة لهم بنفسى واعوانى واهلى وملتى واتباعى لانهم رعيتى واهل ذمتى وانا اعزل عنهم الاذى فى المؤن التى يحمل اهل العهد (كذا) من القيام بالخراج الا ما طابت له نفوسهم وليس عليهم جبر ولا اكراه على شئ من ذلك ولا يغير اسقف من اسقفيته ولا راهب من رهبانيته ولا حبيس من صومعته ولا سائح من سياحته ولا يهدم بيت من بيوت كنائسهم وبيعهم ولا يدخل شئ من مال كنائسهم فى بناء مساجد المسلمين ولا فى بناء منازلهم فمن فعل شيئا من ذلك فقد نكث عهد الله وعهد رسوله ولا يحمل على الرهبان والاساقفة ولا من يتعبد جزية ولا غرامة وانا احفظ ذمتهم اينما كانوا من بر او بحر فى المشرق او المغرب والجنوب والشمال وهم فى ذمتى وميثاقى وامانى من كل مكروه - وكذلك من يتفرد بالعبادة فى الجبال والمواضع المباركة لا يلزمهم مما يزرعونه لا خراج ولا عشر ولا يشاطرون لكونه برسم افواههم ولا يعاونون عند ادراك الغلة ولا يلزمون بخروج فى حرب وقلم بجبرية ولا من اصحاب الخراج وذوى الاموال والعقارات والتجارات مما هو اكثر من اثنى عشر درهما بالجملة فى كل عام ولا يكلف احد منهم شططا ولا يجادلون الا بالتى هى احسن ويحفظ لهم خفض جناح الرحمة يكف عنهم اذية المكروه حيثما كانوا وحيثما حلوا وان صارت النصرانية عند المسلمين فعليه برضاها وتمكينها من الصلوة فى بيعها ولا يحال بينها وبين هوى دينها ومن خان عهد الله واعتمد بالضد من ذلك فقد عصى ميثاقه ورسوله ويعاونوا على مرمة بيعهم ومواضعهم وتكون تلك مقبولة لهم على دينهم وفعالهم بالعهد ولا يلزم احد منهم بنقل سلاح بل المسلمون يذبون عنهم ولا يخالف هذا العهد ابدا الى حين تقوم الساعة وتنقضى الدنيا
كتبت بخط على ابن ابى طالب ووضعت فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم

فی السنۃ الثانیۃ للھجرۃ فی الیوم الثالث من محرم الحرام بحضور جم الصحابۃ الکرام و فی ذیلہا اسماء کبار الصحابۃ وھی حسب ترتیبہا فی صور تلک التقریر۔

ھاشم ابن عبید	سعد بن معاذ
ابوحنیفۃ بن عبید	سعد بن عباس
علی بن ابی طالب	ثابت بن نفیس (قیس)
ابوبکر بن ابی قحافۃ	زید بن ثابت
عمر بن الخطاب	معطۃ بن قرش
عثمان بن عفان	حارث بن ثابت
ابو الدرداء	عبد العظیم بن حسن
ابوھریرۃ	عبد اللہ بن عمرو (عمر)
عبد اللہ بن مسعود	ابن عاصم
فضل بن عباس	ابن عباس
طلحۃ بن عبد اللہ	عارف ادریس

ترجمہ۔ یہ وہ عہدنامہ ہے جو محمد بن عبداللہ خدا کے بشیر و نذیر و امین بر امانت خدا نے سب لوگوں کے لئے لکھا ہے تاکہ لوگوں کو رسولوں کے بعد کوئی عذر معذرت کی دلیل نہ رہے۔ اور خدا تعالےٰ غالب و حکیم ہے۔ میننے یہ عہدنامہ نصاریٰ اور اُن لوگوں کے لئے لکھا ہے اور اُن لوگوں کے لئے ہے جو نصرانی ہوجاویں۔ خواہ اس ملک کے مشرق و مغرب میں ہوں خواہ وہ نزدیک یا دور ہوں۔ خواہ وہ عرب کے رہنے والے یا وہ عجمی ہوں خواہ وہ معروف ہوں یا مجہول۔ میننے اُنکے لئے یہ عہد کیا ہے۔ پس جو شخص اس عہدنامہ کے لکھے ہوئے امور سے مخالفت اور مامور بہ سے تجاوز کرے تو وہ عہد خدا کا توڑنے والا اور وعدہ الٰہی کا ناقض اور اُسکے دین کے ساتھ تمسخر کرنے والا اور لعنت الٰہی کا سزاوار ٹھریگا۔ خواہ وہ بادشاہ ہو یا کہ وہ عام مسلمانوں میں سے کوئی ہو۔ اور اگر کوئی درویش یا سیاح کسی پہاڑ یا کسی وادی یا کسی غار یا کسی آبادی یا کسی میدان یا کسی ریگستان یا کسی عبادتخانہ میں پناہگیر ہوکر ٹھرے۔ میں بنفس خود اپنے اعوان اور اپنے اہل اور اپنے ملت و تابعداروں کے ہمراہ ہوکر اُسکی حمایت کرونگا کیونکہ وہ میری رعیت

اور میرے اہل ذمہ ہیں اور میں اس عہد والوں سے اُنکے ادائے خراج سے ایذا رفع کرونگا اور وہ خراج اسقدر دیں جو اُنکا دل چاہے۔ اور حصول خراج کے لئے اُنپر کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا جائیگا۔ اور کسی سردار پادری کو اُسکے منصب سے متغیر نہیں کیا جائیگا۔ اور کسی راہب کو اسکی رہبانیت سے اور کسی عابد کو اُسکے عبادتخانہ سے اور کسی سیاح کو اسکی سیاحت سے روکا نہیں جائیگا۔ اور اُنکے گرجوں اور عبادتخانوں کے مکانوں سے کوئی مکان برباد نہیں کیا جائیگا۔ اور اُنکے گرجوں کے مال سے کوئی چیز مسلمانوں کی مسجدیں اور مکان بنانے میں داخل نہیں کیجاویگی۔ اور جس نے یہ کام کیا اُس نے عہد خدا و عہد رسول کو توڑ ڈالا۔ اور راہبوں و سردار پادریوں و عابدوں پر نہ کوئی جزیہ اور نہ کوئی تاوان ہوگا۔ اور میں اُنکے عہد کی حفاظت کرونگا وہ جہاں ہوں۔ خواہ وہ جنگل میں یا دریا یا مشرق یا مغرب میں یا جنوب یا شمال میں ہوں۔ اور وہ ہر گروہ امن سے میرے عہد اور میرے وعدہ اور میرے امن میں ہیں۔ اور ایسا ہی وہ اشخاص بھی جو میرے ذمہ میں ہیں جو عبادت کے لئے پہاڑوں اور مقامات مبارکہ میں گوشہ نشین ہوں۔ اور جو کچھ وہ وہاں بوئیں اسکا اُنپر کوئی خراج و عشر نہیں ہوگا۔ اور اُنکی رسمی باتوں کی وجہ سے اُنکو اُس کھیتی کا آپسمیں حصہ دار نہیں بنایا جائیگا (بلکہ جو بولے اُسی کا مال ہوگا) اور جنگ میں نکلنا اُنپر واجب نہیں کیا جائیگا اور نہ اُنپر کوئی جبر ہوگا۔ اور مالداروں و زمینداروں و تاجروں سے ہر سال بارہ روپیہ سے زیادہ خراج نہیں لیا جائیگا۔ اور کسی پر جور و ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر وہ اہل اسلام سے مذہبی امور میں مجادلہ کرنا چاہیں گے تو بطریق احسن اُنکے ساتھ مجادلہ ہوگا۔ اور بازوئے رحمت کے تحت میں اُنکی حفاظت کیجائیگی اور وہ جہاں ہوں اُن سے ایذا رفع کیجائے گی۔ اور اگر کوئی عیسائن مسلمانوں کے پاس آجاوے تو اُسکو اسکی رضامندی پر رہنے دیا جائیگا اور وہ اپنے عبادتخانہ میں نماز گذار سکیگی اور اُسکے دین میں کوئی امر حائل نہیں کیا جائیگا۔ اور جس نے اس عہد خدا میں خیانت کی اور اُسکے برخلاف پر اعتماد کیا تو اس نے عہد خدا و رسول کی نافرمانی کی۔ اور اُنکے عبادتخانوں کی مرمت میں اُنکی امداد کیجاویگی اُنکے دین میں یہ بات حسب اُنکے عہد کے مقبول ہے اور اُنکے کسی فرد پر ہتھیار اُٹھانا لازم نہیں کیا جاویگا بلکہ مسلمان اُنکی حمایت و حفاظت کرینگے۔ اور اس عہد کی قیامت تک مخالفت نہ کیجاوے گی۔

عہدنامہ حضرت عمر ابن خطاب جو آپنے نصاریٰ کے حفظ امن کیلئے لاٹ پادری صفرونیوس کو لکھکر عطا کیا تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ الذی اعزنا بالاسلام واکرمنا بالایمان ورحمنا بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھدانا من الضلالۃ وجمعنا بہ بعد الشتات والف قلوبنا ونصرنا علی الاعداء ومکن لنا من البلاد وجعلنا اخوانا متحابین واحمدوا اللہ عباد اللہ علی ہذہ النعمۃ۔ ھذا کتاب عمر ابن الخطاب لعھد ومیثاق اعطی الی البطرک المبجل المکرم وھو صفرونیوس بطرک الملۃ الملکیۃ فی طور الزیتون بمقام القدس الشریف فی الاشتمال علی الرعایا والقسوس والرھبان والراھبات حیث کانوا واین وجدوا یکون علیھم الامان وان الذمی اذا حفظ احکام الذمۃ وجب لہ الامان والصون منا نحن المومنین ومن یتولی بعدنا ولیقطع عنھم اسباب جوائجھم لحسب ما قد جری منھم من الطاعۃ والخضوع ولکن الامان علیھم وعلی کنائسھم ودیاراتھم وکافۃ زیاراتھم التی بیدھم داخلا وخارجا وھی القمامۃ وبیت لحم مولد عیسی علیہ السلام کنیسۃ الکبری والمغارۃ ذات الثلاثۃ ابواب قبلی وشمالی وغربی وبقیۃ اجناس النصاری الموجودین ھناک وھم الکرج والحبش والذین یاتون للزیارۃ من القبط والافرنج والسریان والارمن والنساطرۃ والیعاقبۃ والموارنۃ تابعین البطرک المذکور ویکون متقدما علیھم لانھم اعطوا من حضرۃ النبی الکریم والحبیب المرسل من اللہ وشرفوا بختم یدہ الکریم وامر بالنظر الیھم والامان علیھم کذلک نحن المومنین نحسن الیھم اکراما لمن احسن الیھم ولیکونوا معافین من الجزیۃ والخفارۃ والمواجب ومسلمین من البلایا کانھا فی البر والبحر وفی دخولھم الی القمامۃ وبقیۃ زیاراتھم لایوخذ منھم شئی واما الذین یقبلون الی زیارۃ القمامۃ فیودی النصرانی الی البطرک درھما وثلث من الفضۃ وکل مومن ومومنۃ یحفظ ما امرنا بہ سلطانا او حاکما او والیا یجری حکمہ فی الارض غنی او فقیر من المسلمین المومنین والمومنات وقد اعطی لھم مرسومنا ھذا بحضور جم الصحابۃ الکرام عبد اللہ وعثمان بن عفان وسعد بن زید وعبد الرحمن ابن عوف

وبقیۃ الاخوۃ الصحابۃ الکرام فلیعتمد علی ما شرحنا فی کتابنا ھذا ویعمل بہ ویبقی فی یدھم۔ وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد والہ واصحابہ والحمد للہ رب العلمین۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل فی عشرین من شھر ربیع الاول سنۃ ۱۵ للھجرۃ النبویۃ وکل من قرء مرسومنا ھذا من المؤمنین وخالفہ من الآن الی الدین فلیکن لعھد اللہ ناکثا ولرسولہ الحبیب مبغضا

ترجمہ ۔ صفت وشکر ہے اُس خدا تعالےٰ کے لیئے جس نے ہمکو اسلام کے ساتھ معزز اور نعمت ایمان سے مکرم کیا اور اپنے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمپر رحم کیا اور ہمکو گمراہی سے نکالکر راہ ہدایت پر لایا اور پراگندگی کے بعد ہمکو اکٹھا کیا۔ اور ہمارے دلوں میں الفت ڈالی اور دشمنوں پر ہمکو نصرت دی اور شہروں کو ہمارا مسخر کیا۔ اور ہمکو آپسمیں بھائی ومحب بنایا۔ اے بندگانِ خدا اس نعمت الٰہی کا شکر کرو۔

یہ عہدنامہ منجانب عمر ابن خطاب ہے جو مکرم ومعظم لاٹ پادری صاحب صفرونیوس کو لکھکر دیا گیا جو کہ طور زیتون واقع قدس شریف یعنے بیت المقدس میں رعایا مذہب نصاریٰ اور پادریوں اور راہب مردوں وعورتوں کا افسر وسردار ہے وہ جہاں ہوں انپر امن ہوگا۔ اور اس عہدنامہ والے جب شرائط عہدنامہ کی حفاظت کرینگے تو ہم مومنوں اور ہم سے بعد کے حاکموں کیطرف سے اُن کو امن دیا جائیگا اور انکی حفاظت کیجائے گی اور ان سے اسباب ایذا وتکلیف انکی اطاعت وفرمانبرداری کے موافق قطع کئے جائنگے اور اُنپر اور اُنکے گرجوں اور انکے گھروں اور انکی زیارتوں پر اندر اور باہر جو انکے ہاتھ میں ہیں امن ہو۔ اور وہ قبہ اور بیت اللحم مولد عیسےٰ علیہ السلام اور بڑا گرجا اور مشرقی وشمالی ومغربی تین دروازوں والی غار ہے۔ اور باقی نصاریٰ کردی اور حبشی اور جو زیارت کے لیئے قبطی اور فرنگی اور سریانی اور ارمنی اور انسطوری اور یعقوبی اور موارنی جو تابعدار ان لاٹ پادری صاحب مذکور ہیں اُن سب کو امن دیا جائیگا اور اُنپر وہ مقدم ہونگے۔ کیونکہ انکو حضرت نبی کریم حبیب خدا ومرسل من اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے امن ملا اور آنحضرت کی مہردست مبارک سے مشرف ہوئے ہیں اور انکے لئے خاص مہربانیوں اور امن کا امر فرمایا۔ اسیطرح ہم مومن اُن لوگوں سے احسان کرینگے جو ان سے احسان کریں اور انکو جزیہ ومواجب معاف ہوگا اور وہ سب کے سب بر وبحر میں آفات وبلیات سے مامون ومحفوظ

رہیں۔ اور قبہ میں داخل ہونے اور باقی زیارتوں میں اُن سے کچھ نہ لیا جائے۔ اور جو لوگ زیارت قبہ کو آویں وہ لاٹ پادری کو ایک روپیہ تین قرانے دیویں۔ اور ہر ایک مومن مرد و عورت اس ہمارے امر کی حفاظت کرے خواہ وہ بادشاہ ہو یا حکم ہو یا والی مع اپنے ملک میں اس امر کو جاری کرے۔ دولتمند ہو یا مفلس۔ اور ہمارا یہ عہد نامہ انکو صحابہ کرام کے گروہ کثیر کے روبرو دیا گیا۔ اسمائے صحابہ موجودین۔ عبد اللہ و عثمان بن عفان و سعد بن زید اور عبد الرحمن بن عوف اور باقی صحابہ کرام۔

جو کچھ ہم نے اس عہد نامہ میں لکھا ہے اسپر اعتماد ہو اور اسپر عمل کیا جاوے۔ اور یہ عہد نامہ اُنکے پاس رہے۔ وصلے اللہ تعالے علے سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ والحمد للہ رب العلمین۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۵ ہجری

جو مومن ہمارے اس عہد نامہ کو پڑھکر اُسکی اسوقت سے قیامت تک مخالفت کرے وہ عہد خدا کا توڑنے والا اور حبیب خدا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دشمن ٹھریگا"۔

یہ عہد نامے آجکل مملکت شاہ روم کے مندرجہ ذیل مقامات و کتب و دفاتر میں ملسکتے ہیں۔

قاموس الادارۃ والقضا۔ مجموعہ منشآت سلاطین۔ فریدون بک۔ الہلال و دیر طور سینا۔

یہ عہد نامے بالکل صحیح و درست اور مطابق کلام الہی کے ہیں۔ چنانچہ خداوند تعالے فرماتا ہے۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ۔ ترجمہ۔ یعنے اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تیرے پاس آکر طالب پناہ ہو تو اسکو امن دے تاکہ وہ کلام خدا کو سنے۔ پھر اسکو جائے امن میں پہونچاوے۔ کیونکہ مشرک بے علم لوگ ہیں۔

یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام آئینگے۔ تو کسر صلیب کرینگے اور مخالفین اسلام یعنے مشرکین وغیرہ کو بزور شمشیر دین اسلام میں داخل کرینگے۔ یہ بات قرآن کریم۔ سنت نبوی و داب صحابہ کے سراسر برخلاف ہے۔ اگر ایسا کام

دین اسلام میں جائز ہوتا تو پوری قوت و شوکت کے زمانہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نصاریٰ کو یہ عہد نامے لکھکر نہ دیدیتے۔ جبکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام و صحابہ کرام نے کسی انسان کو بجبر و اکراہ مسلمان نہیں بنایا۔ تو امام محمد مہدی علیہ الصلوۃ والسلام۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ کی کیوں کر مخالفت کرسکتے ہیں۔

امام محمد مہدی علیہ السلام کی آمد کے متعلق اسرار شریعت جلد سوم یعنے اسرار اسلام میں پورا ذکر آئیگا۔

کتاب الفرائض

جائداد میں حقداروں کے حصے مقرر ہونیکی وجہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی قرر نصیبا من المیراث لکل احد من الرجال والنساء لیصون الناس من الاعتداء علے حقوق الاقرباء والصلوۃ والسلام علے رسولہ خاتم الانبیاء وعلے الذین اتبع الھدیٰ۔

اما بعد۔ واضح ہو کہ ا۔ اسلام نے میت کی جائداد میں حقداروں کے حصے اسلئے معین و مقرر کئے ہیں کہ حقداروں کے حقوق محفوظ رہیں۔ اگر میت کے اقربا اور وارثوں میں سے کل جائداد کا ایک ہی شخص کو اختیار کل دیا جائے اور دوسرے اقربا کے حصے اس میں مقرر نہوں تو اکثر ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جائداد کو اپنے ذاتی اغراض میں اُڑا دیتے ہیں اور اپنے فوائد و اغراض و عیش کے سوا دوسرے حقداروں کی غور و پرداخت اور انکے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے اور جائداد میں ظالمانہ تصرف شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ سارے ترکہ کو اپنی عیش و عشرت میں خورد و برد کر دیتے ہیں۔ لہذا خدا تعالے نے ان ظالمانہ کارروائیوں کو روکنے اور انکی انسداد کے لئے جائداد میں ہر ایک حقدار کے حصے معین فرمادئے تاکہ اگر ساری جائداد کا ایک ہی شخص کو حاکم

مقرر کیا جائے تو وہ دوسرے حقداروں کے حصوں کو اپنے اغراض میں خورد برد نہ کرسکے بلکہ حصوں کے مطابق جائداد کی پیداوار و آمد سے حقداروں کی غور و پرداخت کرتا رہے۔

۲۔ جب کسی جائداد کے حصے دار و حقدار معین ہو جاویں تو اس میں جو حاکم و مختار ہوگا وہ اسکو اسوجہ سے خورد برد نہ کرسکے گا کہ اسکو اسبات کا علم ہوگا کہ اس میں دوسرے حقداروں کے حقوق و حصے معین و مقرر ہیں اور بیجا تصرف سے ہر ایک حقدار اس سے مواخذہ و محاسبہ کریگا۔

۳۔ اگر اسلام ایسا نہ کرتا اور ہر ایک حقدار کا حق معین و مشخص نہ کیا جاتا اور کل جائداد کا ایک ہی شخص کو مالک بنایا جاتا تو میت کے باقی اقربا کی معاش میں بڑی بڑی دقتیں و تنگیاں پیدا ہوتیں کیونکہ سارے نفوس انسانی میں اقربا و حقداروں کی ہمدردی یکساں نہیں ہوتی۔ بعض سارے ترکہ کو اپنے ہی اغراض و مقاصد میں صرف کر دینے کے درپے رہتے ہیں اور دوسرے حقداروں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں اور انکی غور و پرداخت میں بہت کم توجہ رکھتے ہیں۔ لہذا اسلام نے ایک خاص حد تک ہر ایک حقدار کے حصے مقرر و معین کر دیئے تاکہ مختار و متصرف کو حقداروں کا بھی لحاظ و خیال رہے اور جائداد میں ظالمانہ تصرف نہ ہوسکے۔ چنانچہ میراث کے حصے مقرر ہونے کی فلاسفی خدا تعالے نے قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اقربائے میت کے حقوق ضائع ہو کر خورد برد نہ ہو جائیں۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۔ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۗ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ الآیۃ (پ سورہ نسا) **ترجمہ۔** جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت ناتے والے اور یتیم اور محتاج تو ان کو اس میں سے کچھ دیدو اور ان کو بھلی بات کہو۔ اور جائداد کے مختار و حاکم و منیجر و تقسیم کرنے والے چھوٹے و کمزور حقداروں کے حقوق میں بیجا تصرف کرنے سے خدا سے ڈرتے رہیں کہ اگر ایسا ہی انکی اولاد چھوٹے چھوٹے بچے انکے پیچھے رہجائیں اور انکے حقوق میں کوئی بیجا تصرف کرے تو انکے لئے کتنا بڑا خطرہ ہے خدا فرماتا ہے کہ جو ایسا کرے گا اسکا انجام ایسا ہی ہوگا۔ چاہئے کہ مختار اور تقسیم میراث کرنیوالے

خدا سے ڈریں اور حقداروں کے متعلق سیدھی و باانصاف بات کہیں۔ جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں اور عنقریب وہ دھکتی ہوئی اور جلنے والی آگ میں پہونچیں گے۔ یعنے اوس آگ کی سوزش یہاں ہی سے اونکے اندر شروع ہو جائیگی اس جگہ یتامیٰ کا ذکر اسلئے فرمایا کہ بسا اوقات میت کے چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے رہ جاتے ہیں اور بڑے بیٹے یا میت کے دوسرے اقربا سارے مال کو خورد و برد کر دیتے ہیں۔ لہذا ایسا کرنے میں سخت وعید وارد ہوا۔ اور ہر ایک کا حصہ مقرر کیا گیا تاکہ چھوٹوں و کمزوروں کے حقوق میں بڑے و قوی لوگ دست اندازی نہ کریں چنانچہ تقرری حصص کیلئے مذکورہ بالا آیات کے آگے یُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ کی عبارت شروع ہوتی ہے جسکا مفصل ذکر آگے آئیگا۔

۴۔ کسی بڑی سے بڑی جائداد و ریاست و سلطنت میں بھی کئی حصے داروں کے حقوق و حصے معین و مشخص ہونا اسکے لئے حفاظت و استحکامی کا باعث ہے۔ کیونکہ ہر ایک حصہ دار اپنے معین حقوق و حصوں کی وجہ سے اوس مشترکہ جائداد کی بہتری و بہبودی کے لئے سعی کریگا پس جس ریاست کے حقدار زیادہ ہوں اوسی قدر اُسکے لئے استحکامی کا باعث ہے

۵۔ اسلام نے یہ کہیں حکم نہیں دیا کہ جائداد میت کو اوسکے مرنے کے بعد فی الفور خواہ مخواہ بانٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ بلکہ حقداروں کی رضامندی و خوشی پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ آپسمیں سے ایک متدین شخص کو کل جائداد مشترکہ کا اپنا امام و حاکم مختار بنا کر اپنے حصوں کے مطابق جائداد کی پیداوار و آمد اوسکے ذریعہ حاصل کریں اور اگر وہ اپنے مختار و متصرف میں خیانت اور ظالمانہ حرکات و تصرفات بیجا دیکھیں تو بوجہ تقرری حقوق خود خائن و ظالم کا حصہ جائداد سے الگ کر کے اوسکو معزول کر دیں اور کسی دوسرے کو بوجہ شراکت حقوق حقداروں میں سے یا تنخواہ دار کو اپنا مختار بنا سکیں۔

۶۔ اگر جائداد میں حصے مقرر و معین نہ ہوتے تو میت کے والیوں میں بڑے بڑے جھگڑے و تنازعات پیدا ہوتے اور ہر ایک حقدار اپنا حصہ دوسرے حقداروں سے زیادہ چاہتا مثلاً بڑا بیٹا چھوٹے سے زیادہ طلب کرتا۔ یا جن حقداروں کو کم حصہ آتا ہے وہ سب کے ساتھ برابری چاہتے لہذا الٰہی تقسیم نے سب کو ساکت کر دیا۔

کچھ تعجب نہیں کہ کئی ایسے انسان بھی ہوں گے کہ کہدیں کہ اسلامی احکام کی وجوہات

وحکمتیں لکھنے کی کیا ضرورت ہے جو کچھ حکم الٰہی آگیا ہم نے اوسکو مان لیا مگر اونکو ہم معذور سمجھتے ہیں کیونکہ اسوقت اسلام کے مخالفین جہالت سے اسلام پر جو اعتراض کر رہے ہیں اور ناواقفوں کی گمراہی کا باعث ہو رہے ہیں وہ اون سے بے خبر ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ کسی انگریزی اخبار میں کسی نے اس امر کے متعلق ایک مضمون شائع کیا تھا کہ قرآن نے جو تقسیم میراث کا مسئلہ پیش کیا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ تقسیم وراثت سے سلطنتوں اور ریاستوں میں کمزوری وضعف آجاتا ہے۔ چنانچہ اسپر تمام اخبارات ہند و پنجاب نے بہت کچھ لکھا تھا۔ معترضین حقداروں کی تقرری حصص کی فلاسفی وحقیقت سے ناواقف ہیں۔ اسلئے وہ اعتراض کر رہے ہیں۔ دنیا میں ایسے نادان انسان بھی پیدا ہوگئے ہیں جو خدا تعالےٰ کو بھی کہتے ہیں کہ وہ فلاں کام میں بھول گیا۔ وہ عدالتوں میں روزمرہ حقداروں کے حقوق میں بے جا تصرف وخیانت کرنے والوں پر مقدمات دائر ہوتے ہوئے دیکھتے اور اون کے نتائج سے بھی آگاہ ہوتے رہتے ہیں مگر پھر بھی خدا تعالےٰ پر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ اگر خدا کے کلام کا علم نہ ہو یا اس میں کسیطرح کا شک وشبہ ہو تو اوس کے متعلق خدا کا کام جو ہر وقت پیش نظر ہے اوس سے اوسکا علم حاصل ہو سکتا ہے۔

اے دو چشمے بستہ از انوار او ۔۔۔ چوں نہ بینی روئے او در کار او

آں سخے کاں فعلِ حق نمودہ است ۔۔۔ درحقیقت سوئے حق آں بودہ است

۷۔ شریعت اسلام نے جو امامت نماز مقرر کی ہے وہ اسی امر کیطرف ایما ہے کہ ہر امر میں لوگ ایک شخص کو اپنا امام وحاکم مقرر کرکے اسکے ماتحت رہیں۔ اس مسئلہ کی فلاسفی اسرارِ شریعت جلد اول کے صفحہ ۲۵۵ سے لے کر ۲۶۰ تک مفصل لکھی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

۸۔ علم طبیعی سے بھی تقسیم ترکہ میت کی شہادت ملتی ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ خدا نے قرآن کریم میں ظاہر فرمایا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس عالم کی اوس ابتدائی عنصر یعنے پانی پر نظر کرو جس سے اس جہان کے اجزائے صغار وکبار تیار ہوئے ہیں کہ جب پانی میں سے کچھ پانی الگ کیا جاتا ہے تو ارد گرد سے اور پانی آکر اوس جگہ کو پُر کر دیتا ہے اور اوس جگہ کو خالی نہیں رہنے دیتا۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ کچھ جگہ خالی رہتی ہے اور کچھ پُر ہو جاتی ہے اور پھر پانی بھی وہی اوس جگہ کو آکر پُر کرتا ہے جو نزدیکتر ہو ایسا ہی

میت کے اقربا جنکا میت سے جسمانی قرابت اور ملاپ نزدیکتر ہے وہ اسی مسئلہ کے روسے بھی اوسکے ترکہ میں سے حسب مراتب قرب سب حصہ دار ٹھہرتے ہیں اور اسی قانون قدرت د شرع کونی نے اقتضا کیا کہ میت کے سارے اقربا کو اوسکے ترکہ کا حصہ دیا جائے۔ اور اس قانون فطرت کے مطابق جائداد میں تعین حصص کا حکم قرآن کریم میں نازل ہوا۔

پھر پانی کے بعد اس عالم کے باقی سارے عناصر سے از روئے علم طبعی یہی مشاہدہ ہوتا ہے کہ میت کے ورثاء کو اوسکے ترکہ میں سے حسب مراتب قرب حصہ ملنا چاہئے وجہ یہ کہ خدا تعالےٰ کو اس عالم میں وحدت منظور ہے اور وحدت جب ہی قائم رہتی ہے کہ اس عالم کے اجزا کو بہ ترتیب طبعی قائم رکھا جائے۔ لہذا اس وحدت کو قائم رکھنے کیلئے خدا نے تمام بسائط کو گول شکل پر پیدا کیا ہے تاکہ خدا کے ہاتھ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ناقص نہ ہوں۔ اسی بنا پر ماننا پڑتا ہے کہ زمین کی شکل بھی گول ہے کیونکہ دوسری شکلیں کمال تام کے مخالف ہیں اور جو چیز خدا کے ہاتھ سے بلا واسطہ نکلی ہے اوس میں مناسب حال مخلوقیت کے کمال تام ضرور چاہئے تاکہ اسکا نقص خالق کے نقص کی طرف عائد نہ ہو۔ اور پھر اس لئے بسائط کا گول رکھنا خدا نے پسند کیا کہ گول میں کوئی جہت نہیں ہوتی اور یہ توحید کے بہت مناسب حال ہے۔ دیکھو آسمان سے بارش کے قطرات گول پڑتے ہیں۔ ستارے گول دکھائی دیتے ہیں۔ آگ کا شعلہ گول ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارے نظام شمسی وقمری کو غور سے دیکھو کہ گول و کروی الشکل دکھائی دیتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق تثلیث ہوتی تو سارے بسائط واجرام شمسی وقمری مثلث نما ہوتے ؎

وفی کل شیٔ له اٰیة ۔۔۔ تدل علےٰ انه واحد

یعنے خدا نے اس عالم کی ہر چیز میں ایسی علامتیں رکھی ہیں جو اوسکی وحدت پر دلالت کریں۔

غرض صنعت کا کمال مدور شکل سے ہی ظاہر ہوتا ہے اس میں انتہائی نقطہ منقد اپنے کمال کو دکھلاتا ہے کہ پھر اپنے مبدا کو جا ملتا ہے۔ کیونکہ کمال ہر چیز کا استدارت کو چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میت کی اولاد کو میت کے والدین کی نسبت ترکہ میت سے زیادہ حصہ ملتا ہے اور اگر اولاد نہ ہو تو والدین یا اونکے قایم مقام میں تقسیم ہوتا ہے۔ گویا از روئے مسئلہ استدارت فرعٗ کا رجوع اپنے اصل کو ہو جاتا ہے۔

حقیقت تقسیم میراث

۱۔ میراث کا مدار تین امور پر ہے۔ ایک تو میت کے بعد اوسکی جگہ اوسکی عزت اور مرتبہ اور جو باتیں اس قسم کی ہیں اون میں اوسکا قائم مقام ہو کیونکہ انسان کی اسبات میں بڑی کوشش ہوتی ہے کہ اوسکے بعد اوسکا کوئی قائم مقام رہے۔

۲۔ دوسرا خدمت اور غمخواری اور محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قسم کی ہیں۔

۳۔ تیسرا قرابت جو ان دونوں باتوں پر بھی مشتمل ہے اور تینوں میں زیادہ تر اس تیسری بات کا اعتبار زیادہ تر مقدم ہے۔ اور پورے طور پر ان سب کا محل وہ شخص ہے جو نسب کے عمود یعنے بنیاد میں داخل ہے۔ جیسے باپ اور دادا۔ اور بیٹا اور پوتا۔ یہ لوگ سب سے زیادہ وراثت کے مستحق ہیں۔ مگر وضع طبعی کے اعتبار سے جس پر قرناً بعد قرن عالم کی بنا ہے۔ بیٹا باپ کا قایم مقام ہوتا ہے اور اسی کی لوگوں کو تمنا اور امید ہوا کرتی ہے اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد کے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور باپ کا بیٹے کی جگہ قایم ہونا وضع طبعی کا مقتضی نہیں ہے اور نہ لوگوں کو اسکی آرزو اور امید ہوتی ہے۔ اور اگر بالفرض کسی شخص کو اوسکے مال میں اختیار دیا جاے تو اوس کے دل پر اولاد کی غمخواری باپ کی غمخواری پر غالب ہوگی۔ اسواسطے تمام لوگوں کا دستور ہے کہ اولاد کو باپ پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اور پھر قایم مقام ہونے کا احتمال بیٹے کے بھائیوں میں ہے اور پھر جو اون کی مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں۔ اور پھر اوسکی قوم اور اوسکے نسب اور مرتبہ کے ہیں۔ باقی رہی خدمت اور شفقت تو یہ دونوں قرابت قریبہ کے مظنات ہیں۔ اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی اس امر میں اوسکی مستحق ہیں اور جو اونکی مانند ہیں اور نسب کے عمود میں داخل ہیں۔ اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کی قایم مقام ہوتی ہے اور اوسکے بعد ہمشیرہ۔ اور اوسکے بعد وہ ہے جس سے زوجیت کا علاقہ ہے۔ پھر ماں کی اولاد۔

عورتوں کے اندر حمایت اور قایم مقامی کے معنے نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کرلیتی ہیں۔ اور اوسی قوم میں داخل ہوجاتی ہیں۔ مگر بیٹی اور بھن میں کسیقدر یہ معنے پائے جاتے ہیں۔ لیکن عورتوں کے اندر محبت اور شفقت کے معنے کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور اس امر کا مظنہ بہت قریب کی قرابت میں ہے جیسے ماں

اور بیٹی میں کامل طور پر پائے جاتے ہیں۔ اور اون کے بعد بھائی اور چچا میں۔ اور دوسرے معنے سب سے زیادہ باپ میں اور اوسکے بعد بیٹے میں۔ پھر عینی بھائی میں پھر اضافی بھائی میں پائے جاتے ہیں اور یہ قرابت قریبہ کا مظنہ ہے نہ بعیدہ کا۔ اسوجہ سے جو چچا کے لئے حکم ہے وہ پھوپھی کے لئے حکم نہیں ہے۔ کیونکہ پھوپھی مصیبت کے وقت کام نہیں آسکتی جسطرح چچا کام آتا ہے اور پھوپھی قرابت میں ہمشیرہ کے برابر نہیں ہے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ جب مرد اور عورت ایک ہی درجہ کے ہوں تو ہمیشہ مرد کو عورت پر ترجیح دیجاتی ہے کیونکہ عزت کی حمایت کے لئے مرد ہی مخصوص ہیں اور وجہ یہی ہے کہ مردوں پر نفقے بہت ہوتے ہیں پس یہ زیادہ تر مستحق ہیں کہ انکو وہ مال جو بمنزلہ مفت کے ہے دیا جائے بخلاف عورتوں کے کہ یہ اپنے خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں پر بار و بوجھ ہوتی ہیں۔

ازانجملہ یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی جائے تو اگر وہ سب وارث ایک رتبہ کے ہیں تب تو اوس ورثہ کی تقسیم اون پر ضروری ہے۔ کیونکہ ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں ہے اور اگر اون کے درجے مختلف ہیں تو اسکی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ سب ایک نام و ایک جہت میں داخل ہیں۔ اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب بعید کا حاجب ہوکر بعید کو ورثہ سے محروم کردیتا ہے۔ کیونکہ توارث معاونت پر رغبت دلانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور قرابت اور تعاون سب میں پایا جاتا ہے۔

ازانجملہ یہ ہے کہ سہام جنسے حصوں کی تقرری و تعیین ہوتی ہے اونکے اجزا ظاہر ہوں کہ محاسب و غیر محاسب ظاہر میں اونکی تمیز کرسکیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول مبارک میں اسبات کی طرف اشارہ فرمایا ہے اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ یعنے ہم اُمّی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں کیونکہ جس چیز سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جائے اوس میں یہ بات ضروری ہے کہ ایک تو حساب کرنے میں تعمق و غور کی حاجت نہ ہو اور دوسرے ظاہر نظر میں کمی و بیشی کی ترتیب اوس میں معلوم ہوجائے۔ لہذا شرع نے سہامات میں سے دو قسم کے سہام اختیار کئے ہیں۔ ایک تو ثلثین یعنے دو ثلث اور ثلث اور سدس۔ اور دوسرے نصف۔ ربع۔ ثمن۔ کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی اولا اعداد ہیں۔ اور اون میں تین مرتبے پائے جاتے ہیں جنمیں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ وہ نسبت ہے جو ایک شی کو اپنے اوپر دوچند کے ساتھ اور اپنے نیچے نصف کے ساتھ ہوتی ہے

کمی و بیشی کے ظاہر اور محسوس ہونے کا یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ پھر جب ایک زیادتی کا دوسری زیادتی کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اور نسبیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو باب توریث میں ضروری ہیں۔ مثلاً اگر نصف پر کچھ بڑھایا جائے اور کل سے کم رہے تو دو ثلث ہونگے۔ اور نصف سے جب کم کیا جائے اور ربع کم رہے تو ثلث ہوگیا اور خمس اور سبع کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اسواسطے کہ ان کی مخرج کی تخریج میں دقت ہے اور اسمیں گھٹانے و بڑھانے سے حساب پر غور و تعمق کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

میت کے والد کے اقربا کی موجودگی میں والدہ کے اقربا کا میراث سے محروم رہنے کی وجہ

اس میں والد کے اقربا کی فضیلت کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ مرد کو بہ نسبت عورت کو مال کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے اور مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور مرد عورت کی بہ نسبت میت کے لئے زندگی میں بھی زیادہ نافع تھا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے جہاں حقداروں کے حصوں کی تفاوتیں بیان فرمائی ہیں وہاں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا۔ یعنے تمہارے باپ اور بیٹے جو میراث میں حقدار ہیں تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تمہارے لئے کون از روئے نفع و فائدہ پہونچانے کے نزدیک تر ہے۔ جبکہ مرد بہ نسبت عورت کے زیادہ مفید اور مال کا محتاج ہوتا ہے۔ تو اوس کو میراث میں بھی سبقت دی گئی ہے۔

مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہونیکی وجہ

خدا تعالےٰ فرماتا ہے يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ **ترجمہ** یعنے سکھاتا ہے تمکو خدا تعالےٰ تمہاری اولاد میں (میراث بانٹنا) کہ مرد کے لئے برابر دو عورتوں کے حصہ ہے۔ پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں پس اونکو میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک ہے تو اسکے لئے نصف ہے۔

مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا۔ **ترجمہ** یعنے مرد حاکم و قوی عورتوں پر اسلئے کہ خدا تعالےٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی و فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ اونھوں نے مال خرچ کئے ہیں اپنی عورتوں کی حاجتوں میں۔

اکیلے بیٹے کو نصف حصہ میراث ملنے کی وجہ

اکیلے بیٹے کے لئے نصف ترکہ مقرر ہوا۔ کیونکہ جب اکیلا بیٹا ہوتا ہے تو اسکو سارا مال ملتا ہے۔ لہذا اس حساب سے اکیلی بیٹی نصف میراث کی مستحق ہے۔

دو اور دو سے زیادہ بیٹیوں کو دو ثلث ملنے کی وجہ

دو بیٹیوں کا حکم بالاجماع تین کا ہے اور دو ثلث اونکو اسلئے ملتے ہیں کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہو تو اس بیٹی کو ثلث ملتا ہے اسلئے دوسری لڑکی کا حق بطریق اولیٰ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے۔

میت کی اولاد ہو تو اوس کے والدین میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ مقرر ہونیکی وجہ

خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ۔ **ترجمہ** یعنے میت کے والدین میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے اوس مال میں سے جو میت چھوڑ کر مرے بشرطیکہ اوسکی اولاد ہو لیکن اگر میت کی اولاد نہیں ہے تو میت کی والدہ کا تیسرا حصہ میراث میں سے ہے اور اگر میت کے بھائی موجود ہیں تو میت کی والدہ کو چھٹا حصہ ترکہ میں سے ملتا ہے۔

یہ بات تمکو واضح ہو چکی ہے کہ بہ نسبت والدین کے اولاد ورثہ کی زیادہ تر مستحق ہے اور اوسکی صورت یہ ہے کہ اون کو دو ثلث اور والدین کو ثلث دیا جاوے۔ اور باپ کا

حصہ ماں کے حصہ سے اسلئے زیادہ مقرر نہیں کیا گیا کہ بیٹے کے قایم مقام ہونے اور اوسکی معاونت کے اعتبار سے عصبہ کے ساتھ باپ کی فضیلت کا ایک مرتبہ اعتبار ہوچکا ہے۔

میت کی اولاد نہ ہو تو سارا ترکہ والدین کو ملنے کی وجہ

جس صورت میں میت کی اولاد نہ ہو تو والدین سے زیادہ ترکو ئی حقدار نہیں ہے۔ لہذا سب ترکہ والدین کو ملیگا۔ اور باپ کو ماں پر فضیلت ہوگی۔ ان مسائل میں جس فضیلت کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ فضیلت تضعیف ہے۔

میت کی ماں و بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملنے کی وجہ

اگر ماں اور بھائی وارث ہوں اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ دیا جائیگا کیونکہ اگر بھائی عصبہ نہیں ہیں اور عصبات اوس سے بعید ہیں تو عصبیت اور شفقت و محبت برابر ہے بنصف اونکو اور نصف اونکو ملیگا اور وہ نصف ماں اور اوسکی اولاد پر تقسیم ہوگا۔ لہذا اس حساب سے ماں کو بلا شک چھٹا حصہ دلایا جائیگا اور اوس سے کم نہ ہوگا۔ اور باقی ان سب کو دلایا جائیگا۔ اور اگر بھائی عصبات ہیں تو اون میں قرابت قریبہ و حمایت دونوں پائی جاتی ہیں اور بسا اوقات اونکے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند۔ پھر اگر ماں کو چھٹا حصہ نہ دلایا جائیگا تو اوسکو تنگی و دقت ہوگی۔

ترکہ زوجہ سے بشرط عدم اولاد خاوند کو نصف و بشرط اولاد چوتھا حصہ ملنے کی وجہ

خدا تعالے فرماتا ہے وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ۔ **ترجمہ** یعنے اگر تمکو تمہاری بیویوں کے ترکہ کا نصف حصہ ملیگا بشرطیکہ اونکی اولاد نہ ہو۔ پس اگر اونکی اولاد ہو تو تمکو تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ملیگا۔ اونکی وصیت تجہیز و تکفین وغیرہ وادائے قرض کے بعد۔

ترکہ خاوند سے زوجہ کو چوتھا حصہ اور بشرط اولاد آٹھواں حصہ ملنے کی وجہ

خدا تعالے فرماتا ہے وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ۔ **ترجمہ** یعنے تمہاری بیبیوں کو تمہارے ترکہ میں سے اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ ہے۔ پھر اگر تمہاری اولاد ہے تو بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملیگا۔ بعد اوس وصیت کے جو تم نے کی ہے۔ اور بعد ادائے قرض کے خاوند کو ورثہ اسلئے ملتا ہے کہ اوسکو بیوی اور اوسکے مال پر قبضہ ہوتا ہے۔ پس بالکل مال کو اوسکے قبضہ سے نکالنے میں اوسکی ضرر رسانی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ خاوند اپنا مال اوسکی سپردگی میں رکھتا ہے اور اپنے مال میں اوسکو امین سمجھتا ہے اس خیال سے کہ بیوی کے مال میں اونسکا بڑا حق ہے اور بیوی خاوند سے خدمت اور ہمدردی اور حق محبت لیتی ہو لہذا خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے چنانچہ الله تعالے فرماتا ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ یعنے مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ پھر اسباب کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ خاوند بیوی کو زیادہ حصہ لینے سے اولاد پر تنگی نہ ہو۔

ہمیں سخت تعجب آتا ہے اون لوگوں سے کہ جب کوئی بیوہ عورت نکاح کرلیتی ہے تو بشرط عدم اولاد وجود چوتھے حصہ اور بشرط اولاد آٹھویں حصہ کی مالک ہوتی ہے اوس سے وہ لے لیتے ہیں حالانکہ از روئے قانون و شرع اسلام وہ اختیار رکھتی ہے کہ نکاح کرنیکے وقت وہ اپنا حصہ چھوڑ لے یا اپنے پاس رکھے اور قابض رہے۔

ایسا ہی سخت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ لوگ جو بیوہ اور مطلقہ سے دیا ہوا زیور واپس لے لیتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالے فرماتا ہے وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ **ترجمہ**۔ یعنے تمکو حلال نہیں ہے کہ مطلقہ و بیوہ عورتوں سے دیا ہوا کچھ مال واپس لو۔ الا بشرط خلع کہ اس میں عورت مال دے کر خاوند سے خلاصی حاصل کرتی ہے۔

لاولد میت کے وارثوں کو کم و بیش حصے ملنے کی وجوہات

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ وَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ ۔ **ترجمہ** یعنے اور اگر وہ شخص جسکا ورثہ تقسیم ہوتا ہے کلالہ ہو یعنے اوسکی اولاد اور باپ نہ ہو اور اوسکا بھائی یا بہن ہو پس اون دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملیگا۔ اور اگر وہ زیادہ ہوں تو وہ سب ثلث میں شریک ہونگے۔

یہ آیت ماں کی اولاد میں وارد ہے اسلئے شفقت کے لحاظ سے اگر ان میں ماں ہے تو اونکو نصف ہے۔ اور نصف معاونت وحمایت کے اعتبار سے۔ اور اگر ماں نہیں ہے تو دو ثلث اونکا ہے اور ثلث اونکا ہے۔

خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ

ترجمہ۔ یعنے تجھسے مسئلہ دریافت کرتے ہیں لاولد میت کے ترکہ کے متعلق تو کہدے کہ خدا تعالےٰ تمکو لاولد میت کے ترکہ کے متعلق یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مر جاوے جسکی اولاد نہ ہو اور اوسکی بہن ہو تو اوسکی بہن کو اوس مرد کے ترکہ کا نصف حصہ ملیگا اور وہ مرد اوس بہن کا وارث ہوگا اگر اوسکی اولاد نہیں ہے۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو اون دونوں کو اوسکی ترکہ میں سے دو ثلث ملیگا۔ اور اگر میت کے بھائی و بہن ہوں تو مرد کو عورت سے دو چند ملیگا۔

یہ آیت بالاجماع باپ کی اولاد میں ہے۔ کلالہ اوس شخص کو کہتے ہیں کہ جسکا نہ باپ ہو نہ اولاد ہو۔ اور خدا تعالےٰ کا یہ فرمودہ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ کلالہ کی بعض حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور کلالہ کے تقسیم حصص کی حقیقت بھائی اور بہن کے حصوں کی فلاسفی میں ظاہر کی گئی ہے۔

میت کے چچا کی اولاد کا مستحق وراثت ہونا اور اوسکی خالہ کا ورثہ سے محروم ہونیکی وجہ

میت کے چچا کی اولاد کا مستحق وراثت ہونا اور اوسکی خالہ جو اوسکی ماں کی طرف سے

ہوتی ہے اوسکا میراث میت میں سے محروم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ چچا کی اولاد میں میت کی پشتی و طرفداری وحمایت وامداد اور موالات زندگی میں زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا میت کے باپ کے بیٹے تو اوسکے والی اور طرفدار وحمایتی ہوتے ہیں اور والدہ کے رشتہ دار اجنبیوں کی طرح ہیں وہ تو اپنے باپوں کیطرف منسوب کئے جاتے ہیں لہذا وہ بمنزلہ بیٹیوں کے اقربا کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ کسی نے اس امر کے متعلق ایک شعر لکھا ہے ؎

بنونا بنو ابنائنا و بناتنا ؎ بنوهن ابناء الرجال الاباعد

ترجمہ۔ یعنے ہمارے بیٹے تو ہمارے بیٹوں کے بیٹے اور ہماری بیٹیاں ہوتی ہیں اور بیٹیوں کے بیٹے تو اجنبی مردوں کے ہوتے ہیں:

ریاست وسلطنت کو وارثوں میں تقسیم نہ کرنیکی وجوہات

سوال۔ جبکہ تم نے وراثت میں حقداروں کے حقوق جتا کر اون کے حصص بیان کردیئے ہیں تو سلطنت کو اوسکے وارثوں میں کیوں تقسیم نہ کیا جائے۔

جواب۔ کسی وراثت میں حقداروں کے حقوق مشخص ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خواہ مخواہ اوسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ اور نہ یہ اسلام کا مقتضےٰ ہے کہ ایسا کیا جائے بلکہ اسلام ہر عظمت والی چیز کو عظمت دینا چاہتا ہے۔ اور کسی چیز کی عظمت جب ہی برقرار رہ سکتی ہے کہ اوسکے اجزا پراگندہ ومنتشر نہ ہوں پس سلطنت ومملکت کا نام جب ہی قائم رہ سکتا ہے کہ اوسکے اجزا کو الگ الگ نہ کیا جائے۔ اور سارا خاندان سلطنت ایک ہی شخص کے ماتحت رہکر ترقی وبہبودی سلطنت کا انتظام ونسق کریں۔ اور اوسکے ہر امر کا انصرام اوسی کے ذریعہ ہو۔ اسلامی شریعت اور قانون قدرت کا بھی یہی مقتضےٰ ہے کہ ہر امر ذی شان کا اہتمام وانتظام بہت سے آدمی ملکر کریں۔ اور جب وہ ایسا کریں تو پہلے اپنا ایک امیر وافسر مقرر کرلیں۔ ورنہ وہ کام ابتر ونا تمام وبے سرانجام رہیگا۔ یہی وجہ ہے کہ سلطنت کی عظمت وشکوہ قایم رکھنے کی وجہ سے اوسکی تقسیم قبیح شمار کی گئی ہے۔ کیونکہ جب عظیم کے ٹکڑے کئے جاویں تو وہ عظیم نہیں رہتا۔ بلکہ اوسکا ہر جزو صغیر کہلائیگا۔ اور عدم تقسیم کی وجہ سے اوسکے وہی اجزائے صغار بجائے خود ہر ایک عظیم کہلائیگا۔ ہم اس امر کی فلاسفی اسرار شریعت جلد اول کے صفحہ ۲۵۵ سے لیکر ۲۶۰ تک امامت نماز کے عنوان میں مفصل لکھ چکے ہیں اور اب بطور اختصار معروض ہے۔ کہ ہمارے ان

کی طرف نگاہ کرو۔ پہاڑ کا لفظ ہی انسان کے اندر ایک عظمت اور شوکت اسکے نام کی پیدا کرتا ہے مگر اصل کیا ہے ذرات صغار کا مجموعہ ہے۔ اب اگر ذرات پراگندہ اور منتشر حالت میں ہوتے تو کیا ہم انکا نام پہاڑ رکھ سکتے۔ ہرگز نہیں۔ یہی ذرات حالت منتشرہ میں بے شمار تعداد میں تھلوں وریگستانوں میں موجود ہوتے ہیں۔ کیا کوئی کہتا ہے کہ یہ پہاڑ ہیں۔ کبھی نہیں پر اگر یہ ذرات حالت منتشرہ میں ہوتے تو تھلوں سے زیادہ انکی شوکت اور وقعت نہ ہوتی۔ اور وہ مفاد اور منافع جو اس ہیئت مجموعی میں جو پہاڑ کی ہے دنیا کو پہونچتے ہیں نہ پہونچ سکتے حالت اجتماعی میں پہاڑوں سے چشمے نکلتے ہیں۔ دریا بہتے ہیں۔ ندی نالوں کا سلسلہ جاری ہوسکتا ہے۔ عجیب عجیب قسم کی لکڑیاں اور دوائیوں کے سامان پہاڑوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ بعض مقامات میں سے بڑی بڑی گرانقدر کانیں سونے اور چاندی وغیرہ کی نکلتی ہیں۔ بغرض ہر قسم کی راحت اور آسایش اور تمول کا سامان ایک طرح پر پہاڑوں سے حاصل ہوتا ہے اور بالمقابل انفرادی حالت تھلوں کی دیکھو کہ ریت اڑتی ہے نہ پیداوار ہوسکتی ہے نہ کوئی درخت ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ یہی حال اُس سلطنت کا ہے جو اوسکے وارثوں میں تقسیم ہوکر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاوے۔

اس بیان سے ہماری یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ خداتعالےٰ نے جو کچھ قرآن کریم میں میراث کو حصے حقداروں کے مقرر فرمائے ہیں اون میں کچھ تغیر و تبدل یا کمی و بیشی کیجائے بلکہ اون مشترکہ حصص یعنے ایک بڑی سے بڑی سلطنت کا انتظام بغیر تقسیم اوسکے سارے حقدار ملکر کریں۔ اور اسکا انتظام بطریق احسن جب ہی ہوسکتا ہے کہ سب منتظمین پر ایک حاکم مقرر ہو اور میراث میں بہت آدمیوں کے حقوق اسلئے مقرر ہوئے کہ انسانوں میں الفت و مواسا پیدا ہو اور کسی پر ظلم و تعدی نہ ہو۔ اور انکی ہمدردی اور خبرداری و پرداخت کا خیال ایک دوسرے کے دل میں متمکن ہے اور بنی آدم میں سلسلہ تعاون و تناصر کا منقطع نہ ہو۔ چنانچہ اس بیان کو ہم کتاب الفرائض کے ابتدا میں بیان کرچکے ہیں اور بقدر کفایت اب پھر لکھا جاتا ہے۔ کہ مصلحت و حکمت الٰہی کا تقاضا یوں ہے کہ لوگوں میں باہم معاونت اور مناصرۃ اور غمخواری کا طریق دائر و سائر رہے اور ہر شخص دوسرے کے نفع و نقصان کو بمنزلہ اپنے نفع و نقصان کے سمجھے اور یہ امر جب ہی ہوسکتا ہے کہ اونکی جبلت میں یہ بات داخل ہو اور اسباب عارضہ بھی اوسکے ملیر و مددگار ہوں لہذا اس مصلحت و حکمت الٰہی سے صاف نمایاں ہو رہا ہے کہ جس سلطنت و ریاست کے جسقدر زیادہ

ذوی الفروض اور حقدار ہونگے اوسیقدر اوسکی استحکامی کا باعث ہوگا۔ کیونکہ جس مال میں کسیکا حصہ ہوتا ہے وہ اوسکو اپنا سمجھکر اوسکی حفاظت کرتا اور اوسکا نگراں رہتا ہے۔ کیونکہ یہ بات طبعی اور فطرتی ہے کہ جسقدر اوسکی حفاظت کا خیال حقداروں اور ذوی الفروض کو ہوتا ہے اوسیقدر دوسرے اشخاص کو ہرگز نہیں ہوتا پس اس سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ جس سلطنت کے حقدار و ذوی الفروض اور حقیقی خیر خواہ تھوڑے ہونگے اوسیقدر اُسکے لئے نقصان اور باعث کمزوری ہے۔

جائداد سے لڑکیوں کو حصہ نہ دینے والوں کے لئے دنیا میں رسوائی کا باعث اور آخرت میں عذاب شدید کی وجہ

(۱) قانون قدرت کا یہ خاصہ ہے کہ جب کسی چیز کی کسی جزو کو من وجہ الحقیقت پھیر دیا جاوے تو وہی جزو اوسکے کل کے لئے ضعف و کمزوری کا باعث ہوجاتی ہے۔ خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں جائدادوں میں جیسے لڑکوں کے حصے مقرر کئے ہیں ایسے ہی لڑکیوں کے حصے بھی مقرر فرمائے ہیں مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ اکثر مقامات میں جائدادوں کو صرف لڑکوں پر بانٹ دیا جاتا ہے اور لڑکیوں کو محروم رکھا جاتا ہے۔ جب سے مسلمانوں نے خداتعالےٰ کے احکام کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور اوسکے احکام میں تفریق کی تب سے اونکے فرقے فرقے اور ٹکڑے ہوکر ان میں ضعف آگیا۔ قرآن کریم سے بطور اشارۃ النص ثابت ہو رہا ہے کہ جس خاندان و قوم میں الٰہی احکام کی تفریق ہوئی اوس میں ضعف آگیا اور نصرت الٰہی اوسکے شامل حال نہیں رہتی۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔

ترجمہ۔ یعنے کیا تم خداتعالےٰ کے بعض حکموں کو مانتے اور بعض سے انکار کرتے ہو۔ پس جو لوگ ایسا کام کریں اونکی سزا دنیا میں رسوائی اور قیامت میں وہ سخت ترین عذاب میں دھکیلے جائینگے اور خداتعالےٰ اونکے عملوں سے بے خبر نہیں ہے۔ ایسے لوگ آخرت کے بدلہ میں دنیا کی زندگی کے خریدار ہوتے ہیں۔ پس اون سے عذاب تخفیف نہ ہوگا۔ اور نہ اونکو مدد ملیگی۔

یہ بات مشہور و متعارف اہل زمانہ ہے کہ جو غلام اپنے مالک کے کچھ حکموں کی تعمیل کرتا ہے

مگر اوسکے بعض حکموں کو دیدہ و دانستہ ٹال دے اور عمداً اونکی تعمیل سے گریز کرے تو بالآخر اسکا مالک اوسکو سخت ترین سزا دیتا اور اوسکو ذلیل و رسوا کرتا ہے تاکہ اوس میں سے رعونت و سرکشی و نافرمانی کی صفت زائل ہو جاوے اور غلامی و عبودیت اور عجز و انکسار کی صفات اوس میں پیدا ہوں۔

واضح رہے کہ ایسی باتیں لوگوں سے بطریق حرص و ہوائے نفسانیہ و استکبار کے صادر ہوتی ہیں۔ کیونکہ جو بات اونکی خواہش کے مطابق ہو اوسکو مان کر اوسپر عمل کر لیتے ہیں اور جو اونکی خواہش کے برخلاف ہو اوسکی تعمیل سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسی باتیں انکے لئے دارین میں موجب خزلان و خسران ہیں۔

دراصل مسلمانوں نے جب سے حدود الٰہیہ سے تجاوز کرنا شروع کیا ہے تب سے اون میں ضعف و کمزوری آگئی ہے۔

نظم

اطع ربك الجبار اهل الاوامر	اپنے پروردگار جبار اور صاحب حکومت کی اطاعت کرو
وخف قهره واترك طريق التجاسر	اور اوسکے قہر سے ڈرو اور طریق دلیری چھوڑ دو
وكيف على نار النهابر تصبر	اور مصیبتوں کی آگ پر تو کسطرح صبر کر سکیگا۔
وانت تاذى عند حر الهواجر	حالانکہ تو دوپہر کی گرمی کی برداشت نہیں کر سکتا
وحب الهوى والله صل مدبر	خدا کی قسم حرص و ہوس کی محبت ہلاک کرنے والا سانپ ہے
كحلمس افعى ناعم فى النواظر	جسکی چمڑی باہر سے صاف و ملائم دکھائی دیتی ہے
فلا تحترو الطغوى فان الهنا	پس حدود الٰہی سے گذرنا اختیار نہ کرو۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ
غيور على حرماته غير قاصر	اپنے حرمات پر غیرتمند ہے اور مجرموں کو معذور نہ سمجھیگا۔
ولا تحسبن ذنبا صغيرا كهين	چھوٹے گناہ کو آسان مت سمجھو۔
فان وداد اللمم احدى الكبائر	کیونکہ چھوٹے گناہ کی محبت کرنا بڑا گناہ ہے۔
واخر نصحى لتوبة ثم توبة	میری آخری نصیحت یہی ہے کہ گناہوں سے توبہ کرو۔
وموت الفتى خير له من مناكر	دراصل انسان کا مرجانا گناہ کرنے سے بہتر ہے۔

کتاب فلسفۃ الاسلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مَعَ التَّسْلِیْمِ۔ امّا بعد واضح ہو کہ امور شرعیہ کو عقلی رنگ میں بیان کرنے کے متعلق ہم پر کچھ سوالات وارد ہوئے ہیں جنکے جوابات مع اندراج سوالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جو کہ ناظرین کے لئے موجب ازدیاد بصیرت ہوں گے۔

عقلی قیل و قال سے فیصلے اور سچائیوں کی پرکھ

سوال۔ کیا عقلی قیل و قال سے فیصلے اور سچائیوں و صداقتوں کی پرکھ ہو سکتی ہے معجزہ و کرامت سچائی کی پرکھ کا معیار ہے اور بس۔

جواب۔ دنیا میں فیصلے اکثر قیل و قال سے ہی ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ صرف باتوں کے ثبوت یا عدم ثبوت کے لحاظ سے ایک شخص کو عدالت اطمینان کے ساتھ پھانسی دیسکتی ہے اور ایک شخص کو تہمت خون سے بری کر سکتی ہے۔ قیل و قال سے حقیقتوں کے انکشاف اور واقعات کے ثبوت یا عدم پر تمام مقدمات فیصلہ پاتے ہیں۔ کسی فریق سے یہ سوال نہیں ہوتا کہ کوئی آسمانی نشان دکھلاوے تب ڈگری ہوگی۔ یا فقط اس صورت میں مقدمہ ڈسمس ہوگا کہ جب مدعا علیہ سے کوئی کرامت ظہور میں آوے۔ بلکہ اگر کوئی مدعی بجائے واقعات کے ثابت کرنے کے ایک سوئی کا سانپ بنا کر دکھلا دیوے یا ایک کاغذ کا کبوتر بنا کر عدالت میں اوڑا دے تو حاکم صرف ان وجوہات کے رو سے اوسکو ڈگری نہیں دیسکتا۔ جب تک باقاعدہ صحت دعویٰ ثابت نہ ہو اور واقعات و حقائق پرکھے نہ جائیں۔

بے شک معجزہ و کرامت اپنے موقعہ پر شناخت صداقت کے لئے ایک بڑی کار آمد چیز اور معیار خالص ہے مگر اوسکی شناخت میں بھی عقل و بار یک بینی کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا کہنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں تین قسم کے مرد

زندہ کرنے کا ذکر آیا ہے۔

اول خدا تعالےٰ کا مردگون کو زندہ کرنا۔ دوسرا انبیاء و اولیاء کا مردون کو زندہ کرنا۔ تیسرا کفار و فجار ساحروں و شعبدہ بازوں کو زندہ کرنا۔ پس ان تینوں قسم کے احیائے موتیٰ میں خدا تعالےٰ نے فرق رکھا ہے جسکی عقل و قیاس کے ذریعہ تمیز ہوسکتی ہے۔ ورنہ تینوں کو ایک ہی ٹھرانا پڑیگا۔ خدا تعالےٰ نے انسان کو عقل اسی لئے عطا فرمایا ہے کہ انسان اسکے ذریعہ حق و باطل میں تمیز کر سکے۔

انسان کو جو خدا تعالےٰ نے قوت نطق و مکالمہ کا شرف اور نعمت عقل کا روشن چراغ عطا کیا ہے اسکی علت غائی پر غور کروگے تو صاف نمایاں ہوگا کہ عقل کو اگر اس عالم کے سارے انسانوں سے ایک پہر خدا تعالےٰ علیحدہ کرے تو وہ اُسی وقت ایک دوسرے سے لڑ بھڑ کر فناہ ہوجاہیں۔ اور کارخانۂ عالم بگڑ جائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عقل عربی زبان کا لفظ ہے جسکے معنے اونٹ کے گھٹنے باندہنے کے ہیں پس قوت عقل سے انسان کی قوت بہیمیہ و سبعیہ اور وحشت باندہی جاتی ہے اور اسی قوت ملکی یعنے عقل کے ذریعہ انسان اشیائے عالم میں علی وجہ الحقیقت تصرف کرتا ہے جس سے نظام عالم میں خلل نہیں پڑتا۔ جب انسان سے قوت عاقلہ مفقود ہوجاتی ہے تو وہ دیوانہ اور پاگل ہوجاتا ہے اور جب تک اسکو باندہا نہ جائے تب تک وہ ہر کسی کو ضرور ایذا دیتا اور اپنی جان کو مہلکات میں ڈالنے کے درپے رہتا ہے۔ اس امر کی تصدیق ہند کے مختلف پاگل خانوں کو دیکھکر ہوسکتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قوت عاقلہ جو خدا تعالےٰ نے انسان کو عطا کی ہے اسکے ذریعہ قوت بہیمیہ و سبعیہ کو باندہکر عالم میں علی حسب مناسبت خود تصرف کرنا اور اسی کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی نعمتوں و فضلوں کا مورد بننا اور رسی کے وسیلہ جمیلہ سے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ کا شرف خطاب خدا تعالےٰ سے پاکر معزز و ممتاز ہوا ہے۔

وافضل قسم اللہ للمرء عقلہ	اور خدا کی تقسیم سے آدمی کے لئے سب سے افضل آدمی کی عقل ہے
فلیس من الخیرات شئ یقاربہ	اچھی چیزوں میں سے کوئی چیز عقل کے برابر نہیں ہے
اذا اکمل الرحمن للمرء عقلہ	جب کسی آدمی کو خدا پوری عقل عطا کرتا ہے
فقد کملت اخلاقہ و ماربہ	تو اس میں اوسکے اخلاق اور مقاصد پورے ہوگئے
یعیش الفتیٰ فی الناس بالعقل انہ	جوان آدمی لوگوں میں عقل کے سبب زندگی بسر کرتا ہے

علی العقل یجری علمہ و تجاربہ	عقل ہی سے اوسکا علم چلتا اور اوسکو تجربے حاصل ہوتے ہیں
تزین الفتیٰ فی الناس صحۃ عقلہ	لوگوں میں جوان مرد آدمی عقل کی درستی سے صاحب زینت ہوجاتا ہے
وان کان محظورا علیہ مکاسبہ	اور اگرچہ اوسکے افعال اوسکے لئے ناجائز ہوں
یشین الفتیٰ فی الناس قلۃ عقلہ	جوان مرد کو لوگوں میں اوسکی کم عقلی عیب دار کردیتی ہے
وان کرمت اعراقہ و مناسبہ	اور اگرچہ اوسکی اصلیں اور نسبتیں بڑی ہوں۔

جب آخرت میں مکافات اعمال ہوگا تو انسان کا جو فعل موافق عقل صحیح ہوگا اوس سے اوسکو سُکھ و چین حاصل ہوگا اور جو اوسکے برخلاف ہو وہ موجب ایذا ہوگا۔ اعلم انک ممتحن باعمالک واقوالک وافکارک وسیظہر علیک من کل حرکۃ فعلیۃ او قولیۃ او فکریۃ صور روحانیۃ فان کانت تلک الحرکۃ عقلیۃ صارت الصورۃ مادۃ لملک تلتذ بمنادمتہ فی دنیاک و تھتدی بنورہ فی اخراک وان کانت تلک الحرکۃ شہویۃ او غضبیۃ صارت تلک الصورۃ مادۃ لشیطان یوذیک فی حال حیاتک و یحجبک عن ملاقات النور بعد وفاتک۔ **ترجمہ**۔ واضح ہو کہ تمہارے اعمال واقوال وافکار کا محاسبہ ہوگا اور تم پر تمہاری حرکات فعلی و قولی و فکری سے روحانی صورتیں ظاہر ہونگی پس اگر وہ حرکت عقلی ہوگی تو اوس صورت سے ایک فرشتہ پیدا ہوجائے گا جسکے ساتھ انسان دنیا و آخرت میں محظوظ ہوتا اور آخرت میں اُسکے نور کے ساتھ راہ پاتا ہے۔ اور اگر وہ حرکت شہوانی یا غضبی ہو تو اوس صورت سے ایک شیطان بنجاتا ہے جو اوسکو اس دنیا میں ایذا دیتا اور مرنے کے بعد ملاقات نور حقیقت سے محجوب کردیتا ہے۔ البتہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محض عقل سے کوئی شخص دین الٰہی کے حقائق کو معلوم نہیں کرسکتا جب تک نور نبوت سے ممد نہ ہو۔

حضرت مجدالدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقلت لہ ما تقول فی ابن سینا فقال ھو الرجل الذی اراد ان یصل الی اللہ بلا واسطتی فحجبتہ بیدی ھکذا فسقط فی النار۔

احکام شریعت میں عقل کا دخل جائز ہونا جائز ہونیکے وجوہات

سوال۔ کیا شریعت میں عقل کا دخل جائز ہے؟

جواب۔ جبکہ شریعت کا خطاب ہی عقل پر ہے تو پھر عقل کا دخل شریعت میں کیوں جائز نہ ہوگا۔ اگر شریعت میں عقل کا دخل ناجائز ہوتا تو انسانوں کے سوا دیگر حیوانات پر بھی شریعت کا نزول ہوتا۔ انسان مکلف ہی عقل کی وجہ سے ہے۔ شریعت کا بوجھ اور شریعت کا سہارا ہی عقل پر ہے۔ شریعت کو اٹھانے والا ہے تو بس عقل ہی ہے۔ اگر شریعت کا خطاب عقل پر نہ ہوتا تو دیوانے و نابالغ سب مکلف ہوتے۔

سوال۔ اگر شریعت میں عقل و قیاس کا دخل ہوتا تو خدا تعالیٰ قرآن کریم میں یہ نہ فرماتا وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ یعنے جس بات میں تم آپس میں اختلاف کرو بس اسکا فیصلہ اپنے اللہ کیطرف لیجاؤ۔

بارہا شد بر تو ثابت کایں عقول — مبتلا ہستند بر سہو و ذہول
بارہا دیدی بعقل خود فساد — بارہا زیں عقل ماندی بے مراد
باز نخوت میکنی بر عقل خویش — وز دلیری میروی نادیدہ پیش
ہست برایں ار اسرار دگر — تا کجا تازد خرِ فکر و نظر
ایں چراغ مردہ از زور ہوا — چوں رہ باریک نماید ترا
وحی یزدانی زراہ آگاہ کند — تا بمنزل نور را ہمراہ کند
عقل بے وحیش تپے داری براہ — بت پرستی ہا کنی شام و پگاہ
عقل تو مغلوب صد حرص و ہواست — تکیہ بر مغلوب کار اشقیا است

خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

ترجمہ۔ یعنے اگر تم کسی چیز میں تنازع کرو تو اوسکو خدا اور رسول کیطرف پھیر دو اگر تم خدا تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ حضرت ابن قیم لکھتے ہیں۔ اجمع المسلمون علی ان الرد الی اللہ سبحانہ هو الرد الی کتابه والرد الی الرسول هو الرد فی حضوره فی حیاته والی سنته فی غیبته و بعد مماته ان اللہ سبحانه انما ردنا الی کتابه و سنة رسوله ولم یردنا الی قیاس عقولنا و آرائنا قط بل قال تعالیٰ لنبیه صلے اللہ علیه وسلم وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وقال إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ولم یقل بما رأیت۔ وقال وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ وقال اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وقال وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وقال

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ وقال قُلْ إِن ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحِي إِلَيَّ رَبِّي فلو كان القياس هدى لم ينحصر الهدى فى الوحى وقال فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ فنفى الايمان حتى يوخذ بحكمه وهو تحكيمه فى حال حياته و تحكيم سنته فقط بعد وفاته۔ وقال يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ اى لا تقولوا حتى يقول۔

ان اللہ سبحانه اخرجنا من بطون امهاتنا لا نعلم شيئا وانزل علينا كتابه وارسل الينا رسوله يعلمنا الكتاب والحكمة فما علمنا و بينه لنا فهو من الدين وما لم يعلمناه ولا بين لنا انه من الدين فليس بضرورة وكل ما ليس من الدين فهو باطل فليس بعد الحق الا الضلال وقد قال تعالى الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ فالذى اكمله اللہ سبحانه و بينه هو ديننا لا دين لنا سواه ولو كان القياس حجة لما تعارضت الاقيسة وناقض بعضها بعضا۔ وقال تعالى وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ولم يقل الى قياسا تكم وآرائكم ولم يجعل الله آراء الرجال واقيستهم حاكمة بين الامة ابدا وقال تعالى وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ فانما منعهم من الخيرة عند حكمه وحكم رسوله عند آراء الرجال و اقيستهم وظنونهم والرسول صلى اللہ عليه وسلم لم يدع امته الى القياس بل قد صح عنه انه انكر على عمر واسامة محض القياس فى شان الحلتين اللتين ارسل بهما اليهما فلبسها اسامة قياسا للبس على التملك والانتفاع والبيع وكسوتها الغير وردها عمر قياسا لتملكها على لبسها فاسامة اباح وعمر حرم قياسا فابطل رسول اللہ صلے اللہ عليه وسلم كل واحد من القياسين وقال لعمر انما بعثت بها اليك لتستمتع بها وقال لاسامة انى لم ابعثها اليك لتلبسها ولكن بعثتها اليك لتشققها خمرا لنسائك والنبى صلى اللہ عليه وسلم انما تقدم اليهم فى الحرير بالنص على تحريم لبسه فقاسا قياسا اخطا فيه فاحدهما قاس التلبس على الملك وعمر قاس التملك على اللبس والنبى صلى اللہ عليه وسلم بين ان ما حرمه من اللبس لا يتعدى الى غيره وما اباحه من التملك لا يتعدى الى اللبس وهذا عين ابطال القياس ان اللہ تعالى اقسم بنفسه على نفى الايمان عن العباد

حتے یحکموا رسولہ فی کل ما شجر بینھم من الدقیق والجلیل ولم یکتف فی ایمانھم بھذا التحکیم بمجردہا حتے ینتفی عن صدورھم الحرج والضیق عن قضائہ وحکمہ ولم یکتف منھم ایضا بذلک حتے یسلموا تسلیما وینقادوا انقیادا وقال یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ فاذا کان رفع اصواتھم فوق صوتہ سبب الحبوط اعمالھم فکیف تقدیم اراءھم وعقولھم واذواقھم وسیاساتھم ومعارفھم علی ما جاء بہ ورفعھا علیہ الیس ھذا اولی ان یکون محبطا لاعمالھم ترجمہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ اس آیت میں حکم الہی کو خدا کی طرف پھیرنے سے مراد رسول کی زندگی میں اُسکے حضور میں اور اُسکی وفات کے بعد اوسکی سنت ہے خدا تعالے نے ہمکو دینی احکام کے لئے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی سنت کیطرف رجوع کرنے کے لئے توجہ دلائی۔ اور ہمکو اپنے عقول کے قیاسوں و تخمینوں و راؤں کی طرف رجوع نہیں دلایا بلکہ اپنے نبی علیہ السلام کو فرمایا کہ لوگوں میں حکم کر اور فیصلہ کر خدا تعالے کی اُتاری ہوئی وحی پر۔ اور پھر فرمایا۔ ہم نے تیری طرف کتاب اُتاری ہے ضرورت حق پر تاکہ تو فیصلہ کرے لوگوں کے درمیان ساتھ اوس وحی کے جو دکھائی تجھکو خدا نے اور یہ نہیں فرمایا جو تو نے دیکھا۔ اور فرمایا جو کوئی خدا تعالے کے اُتارے ہوئے حکم پر فیصلہ نہ کرے وہ لوگ بد عہد و عہد شکن ہیں۔ اور فرمایا پیروی کرو اوس حکم کی جو اُتارا گیا تجھ پر تمہارے پروردگار کی طرف سے۔ اور فرمایا ہم نے اُتاری تیری طرف کتاب بیان کرنے والی ہر چیز کو۔ اور فرمایا کیا اون کو کافی نہیں ہے کہ ہم نے تیری طرف کتاب اُتاری جو اون پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں رحمت الہی اور نصیحت ہے مومنوں کے لئے۔ اور فرمایا کہدے اگر میں بھول گیا تو اپنی جان پر بھولوں گا۔ اور اگر میں ہدایت پاؤں تو خدا کی وحی پر ہدایت پاتا ہوں۔

پس اگر قیاس میں ہدایت ہوتی تو ہدایت کو وحی الہی پر منحصر و موقوف نہ کیا جاتا۔ اور فرمایا اے نبی تیرے پروردگار کی قسم کہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک وہ تجھکو منصف و حاکم نہ ٹھرا دیں درمیان اوس بات کے جسکا اون میں اختلاف ہو۔

اس آیت میں خدا نے ظاہر فرمایا کہ جب تک کسی دینی امر متنازعہ فیہ میں نبی کے حکم

کی سند پر لوگ عمل نہ کریں اون کا ایمان خدا و رسول پر کوئی نہیں ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ نبی کی زندگی میں اوس امر کا حکم نبی سے پوچھ لیا جاوے۔ اور اوسکی وفات کے بعد اوسکی سنت پر فیصلہ ہو۔ اور فرمایا اے ایماندارو خدا و رسول سے آگے نہ بڑھو۔ یعنے جب تک وہ خود نہ فرماوے تم اوس سے آگے نہ بڑھو۔ خدا تعالے نے ہمکو اپنی ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اور ہم کچھ نہیں جانتے تھے اوس نے ہم پر اپنی کتاب اُتاری اور اپنا رسول بھیجا جس نے ہمکو وہ کتاب اور اوسکی سمجھ و دانائی سکھائی۔ پس جو کچھ ہمکو اوس نے سکھایا اور ظاہر کیا وہ دین ہے اور جو کچھ ہمکو اوس نے نہیں سکھایا اور نہ ہمارے لئے ظاہر کیا اوسکی ضرورت نہیں ہے پس جو چیز دین میں سے نہیں ہے وہ باطل ہے۔ پس حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے۔ اور خدا تعالے نے فرمایا آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ پس جسکو خدا نے کامل کرکے ظاہر فرما دیا وہی ہمارا دین ہے۔ اسکے سوا ہمارا کوئی دین نہیں ہے۔ اور اگر قیاس حجت دین میں سے شمار ہوتا تو لوگوں کے قیاسوں میں اختلافات اور تناقضات نہ ہوتے۔

خدا تعالے فرماتا ہے جس بات میں تم آپسمیں اختلاف کرو اوسکا محاکمہ خدا کے پاس کرو۔ اور یہ نہیں کہا کہ اوسکا فیصلہ اپنے قیاسوں اور راؤں سے کر لو۔ اور نہ خدا نے لوگوں کی راؤں اور قیاسوں کو امت نبوی میں کبھی محاکم بنایا۔ اور خدا تعالی فرماتا ہے کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو نہ چاہئے کہ جب خدا اور اوسکا رسول کسی امر کا فیصلہ کریں تو اوسمیں اپنے اختیارات نکالیں۔ اس جگہ لوگوں کو خدا و رسول کے حکم پر اپنے اختیار سے منع فرمایا اور لوگوں کے قیاسوں و راؤں و گمانوں کے وقت اختیار سے منع نہیں فرمایا۔ اور خدا نے امت نبوی کو قیاسات پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت ہے کہ آپ نے دو کپڑوں میں حضرت عمر و اسامہ کے محض قیاس پر انکار فرمایا جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اون دونوں کو ارسال فرمائے تھے۔ پس اسامہ نے کپڑے کو ملکیت و نفع اوٹھانے اور دوسرے کو پہنانے کے قیاس پر خود پہن لیا۔ اور حضرت عمر نے کپڑے کو پہننے کی بہ نسبت ملکیت کے قیاس پر پھیر دیا۔ پس قیاس کی بنا پر حضرت اسامہ نے کپڑے کو مباح اور حضرت عمر نے حرام ٹھرایا۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے قیاسوں کو باطل قرار دیا اور حضرت عمر کو فرمایا کہ میں نے یہ کپڑا تجھ کو اسلئے بھیجا تھا کہ تو اس سے فائدہ اُٹھائے اور اسامہ کو فرمایا کہ میں نے یہ کپڑا تجھ کو اسلئے نہیں بھیجا تھا کہ تو اسکو خود پہن لے بلکہ اسلئے

بھیجا تھا کہ تو اس سے اپنی عورتوں کی اوڑھنی (دوپٹہ) بنالے۔ اور نبی علیہ السلام نے اونکو محض ریشم پہننا پہلے حرام بتایا ہوا تھا۔ پس اون دونوں نے جو قیاس کیا اوس میں اونھوں نے خطا کی۔ ایک نے ملکیت پر پہننے کا قیاس کیا۔ اور حضرت عمرؓ نے پہننے کی بہ نسبت ملک کا قیاس کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمایا کہ جو چیز خود پہننی حرام ہو اوسکی حرمت دوسرے تک متجاوز نہیں ہوتی۔ یعنے عورتوں کو تو ریشم پہننا جائز ہے اور جسکی ملک مباح ہو اوسکی ملکیت سے اوسکو خود پہننا جائز نہیں ہو جاتا۔ خدا تعالے نے اپنی ذات کی قسم کھا کر بندوں سے ایمان کی نفی فرما دی جب تک وہ اوسکے رسول کو محاکم نہ ٹھیراویں ہر ایک اوس بات میں جبکا اون کے درمیان آپس میں چھوٹی اور بڑی چیز کا اختلاف ہو اور اونکو اوس محاکمہ کے ایمان پر اکتفا نہیں کیا جب تک کہ اونکے سینہ سے رسول کے حکم پر حرج و تنگی نکل نہ جاوے۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ بالکل حکم رسول کے آگے گردن نہاد ہو جاویں۔ خدا تعالے فرماتا ہے اے ایماندارو اپنے آواز نبی کے آواز سے بلند نہ کرو۔ اور اوسکو آپس میں ایک دوسرے کے پکارنے کی طرح نہ پکارو کہ اس سے تمہارے عمل نابود ہو جاوینگے۔ اور تمکو خبر بھی نہ ہوگی۔ پس جبکہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا عملوں کے نابود ہونے کا سبب ہے تو پھر اپنی راؤں اور اپنی عقلوں اور اپنے ذوقوں اور اپنی سیاستوں اور اپنے معارف کو نبی کے لائے ہوئے احکام الٰہی پر بلند کرنے کیونکر حبط اعمال کا سبب نہ ہوگا۔ کیا یہ امر بالاولی حبط اعمال کا سبب نہیں ہے۔

جواب۔ وہ امور و احکام الٰہی جن میں وحی جلی و خفی قرآن و احادیث نبویہ کا نص صریح وارد ہو چکا عقل و قیاس کے ساتھ اونکی مخالفت کرنی یا ایسی اشیاء کو قیاس و عقل کی بناپر شریعت میں داخل یا خارج کرنا جس سے قرآن و احادیث کی مخالفت لازم آوے ممانعت ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ جس قیاس و عقل سے وحی جلی و خفی کی مخالفت آجاوے وہ قیاس و عقل غلط ہے ورنہ اگر محض قیاس و عقل کو احکام الٰہی کے وجوہات و علتوں کے معلوم کرنے میں دخل دینا منع ہوتا اور احکام الٰہی سے اون نظائر کا عقل و قیاس سے استنباط و استخراج حرام ہوتا تو شریعت کا خطاب ہی عقل پر نہ ہوتا اور نہ خدا تعالے بار بار اہل عقول کو قرآن میں یوں خطاب فرماتا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ تَتَفَكَّرُونَ اور نہ خدا تعالی معقولی دلائل کو قرآن کریم میں بکثرت بیان فرماتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ قیاس صحیح و عقل سلیم

کے عطیہ کا نزول بھی خدا تعالی کی طرف سے ہے۔ چنانچہ ایک عارف ربانی کہتا ہے

بگر خرد پاکیزہ رائے آورد — آن نہ از خود بل زجائے آورد
آنچہ گہ گہ مے رسد ہم از خداست — منتہائے عقل تعلیم خداست

پس بات صرف اتنی ہے کہ شریعت میں حکم الٰہی مقدم ہے اور اگر کسی امر میں نص صریح نہ ملے تو اوسکی نظیر شریعت میں قیاس و عقل سے تلاش کیجاوے۔ پس وہ بھی شریعت میں داخل ہے۔ کیونکہ خدا نے دین کی تکمیل اسطرح فرمائی ہے کہ تمام وہ مسائل جنکے لئے وقتاً فوقتاً ہر زمانہ کے لوگوں کو حاجتیں پیش آتی رہتی ہیں اونکو احکام میں بالاجمال وجیز و مدلل کلمات میں مندرج فرما کر اونکے استنباط و استخراج کے لئے اہل عقول کو اشارات فرما دئے اور اون کے لئے علامات مقرر کئے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا اُوتیت جوامع الکلم کا اسی امر کیطرف اشارہ۔ عقل کا کسی مجمل امر کی ایسی تشریح کرنی جسکی نص سے مخالفت نہ ہو تکمیل دین کے برخلاف نہیں ہے۔

پس بلا شبہ شریعت کو اوٹھانے والا عقل ہے۔ اور شرط ہے کہ عقل حامل اور شریعت محمول ہو۔ کون نہیں جانتا کہ سوار اپنے مرکب سے افضل ہوتا ہے۔ ایسا ہی شریعت عقل سے افضل و اول ہے۔ اگر عقل کے لئے امور شریعت میں مداخلت بیجا خیال کیجاتی تو خدا تعالے عقلی دلائل اور نظائر قرآن کریم میں بیان فرما کر انسانوں کو قیاسات عقلیہ کیطرف توجہ نہ دلاتا۔ چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہے۔ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ **ترجمہ** اور منکروں کی مثال اوس شخص کی مثال ہے جو چلاتا ہے ایک جانور کو جو نہیں سنتا مگر پکارنا اور چلانا وہ بہرے گونگے اندھے ہیں سو اون کو عقل نہیں۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ **ترجمہ** مثال اون کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی راہ میں جیسے ایک دانہ جس سے اُگتی ہیں سات بالیں۔ اور ہر بال میں سو سو دانہ ہوتا ہے۔ اور خدا بڑھاتا ہے جسکے لئے چاہے اور خدا کشائش والا اور سب جانتا ہے۔

ایسا ہی اور بہت احادیث میں نظیریں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا باپ بوڑھا ہے وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا۔ اور اوس پر حج فرض ہے۔ کیا میں اوسکی طرف سے حج کرلوں۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اوسکو فرمایا۔ اگر تمہارے باپ پر قرض ہو اور تو اوسکی طرف سے قرض ادا کرے تو جائز ہو سکتا ہے یا نہیں اوس نے کہا ہاں ادا ہو سکتا ہے۔ تو آپ نے اوسکو فرمایا فَدَیْنُ اللہِ اَحَقُّ اَنْ یُّقْضٰی یعنے خدا کا قرض زیادہ تر اسبات کا سزاوار ہے کہ اوسکو ادا کیا جاوے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں فی بضع احدکم صدقۃ قالوا یارسول اللہ أیأتی احدنا شھوتہ ویکون لہ فیھا اجر قال ارأیتم لو وضعھا فی حرام أیکون علیہ وزر قالوا نعم قال فکذلک اذا وضعھا فی الحلال یکون لہ اجر۔ **ترجمہ** تم میں سے کسیکا اپنی عورت سے وطی کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ اگرچہ ہم میں سے کسیکو شہوت غالب ہو اور وہ وطی کرے تو بھی اوسکو ثواب ہوگا۔ فرمایا اگر کوئی شخص شہوت کو حرام جگہ میں صرف کرے تو اوسکو گناہ ہوگا یا نہیں۔ صحابہ نے کہا بے شک گناہ ہوگا۔ فرمایا اسی طرح جب شہوت کو حلال میں صرف کرے تو اوسکا ثواب ہوگا۔

وھذا من قیاس العکس الجلی البین وھو اثبات نقیض حکم الاصل فی الفرع لثبوت ضد علتہ فیہ۔ **ترجمہ** یہ ظاہر و باہر عکسی قیاس کی قبیل سے اور فرع میں اصلی حکم کا نقیض ثابت کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ اس میں اوسکی علت کی ضد ثابت ہے۔

حضرت ابن قیم لکھتے ہیں ان الصحابۃ قدموا الصدیق فی الخلافۃ وقالوا رضیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا فقاسوا الامامۃ الکبریٰ علے امامۃ الصلوٰۃ۔ **ترجمہ** صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق رض کو خلافت میں پیش کیا اور کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رض کو ہمارے دین کے لئے پسند کیا تو کیا ہم اوسکو اپنے دین کے لئے پسند نہ کریں۔ پس اونھوں نے نماز کی امامت پر جواز امامت کبریٰ کا قیاس کیا۔

عن عکرمۃ ان عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاور الناس فی حد الخمر وقال ان الناس قد شربوھا واجترؤا علیھا فقال لہ علی کرم اللہ وجھہ

ان السکران اذا سکر ھذی واذا ھذی افتری فاجعلہ حد الفریۃ فجعلہ عمر حد الفریۃ ثمانین۔ **ترجمہ** عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے شراب کے متعلق مشورہ کیا اور کہا کہ لوگ شراب پینے میں دلیر ہو گئے ہیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ شرابی جب مخمور ہوتا ہے تو بکواس کرتا ہے۔ اور بکواس میں افترا بھی کرتا ہے۔ لہذا شرابی کی حد کو افترا کرنے والے کی حد کے برابر ٹھہراؤ پس حضرت عمر رض نے شرابی کی حد اسی درے ٹھہرائی۔

شریعت میں اور ایسا ہی صدہا نظائر ملتے ہیں۔ جنکا استنباط قیاس کے ساتھ ہوا۔ مثلاً غسل احتلام کا وجوب لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ سے اور حدیث اطلقر یعنے وضو کے ٹوٹنے کا قیاس آیت اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ سے۔ اور حضر میں رہن کے جواز کا قیاس سفر کے رہن سے ہوا ہے۔

قال المزنی الفقہاء من عصر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی یومنا وھلم جرا استعملوا المقائیس فی الفقہ فی جمیع الاحکام فی امر دینھم۔ قال واجمعوا بان نظیر الحق حق ونظیر الباطل باطل فلا یجوز لاحد انکار القیاس لانہ التشبیہ بالامور والتمثیل علیہا۔ **ترجمہ** مزنی کہتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک فقہائے اسلام نے سارے احکام فقہ کے اندر اپنے امور دینیہ میں قیاسات کو استعمال کیا ہے اور کہتا ہے کہ عقلاء و فضلائے امت کا اسبات پر اجماع ہو چکا ہے کہ سچ کی نظیر سچی اور باطل کی نظیر باطل ہے پس کسی کو جائز نہیں ہے کہ قیاس کا انکار کرے کیونکہ قیاس سے امور مطلوبہ میں تشبیہ و تمثیل بکار ہوتی ہے اور فطرت انسانی کا بھی یونہی تقاضا ہے کہ جب تک اوسکو قیاسات عقلیہ و مثالات محسوسہ پیش نہ کی جائیں وہ باریک و دقیق باتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔

کیا شریعت میں کچھ نقص باقی ہے جسکو انسانوں کے قیاسات عقلیہ سے پورا کیا جاتا ہے

آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ شاہد ہے کہ شریعت میں کوئی نقص باقی نہیں ہے سارے احکام

آچکے ہیں۔ انسان کی فطرت وجبلت یوں واقع ہوئی ہے کہ جب تک قیاسات عقلیہ و امثلہ محسوسہ اوسکو پیش نہ کی جائیں وہ باریک و دقیق باتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اسلامی احکام جو صاحب اوتیت جوامع الکلم کی زبان سے نکلے ہیں اونکے اندر تمام دقیق حقائق و نظائر اور قیامت تک مسائل و حادثات واقع ہونے والے جمع ہیں جنکو سمجھنا نعمت خداداد و عقل الہی سے ہوتا ہے۔ یعنے احکام شریعت منزلہ من اللہ ہیں خدا کی طرف سے یہ امر مودع ہے کہ جہاں جہاں شریعت اسلامیہ کے نظائر حقہ کے اجزا و قوع حوادث سے اپنا ظہور و انکشاف چاہیں اونکو قیاسات صحیحہ و عقول سلیمہ کی منور چراغوں کی تشریحات و تفصیلات سے طالبان راہ حق کی راہوں کو منور کرنا خدا نے مقدر رکھا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں آیا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ الآیۃ یعنے تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں حرام کیگئی ہیں۔ تو قیاس و عقل یہ سمجھاتے ہیں کہ ماؤں و بیٹیوں وغیرہ اقرب عورات کے حرام ہونے سے مراد اون سے نکاح کی حرمت مراد ہے اور یہ حرمت مراد نہیں ہے کہ اونکے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا یا اون سے کلام کرنا حرام ہے۔ ایسی ہی اور امثلہ بے شمار ہیں۔

اس بات کی کیونکر تصدیق ہو کہ انسانی قیاس بھی خدا کے فرمودہ کے مطابق صحیح ہوتا ہے

اگر بعض انسانی قیاسات و عقول خدا تعالیٰ کے فرمودہ کے مطابق صحیح نہ ہو سکتے تو اونکی صحت کے لئے صد ہا صلحا کی شہادتیں دنیا میں خدا تعالیٰ پیش نہ کرتا۔ چنانچہ اس امر کے بارے میں علامہ ابن قیم صحابہ کرام کے متعلق لکھتے ہیں۔ قد کان احدهم یری الرأی فینزل القرآن بموافقته کما رأی عمر فی أساری بدر ان تضرب اعناقهم فنزل القرآن بموافقته ورأی ان تحجب نساء النبی صلے اللہ علیہ وسلم فنزل القرآن بموافقته ورأی ان یتخذ من مقام ابراهیم مصلے فنزل القرآن بموافقته وقال نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما اجتمعن فی الغیرۃ علیه عسے ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجا خیرا منکن مسلمات مؤمنات فنزل القرآن بموافقته و لما توفی عبد اللہ ابن ابی قام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیصلے علیه فقام عمر فاخذ بثوبه فقال یا رسول اللہ انه منافق فصلے علیه رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ علیه ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره۔

ترجمہ جب صحابہ کرام میں سے کوئی شخص رائے پیش کرتا تھا تو قرآن کریم میں اوسی رائے کے موافق حکم نازل ہو جاتا تھا جیسا کہ اسیران بدر کے متعلق حضرت عمرؓ نے رائے ظاہر کی کہ انکو قتل کیا جاوے تو قرآن میں اوسکے موافق حکم نازل ہوا اور نبی علیہ السلام کی عورتوں کے پردہ کے متعلق رائے دی تو قرآن میں اوسکے موافق حکم نازل ہوا اور مقام ابراہیم کو جائے نماز ٹھہرانے کی رائے پیش کی تو حکم الہی اوسی کے موافق اوترا۔ اور نبی علیہ السلام کی عورتوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غیرت سے اجتماع کیا تو حضرت عمر نے اون کو کہا کہ خدا تعالیٰ تمکو شاید طلاق دلوا کر تمہارے بدلہ میں اوسکو بہتر اور مسلمان مومن عورتیں پیدا کر دے گا تو حکم الہی اوسی کے موافق نازل ہوا جب عبد اللہ بن ابی مرگیا تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اوسکا جنازہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے حضرت عمر نے آنحضرت کو کپڑے سے پکڑ کر کہا یا رسول اللہ یہ شخص منافق تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسکا جنازہ پڑھ دیا تو خدا تعالیٰ نے آنحضرت پر اوسکے بارے میں یہ حکم نازل فرمایا کہ منافقوں میں سے کسیکا جنازہ ہرگز نہ پڑھو اور نہ اونکی قبر پر کھڑے ہو۔

بتدریج احکام آسمانی نازل ہونیکی وجوہات

سوال۔ خدا تعالیٰ نے تمام حقیقتوں کو قرآن کریم میں کیوں یک دفعہ ہی واضح نہ کر دیا کہ لوگوں میں نہ اختلافات ہوتے اور نہ اونکو قیاسات کی حاجت پڑتی۔

جواب (۱) واضح ہو کہ خدا تعالے نے انسان کو دوسرے حیوانات کی طرح اس وضع فطرت پر پیدا نہیں کیا کہ اسکا علم چند بدیہی اور محسوس باتوں میں محسوس اور محدود رہے بلکہ اسکو یہ استعداد بخشی ہے کہ وہ نظر اور فکر سے غیر متناہی علوم میں ترقیات کرتا رہے۔ اور اس غرض سے اوسکو عقل کا گوہر شب چراغ جو دوسرے حیوانات کو نہیں ملا عطا ہوا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ تمام عجائب غرائب الہی بدیہی طور پر واضح اور لائح ہوتے جن میں نظر اور فکر کی کچھ بھی حاجت نہ ہوتی تو پھر انسان جسکا کمال اوسکی قوت نظریہ کی تکمیل پر موقوف ہے کن چیزوں میں نظر اور فکر کرتا؛ اور اگر نظر اور فکر نہ کرتا تو پھر کیونکر اپنے کمال کو پہنچتا۔ سو چونکہ تمام فضیلت انسان کے استعمال قوت نظریہ سے وابستہ ہے اسلئے اوس حکیم مطلق نے اکثر دقائق اور حقائق

کو ایسے طور پر مخفی رکھا ہے کہ جب تک انسان اپنی خدا داد قوت کو بکمال اجتہاد و استعمال میں
نہ لاوے ان دقائق کا انکشاف نہیں ہوتا۔ اس سے حکیم مطلق کا یہ ارادہ ہے کہ ترقی کرنیکا
راستہ کھلا رہے اور جس سعادت کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے اوس سعادت تک وہ پہنچ
جاوے۔ غرض خدا کے جتنے کام ہیں وہ صرف موٹی صفت پر ختم نہیں ہو سکتے بلکہ جسقدر
کھودتے جاؤ اون میں زیادہ سے زیادہ باریکیاں نکلتی ہیں پس جبکہ اون تمام چیزوں کی
نسبت جو خدا کی طرف سے ہیں یہ عام قانون ثابت ہو چکا کہ وہ سب نکات دقیقہ اور اسرار
عمیقہ سے پر ہیں تو اسی قانون قدرت کی متابعت سے یہ بھی ہر ایک عاقل کو ماننا پڑا کہ خدا
کا کلام اور اوسکے علوم بھی نکات دقیقہ سے خالی نہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ خدا کے کلام میں
سب سے زیادہ لطائف ہونے چاہئیں کیونکہ وہ خدا کا کلام ہے۔ اور حکیم مطلق کے علوم کا
قدیم مخزن ہے جسکو خدا نے اسبات کا آلہ بنایا ہے کہ تمام قوانین قدرتیہ جو فی السموات
والارض پائے جاتے ہیں اونکی اصلاح کے لئے اس میں سامان موجود ہو پس اگر وہ ناقص
ہو تو اتنے بڑے کام اس سے کیونکر انصرام ہو سکیں۔ اگر وہ تمام غلطیوں سے انسانوں کو
پاک نہ کرنے تو پھر صرف بعض غلطیوں سے پاک کرنا حقیقت میں ایسا تھا کہ گویا منزل تک
پہنچانے سے پہلے راستہ میں ہی چھوڑ دیتا۔ غرض جب خدا کا قانون قدرت ہر ایک چیز میں جو اوسکی
طرف سے صادر ہوئی یہی ثابت ہوا کہ اون سب میں خداوند تعالے نے دقایق عمیقہ بھی ضرور رکھے
ہیں۔ صرف موٹی باتوں پر ختم نہیں کیا تو اس تحقیق سے جھوٹ اون لوگوں کا کھل گیا جنکا یہ دعوی
ہے کہ خدا کے کلام میں صرف چند احکام سریع الفہم چاہئیں اور لطائف و دقیقہ اوس میں نہیں
چاہئیں اور نہ ہیں۔ اور انجملہ اونھوں نے اپنے اس وہم کو مضبوط کرنے کی غرض سے ایک
دلیل بنائی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کتب الہامیہ کم علموں اور کم فہموں یا امیوں اور
بدوؤں کے لئے نازل ہوتی ہیں پس اوسکی تعلیم ایسی ہی ہونی چاہئے جو کہ بقدر عقول
اون لوگوں کے ہو۔ کیونکہ امی اور ناخواندہ آدمی نکات دقیقہ سے منتفع نہیں ہو سکتے
اور نہ اون پر مطلع ہو سکتے ہیں۔

لیکن واضح ہو کہ یہ وہم محض کوتہ اندیش آدمیوں کو ہو سکتا ہے اور اس کی پست اور نہایت
ناچیز خیال کے وجہ سفاہت اور جہالت کی بدبو آتی ہے۔ کاش کہ وہ کلام الہی کو غور سے دیکھتے
تاکہ اونہیں معلوم ہوتا کہ خدا کی مقدس اور کامل کلام پر ایسا گمان کرنا گویا چاند پر خاک ڈالنا ہے

اور اب بھی ایسے لوگ اگر اس کتاب کو ذرا آنکھ کھولکر پڑھیں اور وہ صد ہا دقایق عمیقہ اور حقائق
دقیقہ کلام الہی کو بنظر تامل و تیقظ مشاہدہ کریں تو اونکا خیال فاسد ایسا دور ہو جاویگا
جیسا کہ آفتاب کے نکلنے سے تاریکی دور ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ امر محسوس اور مشہود کے
مقابلہ پر کسی قیاس کی پیش نہیں جاتی جب متواتر تجربے سے ایک چیز کی کوئی خاصیت معلوم
ہو گئی تو پھر مجرد قیاس کو اپنی دستاویز بنا کر اس امر واقعی سے جو بپایہ ثبوت پہنچ چکا ہے انکار
کرنا اسکا نام جنون اور سودا ہے۔ اگر وہ عقل خداداد کو ذرا کام میں لاویں تو اون پر ظاہر ہو
کہ خود وہ قیاس ہی فاسد ہے اور بعینہ وہ ایسا معقولہ ہے جیسے کوئی نباتات کے خواص دقیقہ
سے انکار کرکے یہ کہے کہ اگر خدا نے بالارادہ خلق کی نفع رسانی کی غرض سے یہ کام کیا ہے کہ انسان
کی شفا کے لئے نباتات و جمادات وغیرہ میں طرح طرح کے خواص رکھے ہیں تو پھر اون خواص
کو اسقدر تہ در تہ کیوں چھپایا کہ اونکی ناواقفیت سے ایک زمانہ دراز تک لوگ بے علاج
مرتے رہے اور اب تک جمیع خواص مخفیہ پر احاطہ نہ ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ بعد تحقیق خدا کے
عام قانون کے جو کہ زمین و آسمان میں ایک ہی طرز پر پایا جاتا ہے ایسے شبہات میں مبتلا ہونا
انہی لوگوں کا کام ہے جو قوانین قدرتیہ میں ذرا غور نہیں کرتے اور قبل اسکے کہ خدا کے
صفات اور عادات کو جس طرز سے وہ آئینہ فطرت میں ظاہر ہو رہے ہیں بخوبی دریافت
کریں پہلے ہی اوسکی ذات اور اوسکی صفات کا حلیہ لکھنے کو بیٹھ جاتے ہیں۔ ورنہ اگر
انسان ذرا بھی آنکھ کھولکر ہر ایک طرف نظر ڈالے تو عادت کسی ایک یا دو چیز میں محصور نہیں اور
نہ ایسی پوشیدہ ہے جسکا سمجھنا مشکل ہو بلکہ یہ بات اجلی بدیہیات سے ہے کہ جو اہر لطیفہ
اور مصنوعات عالیہ تو ایک طرف رہے ایک ادنی مکھی بھی جو حقیر اور ذلیل اور مکروہ جانور ہے
اس قانون قدرت سے باہر نہیں تو پھر نعوذ باللہ کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ خدا کا کلام کہ جو
اسکی ذات کی طرح مقدس اور کمال رنگ سے رنگین چاہئے ایسا ادنی اور ارذل ہے کہ دقائق
مخفیہ میں ایک مکھی کے رتبے تک بھی نہیں پہنچتا اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ خدا نے ضروریات
دین سے کسی امر کا اخفا نہیں کیا اور دقائق عمیقہ وہ دقائق ہیں جو ماسوا اصل اعتقاد کے بالائی
امور ہیں اور اون نفوس کے لئے مقرر کئے گئے ہیں جن میں صلاحیت اور استعداد تحصیل
کمالات فاضلہ کی پائی جاتی ہے اور جو لوگ ہر ایک غبی اور بلید کی طرح اون مسائل پر
کفایت کرنا نہیں چاہتے وہ بذریعہ اون دقائق کے حکمت اور معرفت میں ترقی کرتے ہیں۔

اور حق الیقین کے اُس بلند مینار تک پہنچ جاتے ہیں جو انسانی استعدادوں کے لئے اقصیٰ مراتب سے ہے۔

۲۔ اگر اسرار علمیہ سارے کے سارے بدیہات ہی ہوتے تو پھر دانا اور نادان میں فرق کیا ہوتا۔ اس طور سے تو سارے علم ہی برباد ہو جاتے اور جو عمدہ معیار استعدادوں کی شناخت کے لئے ہے اور جس ذریعہ سے انسان کی قوت نظریہ بڑھتی ہے اور استکمال نفس ہوتا ہے وہ مفقود ہو جاتا اور جب وہ ذریعہ ہی مفقود ہو جاتا تو پھر انسان کن امور میں نظر اور فکر کرتا۔

۳۔ اگر انسان نظر اور فکر کرتا تو ایک حد معلوم اور محدود پر اوسکو بھی مثل اور جانداروں کے ٹھہرنا پڑتا اور ترقیات غیر متناہی کی قابلیت نہ رکھتا پس اس صورت میں جس سعادت کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اوس سعادت سے محروم رہ جاتا سو جس خدا نے انسان کو نظر اور فکر کرنے کی قوتیں عنایت کی ہیں اور اوس کو ایک کمال حاصل کرنے کی استعداد بخشی ہے اوسکی نسبت یہ کیونکر بدگمان کیا جائے کہ وہ اپنی کتاب نازل کر کے انسان کو کسی کمال تک پہنچانا نہیں چاہتا۔

خدا نے سارے عقول کو کیوں یکساں پیدا نہیں کیا

سوال۔ اگر فہم و عقل کے مراتب کو خدا تعالیٰ یکساں پیدا کرتا تو نہ لوگوں میں اختلافات پیدا ہوتے اور نہ وہ آپس میں لڑتے اور جھگڑتے اور نہ اُن میں تکفیر بازی کی نوبت آپس میں پہنچتی۔

جواب۔ اگر خدا عقول کو برابر پیدا کرتا تو اس سے بھی وہی فساد لازم آتا جسکا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ اس سے ترقی کے دروازے مسدود ہو جاتے تفضیلت و شرافت کے مراتب ضائع ہو جاتے بزرگی و جلالت شان اور ذہانت و بلادت و غباوت کی تمیز درمیان سے اوٹھ جاتی اور امتحان الٰہی کی حکمت گم ہو جاتی۔

تعلیم و تعلم و تجارب سے عقول بڑھتے رہتے ہیں۔ پس جو لوگ بغیر حصول تعلیم کامل و تجارب صحیحہ اور بغیر حکم نص صریح کسی امر پر رائے لگائیں اونکی رائے میں غلطی کا امکان ممکن ہے کیونکر نہ ہو جبکہ بڑے بڑے علما و فضلا بلکہ انبیا و رسولوں سے بھی اجتہادی غلطی و سہو کا صادر ہونا ممکن ہے تو پھر دوسرے لوگوں کے قیاسات و رائیں کس شمار میں ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا واقعہ یاد کرو جو قرآن کے پارہ ۱۵ سے شروع ہو کر ۱۶ میں ختم ہوتا ہے۔ اوس میں تین بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اونکے اعتراضات کو

اجتہادی غلطی قرار دے کر بنص صریح و وحی الٰہی ثابت کر دیا کہ اونکے اعتراضات بے جا ہیں پس ہماشما کس شمار و قطار میں ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہی حکم الٰہی ہے کہ رب زدنی علماً کا سوال خدا تعالےٰ سے کرتے رہیں۔ اور کلام الٰہی کے مقابل پر اپنے عقول کے گھوڑوں کو قابو میں کرلیں۔

حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ قرآن کریم کی سورہ انبیا میں درج ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام سے اوس فیصلہ میں اجتہادی غلطی صادر ہوئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے صحیح فیصلہ کیا چنانچہ اُس فیصلہ کے متعلق قرآن کریم میں خدا تعالےٰ یوں ذکر فرماتا ہے وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۝ **ترجمہ** یعنے داؤد اور سلیمان جب فیصلہ کرنے لگے کھیتی کا جھگڑا جب روند گئی تھیں اوسکو رات میں ایک لوگوں کی بکریاں۔ اور اُن کا فیصلہ ہمارے روبرو ہوا۔ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور اون دونوں کو ہم نے حکم دیا اور سمجھ دی تھی۔ اور تابع کیے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ اور پرندے جو خدا کی پاکی بیان کیا کرتے تھے اور یہ ہم نے کیا تھا۔

اس کھیتی اور فیصلہ کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں انہ کان بستان عنب وھو المسمی بالکرم والنفش رعی الغنم لیلا فحکم داؤد بقیمۃ المتلف فاعتبر الغنم فوجدھا بقدر القیمۃ فدفعھا الی صاحب الحرث اما لانہ لم یکن لھم دراھم وتعذر بیعھا او رضوا بدفعھا ورضی اولئک باخذھا بدلا عن القیمۃ واما سلیمان فقضی بالضمان علی اصحاب الغنم وان یضمنوا ذلک بالمثل بان یعمروا البستان حتی یعود کما کان ولم یضع علیھم مغلہ من حین الاتلاف الی حین العود بل اعطی صاحب البستان ماشیۃ اولئک لیاخذ وامن نماءھا بقدر نماء البستان فیستوفوا من نماء غنمھم نظیر ما فاتھم من نماء حرثھم وقد اعتبر النماءین فوجدھما سواء وھذا ھو العلم الذی خصہ اللہ بہ واثنی علیہ بادراکہ۔ **ترجمہ** یعنے اُن کا ایک باغ تھا جسکو عربی زبان میں کرم کہتے ہیں اوسکو ایک قوم کے لوگوں کی بکریاں رات کو روند گئیں۔ نفش کے معنے بکریوں کا رات کے وقت چرنے کے ہیں۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام نے تلف شدہ کھیتی کی قیمت بکری والوں کو ادا کرنے کا حکم فرمایا جب بکریوں کو دیکھا تھا تو وہ اُسی قیمت کی مقدار پر تھیں جسقدر کھیتی ضائع

ہوئی تھی پس بکریاں کھیتی والوں کو دیگئیں۔ یا تو اس وجہ سے کہ بکری والوں کے پاس روپے نہ تھے اور بکریوں کو مول میں کوئی نہ لیتا تھا پس وہ بکریاں کھیتی والوں کو دینے پر رضامند اور کھیتی والے بکریوں کو کھیتی کی قیمت کے بدلے لینے پر راضی ہوگئے تھے۔

لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے بکری والوں کو باغ کی مثل کا ضامن بننے کا حکم فرمایا کہ باغ کی کھیتی کو از سرِ نو آباد کریں۔ حتی کہ وہ اوسی طرح تر و تازہ و بار آور ہوجائے جس طرح پہلے تھا اور باغ والوں کو تلف باغ کے وقت سے اوسکے درست ہونے تک بند رہنے سے کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ مالکان باغ کو بکریاں دیگئیں تاکہ بکریوں کے دودھ اور اون کے جننے والے بچوں سے فائدہ اٹھائیں اور اپنا حق بکریوں کے نمو سے اوس نظیر کے موافق جو انکی کھیتی میں ضائع ہوا پورا کرلیں۔ پس جب وہ دونوں نمو یعنی کھیتی اور بکریوں کی ترقیاں بالآخر دیکھی گئیں تو وہ آپس میں دونو برابر تھیں۔ یہ وہ علم ہے جسکے ساتھ خدا تعالے نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو مخصوص کیا اور دریافت حق پر اونکی تعریف فرمائی۔

قرآن کریم میں خدا تعالی نے حضرت موسی و خضر علیہما السلام کے قصے کے علاوہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا قصہ مسائل کی دقائق فہمی اور اونکے سہو کے متعلق علمائے امت محمدیہ کی عبرت و نصیحت کے لئے لکھا کہ ان سے وہ سمجھ جائیں کہ حضرت موسی و داؤد علیہما السلام باوجود عظیم الشان نبی ہونے کے فیصلے میں غلطی کر بیٹھے اور خدا تعالے نے خضر و سلیمان علیہما السلام کو سچے فیصلہ کا طریق سمجھایا۔

پس جبکہ اجتہادی غلطیوں کا صدور صاحب وحی انبیاء سے سرزد ہونا بھی ممکن ہے تو ہم تم کس قطار و شمار میں ہیں کہ اگر ہم سے غلطی سرزد ہو تو اوس سے رجوع نہ کریں اور اپنے لئے گوارا نہ زیست قبول کرکے پستی کے گڑھے میں گرتے جائیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیٹوں کو وہ کمالات و فضیلتیں دی جاتی ہیں جنکو باپ دادوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا ہوتا ہے چھوٹوں کو ہے خدا بڑائی دیتا۔ آسمان آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا۔

سوال۔ اگر صاحب وحی سے بھی غلطی کا ہونا ممکن ہے تو پھر اونکی عصمت اور صداقت کا کیا اعتبار رہا۔ کیا اس سے انبیاء کی ہتک نہیں لازم آتی۔

جواب۔ ہم اسرار شریعت جلد اول کے صفحہ ۱۵۵ میں اس امر کو مفصل لکھ چکے ہیں۔ دوم اس میں یہ راز ہے تاکہ لوگ اونکی پرستش نہ کرنے لگیں۔

انبیاء کی عصمت کا مضمون اسرار شریعت جلد سوم سے تعلق رکھتا ہے۔ وہاں ملاحظہ کرو انبیاء سے شرعی گناہ ہرگز نہیں ہوسکتا مگر غیر شرعی اجتہادی غلطی کا انسے سرزد ہونا ممکن ہے اور پھر بھی اوس غلطی پر اون کو مدام قائم نہیں رکھا جاتا بلکہ بذریعہ وحی اونکو اوس پر مطلع کیا جاتا ہے۔

بیان مذکور سے ہمارے ناظرین پر یہ مسئلہ واضح ہوچکا ہے کہ اختلافات عقول و فہوم کے باعث اور اک حق میں اختلافات فرعیہ کا انسانوں سے صادر ہونا ممکن ہے تو پھر ہمیں آجکل کے اپنے بعض علمائے اسلام کی حالت کو دیکھکر سخت افسوس آتا ہے کہ وہ آپس میں تھوڑے تھوڑے اختلافات کے باعث تکفیر بازی کرتے اور ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

ایک غیر مقلد جو اپنے تئیں اہل حدیث کہلاتا ہے ائمہ اربعہ کے مقلدین کا نام بدعتی اور فیج عوج رکھتا ہے اور صحابہ کرام کے طریق سے اون کو باہر سمجھتا ہے اور جماعت سلف کا اون کو مخالف خیال کرتا ہے۔ ایسا ہی ایک حنفی تمام محمدین غیر مقلدین کو بدمذہب اور سنت و جماعت کے احاطے سے باہر یقین رکھتا ہے درحقیقت اہل سنت و جماعت کہلانا آجکل کسی خاص فرقہ کا حق تسلیم نہیں کیا گیا۔ ہر ایک فریق اپنے خیال و زعم میں اہل سنت ہے اور دوسروں کو اوس سے خارج کرتا ہے مگر یہ ایسا جھگڑا نہیں جسکا خدا کچھ تدارک نہ کر سکے۔ جزئیات کے اختلافات کی وجہ سے کسی کو جھٹ پٹ کافر کہدینا اور ہمیشہ کے جہنم کا سزاوار اوسکو ٹھہرانا یہ امر درحقیقت عنداللہ کوئی سہل اور معمولی بات نہیں بلکہ بہت ہی بڑا ہے اور جائے تعجب ہے کہ ایک شخص کلمہ گو ہو اور اہل قبلہ اور موحد اور اللہ و رسول کو ماننے والا اور اون سے سچی محبت رکھنے والا اور قرآن پر ایمان لانے والا ہو۔ اور پھر کسی جزئی اختلاف کی وجہ سے اوسکو کافر ٹھہرانا بڑا ظلم ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بڑے بڑے اختلافات تھے اور اون میں سے کوئی بھی اختلاف سے بچ نہیں سکا نہ حضرت صدیق رض نہ حضرت فاروق رض نہ دوسرا کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ بلکہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود دینی اوس جلالت و شان کے جو علما میں مسلم ہے دینی امور میں تمام جماعت صحابہ سے پچاس مسئلہ میں مخالف تھے۔ اور یہ مخالفت اوس کمال تک پہنچگئی تھی کہ بعض ایسے امور کو وہ حلال جانتے تھے جنکو دوسرے صحابہ حرام قطعی بلکہ صریح فسق سمجھتے تھے از انجملہ حلت متعہ کا مسئلہ ہے۔ سارے صحابہ متعہ کو حرام اور حضرت ابن عباس حلال جانتے تھے۔ اور حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اون کے گروہ کے لوگ معراج اور رؤیت باری کے بارے میں بکلی مخالف تھے۔ مگر کوئی کسیکو کافر

نہیں کہتا تھا۔

ائمہ اربعہ اور ان کے شاگردوں کا اختلاف فقہ کے فرعی مسائل میں ظاہر و باہر ہے چنانچہ حضرت امام محمد و امام ابو یوسف و امام زفر کے اختلافات اپنے اوستاد و مرشد حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو جزوی مسائل فقہ میں واقع ہوئے ہیں وہ کتب فقہ میں درج ہیں مگر کسی نے اختلافات جزوی کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق نہیں کی۔ بلکہ باوجود آپسمیں اسقدر اختلافات کے وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا کھاتے اور ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے وجہ اسکی یہ تھی کہ اون میں نفسانیت و انانیت نہیں تھی اون کے اختلافات محض دریافت و ادراک حق کے لئے للہ تھے آج اس زمانہ میں علماء کا نفسانی عناد و فساد و انانیت کا طوفان ایسے زور شور پر ہے کہ ایک مسلمان کو ایک جزوی اختلاف کی وجہ سے کافر کہدینا اور اوسکو ہمیشہ کے لئے جہنمی قرار دینا انھوں نے ایک ایسی سہل بات سمجھ لی ہے کہ جیسے کوئی پانی کا گھونٹ پی لے گویا کسی کو دوزخ یا بہشت میں پہنچانا آجکل کے اکثر علماء کے اختیار میں ہے۔ دوزخ اور بہشت کی کنجیاں انہی کے ہاتھوں میں ہیں۔ افسوس کہ ایسے لوگ خدا و رسول کو کیا منہ دکھائیں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ و ذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ ترجمہ یعنے جو پانچوں نمازیں ہمارے قبلہ بیت الحرام کی طرف منھ کرکے پڑھے اور ہماری ذبیحہ کھاوے پس وہ مسلمان ہے خدا اور اوسکا رسول اوس شخص کے ضامن ہیں پس تم اوس شخص کو کافر کہکر خدا تعالی کی ضمانت میں رخنہ اندازی نہ کرو۔ کسی قوم کا اپنے افراد کے ادنی ادنی اختلافات کے باعث آپسمیں لڑنا جھگڑنا و تکفیر و تفسیق بازی کرنا اوس قوم کے ضعف کا باعث ہے سو اے علمائے اسلام تم ایسا کام نہ کرو۔

کیا خدا تعالی اور اوسکے دین کو مثالوں میں بیان کرنا جائز ہے؟

سوال۔ خدا تعالی فرماتا ہے لَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ۔ ترجمہ یعنے خدا تعالی کے لئے مثالیں نہ بیان کرو حضرت علامہ ابن قیم لکھتے ہیں قد نہی اللہ تعالی عن ضرب الامثال لہ فکما لا تضرب لہ الامثال لا تضرب لدینہ۔ ترجمہ یعنے خدا تعالی نے اپنے لئے مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا ہے پس جیسا کہ خدا کے لئے مثالیں بیان کرنا ممنوع ہے ایسا ہی اوسکے دین کے لئے مثالیں بیان کرنا منع ہے۔

جواب۔ خدا تعالی نے اپنے لئے جن امثلہ کا بیان کرنا منع کیا ہے وہ امثلہ تشبیہی ہیں کیونکہ خدا کو کسی چیز کے ساتھ مشابہت و مماثلت نہیں ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ ترجمہ یعنے خدا کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سنتا و جانتا ہے۔ لہذا خدا کے لئے جو صفات قرآن کریم میں علیم۔ سمیع۔ بصیر۔ ملک۔ مالک۔ ید۔ وجہ وغیرہ آئی ہیں وہ سب تنزیہی ہیں اور انسانوں کی صفات کی طرح نہیں ہیں۔ بلکہ اودہر اودہر کوئی مماثلت و مشابہت نہیں ہے۔ اسلئے ایسے امثلہ کا خدا کے بالمقابل لانا منع کیا گیا ہے۔ اور دینی احکام کو مثالوں میں بیان کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے بلکہ دینی احکام کی امثلہ قرآن و احادیث میں بکثرت موجود ہیں چنانچہ جسکے ذمہ حج ہو اوسکی مثال مقروض آدمی کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

چونکہ دینی احکام انسانوں کے لئے اترے ہیں اسلئے ضرور تھا کہ احکام الہی میں ایسی مشابہتیں موجود ہوں جنسے انسانی عقول متنبہ ہوکر عبرت پذیر ہوسکیں اور اونکی حقیقت سے واقف ہوں۔

خدا شناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو انسان نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے۔ یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالی میں اختیار کیا۔ چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا سنتا ہے جانتا۔ بولتا۔ کلام کرتا ہے اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لئے فرمایا۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ۔ یعنے خدا تعالی کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے۔

ان مسائل کی مفصل تشریح اسرار شریعت جلد سوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

تمت

کتاب اسرار شریعت کے متعلق علمائے اسلام کی رائیں

میں اون واجب التعظیم والتکریم ایڈیٹران اسلامی اخبارات وعلمائے اسلام کا تہ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے کتاب اسرار شریعت پر اپنی قابل قدر وعمدہ راؤں کا اظہار کرکے میری ناچیز سعی کی قدر دانی فرمائی جزاہم اللہ عنی وعن سائر المسلمین۔ بوجہ طوالت مصارف کتابت وطبع سب کو چھوڑ کر صرف ایک ہی جلیل القدر عالم حضرت مولوی پیر احمد علی شاہ ساکن مردان کی نہایت مختصر سی رائے و دیگر دو صاحبان کے قطعہ تاریخ کے اندراج پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تقریظ حضرت مولوی پیر احمد علی شاہ صاحب ساکن مردان

کتاب اسرار شریعت جلد اول نزد کمترین رسیدہ۔ حقا این کتابے است کہ در وصف آں این فقرہ از بحر مضمونش مے تراود؛ کتاب لبیت الفقہ مصباح ؛ وللخزائن مکنونات الدین مفتاح علی الناس ان یاخذ وہ ولو بثمن غال؛ (احمد علی شاہ از مردان)

ترجمہ۔ یہ کتاب اسرار شریعت جلد اول کمترین کے پاس پہنچی۔ خدا کی قسم یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اوسکی صفت میں یہ فقرہ اُسکے بحر مضمون سے ٹپکتا ہے کہ یہ کتاب علم دین کے گھر کا چراغ ہے اور دین اسلام کے پوشیدہ خزانوں کی کنجی ہے۔ لوگوں پر لازم ہے کہ اس کتاب کو خرید لیں۔ خواہ گراں ہی ملے۔

قطعہ تاریخ طبع کتاب اسرار شریعت جلد اول از حضرت مولوی محمد حسین صاحب احمد آبادی

لکھی ہے یہ کتاب محمد فضل نے ٹھیک — اسرار حکم شرع کا خوب اسمیں حال ہے
مینے جو اسکے چھپنے کا سوچا تو یہ حسین — اسرار شرع گوہر نایاب سال ہے
۱۳۲۷ھ

ایضاً از منشی خادم حسین صاحب کلرک دفتر سفیر کابل دام اقبالہٗ

تحریر خوش کتاب محمد فضل نمود — اسرار شرع درج درو شد بصد کمال
از بہر سال طبع چو خادم نمودہ فکر — اسرار فقہ نیک شگرف آمد است سال
۱۳۲۷ھ

مختصر فہرست مضامین کتاب اسرار شریعت جلد سوم جو زیر طبع ہے

نھٹا ٹیمو ملک برہما۔ میمیو ملک برہما۔ آصف نگر ملک گجرات۔ کیمپ عدن۔ ریاست جنجیرا حاطہ بمبئی
ماہل پور ضلع ہوشیارپور۔ ترونڈ ضلع کرشنا سنتھ۔ نندی گاوں۔ جونکالیا ضلع گجرات۔ پاھڑیانوالی
ضلع گجرات۔ کیماڑی کراچی۔ تھانزی ملک برہما۔ دودہ والہ ضلع میانوالی۔ تھانہ اون ضلع گیا۔
ریاست جوناگڈھ۔ جالنٹھہ ضلع مظفرنگر۔ یونجی علاقہ گلگت۔ خیرپور دھرکی کھر۔ سرائے بوہرہ۔ برج حکیمان
یادگیری ضلع گلبرگہ۔ مچھلی شہر۔ سیتاپور۔ اٹاوہ۔ جنگری۔ کیمپ باڑیاں کوہ مری۔ ڈیرہ دون۔ کوٹ ملک مراغ خان
جالہ ضلع شاہ پور۔ شہر بھیرہ۔ کوہ جکروتہ۔ وانو وزیرستان۔ بنوں۔ کانپور۔ کولمبو۔ کرکی پشین ملک بلوچستان
منی پور ملک آسام۔ کھارگھوڑا۔ مونگیر شہر۔ چھاونی کراچی۔ بڑودہ۔ بھاگلپور۔ برہمن بڑیہ ضلع ٹپرہ۔ گھوڑاڈاکہ۔
بنارس۔ پرپیل احاطہ بمبئی۔ اوکرنہ ہیراسپور۔ دوڑی ضلع پٹنہ۔ کاکوری۔ سہاور ضلع ایٹہ۔ کوئٹہ۔ کٹک۔
جرار ضلع الہ آباد۔ کیرنگ ضلع پوری۔ شادی مرگ کشمیر۔ نارہٹ ضلع جہانسی۔ کرور ضلع میانوالی۔ کیموہ
ریاست کشمیری۔ ڈبروگڈھ ملک آسام۔ یانڈوں ملک برہما۔ بلب گڈھ۔ جامنگر۔ سونگھرہ ضلع کٹک۔ مئو ضلع فرخ آباد
بنڈالہ۔ تھاٹون ملک برہما۔ قطبدیہ ملک بنگال۔ رنگون شہر ملک برہما۔ بگوسرائے۔ روڑکی۔ کوٹ حکیم
ملتان۔ ریاست پٹیالہ۔ پامار ضلع مسلی پاٹم۔ بڑودہ کیمپ صوبہ برار۔ دیول گھاٹ برار۔ گوجرہ اسٹیشن
لوہر پور ضلع سورت۔ یلم چلی پٹین کسی۔ سرگودہا۔ تالیگنج کلکتہ۔ قلعہ سیف اللہ بلوچستان۔ شرن ملک
بلوچستان۔ بہارنگ پور سنٹرل انڈیا۔ بڑھول لغان۔ دہرم سالہ۔ کھوکر بالا۔ گوتھائی۔ قنوج۔ چھاونی کلاٹنہ۔
مہدی پور ضلع جالندھر۔ آنولے۔ سیڈو۔ منڈاور۔ سملہ۔ بھنگوان۔ باندا۔ سندیلہ۔ دیوبند۔ شکرگڈھ۔ ٹانک
ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ چکلی۔ شہر بروچ احاطہ بمبئی۔ کھاریاں ضلع گجرات۔ پونچھ ریاست۔ لودہراں
ضلع ملتان۔ بیستون۔ مین پوری۔ کوٹ سماعل۔ برہانپور ضلع نماڑ۔ وانمباڑی۔ مدراس۔ شہر ضلع سہارنپور
بکیا۔ خانپور ملکی۔ اورنگ آباد ضلع گیا۔ رکوٹ ضلع اکولہ۔ چوکی جمیبہ۔ کرشل اسٹریٹ بنگلور۔ ہلیال ضلع
کاروار۔ اشرفپور ضلع پٹنہ۔ محمد آباد پور ضلع اعظم گڈھ۔ لڈن ضلع ملتان۔ پاگاہ۔ چھتاری۔ شہر ستارہ
کیمپ پونہ۔ بھاموں ملک برما۔ منٹگری۔ ہبلی ضلع دہاروار۔ چھاونی شیلانگ۔ شہر دہاروار۔ مظفر گڈھ۔
گوندے گاؤں۔ مخدوم رشید ضلع ملتان۔ لال کرتی بازار بریلی۔ بھوالی پور۔ جگراؤں۔ سیکر ضلع بلڈانہ تعلقہ
ریاست نابھہ۔ مولمین۔ کوچین۔ راجندراہٹ۔ بھیدر گنج۔ آسیون صوبہ برار۔ نارہ ضلع ایبٹ آباد۔
اتھرڈی سظفرنگر۔ شیرپور ضلع پٹنہ۔ مہرانہ سندھوال۔ شہر سورت۔ سکندرآباد۔ دین ہاٹا ضلع کوچ بہار
ہسورشہر۔ بیڈولی ضلع مظفرنگر۔ کرم پور ضلع ملتان۔ تھرڈی محبت۔ لاڑکانہ سندھ۔ جالپور ضلع مونگیر
سلام نگر ضلع بدایوں۔ بیلگام احاطہ بمبئی۔ ڈہوک میکی تحصیل فتحجنگ۔ قالم ملک برما۔ جلکلی گوڈہ۔ بکراول

جولاڈ والو ضلع کڈور۔
مدراس شہر
ریاست کانکر
قصور ضلع لاہور
کٹک۔
نرسنگ پور
لسوا ضلع بلندشہر
بلہ ضلع پٹنہ
سملہ۔
تنبوں
سگاریٹی کالریس دکن
الہ آباد چھاونی
بستی حیدر رفان صوی ریاست بھاولپور
کھرتہ سیداں ضلع سیالکوٹ
کرادر ضلع ہوشیارپور
کاندواگلی رنگون برہما
بالاکوٹ ضلع ہزارہ
لون میانی ضلع شاہ پور
بسو ضلع میرٹھ
بلہرہ ضلع بارابنکی
فورٹ سنڈیمن

ملآر احاطہ مدراس۔
اوان ریاست کپورتھلہ
نگینہ ضلع بجنور
اسٹیشن نواب شاہ
سمدن ضلع فرخ آباد
ساڈھورہ ضلع انبالہ
جوہیکی ضلع جالندہر
پنج گواہان ضلع اکولہ
توچی ویلی میران شاہ
مانا ضلع اکولہ
چیندوسی ضلع مرادآباد
مینا پوری احاطہ بنگال
دتہ خیل ضلع میانوالی
گلبرگہ شریف ریاست حیدرآباد دکن
گیا صوبہ بہار
لورالائی ملک بلوچستان
کس گمہ ریاست جموں
جنجون ضلع میانوالی
گل کچھ ضلع ژوب
کہرڑ تحصیل قصور ضلع لاہور
رام پور لشہر ضلع شملہ

(اسکے علاوہ اور مقامات کے اسما بھی ہیں جو عدم گنجائش اور تنگی وقت کے باعث درج نہیں کئے گئے۔

ذکر خیر معاونین کتاب اسرار شریعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ وعلی آلہ واصحابہ مع التسلیم۔

امابعد میں اون جملہ صاحبوں کے لئے تہ دل سے دعاگو اور شکر گذار ہوں جنھوں نے کتاب اسرار شریعت کے لئے پیشگی قیمتیں دیں۔ یا بعد طبع خود کتاب منگوائی اور اپنے دیگر احباب کو بھی خریداری کتاب کے لئے توجہ دلاکر دوسری اور تیسری جلد کی اشاعت کے لئے معاون ہوئے۔ جزاہم اللہ فی الدارین خیراً۔ میرا ارادہ تھا کہ اسجگہ سارے معاونین کتاب کا نام مع اونکے ذکر خیر کے فرداً فرداً لکھوں مگر بوجہ عدم گنجائش سب کا ذکر اس جگہ ملتوی کردیا گیا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تیسری جلد میں سب اسما چھاپ دیئے جاوینگے۔

بالفعل معاونین کتاب ہیں سے صرف مندرجہ ذیل جلیل القدر و عالیشان رؤسا کے نام نامی قابل ذکر ہیں جنھوں نے بوجہ خیرخواہی اسلام وحوصلہ افزائی خاکسار مؤلف کتاب اسرار شریعت کے زیادہ تر نسخے اپنے حلقہ کے لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے طلب فرمائے اور دیگر رؤسائے نامدار کو اس کار خیر کی اعانت کا نمونہ تقلید کرنے کے لئے دکھایا۔

(۱) ہز ہائینس سرکار عالیہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرمانروائے ریاست بھوپال خلد اللہ سلطنتہا واقبالہا نے ازراہ کمال ہمدردی و خیرخواہی وامداد اسلامی و قدردانی علم و حوصلہ افزائی خاکسار مؤلف کتاب اسرار شریعت ہر سہ حصہ پچاس پچاس نسخے سالم قیمت پر خریدنے منظور فرمائے۔ جزاہا اللہ فی الدارین خیراً۔

(۲) علامہ حکیم نورالدین صاحب امام فرقہ احمدیہ نے کتاب اسرار شریعت کا اشتہار دیکھتے ہی محض ازراہ امداد اسلامی بیس نسخے خریدنے کا خط خاکسار کو لکھا۔ اور بعد طبع سالم قیمت پر بیس نسخے خرید لئے جزاہ اللہ فی الدارین خیراً۔

(۳) ہز ہائینس نواب صاحب آف جنجیرا۔ ضلع کلابہ احاطہ بمبئی نے ازراہ اعانت اسلامی دس جلدین کتاب اسرار شریعت کی خرید فرمائیں۔ جزاہ اللہ فی الدارین خیراً۔

ہمارے واجب التعظیم اہل اسلام والیانِ ریاست :

و رؤسائے نامدار توجہ سے سنیں

کتاب اسرار شریعت جلد سوم جسکی فہرست مضامین شامل کتاب ہذا ہے اور جو کہ اس سلسلہ کی آخری زبردست اور قابل قدر کتاب ہے چھپ رہی ہے۔ میں بلا مبالغہ اور سچ سچ کہتا ہوں کہ اس فن میں یہ لاثانی کتاب ہے۔ ہمارے واجب التعظیم رؤسائے نامدار جلد اول و دوم کے زیادہ تر نسخے طلب کر کے اپنے حلقہ کے لوگوں میں تقسیم کریں اور انکی قیمتیں بھجوائیں تاکہ ہمیں اس کار خیر میں امانت پہونچے اور جلد سوم جلدی شائع ہو جاوے۔

ہمارے ناظرین پر یہ امر بھی واضح رہے کہ بالابتدا خاکسار مؤلف نے کتاب اسرار شریعت کے چار حصے علیحدہ علیحدہ چھاپنے کا ارادہ کیا تھا جیسا کہ جلد اول کے صفحہ ۹ پر مذکور ہے۔ مگر اب بوجہ عجلت اشاعت کتاب جلد چہارم کو جلد سوم بنا دیا گیا ہے اور جو جلد سوم تھی وہ جلد دوم کے ساتھ ملا کر چھاپی گئی ہے اور جو جلد چہارم تھی وہ تیسری قرار دیگئی ہے جو کہ اب چھپ رہی ہے۔

ہر کتاب پر مؤلف کے دستخط یا مُہر ہوگی ورنہ مال مسروقہ سمجھو

خاکسار

مِن مقام و ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجرخان ضلع راولپنڈی

مطبوعہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ

حسب ایما مولوی محمد فضل خان باہتمام مولوی مظفر الدین صاحب مالک اسلامیہ سٹیم پریس لاہور طبع ہوئی